UNIVERSAL
LIBRARY

OU-234167

UNIVERSAL
LIBRARY

بادشاہ جب کسی شہر (کو بزور فتح کرکے اس)
میں داخل ہوا کرتے ہیں تو (ان کا دستور ہے کہ) اس کو
خراب اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں

جو نام ور تھے فقط ان کا نام باقی ہے
نہ جم جہان میں نہ جام باقی ہے

تاریخ محمدی

المعروف بہ

تاریخ فرشتہ

۱۳۳۶ھ سے ۱۰۲۰ھ تک

راجگان سلطنت بجانگر و ہم عصر سلاطین بہمنیہ، بریدہ، گلکہ، بیدر، عادل شاہیہ بیجاپور، نظام شاہیہ احمدنگر، قطب شاہیہ گولکنڈہ، عماد شاہیہ برار، گورنران پرتگال وغیرہ کے قدیم حیرت خیز کارنامے اور ذیل حسب حالات کے شرح و بسط درج ہیں

مصنفہ

خاکسار بشیر الدین احمد خلف تبحر العلماء ذاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ڈی۔ او۔ ایل

دوم تعلقہ دار سرکار عالی نظام خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

محفوظ علی مصلح سنگ دہلوی

اول ۵۰۰ بلہ

(تمام حقوق محفوظ ہیں)

قیمت بلا جلد ۸ر
مجلد ۱۰ر
بر ربیہ لکھ پتی ۵ر زائد

فہرستِ مضامینِ تاریخِ بیجانگر

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
	دیباچہ	۱	۱۶
	رہنمائے بیجانگر	۱	۱۴
پہلا	تمہید		
	بیانِ تمہیدی۔ واقعات کا ماخذ۔ چودھویں صدی میں ہندوستان کی پولیٹکل حالت۔ مسلمانوں کی فتوحات سے محفوظ رہنے کے لیئے ہندوؤں کی جدید سلطنت کا قیام۔ بیجانگر کی جغرافی حالت۔ آناگندی کی قدیم ریاست۔ سلطان محمد تغلق کا آناگندی کو فتح کرنا ۱۳۳۶ء سلطنتِ بیجانگر کا نشو و نما حسبِ بیانِ ابن بطوطہ و عبدالرزاق و فرشتہ۔ سلطان محمد تغلق کے حالات نیونز اور دیگر وقایع نگاروں کے زبانی۔		۳۷
دوسرا	سلطنتِ بیجانگر کی ابتدا ۱۳۳۶ء	۱۵	
	سلطان محمد تغلق کا کیملی اور آناگندی کو فتح کرنا ۱۳۳۶ء۔ محمد تغلق کے بھتیجے بہاءالدین کی گرفتاری اور موت۔ ملک نائب بطور گورنر آناگندی اور ملک کی بدامنی۔ ہریہر و بوراؤ آناگندی کا راجہ بنایا گیا۔ شہر بیجانگر کی بنا ۱۳۳۶ء۔ پمپی کے دیول کی بنا۔ شہر بیجانگر کی بنا کے متعلق مختلف روایات۔		
تیسرا	راجگانِ خاندانِ اول من ابتدائے ۱۳۳۶ء تا ۱۴۷۹ء	۳۸	۴۳
	مقبوضات کی توسیع۔ زمانِ سلطنتِ ہریہر اول۔ مسلمانوں کی مداخلت کی روک تھام۔ زمانۂ سلطنت بکا اول۔ کمپا اور سنگم کے حالات۔ قیامِ سلطنت بہمنیہ۔ سلطان علاءالدین کا گزنگ پر حملہ۔ سلطان علاءالدین کا انتقال اور محمد شاہ کی تخت نشینی ۱۳۵۸ء۔ محمد شاہ کی ورنگل پر پہلی لڑائی۔ ورنگل پر محمد شاہ کی دوبارہ چڑھائی اور ناگدیو کا مارا جانا۔ ورنگل پر محمد شاہ کی سہ بارہ چڑھائی۔ بیجانگر کی سب سے پہلی بڑی بھاری لڑائی ۱۳۶۶ء۔ محمد شاہ کا قتلِ عام۔ محمد شاہ کا انتقال اور مجاہد شاہ کی تخت نشینی۔ اودھوی کی لڑائی ۱۳۶۶ء۔ بکا کا بھاگ جانا۔ مجاہد شاہ کا ساحلِ ملیبار کی طرف جانا۔		

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
نواں	۱۴۹۸ء - واسکوڈیگاما یا راجلی کا بیان بیجانگر کے متعلق ۱۵۰۶ء - پرتگالیوں کے بقیہ حالات البوکرک کا گورنر ہو کر گوا میں آنا -	۱۷۵	۱۸۷
دسواں	حالاتِ کشن دیو راے من ابتداے ۱۵۰۹ء تا ۱۵۳۰ء کشن دیو راے کا طرز و روش اور شکل و شمائل - پرتگالیوں کا مشن بیجانگر میں - بیجانگر کے حالات سیاح باربوسہ کی زبانی ۱۵۱۴ء - راجہ کی لڑائیاں کنڈاپلی - راج مندری کنڈاویڈو اودیگیری ۱۵۱۳-۱۵۱۵ء - قطب شاہ گولکنڈہ کی لڑائیاں ملک تلنگانہ میں	۱۸۱	۲۰۵
گیارھواں	فتحِ رائچور و جنگ رائچور اور کشن راے کی سلطنت کا خاتمہ من ابتداے ۱۵۲۰ء تا ۱۵۳۰ء رائچور ریاست عظیم الشان لڑائی ۱۵۲۰ء - جنگ کی صحیح تاریخ - تعدادِ افواجِ جنگ رائچور - جنگ رائچور کا حال تاریخ فرشتہ سے - واقعات کا مقابلہ - انتظامِ مملکت پر جنگ رائچور کا اثر - جنگ رائچور کے بعد کے واقعات	۲۰۶	۲۳۴
بارھواں	کشن دیو راے کی زمانِ سلطنت کی عمارات و دیگر کارہاے بزرگ - تعمیر مندر - تعمیر شوالہ - آبپاشی - ایک نئے شہر ناگلاپور کا آباد کرنا - گورنر سمہوان کے بڑے بھاری بت کا بنانا - کشن دیو راے کے زمانے کے کتبات -	۲۲۵	۲۳۷
تیرھواں	سلطنت اچیوتا راے حالات اچیوتا راے - رائچور اور مدکل پر مسلمانوں کا قبضہ - اسمٰعیل عادل شاہ کا انتقال و ملوشاہ کی تخت نشینی ۱۵۳۴ء - ملوشاہ کا قتل - ابراہیم عادل شاہ اول کی تخت نشینی ۱۵۳۵ء - اسد خان کی پرتگالیوں سے لڑائیاں - ابراہیم عادل شاہ بیجانگر میں اور وہاں کے واقعات ۱۵۳۶ء - رام راج اور اس کے بھائیوں کا عروج - بھونگ ترمل کا زمانہ - اسد خاں کا ذکماوری کو ادھونی پر شکست دینا - بیجاپور میں اندرونی فسادات اسد خان کے حالات - اسد خان کی دورخی چال پرتگالیوں کی لوٹ کھسوٹ - اچیوتا راے زمانے کے مذہبی عطیات -	۲۳۸	۲۵۲
چودھواں	زوال کا آغاز - راجہ سدا سیو کی سلطنت کا زمانہ - سدا سیو گوا قید میں تھا مگر راجہ وہی کہلاتا تھا - رام راج کے حالات - عادل شاہ کا دوبارہ بیجانگر میں آنا - بیجاپور معرضِ خطر میں - اسد خان بیجاپور		

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
چودھواں	کو بچالیا۔ جمشید قلی قطب شاہ سے اسد خاں لاری کی لڑائیاں۔ پرتگالیوں کی رانی بھٹکل سے لڑائی۔ برہان نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ کی لڑائی۔ شاہزادہ عبداللہ کی بغاوت اور پرتگالیوں کی حمایت۔ ابراہیم عادل شاہ اور گورنر گوا کا صلح نامہ ۱۵۴۶ء۔ پرتگالیوں کا راجہ بیجانگر اور برہان نظام شاہ سے صلح نامہ۔ اسد خان کی وفات ۱۵۴۹ء۔ بیجانگر میں ڈیوں کی لڑائی۔ نظام شاہ بحری اور رام راج کی لڑائیاں۔ ابراہیم عادل شاہ سے ۱۵۵۱ء۔ ابراہیم عادل شاہ اور حسین نظام شاہ کی لڑائی۔ شولاپور پر عین الملک کی بغاوت اور ابراہیم عادل شاہ سے لڑائیاں۔ عین الملک اور ونکٹادری کی لڑائی۔ عین الملک اور صلابت خان کا حسین نظام شاہ کے پاس جانا اور راجا ۱۵۵۲ء۔ ابراہیم عادل شاہ کا انتقال اور علی عادل شاہ کی تخت نشینی ۱۵۵۶ء۔ علی عادل شاہ کا رام راج سے دوستی کا گھٹنا اور تعزیت کو بیجانگر جانا۔ رام راج کی چڑھائی سلاپور کے فرقہ۔ ومن کیتھولک پر۔ علی عادل شاہ اور حسین نظام شاہ کی لڑائی میں احمد نگر کی تباہی ۱۵۵۹ء ساحل ملیبار پر پرتگالیوں کے مظالم ۱۵۵۸ء۔	۲۵۳	۲۷۸
پندرھواں	بیجانگر کی بربادی ۱۵۶۵ء۔ رام راج کی مدد سے پھر احمد نگر پر لڑائی اور شہر کی تباہی۔ بیجانگر کے مقابلے کے لیے شاہانِ اسلام کا ایکا۔ نظام شاہیہ و عادل شاہیہ خاندانوں میں آپس میں شادیاں۔ تالی کوٹہ پر لشکر کشی۔ جنگ تالی کوٹہ اور مسلمانوں کی فتح کامل ۱۵۶۵ء۔ رام راج کا قتل۔ بیجانگر کا ہولناک سماں۔ راجہ کے عمائدہ داروں کی بھاگر مسلمانوں کے شہر بیجانگر کو تاراج کرنے کا افسوس ناک سین ۱۵۶۵ء۔ شہر بیجانگر کے اطراف سرنگین اور چور رستے۔ سیزر فریڈرک کے چشم دید حالات ۱۵۶۷ء۔ پرتگالیوں کی تجارت کا انحطاط اور ان کا تنزل۔ پاوریوں کی جماعت کے ہولناک مظالم اور قتلِ عام	۲۷۹	۳۰۱
سولھواں	خاندانِ سوم۔ شجرۂ خاندانِ سوم۔ سلاطینِ اسلام کا مجلی ذکر۔ علی عادل شاہ کا بنکاپور۔ کنڈہ وڈیر۔ بالم کنڈہ۔ اور دیوی کنڈہ کو فتح کرنا ۱۵۷۳ء۔ علی عادل شاہ کا قتل ۱۵۸۰ء۔ ابراہیم قطب شاہ کا انتقال اور قلی قطب شاہ کی جانشینی ۱۵۸۰ء۔ حیدرآباد (دکن) کی بنا ۱۵۸۹ء۔ قلعہ ورنگل مسلمانوں کے قبضہ میں۔ بقیہ حالات کا مختصر بیان	۳۰۲	۳۰۶

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
تیسرا	محاصرۂ شہر بیجانگر۔ مجاہد شاہ کا غنیم کے نرغے میں گھر جانا۔ مجاہد شاہ کی لڑائی ۱۳۷۵ء۔ مجاہد شاہ کا قتل اور داؤد شاہ کی تخت نشینی ۱۳۷۷ء۔ داؤد شاہ کا قتل اور محمود شاہ کی تخت نشینی ۱۳۷۸ء۔ سلطان محمود کا انتقال۔	۴۴	۸۱
چوتھا	توسیع سلطنت من ابتدائے ۱۳۷۹ء تا ۱۴۰۶ء		
	زمانِ سلطنت ہر بہر دوم۔ سلطان غیاث الدین کی تخت نشینی ۱۳۹۷ء۔ تغلچین کی سازش سے غیاث الدین کا مخبول ہونا ۱۳۹۷ء۔ سلطان شمس الدین کی تخت نشینی ۱۳۹۷ء۔ تغلچین کی بدولت سلطان شمس الدین سے فیروز خان اور احمد خاں کی اَن بَن۔ حوالیِ گلبرگہ میں فیروز خان اور احمد خاں سے ایک جنگ۔ فیروز خان کا گلبرگہ واپس آکر تغلچین کو قتل کرنا اور شمس الدین کو مخبول کر کے تخت پر بٹھانا ۱۳۹۷ء۔ زمانِ سلطنتِ بکا دوم۔ رودِ کشنا پر رائے بیجانگر اور فیروز شاہ بہمنی کی لڑائی ۸۰۱ھ م ۱۳۹۸ء۔ قاضی سراج کی کارستانی۔	۸۲	۹۴
پانچواں	دیوا یا اول من ابتدائے ۱۴۰۶ء تا ۱۴۱۹ء		
	پرتھال کا حال۔ پرتھال کے لئے دیوا رائے اول رائے بیجانگر کی چڑھائی مدگل پر۔ فیروز شاہ بہمنی اور راجۂ بیجانگر کی لڑائی بیجانگر پر ۸۰۹ھ م ۱۴۰۶ء۔ دیورائے راجہ بیجانگر کی لڑکی کی شادی فیروز شاہ بہمنی سے۔ فیروز شاہ کا راجہ کی ملاقات کی غرض سے بیجانگر جانا۔ پرتھال کا فیروز شاہ کے حضور میں بمقام گلبرگہ حاضر ہونا اور حسن خان ولی عہد سے شادی ہونا۔ دیورائے اول کا انتقال۔ راجۂ بیجانگر کا خنجر سے زخمی ہونا۔	۹۵	۱۰۷
چھٹا	دیورائے دوم من ابتدائے ۱۴۱۹ء لغایۃ ۱۴۴۴ء یا ۱۴۴۹ء		
	دیورائے دوم اور فیروز شاہ کی لڑائی ۸۲۲ھ م ۱۴۱۹ء۔ حضرت بندہ نواز گیسو دراز کا حال۔ فیروز شاہ اور احمد شاہ خانِ خانان کی لڑائی۔ دونوں بھائیوں کا میل ملاپ۔ فیروز شاہ کا انتقال اور احمد شاہ کی تخت نشینی ۸۲۹ھ م ۱۴۲۲ء۔ احمد شاہ اور رائے بیجانگر کی جنگ۔ دو تنگ بعد رائے ۱۴۲۳ء۔ احمد شاہ کا ہندوؤں کے نرغے میں گھر جانا اور بال بال		

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
چھٹا	بچنا۔ احمد شاہ بہمنی اور راجۂ ورنگل کی لڑائی ۸۲۸ھ م ۱۴۲۴ء۔ احمد شاہ بہمنی کا انتقال ۸۳۸ھ علاء الدین حسن ثانی کی تخت نشینی۔ علاء الدین کے عہد میں راجۂ بیجانگر پر پہلی چڑھائی راجۂ بیجانگر پر قاتلانہ حملہ ۱۴۳۲ء۔ راجۂ بیجانگر اور سلطان علاء الدین کی مدگل پر پیاپے تین لڑائیاں ۸۴۷ھ م ۱۴۴۳ء۔ دیورائے دوم کی زمانِ سلطنت کے حالات۔	۱۰۸	۱۲۹
ساتواں	زمانِ سلطنت دیورائے میں شہر بیجانگر کی حالت ۱۴۲۰ء سے ۱۴۴۳ء تک شہر بیجانگر کے حالات حسبِ بیان نکولو کانٹی سیاح ۱۴۲۱ء۔ شہر بیجانگر کے حالات حسبِ بیان لفٹنٹ نیو بولڈ ۱۸۴۵ء سلطنت کے مختصر حالات۔ راجہ کی رانیاں ہنود کے تہوار اگادی۔ دوالی۔ مہانومی۔ ہولی وغیرہ حسبِ بیانِ نیونز و عبدالرزاق۔	۱۳۰	۱۴۲
آٹھواں	خاندانِ اول کا خاتمہ من ابتدائے ۱۴۴۹ء تا ۱۴۹۰ء ملکارجن اور ویر پاکشا کا زمانہ۔ راجہ سیکھرا اور ویر پاکشا دوم کا زمانہ۔ دکن میں پانچ جداگانہ سلطنتوں کی بنیاد۔ سلطان علاء الدین بہمنی کا انتقال ۸۶۳ھ۔ ہمایوں شاہ ظالم کا حال۔ ہمایوں شاہ ظالم کا انتقال ۸۶۵ھ۔ محاصرۂ قلعۂ ویورکنڈہ بعہدِ ہمایوں شاہ نظام شاہ بہمنی کی تخت نشینی اور انتقال۔ محمد شاہ لشکری کا حال ۸۶۷ھ۔ گوا اور بلگاؤں کا فتح کرنا ۱۴۷۲ء۔ راج مندری۔ کنڈہ پلی اور دوسرے مقاماتِ تلنگانہ پر لڑائی۔ خواجہ محمود گاواں کا حال اور اُس کا قتل ۸۸۶ھ۔ محمد شاہ لشکری کا انتقال ۱۴۸۲ء۔ گلبرگہ کا حال ایک روسی سیاح کی زبانی۔ بیجانگر کا حال ایک روسی سیاح کی زبانی۔ محمود شاہ بہمنی کا حال۔ خاندانِ بہمنیہ کے آخری بادشاہوں کا حال اور خاندان کا خاتمہ۔	۱۴۳	۱۷۴
نواں	راجگانِ خاندانِ ثانی من ابتدائے ۱۴۹۰ء تا ۱۵۰۹ء نرسہوان کا سلطنت پر غاصبانہ قبضہ کرنا۔ پچھلے راجہ کا فرار ہونا۔ یوسف عادل شاہ اور رائے بیجانگر کی جنگ رائچور پر ۸۹۸ھ۔ یوسف عادل شاہ کی چڑھائی گوا پر ۹۱۵ھ۔ فرماں روایانِ دکن میں انقلاب۔ ہندوستان میں پرتگالیوں کی آمد		

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
نواں	۱۴۹۸ء - وسنتھا سیاح اٹلی کا بیان بیجانگر کے متعلق ۱۵۰۶ء - پرتگالیوں کے بقیہ حالات البوکرک کا گورنر ہو کر گوا میں آنا -	۱۷۵	۱۸۷
دسواں	حالاتِ کشن دیو راے من ابتداے ۱۵۰۹ء تا ۱۵۳۰ء کشن دیو راے کا طرز و روش اور شکل و شمائل - پرتگالیوں کا مشن بیجانگر میں - بیجانگر کے حالات سیاح باربوسہ کی زبانی ۱۵۱۴ء - راجہ کی لڑائیاں کنڈاپلی - راج مندری کنڈاویڈو اودیگیر پر ۱۵۱۳-۱۵۱۵ء - قطب شاہ گولکنڈہ کی لڑائیاں ملک تلنگانہ میں	۱۸۱	۲۰۵
گیارھواں	فتحِ رائچور و جنگ رائچور اور کشن راے کی سلطنت کا خاتمہ من ابتداے ۱۵۲۰ء تا ۱۵۳۰ء رائچور ریاست عظیم الشان لڑائی ۱۵۲۰ء - جنگ کی صحیح تاریخ - تعدادِ افواجِ جنگ رائچور - جنگ رائچور کا حال تاریخ فرشتہ سے - واقعات کا مقابلہ - انتظام مملکت پر جنگ رائچور کا اثر - جنگ رائچور کے بعد کے واقعات -	۲۰۶	۲۳۴
بارھواں	کشن دیو راے کی زمانِ سلطنت کی عمارات و دیگر کارہاے بزرگ - تعمیر مندر - تعمیر قنوات آبپاشی - ایک نئے شہر ناگلاپور کا آباد کرنا - گورنر سیوان کے بڑے بھاری بت کا بنانا - کشن دیو راے کے زمانے کے کتبات -	۲۳۵	۲۳۷
تیرھواں	حضرت اچیوتا راے حالات اچیوتا راے - رائچور اور مدگل پر مسلمانوں کا قبضہ - اسمٰعیل عادل شاہ کا انتقال و ملو شاہ کی تخت نشینی ۱۵۳۴ء - ملو شاہ کا قتل - ابراہیم عادل شاہ اول کی تخت نشینی ۱۵۳۵ء - اسد خان کی پرتگالیوں سے لڑائیاں - ابراہیم عادل شاہ بیجانگر میں اور وہاں کے واقعات ۱۵۳۶ء - رام راج اور اسکے بھائیوں کا عروج - بھوج ترمل کا زمانہ - اسد خان کا ذکمادری کو ادھونی پر شکست دینا - بیجاپور میں اندرونی فسادات اسد خان کے حالات - اسد خان کی دورخی چال پرتگالیوں کی لوٹ کھسوٹ - اچیوتا راے کے زمانے کے مذہبی عطیات -	۲۳۸	۲۵۲
چودھواں	زوال کا آغاز - زمانہ سدا سیو کی سلطنت کا زمانہ - سدا سیو کو قید میں تھا مگر راجہ وہی سمجھا جاتا تھا - رام راج کے حالات - عادل شاہ کا دوبارہ بیجانگر میں آنا - بیجاپور معرضِ خطر میں - اسد خان نے بیجاپور		

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
چودھواں	کو بچالیا۔ جمشید قلی قطب شاہ سے اسدخاں لاری کی لڑائیاں۔ پرتگالیوں کی رانی بھٹکل سے لڑائی۔ برہان نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ کی لڑائی۔ شاہزادہ عبداللہ کی بغاوت اور پرتگالیوں کی حمایت۔ ابراہیم عادل شاہ اور گورنر گوا کا صلح نامہ ۱۵۴۶ء۔ پرتگالیوں کا راجہ بیجانگر اور برہان نظام شاہ سے صلح نامہ۔ اسدخان کی وفات ۱۵۴۹ء۔ بیجانگر میں ڈیوں کی لڑائی۔ نظام شاہ بحری اور رام راج کی لڑائیاں۔ ابراہیم عادل شاہ سے ۱۵۵۱ء۔ ابراہیم عادل شاہ اور حسین نظام شاہ کی لڑائی شولاپور پر۔ عین الملک کی بغاوت اور ابراہیم عادل شاہ سے لڑائیاں عین الملک اور ونکٹادری کی لڑائی۔ عین الملک اور صلابت خان کا حسین نظام شاہ کے پاس جانا اور واپس جانا ۱۵۵۵ء۔ ابراہیم عادل شاہ کا انتقال اور علی عادل شاہ کی تخت نشینی ۱۵۵۷ء۔ علی عادل شاہ کا رام راج سے دوستی گانٹھنا اور تعزیت کو بیجانگر جانا۔ رام راج کی چڑھائی سلاپور کے قریب۔ ومن کمتھو لک پر۔ علی عادل شاہ اور حسین نظام شاہ کی لڑائی میں احمدنگر کی تباہی ۱۵۵۹ء۔ ساحل ملیبار پر پرتگالیوں کے مظالم ۱۵۵۸ء۔	۲۵۳	۲۷۸
پندرھواں	بیجانگر کی بربادی ۱۵۶۵ء۔ رام راج کی مدد سے چھ احمدنگر پر لڑائی اور شہر کی تباہی۔ بیجانگر کے مقابلے کے لیے شاہانِ اسلام کا ایکا۔ نظام شاہیہ اور عادل شاہیہ خاندانوں میں آمنے سامنے کی شادیاں۔ تالی کوٹہ پر لشکر کشی۔ جنگ تالی کوٹہ اور مسلمانوں کی فتح کامل ۱۵۶۵ء۔ رام راج کا قتل۔ بیجانگر کا ہولناک سماں۔ راجہ کے عائلہ داروں کی بھاگ۔ مسلمانوں کے شہر بیجانگر کو تاخت و تاراج کرنے کا افسوس ناک سین ۱۵۶۵ء۔ شہر بیجانگر کے اطراف سرنگین اور چورراستے۔ سیزر فریڈرک کے چشم دید حالات ۱۵۶۷ء۔ پرتگالیوں کی تجارت کا انحطاط اور ان کا تنزل۔ پاوریوں کی جماعت کے ہولناک مظالم اور قتلِ عام	۲۷۹	۳۰۱
سولھواں	خاندانِ سوم۔ مجرہ خاندانِ سوم۔ سلاطینِ اسلام کا مجلی ذکر۔ علی عادل شاہ کا بنکاپور، کنڈہ ویڈ۔ بالم کنڈہ۔ اور دیوی کنڈہ کو فتح کرنا ۱۵۷۳ء۔ علی عادل شاہ کا قتل ۱۵۸۰ء۔ ابراہیم قطب شاہ کا انتقال اور قلی قطب شاہ کی جانشینی ۱۵۸۰ء۔ حیدرآباد (دکن) کی بنا ۱۵۸۹ء۔ قلعہ ورنگل مسلمانوں کے قبضہ میں۔ بقیہ حالات کا مختصر بیان	۳۰۲	۳۰۶

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
سترھواں	براڈاس کے بیان کردہ حالات ۱۶۱۴ء		
	چندرگیری کے حالات ۱۶۱۴ء۔ جگارائے کی بغاوت اور راجہ کے خاندان کا قتل۔		
	اچّا نایک کی وفاداری۔ شہر سین ٹامی پر پرتگالیوں کا خود مختارانہ قبضہ۔ تاریخی واقعات		
	میں حصہ لینے والوں کا مجملی ذکر۔ معاملاتِ پلی کٹ۔ فہرست فرمان روایان۔ خاتمہ۔	۳۰۷	۳۱۵
پہلا ضمیمہ	وقائع ڈومنگو پیز	۳۱۶	۳۴۶
دوسرا ضمیمہ	وقائع فرنا ونیونز	۳۴۷	۴۱۳
	(پہلا باب) خلاصہ واقعاتِ سلطنت راجگان بسنگا جو وہاں کی عام تباہی اور بربادی کے بعد حکمران رہے		
	(دوسرا باب) راجہ کے قتل کے بعد ملک کی کایا پلٹ۔ راجہ کے کسی حامی و مددگار کا باقی نہ رہنا		
	اور بادشاہِ دہلی کا تسلط۔		
	(تیسرا باب) بادشاہِ دہلی اور اُس کی فوج کی چھیوں قیدیوں سمیت روانگی۔		
	(چوتھا باب) دیوراے کا شہر بسنگا کا آباد کرنا۔		
	(پانچوان باب) کشن راے کی سلطنت کے کارنامے		
	(چھٹا باب) راجہ اوریا سے مصالحت کے بعد راجہ بیجانگر کا ملک کاٹیور پر چڑھائی کرنا۔		
	(ساتوان باب) کشن راے کا رایچور پر چڑھائی کرنے کا عزم اور اُس کی وجہ۔		
	(آٹھوان باب) راجہ بیجانگر کے کیمپ کا حال۔		
	(نوان باب) جنگِ رایچور۔		
	(دسوان باب) مالِ غنیمت کا حال جو مسلمانوں سے ملا۔ کشن راے کا مردوں کو جلوانا اور نگیر ڈیو کے کارنامے		
	(گیارھواں باب) قلعہ والوں کا امان طلب کرنا۔		
	(بارھوان باب) شہر رایچور میں راجہ کا داخلہ اور جشن کی طیاری اور شہر کے متعلق راجہ کے انتظامات		
	(تیرھواں باب) رایچور سے لوگوں کی جلاوطنی اور راجہ کا اُن سے عمدہ سلوک۔		
	(چودھوان باب) عادل شاہ کے ایلچی کی باریابی اور پیغام رسانی۔		

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
	(پندرھواں باب) ایلچی کو راجہ کا جواب۔ راجہ بیجانگر اور عادل شاہ کی ملاقات کا ٹھیرنا۔ بیجاپور کی تباہی اور اسد خان کا بیچ بچاؤ کرنا		
	(سولھواں باب) اسد خاں کا راجہ کے پاس جانا اور صلابت خاں کا کام تمام کرانا		
	(سترھواں باب) راجہ کا اپنی سلطنت کی سرحد تک عادل شاہ کے ملنے کی غرض سے جانا۔ اُس کا نہ ملنا اور غصے میں گلبرگہ کو لوٹ ڈالنا۔		
	(اٹھارواں باب) راجہ کا اپنی زندگی میں اپنے شش سالہ لڑکے کو تخت نشین کرنا۔		
	(اُنیسواں باب) عادل شاہ کا رایچور آنا اور راجہ بیجانگر کے آنے کی خبر پاکر واپس جانا۔ کشن رائے کا ناگلاپور کا آباد کرنا اور ایک بڑے تالاب کی تعمیر۔		
	(بیسواں باب) کشن رائے کا انتقال اور اچیتا رائے کی جانشینی۔		
	(اکیسواں باب) راجہ کے بیوتات کا حال۔		
	(بائیسواں باب) راجہ کے حضور میں دربار داری کے قواعد وغیرہ و دیگر حالات۔		
	(تیئیسواں باب) برہمنوں کے رسوم میت۔ کریا کرم۔		
تیسرا ضمیمہ	ہندوستان کے مشہور ہیرے۔	۴۱۴	۴۱۶
چوتھا ضمیمہ	چودھویں صدی میں دکن کا تمول۔	۴۱۷	۴۱۸
	قطعاتِ تاریخ	۴۱۹	۴۲۰
پانچواں ضمیمہ	شجرہ خاندانِ اول بیجانگر	۴۲۱	
چھٹا ضمیمہ	〃 〃 دوم 〃	۴۲۲	
ساتواں ضمیمہ	〃 〃 سوم 〃	۴۲۳	
آٹھواں ضمیمہ	فہرستِ مدتِ سلطنتِ راجگانِ بیجانگر۔	۴۲۶	۴۲۷
نواں ضمیمہ	شجرۂ خاندانِ بہمنیہ حسبِ برہان مآثر۔	۴۲۸	
دسواں ضمیمہ	〃 〃 حسبِ تاریخ فرشتہ۔	۴۲۹	

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
گیارھواں ضمیمہ	فہرستِ مدتِ سلطنت سلاطینِ خاندانِ بہمنیہ گلبرگہ دکن حسبِ تاریخِ فرشتہ۔		۴۳۰
بارھواں ضمیمہ	شجرۂ خاندان عادل شاہی بیجاپور۔		۴۳۱
تیرھواں ضمیمہ	شجرۂ خاندانِ نظام شاہی احمد نگر۔		۴۳۲
چودھواں ضمیمہ	شجرۂ خاندانِ قطب شاہی گولکنڈہ۔		۴۳۳
	نقشہ جات		
	نقشۂ بیجانگر مع مضافات	محاذی صفحہ	(۱) بیجانگر
	نقشہ جنوبی ہند (بہ سرحدِ مقبوضات)	″	۵
	نقشہ حصۂ درمیانی شہرِ بیجانگر	″	۱۳۰
	عمارات کے نقشے		
	کونسل ہال بیجانگر	″	۱۸۱
	شبیہ کشن دیورائے راجہ بیجانگر۔	″	۱۸۸
	ہمپی کا مندر تعمیر کردۂ کشن دیورائے۔	″	۱۹۱
	محل کنڈاپلی کا کھنڈر	″	۱۹۹
	قلعۂ رائچور	″	۲۰۶
	وٹھل سوامی کے مندر کا اندرونی حصہ جس کی تعمیر کشن دیورائے کے عہد میں شروع ہوئی تھی۔	″	۲۲۶
	پتھر کا رتھ جو وٹھل سوامی کے مندر میں رکھا ہوا ہے	″	۲۵۲
	محلِ راجگانِ چندرگیری۔	″	۳۱۰
	بازارِ بیجانگر کا باقی ماندہ حصہ	″	۳۲۶
	وٹھل سوامی کے مندر کا ایک سقف حصہ۔	″	۳۲۹
	بیجانگر کے محل میں مہانومی ڈبہ یعنی "فتح منزل" کا باقی ماندہ حصہ	″	۳۳۲
	اصطبلِ فیلانِ بیجانگر۔	″	۳۴۰
	بیجانگر کے قلعے کا ایک پھاٹک۔	″	۳۹۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

بنامِ جہاں دار جاں آفریں
حکیمِ سخن بر زباں آفریں

پیشِ وجود ہمہ آیندگاں — بیشِ بقائے ہمہ پایندگاں
قافلہ سالارِ جہانِ قدم — مرسلہ پیوند گلوئے قلم
داغ نہ ناصیہ دارانِ پاک — تاجِ دہِ تختِ نشینانِ خاک

سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ

ہندو ہو یا مسلمان مُلّا ہو یا رہبان - غریب ہو یا امیر بادشاہ ہو یا فقیر - رند مشرب ہو یا پابند مذہب - سعیدِ ازلی ہو یا شقیِ ابدی - سب کے دلوں میں ایک لَو لگی ہوئی ہے - جس کو دیکھو اُوپر کے سانس بھرتا ہے - نماز پڑھو جاگیان دھیان سب کچھ اُسی کا نام لے کر کرتا ہے -

---

سلہ اُن کی شناخت یہ ہے کہ سجدے کے گھٹے اُن کی پیشانیوں پر ہیں ۱۲ -

اللہ سے لَو لگی ہوئی ہو سیری
اوپر کے دم اِس واسطے بھرتا ہوں میں

مطلب سب کا ایک ہی معبود ہی۔ راستے مختلف ہیں مگر ایک ہی منزلِ مقصود ہی۔

ہمہ کس طالبِ یارند چہ ہشیار چہ مست ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

وہی پیدا کرتا ہی وہی فنا کرتا ہی۔ وہی جِلاتا ہی وہی مارتا ہی۔ وہی دُکھ دیتا ہی وہی سُکھ دیتا ہی۔ وہی[1] عزت دیتا ہی وہی ذلت دیتا ہی۔ وہی قہار و جبار ہی وہی رحیم و ستار ہی۔ وہی ماں باپ سے زیادہ مہربان ہی اور اُسی کی پکڑ قہرِ جان ہی۔ بندہ بشر کی عقل یہاں حیران ہی۔ انسان ضعیف البنیان کی عقل محدود میں کیوں کر سمائے۔ یہ نور کیوں کر دلِ تنگ میں آئے۔ حضرت انسان کی مثال گولر کے کیڑوں کی سی ہی۔ ہر پھر کر وہ اپنی سمجھ کے دائرے کے اندر محدود ہی۔ پس محدود و مقید و فانی کس طرح لامکان و مقتدر و باقی کو کما حقہ پہچان سکتا ہی۔ اِس مقام پر عقل دنگ ہی جس کو دیکھو اُس کا قافیہ تنگ ہی۔

اگر یک سرِ موے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

پھر اِس بحرِ خار و دنیائے ناپائدار کی منجھدھار سے اِس ڈگمگائی ہوئی کشتی کا بیڑا پار کرنے والا کون ہی؟ ہو ڈوبتے کا سہارا اور شبِ تار کا اُجالا ہو۔ وہ کون ہی جو بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر لائے؟ ڈگمگائے ہوئے قدموں کو صراطِ مستقیم پر جمائے۔ دیکھو سنبھلو! کہیں گھبراہٹ میں ایسوں کا ہاتھ نہ پکڑ لینا کہ خود بندۂ عاجز و ناچار ہیں وہ ہم کو کیا رہنمائی کریں گے جو خود ہی بیکار ہیں۔ بلکہ ایسے کو تھامو جو بعد از خدا بزرگ توئی کا مصداق اور واجبِ تعظیم و تکریم ہو۔ جس کی شان میں وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ[2] ہو۔ وہ اُمّی ہو کر طبقاتِ علم اُس پر روشن ہوں پس ایسی ذات با برکات سوائے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم بابی انت وامی اَور کون ہی؟ جو مدۃ العمر اُمتی اُمتی کہتا رہا اور اُمت ہی کے غم میں گھلتا رہا!۔

زباں پے بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میری نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

---

[1] وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔ اور تُو (ہی) جسے چاہے عزت دے اور تُو (ہی) جسے چاہے ذلت دے ۱۲۔

[2] اور بے شک تمہارے اخلاق بڑے (اعلےٰ درجے کے) ہیں ۱۲۔

جہاں سروراں را بہ شاہی ستود — بہ القابِ ظلِ الٰہی ستود
دو نام ست بر ہفت انگشتری — کہ آں ہست شاہی و پیغمبری
جہاں را شہنشاہِ زینت فرست — کہ بے شاہِ عالم تنِ بے سرست

حمد و نعت جیسی کچھ ادھوری ہوئی ہماری مجبوری اور کم مائگی کی دلیل ہی۔ کیا کریں کہ سرے سے پونجی ہی قلیل ہی ع جامہ ندارم دامن از کجا آرم۔ حضرت انسان کی ایک طرف تو یہ شان ہی کہ جو فرشتوں کو نصیب نہ تھی اِن کو ملی یعنی صفحۂ دُنیا پر خلیفۃ اللہ بن کر آیا اور خلعتِ اشرف المخلوقات ساتھ لایا۔

رباعی

آدم کو عجب خدا نے رُتبہ بخشا — ادنیٰ کے لیئے مقام اعلیٰ بخشا
عقل و ہنر و تمیز و جان و ایمان — اِس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

ساری دُنیا اسی کی خاطر بنائی۔ واہ کیسی قدر بڑھائی۔

جو کچھ کہ جہاں میں ہی سب انساں کے لیئے ہی
آراستہ یہ گھر اِسی مہماں کے لیئے ہی

لیکن یہ ایک رُخی تصویر ہی ذرا دُوسرا رُخ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ کھرٹانگ مٹّی سے تو بنایا گیا۔ دُنیا میں بھی اُس کی پیدائش نہایت گندی اور ناپاک۔ اعمال اُس کے شرمناک۔ گو ایک پتلہ خاک ہی مگر سچ یہ ہی کہ بڑا بے باک ہی۔

خاک کے پُتلے نے دیکھ کیا ہی مچایا ہی شور — فرش سے لے عرش تک کر رہا ہی اپنا زور
سینے میں قلزم کوے قطرے کا قطرہ رہا — بل بے سمائی تری اُف رے سمندر کے چور

نیکی اور زہد و تقوی میں فرشتوں پر سبقت لے جاتا ہی۔ لیکن جب اپنی بدی پر آتا ہی تو شیطان کو شرماتا ہی

آدمی زادہ طرفہ معجونیست — از ملائک سرشتہ و ز حیواں
گر کند میل ایں شود کم ازیں — ور رود سوئے آں شود بہ ازاں

کہتا کچھ ہی کرتا کچھ۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اَور دکھانے کے اَور۔ مُنہ پر یہ سخن ہی کہ دُنیا چند روزہ گزشتنی اور گزاشتنی ہی۔ مگر ذرا چل کر دیکھیئے تو برسوں کے سامان کر رہا ہی۔ جس سے معلوم ہوتا ہی کہ دُنیا ہی میں اسے سدا رہنا ہی اور کہیں جانا نہیں۔ پکّے پکّے محل بنوا رہا ہی۔ برسوں کے لین دین کے

معاملے پختگی اور اطمینانِ خاطر سے طے کر رہا ہے۔ کل کا بھروسا نہیں مگر سالہا سال کی فکر۔ دو منٹ آگے کی خبر نہیں مگر برسوں کی پخت و پز۔ کہتا ہے اور جانتا بھی ہے کہ زندگی چند روزہ ہے مگر غفلت وہ کرا دی ہے گویا برسوں کا بھروسا ہے۔ دشمنی کا یہ حال ہے کہ جب سے دنیا میں آیا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ کا داغ پیشانی پر لایا۔ لڑائی پر ایسا تُلا ہوا ہے کہ بے باکی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ باپ بیٹے کا اور بیٹا باپ کا دشمنِ جانی ہے اور اس مُنہ پر یہ دعویٰ ہے کہ دُنیا فانی ہے! ہم تو کہتے ہیں کہ یہ کہانی ہے تُو نے دُنیا میں رہنے کی سدا ٹھانی ہے۔

شربتِ سلطنت و جانِ جہاں شیر بہ است — کہ شہاں از پئے او خونِ برادر ریزند
خونِ آزردہ دلاں را بہ پئے ملک مریز — کہ ترا نیز ہماں جرعہ بساغر ریزند

دُنیا کا کھٹراگ ایسا بڑھا لیا ہے کہ دنیا میں شہد کی مکھی کی طرح پھنس گیا ہے۔ نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن۔ خود غرضی اور خود مطلبی کا ماٹو ہر وقت پیشِ نظر ہے۔ اپنے فدح کی خیر مناتا ہے۔ دوسرے کو کب خاطر میں لاتا ہے۔ آپ بھلے تو جگ بھلا۔ ہمدردی اور غم خواری دو ایسے لفظ ہیں جو زبان پر تو جاری ہیں مگر عملی ڈکشنری اِن سے عاری ہے۔ آئے دن کی مقدمہ بازی بازیچۂ طفلاں ہے۔ دوسرے کو برباد اور تباہ کر ڈالنا ہی باعثِ عزّ و شان ہے۔ کیا خوب سمجھ رکھا ہے کہ دوسرے کا گھر پھونک آپ تماشا دیکھنا عمدہ کام ہے۔ دوسرے کو تڑپا کر آپ چین کرنا یہی کارِ فرخی آغاز و نیک انجام ہے۔ لڑائیوں میں ندی نالے خون کے بہاتا ہے۔ طرفِ دُنیا پر مرا جاتا ہے۔ ذرا سی بات پر کسی کو مار ڈالنا اِس زمانے کی چال ہے۔ کسی کے مال و متاع کا لُوٹ لینا دولتِ لازوال ہے۔

اِس جبیر پہ تو ذوقِ بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

حضرتِ انسان ذرا سی جان اور گز بھر کی زبان ایسے مردِ میدان کہ آسمان کے تارے بھی توڑ لانا اُن کے نزدیک آسان ہے۔

لہ پوری آیت یہ ہے وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ اور ہم نے حکم دیا کہ تم (سب) اُتر جاؤ۔ تم ایک کے دشمن ایک۔ اور زمین میں تمھارے لیے ایک وقت (خاص) تک ٹھکانا اور (زندگی بسر کرنے کا) سازوسامان ہے ۱۲۔ سے غرض اصلی ۱۲

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے　　واں یہ پونہچا کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ تھا

کہنے کو ضعیف البنیان اور پشتِ استخوان ہی پر کاہ کے کھینچنے کی طاقت نہیں مگر عجب اوندھی سمجھ ہی کہ اپنی گردن پر منوں کا بوجھ لاد لایا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَ

أَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝

آسماں بارِ امانت نہ توانست کشید

قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

سبحان اللہ! کیسی بھاری ذمہ داری کو آپنے کیسا ہلکا پھول سمجھ رکھا ہی۔ سمجھ دار کے نزدیک تو مرنے کی جگہ ہی اور ناسمجھ کے نزدیک اس پر بغلیں بجانا روا ہی۔

وہ ہم میں اُٹھا لائے بارِ امانت　　یہ زہرہ نہیں ہی کسی بوالہوس کا

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں عیش و آرام کے لیئے نہیں بھیجا بلکہ محنت سے روزی کمانے کے لیئے بھیجا ہی۔ سر کا پسینا جب ایڑی میں اُترتا ہی تب نوالہ پیٹ میں جاتا ہی۔ اگر عقل سے کچھ بہرہ ہی تو۔

ع۔ آں را کہ عقل بیش غمِ روزگار بیش

بیش نظر رکھو اور اگر سمجھ سے دُور اور مآل اندیشی سے نفور ہو تو ع دیوانہ باش تا غمِ تو دیگراں خورند۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بڑی کشمکش کی حالت میں رکھا ہی۔ دُنیا میں اُس کے لیئے بڑی آزمایشیں ہیں۔

لہ ہم نے ذمہ داری کو (جو انسان پر ہی) آسمانوں (پر) اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا (اور یہ بوجھ اُن پر لادنا چاہا) تو اُنھوں نے (بہ زبانِ حال) اُس کو اُٹھانے سے انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور آدمی نے (گویا ارادتاً بے تامل) اُس کو اُٹھا لیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے حق میں) بڑا ہی ظالم (تھا اور ظالم ہونے کے علاوہ) بڑا ہی نادان بھی تھا ۱۲۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ [۵۱] - اب ملاحظہ فرمایئے انسان کی مجبوری اور بے بسی ادھر تو حکم ہو کہ لَا تَتَحَرَّکُ ذَرَّۃٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ - اُدھر ارشاد ہو کہ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ [۵۲] ط -

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

پس ہماری جان کیسی دوعملی میں ہو - ہر بات کی جواب دہی ہمارے سر ہو - رتی رتی کا حساب ہم سے لیا جائے گا - ہمارے ہی ہاتھ پاؤں ہمارے خلاف گواہی دیں گے - اللہ اللہ کیا تیری قدرت کے کھیل ہیں [۵۳]

نیاؤ نہ کیں کیں ٹھکرائی بن کہنے لکھ لیں بُرائی

پیمانہ ہو کے آتا کسی بادہ کش کے کام
انساں بنا کے کیوں میری مٹی خراب کی

اچھا تو اب دُنیا میں ہماری گزر جس طرح ہوئی ذرا اُس کا حال بھی سُن لیجیے کہ دو دن کی زندگی اُس پر صدہا طرح کا اُلٹ پلٹ اور مصائب -

فکرِ معاش و عشقِ بتاں یادِ رفتگاں دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے

غرض جب تک جیئے چین نصیب نہ ہوا -

یاں فکرِ معیشت ہے وہاں غلغلۂ حشر آسودگی نفیست یہاں ہے نہ وہاں ہے

ابھی دُنیا کا دیکھا ہی کیا تھا کہ طلبی کا حکم نامہ آن پہنچا اور کیسا آیا کہ اجانک جس کی خبر تک نہیں وہ اجلاس ایسا ہے کہ یہاں پیش نہیں بدلتی نہ حیلہ حوالہ چلتا ہے نہ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کام آتا ہے اچھی طرح

---

[۵۱] ہم نے انسان کو ایسا (مخلوق) بنایا ہے (کہ ساری عمر) مصیبت میں ہے ۱۲

[۵۲] خدا کے حکم بغیر ایک ذرہ بھی نہیں ہل سکتا - ۱۲

[۵۳] تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی (ہوگی) وہ اُس (نیکی) کو (بچشم خود) دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بُرائی کی (ہوگی) وہ اُس بُرائی کو (بچشم خود) دیکھ لے گا ۱۲ -

[۵۴] انصاف تو کچھ بھی نہیں کیا صرف زورِ حکومت دکھایا ہم نے کچھ کیا بھی نہ تھا کہ بُرائی لکھ لی ۱۲ -

جانا ہی تو جانا ہی اور بُری طرح جانا ہی تو جانا ہی۔

لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

ایک منٹ اِدھر کا اُدھر ناممکن ہی۔ ایک ایک سانس گنے ہوئے ہیں۔ ایک ایک دانہ نپا تُلا ہی۔

یاں کے جانے سے جی اُلجھتا ہی کیا ہی دل کش سرائے فانی ہی

مہلت کا کام نہیں جو ہونا ہی آج ہونا ہی کل کا نام نہیں۔ یہ ایسا سفر ہی کہ بہت پُرخطر اور دُور دراز کا ہی۔ اکیلے جانا ہی اور رستہ بھی دیکھا بھالا نہیں ہی اِس سفر میں نہ کوئی حامی و مددگار ہی نہ رفیق و یار۔ نہ مال کام آتا ہی نہ دولت۔ دُنیا میں جیسے خالی ہاتھ آئے تھے ویسے ہی خالی ہاتھ چلے۔ نہ کچھ ساتھ لائے تھے نہ کچھ ساتھ لے چلے۔

آئے تھے جب تو لائے تھے کیا ساتھ واں سے ہم
حرمان و یاس لے کے چلے ہیں یہاں سے ہم

یہاں کا سامان یہیں چھوٹا اور بیک بینی و دوگوش اتنے بڑے گھٹن سفر پر چلے۔ باڈی گارڈ تو باڈی گارڈ وہاں ایک دو خدمتگار بھی میسر نہ آئے۔

صاحبِ جاہ و حشمت و اقبال دیکھو زاں جملہ ایک سکندر تھا
تھی یہ سب کائنات زیرِ نگیں ساتھ مورو ملخ سا لشکر تھا
لعل و یاقوت و ہم زر و گوہر چاہیے جس قدر میسر تھا
آخرِ کار جب جہاں سے چلا ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا

یہی وہ سفر ہی جس میں غریب و امیر بادشاہ و فقیر سب یکساں ہیں

چو آہنگ رفتن کند جانِ پاک چہ بر تختِ مُردن چہ بر روئے خاک

جانے والے ایسی گھڑی کے گئے کہ آج تک خبر نہ باشد۔ خدا جانے اُن پر کیا گزری۔ نہ وہاں خط جا سکتا ہی نہ تار آسکتا ہی۔ نہ قاصد آتا ہی نہ پیام جاتا ہی۔

حالِ عدم نہ کچھ کھلا گزرے ہی رفتگاں پہ کیا کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بھلی بُری

مرنے بعد اگر اعمال کی پرسش نہ ہوتی تو پھر مرنے کا ڈر کیا تھا۔

وَلَوْ اَنَّا اِذَا مِتْنَا تُرِكْنَا لَكَانَ الْمَوْتُ رَاحَةَ كُلِّ حَيٍّ
وَلٰكِنَّا اِذَا مِتْنَا بُعِثْنَا وَنُسْئَلُ بَعْدَهَا عَنْ كُلِّ شَيْءٍ

مگر وہاں تو بڑا سخت حساب و کتاب درپیش ہی نہ وہاں سفارش کا دخل ہی نہ یہ پوچھا جاتا ہی کہ تم کس کے کون ہو۔ جو کچھ دیکھا جاتا ہی دل اور نیت اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ دُنیا سے اگر کچھ تھا جا سکتا ہی تو اعمال ہیں۔ اپنی اپنی کرنی اور اپنی اپنی بھرنی۔ دھن دولت۔ جورو بچے کوئی کام نہیں آتے

کل جگ نہیں کرگ ہی یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہی اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

رُباعی

کیا کیا دُنیا سے صاحب مال گئے دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہونچے کے لحد تک پھر سب لوگ ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

مبارک ہیں وہ لوگ جو سفرِ آخرت کے لیے طیار ہیں۔ موت ہر وقت اُن کے پیشِ نظر ہی اور وہ ہر حال اُن لوگوں کے جو دُنیا میں غفلت کی میٹھی نیند سوتے رہے اور اُنھوں نے اِس دن کی کچھ بھی طیاری نہ کی۔

رباعی

اندیشہ باطل سحر و شام کیا عقبے کا نہ کچھ بنا سے سرانجام کیا
ناکام چلے جہاں سے افسوس انیس کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا

یہ سب کچھ سہی مگر غم کے ساتھ راحت۔ عُسر کے ساتھ یُسر۔ تنگی کے ساتھ فراخی۔ بیماری کے ساتھ تن درستی۔ نا اُمیدی کے ساتھ اُمید لگی ہوئی ہی۔ اِسی کے سہارے انسان جیتا ہی ع دیپ ہر گریہ آخر خندہ ایست۔ اِس مرحلے میں بھی روشنی کی جھلک ہی۔ شمعِ ہدایت ہماری رہنمائی کو موجود ہی۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا۔ یہ ہیں تو چھوٹے

---

[1] اگر موت کے بعد ہم سے باز پرس نہ ہوتی تو موت بڑے آرام کی چیز تھی لیکن (مشکل یہ ہی کہ) مرنے کے بعد ہم اُٹھائے جائیں گے اور پھر ہر چیز کی پرسش ہوگی ۱۲۔

[2] جزا و سزا نیت کو اعمال (کی بھلائی برائی) نیت پر موقوف ہی ۱۲۔

[3] میرے غصے پر میری رحمت سبقت لے گئی ہی۔ اللہ تعالیٰ ضرور سب گناہ بخش دے گا ۱۲۔

چھوٹے دو جملے مگر کچھ ایسے دل خوش کُن اور حوصلہ افزا ہیں کہ بندۂ گنہگار سراپا خطا کار نادم و شرمسار کے لیے تو امرت کی دھار ہیں۔

رباعی

ای خالقِ ذوالفضل و کرم رحمت کر — ای دافعِ ہر رنج و الم رحمت کر
سبقت ہی سدا غضب پہ رحمت کو تری — اپنی تجھے رحمت کی قسم رحمت کر

واہ کیا تیری شان ہی تیرے قربان۔ ہر شخص اُمید لگائے بیٹھا ہی۔ وہ نکتہ نواز ہی۔ کیا عجب ہی کہ بیڑا پار ہو جائے۔

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو — آں کس کہ گنہ نہ کرد چوں زیست بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی — پس فرق میانِ من و تو چیست بگو

اپنے بندوں پر اُس سے زیادہ کون مہربان ہی؟ اُس سے زیادہ ہماری کم زوریوں سے کون واقف ہی؟ اگر وہ مواخذے پر تُل جائے تو پھر ہمارا ٹھکانا یقیناً جہنم کے سوائے کہاں[1] ہی۔ لیکن

یہ راہ وہ ہی جس میں کئی منزلیں ہیں سخت — نا بستی کوئی ملتی ہی اور نا کوئی درخت
نا دلق ساتھ جائے گا اور نا شہانہ تخت — نا بوریا گدا کا نہ شاہوں کے ہوں گے تخت
یکساں وہاں ہی قدر سلیمان و مور کی
دشوار سب سے منزلِ اوّل ہی گور کی

ہیں پانچ منزلیں جو کڑی سُنیئے اُن کا حال — پہلے ہی تنِ دوسرے دنیا سے انتقال
پھر ہی فشارِ قبر تیسرے تن کا سوال — پھر روزِ باز پرس کہ وہ سخت ہی کمال
سو درگہِ خدا میں گرامی ہیں پنج تن
اِن پانچ منزلوں کے بھی حامی ہیں پنج تن

غرض دنیا آج تک اِسی اسلوب پر چل رہی ہی اور تا قیامت اِسی طرح چلے جائے گی۔ چھوٹا ہو یا بڑا۔ بادشاہ ہو یا گدا جس کو دیکھو اِسی دُھن چکّر میں لگا ہی۔ ما و شما کا کیا ذکر بڑے بڑے بادشاہ بھی فکر سے خالی نہیں بلکہ ع جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہی۔ سلطنتوں کا عروج و زوال ایک ادنیٰ

[1] وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ۔ اور اگر خدا بندوں کو اُن کی نافرمانیوں کی سزا میں پکڑتا تو روئے زمین پر کسی متنفس کو باقی نہ چھوڑتا ۱۲۔

کرشمۂ ایزدِ متعال ہے۔ کیسے کیسے گھرانے بَن بَن کر بگڑ گئے۔ کیسے کیسے تاج دار خاک میں مل گئے۔ جن کے لباس اطلس و حریر کے تھے وہ بھی کفن کی سفید چادر میں لپیٹے گئے۔

یاں قاقم و حریر کی کیا کیا خرید ہے　　واں جامۂ حیات کی قطع و بُرید ہے

⁂

جو قاقم و سنجاب پہنتے تھے ہمیشہ　　سوتے ہیں تہِ خاک گلے میں کفنی ہے

جن کے محلات سَر فلک تھے وہ بھی چپّہ بھر زمین میں منوں مٹّی کے تلے دبے پڑے ہیں۔ جن کو فرشِ گل پہ نیند نہیں آتی تھی آج کیسی تنگ و تاریک لحد میں پھنسے ہیں!

رباعی

اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا　　گھر چھوڑ کے زیرِ خاک سونا ہوگا

بالش سے سرِ کار نہ بستر سے غرض　　اپنا کسی تکیے میں بچھونا ہوگا

کل جن کے خزانے مالا مال تھے آج وہ ایک فاتحہ کے محتاج ہیں۔

بر سرِ خاکم گزر کردی صفا آوردۂ　　خوش بیا بنشیں کہ ما ہم جسم و جانے داشتیم

از وبالِ غبار غافل مشو ای عندلیب　　پیشتر ما ہم دریں باغ آشیانے داشتیم

کل اُن کے آگے پیچھے فوج کا باڈی گارڈ تھا۔ یا ہتھی گھوڑے پالکی نالکی سب ہی کچھ تھا۔ دھوم دھڑکا ہٹو بڑھو۔ مجرئی سلام کی دھوم دھام تھی لیکن مرے بعد دیکھا تو دُنیاوی ساری لذتیں اور نعمتیں ہیچ اور فانی تھیں۔ جتنے مرتے ہیں اُتنے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ چند ہی دن میں ماو شما تو کس گنتی میں ہیں بڑے بڑے بادشاہوں کے کارنامے فراموش ہو جاتے ہیں۔

نہ خواہد ایں چمن از سرو و لالہ خالی ماند
یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

زمانے کا انقلاب مشہور ہے۔ آج جس کے موافق ہے کل اُس کے مخالف ہے۔ کبھی گاڑی ناؤ پے اور کبھی ناؤ گاڑی پے۔ مرتے کے ساتھ کوئی مرتا نہیں۔ مرنے والا اپنی جان سے جاتا ہے۔ اوپر والے چند روز رو پیٹ کر خاصے بھلے چنگے ہو جاتے ہیں۔

دُنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے　　جلسے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

ہندوستان جنت نشان میں ہندو مسلمان سیکڑوں بادشاہانِ عظیم الشان گزر گئے۔ اُن کے کارناموں سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اگر آپ نے اپنے شوق سے کتبِ تواریخ نہ دیکھی ہوں تو پیٹ کے دھندے کے کارن تو داروے تلخ کی طرح مدرسے میں ضرور پڑھی ہوں گی۔ کم سے کم تاریخ ہندو انگلینڈ تو مستحفظاً ہوگی۔ گوش زدہ اثرے دارد۔ خیر اس کو بھی جانے دیجیے ہماری ہی زندگی میں دُنیا نے کیسی کیسی کروٹیں لی ہیں۔ دو بادشاہ تو ہمارے دیکھتے دیکھتے ہی چل بسے۔ ملکہ وکٹوریا اور ایڈورڈ ہفتم۔ بعض جیتے جی تخت سے اُتارے گئے۔ قید ہوئے جلاوطن ہوئے۔ سلطان عبدالحمید خاں اور محمد علی خاں شاہ ٹرکی و ایران کا واقعہ ابھی کل کی بات ہے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا جاے گا اُن کی یاد دل سے محو ہوتی جاے گی۔ لیکن اُن کے کارنامے اُن کے عدل و انصاف کے شہرے مدتوں زبان پر چڑھے رہیں گے۔ بادشاہوں کی ہڈیاں گل کر راکھ ہوگئیں۔ اُن کے مقابر زمانے کے ہاتھ سے ٹوٹ پھوٹ گئے لیکن اُن کے مظالم اور محاسن پہلو بہ پہلو لوگوں کے دلوں پر نقش ہیں۔

زندست نام فرخ نوشیرواں بعدل
گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند

لیکن ہم یک ایسی سلطنت کی تاریخ لکھ رہے ہیں کہ جس کا دَور دَورہ تخمیناً ڈھائی صدی تک ہزار ملک دکن میں رہا اور جس کی عظمت و جبروت کی ادنےٰ مثال یہ ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں تو اُن کے پاس لشکر تھا اور اَن گنت دولت تھی اور ابھی تین سو پینتالیس ہی برس ہوے کہ اُن کا ڈنکا بجتا تھا لیکن آج کوئی اُن کا نام بھی نہیں جانتا کہ وہ کون تھے کس کونے میں پڑے تھے۔ اُن کے دارالسلطنت کی حیثیت آج ایک چھوٹے سے چھوٹے گاؤں سے بھی بدتر ہے بلکہ یہ کہا جاے تو بے جا نہیں ہے کہ جس کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور آج سواے ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں کے کچھ باقی نہیں۔ آج یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ بیجانگر کہاں ہے اور وہاں جائیں تو کدھر سے جائیں۔ مَیں دوسروں کی کیا کہوں میں نے تو بیجانگر کا نام بھی نہ سُنا تھا۔ سالِ گزشتہ بہ تقریبِ دورہ میسر جانا آنا گُندی ہوا۔ راجہ صاحب نے مجھے تاریخ بیجانگر دی جو انھیں کے اہتمام سے انگریزی میں سوریج نارائن راؤ بی۔ اے نے لکھی ہے۔ اُس کو میں نے الٹ پلٹ کے دیکھا۔

جب آنکھیں کھلیں اور میرے دل میں شوق پیدا ہوا۔ راجہ صاحب کے ساتھ ہی دریائے تنگ بھدرا کے پار گیا۔ اب دریا وٹھل سوامی کا دیول دیکھا جو وٹھوبا کے دیول کے نام سے مشہور ہے۔ دیول کیا ہے خدا کی قدرت کا نمونہ ہے پتھر کو موم کر دیا ہے۔ بہت بڑی اور وسیع عمارت ہے جس میں گل کاری۔ نقاشی تصاویر اور بت تراشی کا کام ایسا کیا ہے کہ ہونا ممکن نہیں ہے۔ وہاں سے ہمپی کے دیول کو گئے۔ جس کو پمپاپتی اور ویرپاکش کا دیول بھی کہتے ہیں۔ اس میں ایسی صناعی تو نہیں ہے مگر اس کے قبے بہت بلند ہیں اور بہت وسیع اور لمبا چوڑا دیول ہے۔ اس کا دروازہ کئی منزلہ عالی شان ہے۔ اس پر چڑھنے سے کوسوں کا منظر نظر آتا ہے۔ نیچے کے آدمی بہت چھوٹے چھوٹے معلوم دیتے ہیں۔ اس پر چڑھ کر دلی کی قطب صاحب کی لاٹھ یاد آگئی۔ یہاں صدہا دیول ہیں جن کے دیکھنے کو کم سے کم ایک ہفتہ درکار ہے۔ رستے میں جو دیول پڑے وہ دیکھتے ہوئے ہم نرسنہواں کے بڑے بت کے پاس پہونچے۔ یہ ایک ہی پتھر کی تراشی ہوئی بڑی بھاری مورت ہے کہ شاید ہی کہیں اتنا بڑا بت ہو۔ اس کے بعد خاص بیجانگر میں پہونچے وہاں سوائے کھنڈروں اور چونے پتھر کے ڈھیروں کے چند ہی عمارتیں قابل دید تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کبھی زلزلہ آیا تھا جس نے مسمار کر دیا۔ مگر انہیں تاریخ بتا رہی ہے کہ ۱۵۶۵ء میں اس شہر کی عمارتوں کو چن چن کے مسمار کیا گیا ہے کہ نام و نشان تک باقی نہ رکھا۔ خدا جانے دو چار عمارتیں جو بچ رہی ہیں وہ کیوں کر ان کی دست بُرد سے محفوظ رہیں۔ کونسل ہال۔ اصطبل فیلاں۔ زنانہ یہ تینوں عمارتیں اچھی حالت میں ہیں اور گورنمنٹ نے ان کی مرمت کرا دی ہے۔ باقی رہے نام اللہ کا۔ راجہ کے محل کی عظیم الشان چار دیواری کھڑی ہے شاید توڑے نہ ٹوٹی ہوگی مگر اندر جھاڑو دے دی ہے۔

"زنانہ" مکان کے پاس ایک دیدبان کی عمارت سربفلک کھڑی ہے مگر ٹوٹی پھوٹی۔ ایسے چار دیدبان تھے جن میں کا ایک رہ گیا ہے باقی کا پتہ نہیں علیٰ ہذا دیوان کے۔ مکان کی دیواریں تو نذر ہیں مگر اس کا پختہ گچ کا وسیع چبوترہ موجود ہے جس سے اس کی وسعت عظمت اور شوکت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وہاں سے ہزارہ راما سوامی کا دیول دیکھ کر کملاپور پہونچے۔ مسافر بنگلے میں ٹھیرے۔ بیسیوں پہر کو پھر کچھ عمارات دیکھنے نکلے۔ جا بجا ٹوٹے پھوٹے پتھر پڑے ہیں مگر سب سڈول گھڑے گھڑائے نقش و نگار سے آراستہ۔ کس محنت سے بنائے ہوں گے۔ اور کس بے قدری سے رُل رہے

ہیں۔ خانہ باغوں میں نہروں کی علامتیں پانی پونہچانے کی نالیاں بتلا رہی ہیں کہ کبھی کیا کچھ ہوگا۔ ایک حمام بھی قابلِ دید ہے اس میں پانی آنے کی نالیاں فوارے حوض اطراف کی گیلری سب موجود ہے جب کبھی آباد ہوگا تو رشکِ ارم ہوگا راجہ اور رانیاں گیلری میں برآمد ہوتے ہوں گے حوض میں محبوبانِ سیمتن کے نہانے کا تماشا دیکھتے ہوں گے۔

آبِ رواں ہو سبزہ ہو پہلو میں یار ہو
مدت سے یہ ہوس ہے کہ ایسی بہار ہو

غرض میں کہاں تک لکھوں میری زبان اور قلم دونوں سکتے کے عالم میں ہیں۔ سوائے دو گھنٹے دن کو آرام لینے کے سات بجے صبح سے سات بجے شام تک پھرے مگر کیا خاک دیکھا۔ کچھ نہ دیکھا آرزو دل کی دل ہی میں رہی۔

ز فرقِ تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

اُسی وقت سے مجھے وہاں کے حالات دریافت کرنے کا شوق ہوا۔ راجہ صاحب خود وہاں کی زندہ تاریخ ہیں اُن کے دیوان کارپرداز سب چپہ چپہ سے واقف۔ دیسی لوگ تو ایسے بہت ہی کم ہیں جو ایسے ویرانے کو دیکھیں البتہ صاحبانِ انگریز دور دراز ملکوں سے آتے ہیں بڑی توجہ اور غور سے دیکھتے ہیں ہر مقام کا فوٹو لیے جاتے ہیں حتّٰی کہ لارڈ کرزن تشریف لائے اور دن بھر پیادہ دھوپ میں پھرتے رہے۔ ایک ایک مقام کو دیکھا۔ وٹھل سوامی کی دیول میں چائے نوشی فرمائی جس کا ایک ایک پال اب بھی زبانِ حال سے اپنے بانیوں کی اولوالعزمی کی یادگار ہے۔ کونسل ہال میں بریکفاسٹ ہوا۔ یہ لارڈ کرزن ہی کی بدولت ہے کہ ہر عمارت کو تھام لیا۔ گرتے ہوئے مکانوں میں اڑواڑیں اور ستون لگا دیئے۔ ضروری مرمّت کرادی ورنہ سوائے ڈھانے اور مسمار کرنے والوں کے اِن کا بنانے والا کون تھا۔ جو بندہ یا بندہ مسٹر سیول کلکٹر بلھاری کی کتاب "فارگاٹن امپایر" ملی۔ سچ یہ ہے کہ انگریز جو کام کریں گے ٹھوک سُوک سے درست۔ کتاب ایسی لکھی کہ باید و شاید۔ اس کتاب کا نام "بھولی بسری سلطنت" رکھا ہے اور کیا خوب رکھا ہے مگر راجہ صاحب کو یہ ناگوار ہوا اُنھوں نے اِس کے جواب میں "نورٹوبی فارگاٹن امپایر" لکھوائی۔ جس کے معنے ہیں کہ ایسی

Never to be forgotten Empire ۲ Forgotten Empire ۱

سلطنت جو کبھی بھولی نہیں جاسکتی۔ میں کہتا ہوں دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ بھولی ہوئی سلطنت اس اعتبار سے ہے کہ آج سوائے بربادی اور تباہی کے صفحۂ ہستی سے اُس کا نشان تک مٹ گیا۔ نہ بھولنے کے قابل تاریخی حالات اور وہاں کے حکمرانوں کے کارنامے ہیں۔

ای اجل گر تن بے جاں تہ خاکش سپری
نہ توانی کہ نکو نامیش از یاد بری

ان دونوں انگریزی کتابوں کا ماخذ تاریخ فرشتہ۔ برہان مآثر۔ نیونیز۔ پینر۔ بیرس۔ عبدالرزاق وغیرہ کے وقائع ہیں جنھوں نے بیجانگر میں رہ کر حالات دیکھے ہیں اور اُن کا لکھنا صحیح بھی ہے۔ ع شنیدہ کی بود مانند دیدہ۔ علاوہ اس کے جابجا کنڈوں۔ تانبے کے پتروں کے کتبوں متفرق کاغذات احکام و فرامین و اسناد نے بہت کچھ روشنی ڈالی ہے۔

يَلُوحُ الْخَطُّ فِي الْقِرْطَاسِ دَهْرًا
وَكَاتِبُهُ رَمِيمٌ فِي التُّرَابِ

میں نے ان کتابوں کو بغور پڑھا ہے اُن کو مقامی حالات سے ملایا ہے۔ خود بھی بہت کچھ پوچھ کچھ کی ہے۔ ان مقامات کو دیکھا ہے سرسری نگاہ سے نہیں بلکہ نظرِ تعمق و غور سے ایک دفعہ نہیں کئی کئی دفعہ۔ پروہتوں اور شاستریوں سے حالات دریافت کیے ہیں۔ بیجانگر کا

لہ لکھا ہوا کاغذ میں چھپا رہتا ہے مگر کھنے والا تھی میں بھسیدہ ہو جاتا ہے۔

لہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت مجھے سب سے زیادہ سیول صاحب کی کتاب سے مدد ملی اس کے بعد سوچ نارائن راؤ صاحب کی کتاب سے۔ ان دونوں صاحبوں کا میں بہت ممنون احسان ہوں۔ تاریخ فرشتہ تو ایک مستند کتاب ہے۔ میں کیا جو کوئی تاریخ لکھے گا۔ اس کی رہبر ہی ہوگی اس کے علاوہ میڈوز ٹیلر کی ہسٹری آف انڈیا۔ میڈوز ٹیلر کی سوانح عمری۔ ہنری کوزن کی گائیڈ ٹو بیجاپور مارسڈن صاحب کی تاریخ ہند۔ نواب فرامرز جنگ بہادر صوبہ دار صوبہ گلشن آباد سیدک کی گائیڈ ٹو بیدر۔ محمد سلطان صاحب کی تاریخ بیدر۔ روزنامچۂ سلطانی (میسر گلبرگہ) دو قلمی نسخے تاریخ بیجاپور کے ایک موسوم بہ ارژنگ بیجاپور۔ دوسرا بستان بیجاپور ایک قلمی تاریخ عستاں آناگندی کی میں نے دیکھی ہیں۔ راجہ صاحب آناگندی کی مہربانی کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا میرا فرض ہے کہ انھوں نے مجھے بہت کچھ مدد دی اور کیوں نہ دیتے کہ کام اُن کا تھا نام میرا۔ وہی اس اُجڑی ہوئی سلطنت کے چشم و چراغ ہیں۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ہیڈ ماسٹر نے تصنیف کی ترتیب میں منشی سید سیف الدین صاحب (بقیہ صفحہ آیندہ)

تعلق زیادہ تر گولکنڈہ۔ احمد نگر۔ بیجاپور۔ گلبرگہ۔ بیدر۔ ادھونی۔ بلگاؤں۔ رائچور۔ مدگل اور گوا سے رہا ہی۔ ہمیشہ ان سے ہی لڑائی رہی۔ ان میں بیدر۔ گلبرگہ۔ رائچور۔ مدگل پر تو میں بہ تعلق ملازمت سالہا سال رہا ہوں اور اب بھی ضلع رائچور میں ہوں جس میں سمستان آنا گندی واقع ہی اور بیجانگر وہاں سے بالکل ملا ہوا ہی صرف دریائے تنگ بھدرا درمیان میں ہی۔ باقی سب مقامات کو خود جاکر دیکھا ہی اور چوں کہ طبیعت کا میلان ہمیشہ تاریخی واقعات کے معلوم کرنے کی طرف رہا ہی کچھ کچھ نوٹ وقتاً فوقتاً قلم بند کرلیا کرتا تھا جو آج کام آئے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند
میلش اندر طبع او انداختند

مواد میرے پاس بہت کچھ تھا اور دوسرے مقامات کے متعلق اب بھی ہی لیکن کتاب لکھنے سے جی چراتا تھا کہ کام آسان نہیں بہت دن اسی پس وپیش میں رہا کبھی کچھ لکھا کبھی چھوڑ دیا۔ کبھی ہمت بندھی کبھی دل چھوٹ گیا۔ اتنی فرصت کہاں کہ اسی کا ہو رہتا۔ دن کا آرام رات کی نیند گنوا کر یہ ٹوٹی پھوٹی کتاب ناظرین کی خدمت میں پیش ہی سع گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

بہ سازم یکے بوستاں چون بہشت — کہ خلدش بہ بینی بار دی بہشت
گلستانے آرایم از خوش سخن — کہ ہرگز نہ گردد زگردش کہن

سہو و اغلاط شیوۂ انسانی ہی میں اس سے برارت کا دعویٰ کب کرتا ہوں بہت سی غلطیاں مجھ سے ہوئی ہوں گی مگر جان بوجھ کر نہیں۔ ناظرین کیا میری محنت کے مقابلے میں میری لغزشوں سے چشم پوشی نہ فرمائیں گے؟۔ گھر بیٹھے ناظرین ایک اجڑی ہوئی سلطنت کے کارنامے دیکھیں گے تو میری محنت کی داد دیں گے اور ضرور اس بات کے قائل ہوں گے کہ ابدی اور ازلی بادشاہت سوائے خداوند تعالےٰ کے کسی کی نہیں ہی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴) اور ونکٹ راؤ صاحب نے مسودہ نگاری اور صاف نویسی میں مجھے بہت بڑی مدد دی ہی جن کا میں ازبس شکر گزار ہوں یہ ان صاحبوں کی مدد اور توجہ کا سبب تھا کہ اس قدر جلد میں کتاب کی تدوین سے فارغ ہوگیا۔ ورنہ یک سر

دہزار سو ۱ + ۱۲ +

میں کہاں اور کہاں ہوائے بہشت
ناز کز زیدم بہ طلعت زشت

ہر کہ آمد بجہاں اہلِ فنا خواہد بود
واں کہ پایندہ و باقیست خدا خواہد بود

سدا سے وہی ہے اور سدا وہی رہے گا۔ اللہ بس باقی ہوس۔ آخری التجا بس یہی ہے کہ خاکسار کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ کتاب تو میری برسوں ہی رہے گی مگر میں کہاں؟ دُنیا نے جب ایسے ایسے نامی گرامی بادشاہوں کو مٹا دیا تو میں بے چارہ کس شمار قطار میں۔

نوشتہ ہا ند سیہ بر سفید
نویسندہ را نیست فردا امید

لاکھ لاکھ شکر اُس خداوندِ حقیقی کا ہے کہ اتنی بڑی کتاب ختم ہوگئی ورنہ مجھے کب اُمید تھی کہ میں اس کام کو پورا کر سکوں گا۔

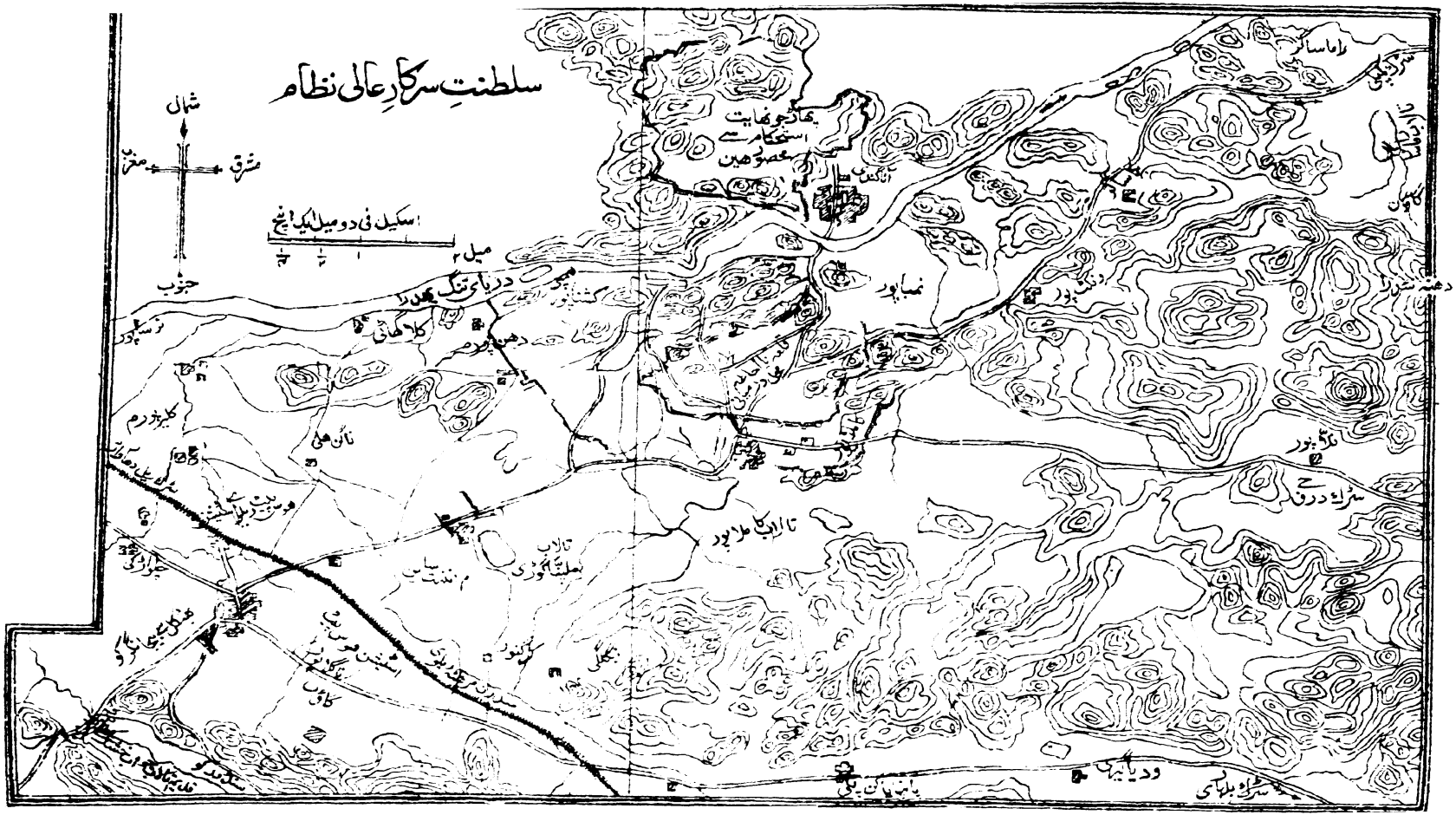
رُباعی

کیا فائدہ ذکر بیش و کم سے ہوگا — ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے — جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

مقام رایچور صوبہ گلبرگہ شریف
۲۵ ستمبر ۱۹۱۰ء

خاکسار
بشیر الدین احمد وفقہ اللہ التوفیق لما یحب ویرضیٰ




سلطنتِ سرکارِ عالی نظام
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
اسکیل فی دو میل ایک انچ
میل ۲
دریائے تاپتی
کلاکھنڈی
نمباپور
دھنہ نندورا
کلیرڈرم
نان ھلی
تالاب
تالاب کا ملاپور
بھلکی
کاؤں
سڑک درمیانی

سیر بیجانگر

گر قدم بر چشم ما خواہی نہاد　　دیدہ در رہ می نہم تا می روی

قبل اس کے کہ ہم بیجانگر کی تاریخ شروع کریں مناسب ہی کہ اُن لوگوں کے لیئے جو اِس مقام کو دیکھنا چاہتے ہیں ایک مختصر سی گیئڈ[1] لکھ دیں - جس سے معلوم ہو سکے کہ پہلے یہاں کی حالت کیا تھی اور اب کیا ہی - اب اِس اُجڑے دیار میں دیکھنے کے قابل کیا بچ رہا ہی - حالات جو مَیں نے لکھے ہیں وہ ع

ہیں اِس میں چشم دید بھی اور کچھ شُنید بھی

ہم نے اپنے سیاح کو کاملا پور کے مسافر بنگلے میں اُتارا ہی اور سارے شہر کا چکّر پھرا کر اُسے پھر وہیں پُونہچا دیا ہی - جو شخص اِس گیئڈ کو اپنے ساتھ رکھے گا ہمیں اُمید ہی کہ وہ پوری طرح یہاں کی سیر کرے گا اور اُسے کسی قسم کی دقّت پیش نہ آے گی - اس گیئڈ کے لکھنے میں مجھے راؤ بہادر سی سلیچ - گنوڈ صاحب (ہوس پیٹ) کی مختصر کتاب سے بہت مدد ملی ہی جس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں

فی زمانہ جس قصبے کا نام ہمپی مشہور ہی یہی قدیم زمانے کا مشہور شہر ویجانگر یا وِدیانگر تھا جو اپنی وسیع فتوحات اور اپنے حکمرانوں کی امارت اور تموّل کے لیئے مشہور تھا - یہ مقام دریاے تنگ بھدرا پر طھاری سے بہ فاصلہ (۳۶) میل اور ہوس پیٹ سے (۷) میل ہی - یہ دونوں مقامات سدرن مرہٹہ ریلوے کے اسٹیشن ہیں - اگرچہ ہوس پیٹ ہی سے کھنڈروں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہی لیکن کاملا پور میں مسافر بنگلہ بنایا گیا ہی جو قدیم عماراتِ منہدمہ کے بیچوں بیچ میں ہی - ہوس پیٹ سے چلتے ہی ہمپی کی سڑک پر ریلوے کی لیول کراسنگ[2] (پھاٹک) کے پاس جو ہوس پیٹ

[1] گیئڈ اُس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی شہر کے حالات بیان کیئے جائیں ۱۲ [2] ریل کی سڑک پر جو پھاٹک لگا دیتے ہیں ۱۲

کمپلی کی سڑک پر ہی انتا سا پنا گوڑی ایک بہت بڑا دیول ہی جو اب بالکل ویران ہی تاہم اس کا بڑا محراب دار قبّہ جو خاص کاری گری سے بنایا گیا ہی قابلِ دید ہی۔ اس گنبد میں ایک بہت بڑی مورت وشنو کی جو سانپ پر بیٹھا ہوا ہی رکھنے کا ارادہ تھا۔ یہ مورت اب بھی ہٹرگلی تعلقہ کے ایک موضع میں جو ہوس پیٹ سے پچاس میل کے فاصلے پر ہی پڑی ہوئی ہی اور دیول خالی پڑا ہوا ہی جو حال میں سررشتۂ تعمیرات کی زیرِ نگرانی دیا گیا ہی۔ انتا سا پنا گوڑی سے سڑک ملپنا گوڑی کو پھٹ جاتی ہی جو ہوس پیٹ سے (۳) میل ہی یہاں بھی ایک بڑا بھاری سیوا کا ویران دیول ہی دیول کے سامنے ایک پتھر پر ایک کتبہ ۱۴۷۶ء کا کندہ ہی جس میں دیو راے راجہ بیجانگر کے عطیہ کا ذکر ہی۔ شہر بیجانگر کی سات فصیلوں میں سے دو فصیلیں یہیں ملتی ہیں اور دو دروازے بھی موجود ہیں جن کے پاس سے سڑک گزرتی ہی جو قدیم رستے کا نشان بتلاتے ہیں۔ آگے بڑھ کر سڑک ایک مسطّح میدان سے گزرتی ہی۔ اِس میدان میں دو تین مخروطی شکل کے دیول متفرق مقامات پر نظر پڑتے ہیں۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک بہت بڑا تالاب ہی جس کے بند پر سے کاملاپور کی سڑک جاتی ہی یہیں ڈاک خانہ اور مسافر بنگلہ (یہ بھی قدیم دیول تھا جس کو جے۔ راج ماسٹر صاحب سابق کلکٹر بلھاری نے مسافر بنگلہ بنا دیا) ہی۔ اب یہاں سے سیدھ کو ہم اُن مقامات کی طرف لے چلتے ہیں جو اس نواح میں قابلِ دید ہیں۔ یہاں سے دو سڑکیں بطور مثلّث کی دو ساقوں کے پھوٹتی ہیں ایک تو ہمپی کے دیول کو جاتی ہی دوسری اُس گھاٹ کو جاتی ہی جہاں سے عبور کر کے آناگندی (جو اب راجگانِ بیجانگر کے پس ماندگاں کا مسکن ہی) کو جاتے ہیں۔ مثلث کا قاعدہ دریاے تنگ بھدرا ہی۔

برباد شدہ عمارتوں کا مجموعہ جو اب "محل" کہلاتا ہی موضع کاملاپور کے پاس ہی۔ یہ مقام ایک کھلا پہاڑی میدان ہی جسے قدرتی طور پر پہاڑوں کے پتھروں نے ایک بیضوی شکل کا بنا دیا ہی جس کے دیکھنے سے اِس قدرتی مقام کی دل چسپی ظاہر ہوتی ہی کہ یہ جگہ خاص کر نہ صرف اپنے حسنِ منظر کے لحاظ سے پسند کی گئی تھی بلکہ بکار آمد بھی تھی۔ اِس جگہ کے اطراف کے پہاڑ قدرتی طور پر قلعے اور محافظت کا کام دیتے تھے اور پتھروں کے بڑے بڑے گنڈ مندروں مناروں اور مکانات کے بنانے کا بڑا ذریعہ تھے۔ اِن ہی خوشنما پہاڑیوں کے بڑے بڑے

پتھروں کے گنڈوں[1] کے درمیان چٹانوں پر سے دریائے تنگ بھدرا پیچ وخم کھاتا ہوا رواں ہے
ہوس پیٹ سے آتے وقت دُور سے ہی درختوں کے جھنڈ میں جا بجا مندروں کی چوٹیوں کی
جھلک نظر آتی ہے اور ایسا معلوم دیتا ہے کہ ہم کسی آباد شہر کے قریب آپہنچے ہیں لیکن جوں جوں
نزدیک آتے جاتے ہیں سوائے ویرانی اور نیشکر کے ملوں اور شالی زار کے کھیتوں کے کچھ
نہیں پاتے۔ اگرچہ وہ بڑی بڑی نہریں جو کسی زمانے میں لاکھوں آدمیوں کی ضروریات کے لیئے
بکار آمد تھیں اب بھی موجود ہیں لیکن اب ان کا مصرف صرف کھیتوں کو پانی پونہچانے کے سوا
اور کچھ نہیں ہے۔ اس میدان میں گشت لگانے والے کو جا بجا قدیم مکانات اور بازاروں کے
نشانات ملیں گے۔ میلوں تک جہاں تک نظر کام کرتی ہے سوائے اُجڑے ہوئے محلات۔ مکانات
دیول، مندر، ستون۔ برآمدوں۔ دروازوں۔ خالی چاردیواریوں۔ فصیلوں۔ بُرجوں۔ مورچو
ٹوٹے پھوٹے خشک تالابوں۔ حوض۔ پانی کی نالیوں۔ مُورتوں اور بتوں کے کچھ نظر نہ آئے گا
یہ سب زبانِ حال سے اپنی شان و شوکت اور عظمت اور اب اپنی ویرانی بربادی اور تباہی کی
افسوس ناک وحسرت آمیز داستان بیان کر رہے ہیں۔ زمانے اور انسان کے ظالم ہاتھوں نے کس
بے رحمی اور سفاکی سے ایسے عظیم الشان شہر کو برباد کیا ہے۔ جس کے ویرانے کو آج ہم دیکھنے آئے
ہیں۔ ڈاک بنگلے سے چل کر شہر کی فصیل کے برابر سے سڑک گزر کر شہر میں پونہچتی ہے۔ راستہ ٹیڑھا
میڑھا ہے جو غالباً دشمن کی روک تھام کے لیئے بنایا گیا ہوگا جیسا کہ قدیم زمانے کا دستور تھا۔ تھوڑی
دُور آگے چل کر ایک ٹیکرے پر ایک دیول چندر اسیکھر مٹھ ہے جو ابھی تک صحیح سلامت ہے
وہ شاید اس وجہ سے اپنی حالت پر چھوڑ دیا گیا کہ اس عمارت میں کوئی خاص خوبی نہ تھی اور
برباد کرنے اور اُجاڑنے والوں کو اسی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں ہوئی جو یہ بچ رہا۔ جیسا کہ
اور سب مندروں کا حال ہے اس میں بھی کسی دیو کی مورت نہیں ہے خالی دیول پڑا ہے۔ اس سے
گمان ہوتا ہے کہ مندروں کے بتوں کو توڑ پھوڑ کر غارت کر دیا۔ اس دیول کے پاس ہی "رانیوں
کا حمام" ہے۔ یہ عمارت (۷۸) فٹ (۵) انچ مربع ہے اور اس کے دروازے کماندار ہیں۔ عمارت
کے وسط میں ایک پچاس فٹ مربع حوض ہے جو نو فٹ عمیق ہے۔ چاروں طرف برآمدہ لداؤ کا ہے

[1] بڑے بڑے پتھروں کو گنڈ کہتے ہیں ۱۲

جس پر نہایت عمدہ نقش و نگار بنے ہوے ہیں۔ عمارت کی موجودہ حالت۔ طرز۔ آراستگی سے گمان ہوتا ہی کہ یہ اپنی اصلی حالت پر نہیں ہی بلکہ مسلمان فاتحین کا تصرف نمایاں ہی۔ پس یا تو مسلمانوں نے شکست ریخت کرکے اسے اپنے طرز پر بنالیا ہی یا یہ کہ راجگانِ بجانگر ہی نے مسلمان کاریگروں سے بنوایا ہو۔ یہ مکان "زنانے" سے اس قدر دُور ہی کہ ہمیں اس میں بھی تامل ہی کہ آیا یہ عمارت فی الواقع رانیوں کا حمام تھا بھی یا نہیں اور اگر ہوگا بھی تو خاص خاص مواقع کے لیئے نہ کہ عموماً لیکن پانی کی بے شمار نالیاں۔ متفرق متعدد حوض۔ روشیں۔ منڈوے[1] بتلا رہے ہیں کہ اس مکان کے اطراف میں باغات ضرور ہوں گے جن کا سلسلہ زنانے محلات تک پونہچتا ہی اور ممکن ہی کہ اُس زمانے میں رانیاں اس حمام تک اس طرح آسکتی ہوں کہ کسی کی نظر اُن پر نہ پڑے۔ اسی مقام کے قریب، ذرا بلندی پر اُس نہر کی علامات موجود ہیں جس سے اس حمام اور نیز شہر میں پانی پونہچایا جاتا تھا اور اب تک جا بجا پتھر کی نالیاں موجود ہیں جن میں سے پانی دوڑتا تھا۔ زنانے حمام سے چند گز فاصلے پر جانبِ شمال مغرب ایک اور بڑا اور وسیع حوض موجود ہی جو راجاؤں کے حمام کے نام سے مشہور ہی اور وہ محلات سے قریب بھی ہی۔ یہ مقام مٹی کے ٹیلے میں دبا ہوا تھا حال میں کھود کر نکالا گیا ہی (اور اس طرح بہت سے مکانات ٹیلوں کے اندر دبے پڑے ہیں چنانچہ جب میں دیکھنے گیا تھا جب بھی ایک دیول کھود کر نکالا جا رہا تھا جو قریب نصف کے نکل چکا تھا) اس حمام کا صرف پختہ صحن اچھی حالت میں ہی اور پانی کے آنے جانے کے رستے بنے ہوے ہیں باقی کا حصہ منہدم ہو گیا۔ زنانے حمام سے قریب ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر ٹیلوں کا ایک سلسلہ نظر آتا ہی جس میں مسلسل چبوترے اور برآمدے معلوم دیتے ہیں۔ اس ٹیلے کی بلندی ۳۱ فٹ ہی۔ سب سے بلند مقام پر اب تک ایک منڈوے کی علامات معلوم ہوتی ہیں جس کو عبدالرزاق سیّاح نے طلائی برآمدہ اور مرصّع تخت لکھا ہی اور جہاں سے اُس نے ہندوؤں کے بڑے بھاری دسہرے کے تہوار کا تماشا دیکھنے کی دلچسپ کیفیت بیان کی ہی۔ اس کو اب تک "تخت گاہ" اور "مہانومی یا دسہرہ ڈبہ" کہتے ہیں۔ دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے میں یہاں کوئی چھوٹی فصیل یا دُہرا احاطہ ہوگا جس کے بیچ میں

[1] سائبان نما مکان ۱۲۔

رستہ بنا ہوا تھا چنانچہ اب بھی اس ٹیکرے پر رستے کے سرے ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا ہی غالباً یہیں سے راجہ اور رانیاں دسہرے میں اور دوسری تقریبات میں مثلاً ہاتھیوں کی لڑائی۔ کشتی اور مختلف قسم کے تماشے دیکھا کرتے تھے کیوں کہ اس کے نیچے وسیع میدان تماشے گاہ کا موجود ہی۔ اس مقام کے پتھروں کی سلوں پر تمام منبت نقش و نگار ہیں۔ ایک جگہ راجہ تخت پر بیٹھا ہوا ہی اُس کے سامنے ایک قطار برچھے برداروں کی کھڑی ہی۔ ہاتھی۔ اونٹ۔ شیر۔ شکاری اور اُن کے کتے جو ہرنوں کا تعاقب کر رہے ہیں۔ رنڈیاں اور اُن کے سازندوں کی تصویروں سے باقی جگہ بھری ہوئی ہی۔ اس قسم کی بہت سی تصویریں ہیں لیکن بھدّی ہیں حالاں کہ اسی کے پاس ہزارا راماسوامی کے مندر کے نقش و نگار بہت عمدہ اور نفیس ہیں۔ اسی کے قریب دو دروازے دکھلائی دیتے ہیں جو زمین کے اندر دب گئے ہیں اور جو ایک ہی پتھر کے معلوم دیتے ہیں جن کے سامنے چبوترے بھی ہیں۔ اس ٹیکرے پر سے شہر کا نظارہ بہت اچھی طرح ہو سکتا ہی اور شہر کی عمارات کے تین حصّے جدا جدا معلوم دیتے ہیں راجہ کا محل۔ زنانے محلات۔ اوڈھن نایک کا محل۔ اور دیگر عمارات بھی بخوبی دکھائی دیتی ہیں۔ ہر حصّہ محاط ہی اور اُس کے متعلق بیوتات اور صحن جدا جدا ہیں۔ راجہ کے محل کے نام سے جو جگہ اب مشہور ہی اُس میں متعدد عمارتیں جُدا جُدا ہوں گی چنانچہ تخت گاہ یا دسہرہ ڈبہ بھی اسی میں شامل ہی۔ ان عمارات کا سلسلہ ایک دوسرے سے چھتوں اور تہ خانوں کے ذریعے سے ملا ہوا ہو گا چنانچہ "تخت گاہ" کے قریب ہی اُس دیوار سے جو ابھی دبا ہوا نکالا گیا ہی چند گز کے فاصلے پر صاف تہ خانے کا رستہ دکھلائی دیتا ہی۔ خاص راجہ کے رہنے کا محل جس کا نام "وجایا بھون" تھا وہ تو بالکل ویران ہی اُس کے صرف چبوترے کا نشان باقی ہی جس پر کسی زمانے میں عالی شان محل کھڑا ہو گا۔ اور اس چبوترے کے اطراف میں اُن دروازوں اور چھتوں کے نشانات بھی ہیں جن میں سے راجہ کے محل میں داخل ہوتے تھے۔ اس چبوترے کے شمال رُخ ایک بہت بڑا حوض ہی جو ایک ہی پتھر میں تراشا گیا ہی جو ۱۴½ × ۳ × ۲ فٹ ہی۔ کہا جاتا ہی کہ یہ حوض راجہ کے باورچی خانے میں تھا اور اس میں محل کے مصرف کے لیئے دودھ بھرا رہتا تھا۔ راجہ کے محل کے جنوب میں اسی احاطے میں ہزارا رام چندر کا دیول ہی جو راجہ کی پریوٹ عبادت گاہ تھی

یہ مندر شمال سے جنوب کو (۱۱۰) فٹ اور مشرق سے مغرب کو ۲۰۰ فٹ ہی۔ اِس مندر کو کشن دیو رائے نے ۱۵۱۳ء میں بنایا تھا۔ دیول کی بیرونی دیوار پر قدیم کنڑی زبان کا ایک کتبہ بھی ہی اور دیول کے اندر ایک اَور کتبہ ہی جس میں تمارا ج (وزیرِ اعظم) کے ۱۵۲۰ء میں گرانٹ کا حال لکھا ہی۔ یہ دیول دوسرے دیولوں کی طرح وسعت کے لحاظ سے قابلِ ذکر نہیں ہی بلکہ ایک تنہائی کا مقام ہی اور شاید اِسی وجہ سے راجہ نے اِسے اپنی پریوٹ عبادت گاہ مقرر کی ہوگی۔ اندر گھستے ہی بلند اور عالی شان دیواروں پر ہزاروں تصویریں منبّت نظر آتی ہیں جس کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیئے انسان محو ہو جاتا ہی۔ اِس دیول کا نام ہزارا رام چندر کس وجہ سے پڑا ہی معلوم نہیں ہوتا شاید اِس وجہ سے ہزارا کہلایا گیا ہو کہ راجہ کے محل کے دروازے کے پاس تھا یا یہ کہ سری رام چندر کی ہزارہا تصویریں دیواروں اور ستونوں پر کھُدی ہوئی ہیں۔ اِن تصویروں میں راماین کے تمام سین بتلائے گئے ہیں۔ دیول کی دیواروں کے بیرونی رُخ پر راماین میں جو شکار کے متعلق سین ہیں وہ بتلائے گئے ہیں اور اِن تصاویر میں اعلیٰ درجے کی صنّاعی کی گئی ہی۔ ماد شما کو دیکھنے کے لائق اِس مندر میں چار سنگی ستون ہیں جو درمیانی حصّہ "اردھا منڈپ" میں ہیں۔ یہ سنگِ موسیٰ کے ہیں جو بالکل سیاہ ہیں اور اِس قدر صاف تراشے گئے ہیں اور اِن پر نقش و نگار اور تصاویر ایسی عمدگی سے کھودے گئے ہیں کہ پتھر تو پتھر کاغذ پر بھی اُن کا بنانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہی۔

ہزارا رام چندر کے دیول کے بعد ہم ایک قسم کے چھتّے میں سے گزرتے ہیں جس کے دونوں طرف منڈپ ہیں جن میں سے بعض دو منزلہ ہیں اور زنانے محلّات میں پہونچ جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہی کہ یہ چھتّہ کسی زمانے میں اِس غرض سے بنایا گیا ہوگا کہ راجہ کے محل سے زنانے مکانات تک گوشہ پردہ رہے۔ جن عمارات کو زنانے محلّات کے نام سے موسوم کیا گیا ہی وہ ایک بہت بڑا احاطہ ہی جس کی بلند بلند دیواروں کے بعض بعض حصّے اب بھی موجود ہیں۔ یہ دیوار چھوٹے چھوٹے پتھروں سے بنائی گئی ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ محض پردے کی غرض سے طیار کی گئی تھی نہ کہ بطور حصار کے جو کسی وقت غنیم کے مقابلے کو کام آئے۔ اِس مثلثی احاطے کے تینوں کونوں پر

لہ عطیہ ۱۲۔

تین تین بڑے بڑے منار بنے ہوے ہیں جو دیدبان اور نوبت خانے کا کام دیتے تھے اُن کے اندر چکّردار سیڑھیاں ہیں جن پر سے اوپر چڑھ سکتے ہیں۔ اصل زنانہ محل جو ضرور اس سلسلے کے وسط میں ہوگا بالکل نیست و نابود ہوگیا ہی اور اب صرف چبوترہ اور ڈھئی ہوئی عمارتوں کے کچھ ٹکڑے اور کچھ بیوتات متفرق جگھوں پر دکھلائی دیتے ہیں جو بڑے احاطے کے اندر ہیں۔ اِس عظیم الشان اور خوب صورت محل کے دروازے پر دو ہاتھی نہایت خوب صورت بنے ہوے تھے اُن کی سونڈیں توڑ پھوڑ ڈالی ہیں اور اصل عمارت جو بہت بڑا محل ہوگا وہ تو اب باقی نہیں ہی البتہ کچھ چھوٹے چھوٹے مکان گرے پڑے رہ گئے ہیں۔ زنانے محلّات میں اب صرف ایک ہشت پہل مسقّف پیولین باقی ہی جو درمیانی ہال کا صرف ایک طرف کا حصّہ معلوم دیتا ہی یہ دو منزلہ ہی اور اوپر جانے کو سیڑھیاں بھی ہیں اور یہی ایک کمرہ اوپر اور ایک نیچے کا حصّہ باقی رہ گیا ہی۔ اِس میں کھڑکیاں ہیں مگر وہ ایسی تنگ ہیں کہ باہر کی دور کی چیزیں دکھلائی نہیں دیتیں اِس مکان کی دیواروں پر بھی نقش و نگار اور صنّاعی قابل دید ہی اِس کا نام اب بلحاظ اُس کی وضع قطع کے لوٹس محل (یعنی کنول نما محل) ہی۔ اِس پیولین کے مغرب میں ایک مستطیل حوض ہی جو زنانے مکانات کے احاطے کے اندر ہی جو ایسا معلوم دیتا ہی کہ تیرنے کے لیئے بنایا گیا تھا۔ زنانے عمارات کے مغرب میں آٹھ عمارتوں کا ایک چھوٹا سا جُھمکا ہی ہر ایک کا رُکار اندر کی طرف ہی مربّع کے تین رُخ آباد ہیں چوتھا رخ خالی ہی۔ اِن عمارتوں کی بیچ کی عمارت "کنسرٹ ہال"[1] کہلاتی ہی اور اِس کے دونوں طرف کی عمارتیں "زنانہ اصطبل" کہلاتی ہیں اِس میں گیارہ اصطبل ہیں جو بلحاظ تعداد ہاتھیوں کے جو اُس زمانے میں تھے بالکل ناکافی ہیں غالباً اِس میں خاصے کے منتخب ہاتھی رکھے جاتے ہوں گے۔ اصطبل بہت بلند اور کشادہ ہیں اور سارا کام لداؤ کا ہی اور اچھی حالت میں ہیں بیچ کے تھان پر چھجّا اُتارا گیا ہی غالباً اِسی میں راجہ کی خاص سواری کا ہاتھی باندھا جاتا تھا جسے "پٹّا دا آنی" کہتے تھے یعنی تیل ملا ہوا ہاتھی۔ کنسرٹ ہال یا تھیٹر ایک بلند اور خوش نما مکان ہی جس کے سامنے ایک برآمدہ ہی جس کی گیارہ محرابیں ہیں جس میں کی بیچ والی کمان سب سے بڑی ہی اور اِسی سے مکان میں داخل ہوتے ہیں۔ دروازوں اور محرابوں

---

[1] برآمدہ ۱۲۔ [2] جس مکان میں چند لوگ جمع ہوکر تماشہ دیکھتے ہیں ۱۲

اور ساری جگہ میں جھاڑیوں اور کانٹوں اور جنگلی بیلوں کا ہجوم ہے۔ ہاتھیوں کے اصطبل کے پاس کنسرٹ ہال بنانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں یہ عمارت کنسرٹ ہال یا تھیٹر کی نہ تھی بلکہ زنانے محلات کے باڈی گارڈ کے لیئے بنائی گئی تھی لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ تھیٹر اور تماشوں کا الگ تھلگ مقام منتخب کیا گیا ہو جو دوسرے محلات سے جدا ہو اور اسی میں کھیل تماشے ہوتے ہوں۔ زنانے حصّے کو چھوڑ کر سڑک پر مشرق کی جانب قریب ایک میل کے چل کر کاملا پور کمپلی کی سڑک پر ہم کو وہ سرنگ ملتی ہے جو اندر ہی اندر چلی جاتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس مقام پر چند عمارتیں زمین میں دب گئی ہیں اور یہاں سے زنانے میں جانے کے لیئے سرنگ کا رستہ ہے۔ لیکن واقع میں اونچی سڑکوں کی مٹی بہ بہ کر اس کثرت سے ان عمارات پر جمتی گئی ہے کہ بالکل ڈھک گئیں۔ سررشتہ تعمیرات نے حال میں تھوڑی سی مٹی کھسکائی ہے اور بجائے سرنگ کے یہاں چند کمرے نکلے ہیں جو اس طرح بنے ہوئے ہیں کہ چند سیڑھیاں اُتر کر ایک سنگ بست کمرے میں پہنچتے ہیں اس میں سے ایک دوسرے کمرے میں رستہ ہے اور دوسرے کمرے میں سے تیسرے میں۔

زنانے محلات کے مغرب میں ایک اور احاطہ ہے جس میں شمال مشرق کے گوشے پر ایک دیدبان کا منار بنا ہوا ہے اور وسط میں ایک بڑی عمارت ہے جو مسلمانوں کے طرز پر بنی ہوئی ہے۔ تیسرا حصّہ ویرانے کا وزیر دھن نایک کے مکانات کے نام سے موسوم ہے۔ مسلمان اور پرتگالی مورخوں نے جو اس مقام کے حالات لکھے ہیں اُن سے اِس اُجڑی ہوئی جگہ کی مطابقت ہوتی ہے اور اُن کے نشان دادہ مقامات کا پتہ چلتا ہے۔ عبدالرزاق نے شہر بیجانگر کے بیان میں لکھا ہے کہ "محل وسط میں واقع تھا جس کے چاروں طرف بازار تھے جن کے آخر میں بلند منڈپ بنے ہوئے تھے ان سب میں بلند تر مقام یہی محل تھا۔ کوچوں اور گلیوں میں پانی پتھر کی تراشی ہوئی نالیوں میں بہتا تھا۔ محل کی داہنی طرف وزیر کی کچہری کا مکان تھا جس کا نام "دیوان خانہ" "یا کونسل روم" ہے۔ یہ عمارت بہت بڑی تھی اور اس کے سامنے ایک منڈپ تھا۔ محل کی بائیں طرف دار الضرب تھا۔ دار الضرب کے عقب میں ایک بازار تین سو گز لمبا اور بیس گز چوڑا تھا جس کی سڑک پر پتھر کی سلوں کا فرش تھا۔

دھن نایک کے محلات سے چل کر ہم سڑک پر پڑ کر دریا کی طرف چلتے ہیں۔ آگے بڑھ کر اُدنی ویر بھدرا

کا دیول ملتا ہی جو سیوا کا مندر ہی اور جس میں اب بھی پوجا ہوتی ہی۔ اِس مندر میں کوئی دلچسپی کی بات نہیں ہی سوائے اِس کے کہ دیواروں پر مرد اور عورتوں کی کچھ تصاویر ہیں۔ اب سڑک نہر تنگ بھدرا سے تقاطع کرتی ہوئی کرشنا سوامی کے دیول کو جاتی ہی اور ایک بڑے بلند پھاٹک میں سے گزرتی ہی جس کے دونوں طرف اونچے اونچے چبوترے بنے ہوئے ہیں جن پر برآمدوں کے طور پر ستون دار کمرے ہیں۔ کرشنا سوامی کا دیول اب ویران ہی اور ایک ویران بازار میں واقع ہی جو ہمپی کے دیول سے چھ سو گز جنوب میں ہی۔ اِس دیول میں کئی کتبے ہیں جن میں سے ایک ۱۵۱۳ء کا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اِس دیول کو کشن دیوراے نے اُدے گیری اور دوسرے مقامات فتح کرکے واپس آنے کے بعد بنوایا تھا۔ یہ دیول ایک وسیع سطح پر بنا ہوا ہی جس میں مندر واقع ہی اور پھر اندر اَور ایک احاطہ ہی۔ بیرونی صحن میں جانے کے چار پھاٹک ہیں۔ عمارت کی صناعی سیدھی سادی اور بھدّی ہی لیکن اِس قدر بڑے بڑے پتھر لگائے گئے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہی۔ ترشے ہوئے پتھروں کی بہت سی چٹانیں تیس فٹ لمبی اور چار فٹ دبیز اُونچے اُونچے مقامات پر لگی ہوئی ہیں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے بڑے بڑے پتھر اتنے اونچے پر کس طرح چڑھائے گئے ہوں گے۔ بیرونی احاطے کے جنوب میں ایک اور سیدھی سادی عمارت ہی جو اِس عمارت سے بالکل مختلف ہی اِس میں چھوٹے چھوٹے دریچے اور ایک پست محراب دار دروازہ مشرق کی طرف لگا ہوا ہی۔ اندر دار مربع قطعات میں ستون لگے ہوئے ہیں جن پر نوکیلی کمانیں ہیں۔ چھت تمام لداؤ کی ہی جس میں اُلٹے قُفّے[1] بنے ہوئے ہیں۔ چھت پر جانے کے لیئے باہر سے ایک زینہ بھی ہی۔ کرشنا سوامی کے دیول سے تھوڑی دُور جنوب و مغرب کی طرف وہ احاطہ ہی جس میں نرسنہواں کی مشہور مورت ہی جس میں ایک ناگ سانپ کا پھن بُت کے سر پر سایہ کیئے ہوئے ہی۔ دیو کی مورت بیٹھی ہوئی بنائی گئی ہی۔ تاہم ۳۵ فٹ بلند ہی۔ یہ بُت ایک ہی بڑے پتھر میں تراشا گیا ہی۔ چہرے سے غصّے کے آثار نمایاں ہیں جو اِس دیوتا کی خاصیت ہی۔ ٹیپو سلطان کی فوج کے ہاتھ سے اِس بُت کی مورت کو بہت بڑا نقصان پہونچا ہی جنھوں نے ناک اور ایک بازو توڑ ڈالا۔ اِس کے بازو کا دَور دو فٹ ہی۔ دروازے

[1] کم گہرے اور پھیلے ہوئے ۱۲۔

پر ایک کتبہ ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس مورت کو ایک برہمن نے پتھر میں سے تراش کر بنایا تھا
کشن دیوراے نے ۱۵۲۹ء میں اس کے لیے گرانٹ دیا تھا - اس مورت کے پاس ایک جدا گانہ
مکان میں ایک بہت بڑا لنگم (۹) فٹ بلند ہی - دروازے اور فصیل سے ذرا اوپر وار جانے
سے وہ پہاڑی ملتی ہی جسے ہیم کوٹ The Golden Crest یعنی سنہری کنگرہ
کہتے ہیں ملتی ہی - اس مقام سے تمام شہر اور کل مقامات کا بہت عمدہ نظارہ ہوتا ہی - اس
پہاڑی پر دو بڑی بڑی مورتیں گنیش کی ہیں ایک کا نام ساسویکالو (رائی کا دانہ) ہی کیوں کہ
یہ بُت بمقابلے مندر کی عمارت کے بہت چھوٹا ہی - دوسری مورت جو کرشنا سوامی کے دیول
کی بیرونی دیوار کے پاس ہی کڈلیکالو (چنا) کہلاتی ہی اس میں گنیش کی مورت لمبوتری بنائی گئی ہی
جس کا لمبان سے دور زیادہ ہی - ساسویکالو کے دیول کے پیچھے ایک پھسلواں پہاڑی چٹان ہی
اس کے سرے پر ایک سلسلہ چھوٹے چھوٹے مربع مندروں کا ہی جن کی چھتیں چھتری نما مربع
ہیں اور دُور سے ایک قسم کا چھتہ معلوم دیتا ہی - یہ نئی اور انوکھی طرز کی عمارتیں جینیوں کے
مندر ہیں اور درست حالت میں ہیں گو اب ان میں کوئی رہتا نہیں - ان مندروں کے عقب
میں داہنی طرف دو نہایت نفیس دروازے ہیں ایک دو منزلہ ہی جو قلعے میں جانے کا راستہ
تھا اور دوسرا مندر میں جانے کا دروازہ تھا - سڑک کی بائیں طرف غار کے اندر تراشا ہوا ایک
مندر ہی جو کہا جاتا ہی کہ بودھ مذہب کا ہی - دریاے تنگ بھدرا کے شمالی کنارے پر قصبۂ
آناگندی واقع ہی - پہلے یہی مقام اُن سرداروں کا مسکن تھا جو آگے چل کر راجہ گانِ بیجانگر ہوئے
اور اُن کی سلطنت اتنی عظیم الشان اور زبردست ہوئی کہ تمامی حصۂ جنوبی ہند پر اُن کا تسلط
تھا اور پھر تباہی اور بربادی کے بعد آناگندی ہی میں اُن کی نسل چل رہی ہی اور ایک راجہ
(گودہ اب کیسا ہی چھوٹا ہو) موجود ہی - دریا کے برابر برابر مندروں اور محلات کا سلسلہ چلا
گیا ہی - اس زمانے میں چھوٹے چھوٹے مکانات - نیشکر - اور شالی زار کی زراعت جا بجا
پھیلی ہوئی ہی جن میں جا بجا پانی دوڑتا ہی - یہ سلسلہ بطور ایک بازار کے نصف میل لمبا اور
(۵۰) گز چوڑا ہی اور اسی کے اختتام پر ویر بھدر کا مشہور دیول واقع ہی اور دوسرے سرے
پر ایک بہت بڑا پتھر کا بیل ہی جسے بسونا کہتے ہیں اور جو ایک ہی پتھر کا تراشا ہوا ہی - پیاپی

کے بڑی بھاری دیول کی تراش خراش اور طرزِ عمارت بالکل جنوبی ہند کے مندروں کی سی ہی دو بہت اُونچے اُونچے گوپُرم[1] ہیں۔ سب سے بڑا مخروطی قُبّہ صدر کے دروازے پر ہی جو رتھ نکلنے کی سڑک کے محاذی ہی اس پر بے شمار تصاویر بنی ہوئی ہیں۔ لیکن اس میں عجیب بات ہی کہ اندر اس کے خلا میں عمارات اور زینہ ہی جس کے ذریعے سے اس کی چوٹی پر پُونہچ جاتے ہیں۔ اس قسم کی عمارات عموماً ہنود مندروں میں نہیں بنایا کرتے۔ کہتے ہیں کہ یہ گوپرم وٹھپا نے بنایا تھا۔ دوسرا گوپرم دریا کے دروازے کی طرف کا بھی قابلِ دید ہی جو کنگ گیری کے راجہ نے بنوایا تھا۔ اس کی مرمت ۱۸۳۶ء میں بعہد مسٹر رابرٹسن کلکٹر بلھاری کے ہوئی ہی۔ اس مندر میں دو بڑے بڑے صحن ہیں ایک مشرق کی جانب ہی دوسرا مغرب کی جانب۔ دونوں کے درمیان میں ایک دیوار فاصل ہی۔ اصلی بڑا مندر اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مندر سب مغربی صحن میں ہیں۔ شمالی اور جنوبی دیواروں کے باہر دو بڑے بڑے تالاب ہیں جن کا نام "ممو کا سرور" اور "لوکا پاؤن" ہیں اور یہیں بہت سے قدیم چھوٹے چھوٹے مندر بھی ہیں جن میں سے بہت سے ڈھے گئے ہیں۔ دریائے تنگ بھدرا سے ایک نہر بیرونی احاطہ میں لائی گئی ہی جو مطبخ میں بھی پُونہچائی گئی ہی اور اس کے ذریعے سے ہر وقت تازہ اور وافر پانی موجود رہتا ہی۔ اس مندر کے پاس اور بہت سے دیول ہیں (۱) ویرپاکشیسوارا پمپاپتی۔ (۲) پاروتی۔ (۳) بھوانیسوری (۴) چندی کیسورا سوامی۔ (۵) ونکٹ راما سوامی (۶) گلا گنجی مادھو سوامی (۷) ونایک سوامی (۸) کمار سوامی (۹) سرسوتی (۱۰) پتھلیسوا سوامی (۱۱) وِدیارانیا سوامی (۱۲) سنگاری بھٹ۔ بازار سے سوگز قریب اوپر وار ایک پگ ڈنڈی جس پر ہموار پتھروں کا فرش ہی بنی ہوئی ہی جو پہاڑ کی تنگ گھاٹی میں سے دریائے تنگ بھدرا کی طرف جاتی ہی اور وہیں سے کو دنڈراما سوامی اور نیڑو دھرکا کے دیولوں کو رستہ جاتا ہی لیکن اب ان دونوں مندروں میں کوئی چیز دیکھنے کی نہیں ہی۔ داہنی طرف ایک بلندی پر ایک مندر منتگا نامی ہی اس پر چڑھنے سے دُور دُور کے مقامات نظر آتے ہیں۔ اس پہاڑ کے پاس میں ایک بہت بڑا دیول اچیتا راما سوامی کا ہی۔ یہاں بھی پُون میل لمبا بازار تھا جو موضع ہمپی کے مشرق میں واقع ہی اس مندر کی ساخت کرشنا سوامی

---

[1] مندر کے چوٹی دار حصے کو گوپرم کہتے ہیں ۱۲۔

کے دیول کی طرح کی ہی۔ اِس دیول کا رُخ شمال جنوب ہی۔ اِس مندر کا بڑا گوپرم بازار کے مقابل ہی بازار کا تو صرف اب نشان ہی نشان رہ گیا ہی۔ کہتے ہیں کہ اِس بازار میں صرف رنڈیاں اور مُرلیاں ہی رہتی تھیں جو اِس دیول کے لیئے مخصوص تھیں۔ اِس دیول کے دو شمالی گوپروں پر قدیم کنڑی زبان کے کتبے بھی ہیں۔ اِس دیول سے پگ ڈنڈی دریا کے برابر برابر جاتی ہی۔ جہاں سے سیتا کا تالاب اور وہ کھو نظر آتی ہی جہاں سیتا جی کا رہنا بیان کیا جاتا ہی۔ چنانچہ قریب میں پہاڑ کی چٹان پر ایک لمبی سی لیکر پڑی ہوئی ہی جسے Sita's Marke کہتے ہیں اور بیان کیا جاتا ہی کہ سیتا جی کی چوٹی کا نشان پڑ گیا ہی۔ یہاں سے رستہ ایک دروازے میں سے گزرتا ہی جس میں دو جنگی ستون کھڑے ہیں اور ایک پتھر کی کڑی اوپر آڑی رکھی ہوئی ہی جس کے دونوں سروں پر دو سوراخ ہیں کہتے ہیں کہ یہ ترازو ہی اِس میں راجہ جب ساٹھ برس کی عمر کا ہو جاتا تھا تو جواہرات سونے اور چاندی میں تول کر خیرات کی جاتی تھی۔ اب یہاں سے ہم وجیا وٹھل سوامی کے دیول کو پہونچتے ہیں جو سب سے زیادہ مشہور اور ہر اعتبار سے قابلِ دید اور ایک عمدہ یادگار ہی۔ اِس مندر کی تعمیر اچیتا رایا کے زمانے میں ۱۵۳۰ء میں ہوئی تھی اور آلیا رام راج کے عہد میں ۱۵۶۵ء میں مشہور جنگ تالیکوٹہ کے ٹھیک چار برس پیشتر ختم ہوئی۔ یہ دیول دریائے تنگ بھدرا کے مشرقی کنارے پر واقع ہی اور دریا سے بہت قریب ہی۔ اِس دیول کے متعلق بھی ایک بہت بڑا بازار تھا جو دیول سے مشرقی رُخ پر دُور تک چلا گیا تھا لیکن اب بالکل اُجاڑ ہی۔ اِس مندر کے بائیں طرف ایک مربع تالاب موسومہ ''پٹا کولم'' واقع ہی۔ وٹھل سوامی کے دیول کے قریب ایک اَور دیول حال میں زمین کھود کر نکالا گیا ہی اِس کی عمارت بھی عمدہ ہی اور معلوم ہوتا ہی کہ سیوا کے نام کا تھا۔ دیول کے دروازے کے سامنے ایک بڑا کھم تھا جس کے اوپر ایک آہنی ہلال لگا ہوا تھا۔ دیکھنے میں مضبوط تھا مگر حال ہی میں گر گیا ہی۔ اِس میں شک نہیں کہ وٹھل سوامی کا دیول وجانگر کے تمام دیولوں کی جان ہی۔ بلحاظ صناعی اور کاریگری اور خوبصورتی کے اگر اسے دیولوں کی ملکہ کہا جاوے تو بجا ہی۔ بیرونی حصار کی دیوار میں دروازے ہیں جن پر بُرجیاں بنی ہوئی ہیں مصدر دروازہ مشرق رو ہی اِس پر کا برج شق ہو گیا ہی اور قریب الانہدام ہی۔ اِس دروازے میں سے داخل ہوتے ہی ایک بہت بڑا بھاری مندر سامنے نظر آتا ہی جس کے دائیں بائیں بڑے بڑے منڈپ

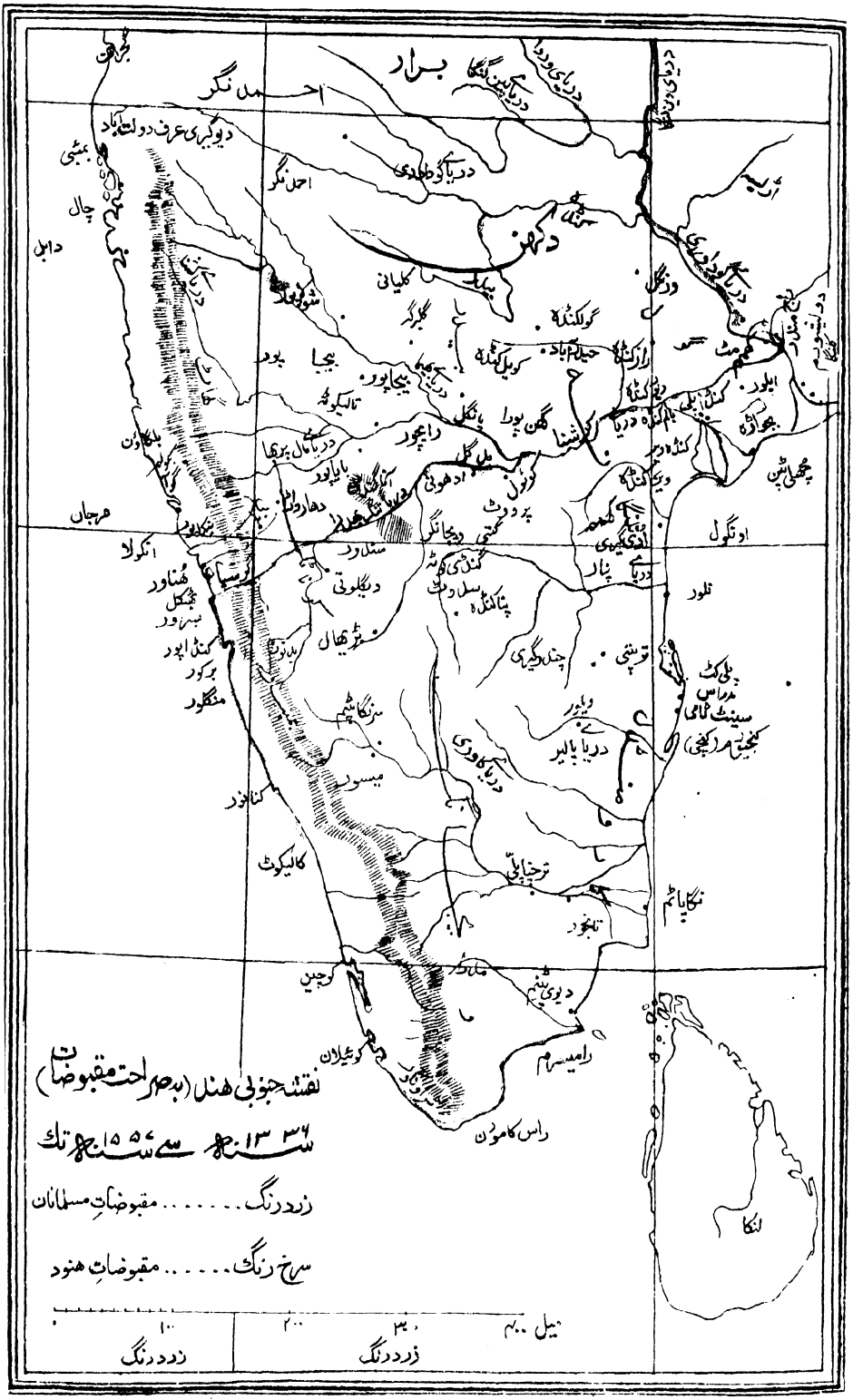
بنے ہوے ہیں اِن میں صدہا قسم کی تصویریں بڑی نزاکت اور صنّاعی سے منقش ہیں۔ مندر کے احاطے میں ایک پتھر کی رتھ رکھی ہوئی ہی جس کے بڑے بڑے پہیے بھی پتھر کے بنے ہوے ہیں اور دُھرا بھی پتھر کا ہی۔ اِس پر بھی نقش ونگار عورتوں کے ہیں جو طوطوں پر سوار رتھ کو اُڑا اے لیے جا رہی ہیں۔ ایک بلند چبوترے پر جس کی تین طرف سیڑھیاں ہیں مہا منڈپ یعنی صدر اور سب سے بڑا منڈپ ہی اِس کے سب ستون ایک ہی پتھر کے ہیں جن میں مورتیں تراشی گئی ہیں۔ کلیان منڈپ کی عمارت اور صنّاعی بھی قابلِ دید ہی کہ جس کی نظیر شاید جنوبی ہند کے کسی اَور مندر میں ملے اِس کے ستونوں کی بناوٹ اور کاریگری تعجب میں ڈالتی ہی۔ مندر کی ساری چھت پتھر کے لداؤ کی ہی اور اُس میں بھی نقش ونگار ہیں ایک مقام پر ایک بندر کی مورت بنی ہوئی ہی جو ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہی۔ چھت میں سے پتھر کے کنڈے روشنی آویزاں کرنے کو لٹک رہے ہیں۔ اِس مندر کے اندرونی حصّے میں بعض جگہ بہت اندھیرا ہی دیواروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ جلایا ہی کہ کالی پڑگئی ہیں۔ زمین کو خزانے کی طمع میں جابجا کھود کر برباد کر دیا ہی۔ دروازے کی دونوں طرف جو خوبصورت ہاتھی تھے اُن کی سونڈیں توڑ ڈالی ہیں۔ منڈپ کی دیوار پر ایک کتبہ ہی جس سے معلوم دیتا ہی کہ ۱۵۶۱ء میں بعہد راجہ سداسیو کے اِس مندر کو گرانٹ دیا گیا تھا۔ اب اِس مندر میں چڑیا کا نام بھی نہیں ہی اور بالکل تباہ حالت میں ہی۔ اِس کی کس مپرسی دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہی۔ گھنٹوں اِس عمارت کے دیکھنے میں لگ جاتے ہیں اور دل سیر نہیں ہوتا۔ اِس مندر سے نکل کر پھر ایک پتھر کی چٹانوں سے پٹا ہوا راستہ ملتا ہی جس کے دونوں طرف منڈپوں کا سلسلہ ہی جن میں بڑے بڑے ستون لگے ہوے ہیں اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے میں یہ بھی ایک آباد بازار ہوگا جابجا مٹی کے بڑے بڑے ڈھیر اور ٹیلے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے میں یہ مکانات ہوں گے جو اب اِس حالت میں ہیں۔ آگے بڑھ کر کپلی کی سڑک کی بائیں طرف مالیونتا رگھوناتھ کا خوب صورت دیول ہی جو ایک بلند چٹان پر بنا ہوا ہی۔ اِس مندر اور منڈپوں کی عمارت بھی بہت عمدہ ہی اور ہزار اراما سوامی کے مندر سے ملتی جلتی ہی۔ بیرونی حصار کی دیوار پر مچھلیوں اور بحری جانوروں کی تصویریں منقوش ہیں ایک جگہ ایک بڑا مگرمچھ بنا ہوا ہی جو اپنے شکار یعنی مسافروں کی تاک میں لگا ہوا ہی کہ جو ملے گھسیٹ لے جاے۔ اِس مندر میں بیراگی لوگ پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ کاملاپور

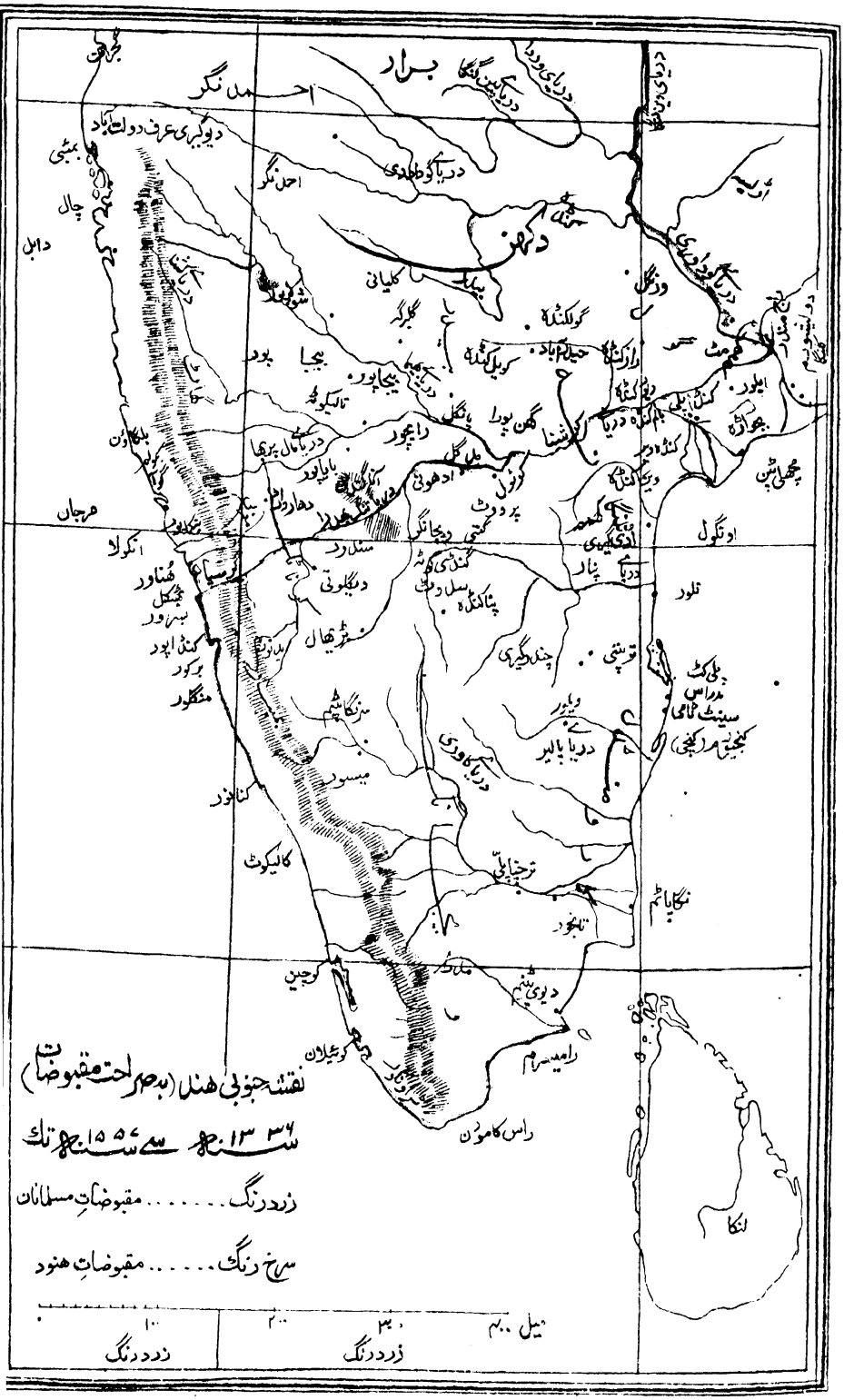
کے مسافر بنگلے کو واپس ہوتے ہوئے سڑک کے بائیں طرف کاملاپور سے کوئی پاؤمیل کے فصل سے ایک اور مندر ملتا ہے جو تباہ حالت میں ہے لیکن اس کا دھوا جا ستبھا یعنی بڑا کھم بہت بلند ہے جس پر پرانی کنڑی کا کتبہ بتلا رہا ہے کہ ہر ہر راے نے چودھویں صدی میں بنایا تھا۔ سو دو سو گز آگے وار کو سڑک کی سیدھی طرف ایک مندر ہے جو ایک چٹان میں تراشا گیا ہے جسے "آہنی گنڈ نیا پدا سالی" یعنی ایک ہی پتھر کا ہال کہتے ہیں۔ اسی کے پاس ایک حمام ہے جو اب بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا ہے شہر کی ٹوٹی پھوٹی فصیل سے لگا ہوا مشرق کی طرف ایک بڑا پھاٹک ہے جس پر ایک بلند قبہ ہے جس کی محرابوں پر نقش و نگار کا کام عمدگی سے کیا گیا ہے۔ اس دروازے کے محاذی جین یا گنپتی کے دیول کے مشرق میں ایک خوبصورت مورت بھیمسین کی رکھی ہوئی ہے مگر اس کی ناک بھی چٹ ہے اسی دروازے کے سامنے بلھاری کی سڑک کے رُخ پر شہر کی جنوبی فصیل کے قریب کاملاپور سے مشرق کی طرف پاؤمیل پٹّابھی راما کا مشہور دیول ہے۔ یہ سب سے بڑا مندر ہے لیکن ویران ہے۔ اس کا صحن ہمپی کے دیول کے صحن سے دوچند ہے اور جا بجا منڈپ موجود ہیں۔ پٹّابھی راما کے دیول کے دروازے سے نکل کر پھر ہم حسرت و افسوس دل میں لیئے ہوئے کاملاپور کے مسافر بنگلے کو پونہچ جاتے ہیں اور ویجانگر جیسے بڑے اور عظیم الشان شہر کے کھنڈروں کے نظارے کا خاتمہ ہوتا ہے۔

اب ہم نے سیاح کو جہاں سے لے گئے تھے بیجانگر کی سیر کرا کے پھر وہیں پونہچا دیا ہے۔ سارا شہر اور سب مقامات تو کیا دیکھے ہاں جو کچھ دست بُرد زمانے سے بچا کھچا اور دیکھنے کے قابل تھا وہ دیکھ لیا۔ جس طرح عمارات کی عظمت و شوکت اور صناعی کو دیکھ کر دل خوش ہوا ہوگا اُسی طرح مُسلمانوں کے ہاتھ سے جو اس خطے کی تباہی ہوئی ہے اُس سے افسوس بھی ہوا ہوگا اور رہا سہا حصّہ ہندوؤں کے ہاتھ سے اَور تباہ ہوا جنھوں نے خزانوں کی طمع سے کھود کھاد کر سب ملیامیٹ کر دیا۔ افسوس صد افسوس !!!۔

گفتی کہ کجا رفتند آں تاجوراں اینک
زیشاں شکمِ خاک ست آبستنِ جاویداں

ختم


برار
احمد نگر
دیوگیری عرف دولت آباد
بمبئی
چال
دابل
دکھن
کلیانی
گلبرگہ
گولکنڈہ
حیدرآباد
کوہیل کنڈہ
بیجاپور
بیجا پور
تالیکوٹہ
راجپور
گوا
بلگاؤن
مرجاں
انکولا
ہناور
منگلور
کنڈاپور
برکور
کالیکوٹ
کنانور
میسور
سرنگاپٹم
کوچین
کوئیلان
راس کامورن
دریائے کرشنا
دریائے تنگ بھدرا
دریائے کاویری
دریائے پالیر
دریائے پنار
دریائے پینہ گنگا
دریائے وردا
دریائے تاپتی
دریائے گوداوری
دریائے کرشنا
ترچناپلی
تانجور
دیوی پٹن
رامیسرام
نگاپاٹم
اونگول
نلور
پلیکٹ
مدراس
سینٹ ٹامی
کنجیورم (کنجی)
لنکا
نقشہ جنوبی ہند (بدحالت مقبوضات)
سنہ ۱۳۳۶ھ سے سنہ ۱۵۵۷ھ تک
زرد رنگ ..... مقبوضاتِ مسلمانان
سرخ رنگ ..... مقبوضاتِ ہنود
میل ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰
زرد رنگ
زرد رنگ


گجرات
برار
احمد نگر
دریائے گنگا
دریائے نربدا
دیوگیری عرف دولت آباد
بمبئی
چال
دابل
دریائے تاپتی
دریائے گوداوری
دکھن
تلنگ
کلیانی
بیدر
ورنگل
گلبرگہ
گولکنڈہ
شولاپور
بیجاپور
حیدرآباد
کوہلکنڈہ
وارنگل
ورنگل
کرشنا
گھن پورا
راچور
مدگل
تالیکوٹہ
دریائے بھیما
دریائے مانجرا
بلگاؤن
گوا
مرجان
بنکاپور
دھارواڑ
اودھونی
پروورٹ
گنتی
وینکٹگیر
کڈپہ
اونگول
انکولا
سنڈور
گنڈی کوٹہ
پنار
دریائے پنار
ڈمبگل
بسلاد
پناکنڈہ
تلور
ڈھارواڑ
بیلگی
بنکاپور
ہنور
بسراور
گنٹاپور
برکور
منگلور
نرسنگاپٹم
چندگیری
توپتی
پلیکٹ
مدراس
سینٹ تھامس
کنجیورم (کنجی)
میسور
دریائے کاویری
دریائے پالیر
ویلور
کنانور
کالیکوٹ
ترچناپلی
تنجور
نگاپاٹم
دیوی پٹن
رامیسرام
کوچین
کوئیلان
راس کامورن
لنکا
نقشہ جنوبی ہند (بدحد راحت مقبوضات)
سنہ ۱۳۳۶ھ سے سنہ ۱۵۵۶ھ تک
زرد رنگ ..... مقبوضاتِ مسلمانان
سرخ رنگ ..... مقبوضاتِ ہنود
۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ میل ۴۰۰
زرد رنگ
زرد رنگ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(باب پہلا) تمہید

بیانِ تمہیدی سنہ ۱۳۳۶ء میں جب کہ تختِ انگلستان پر ایڈورڈ سوم جلوس فرما تھا۔ ہندوستان کے جنوبی حصے میں ایسے انقلابات پیش آئے کہ جن سے پرانا دور ختم ہو کر بالکل ایک نیا دور شروع ہوا۔ اسی سال سے تاریخِ قدیم پر پردہ پڑ کر جدید تاریخ شروع ہوئی اس زمانے میں حصۂ جنوبی ہند نے ایک کروٹ لی اور شہر و سلطنت بیجانگر کی بنیاد قائم ہوئی۔ سنہ ۱۳۳۶ء سے پہلے جنوبی ہند میں ہندوؤں کی ایسی قدیم سلطنتیں قائم تھیں کہ جن کے ابتدائی زمانے کے حالات کا آج تک صحیح طور پر پتہ نہیں چلا البتہ اُن کتبوں سے جو سولھویں صدی سے پیشتر کے زمانے بودھ کے موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ پانڈیانِ مدرہ اور تانجور کے چولا خاندان اور دوسرے لوگ حاکم تھے۔ جب شہر و بیجانگر کی بنیاد پڑی تو تاریخ کا پہلا ورق اُلٹ گیا اور اِس نئے خاندان کے بادشاہ دکھن سے لے کر سراندیپ تک مالک ہو گئے۔ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کیوں کہ مسلمانوں کی اُن تھک کوشش یہ تھی کہ تمام ہندوستان پر اپنا تسلط بٹھائیں جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ہندوؤں نے دکن میں اپنی ایک جدید سلطنت قائم کر لی۔ مسلمانوں کی دھاک ایسی کچھ بیٹھی ہوئی تھی کہ جب یہ ہندوؤں کو دباتے ہوئے دریائے کشنا تک آن پہنچے تو دکن کے اہلِ ہنود مسلمانوں سے تنگ آ کر متفق ہو گئے اور اس گھبراہٹ میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد قائم کی کہ کسی طرح اس کی زیرِ حمایت بھی تو مسلمانوں کی یورشوں سے امن پائیں۔ پرانے راجہ زمانے کی دست بُرد سے مرکھپ گئے تھے اُن کی سلطنتیں معدوم ہوتی چلی جاتی تھیں ایسے

زمانے میں راجگانِ بیجانگر نے اپنی ہمت اور مردانگی سے ڈھائی صدی تک دکن کو اِن روز کی آفتوں سے بچایا۔ زمانے کا انقلاب چشمِ عبرت سے دیکھنے کے قابل ہی کہ باایں ہمہ اِس زمانے میں بہت کم لوگ ہیں جن کے کان اِس بات سے آشنا ہوں کہ ملکِ دکن میں کبھی ایک ایسی بڑی بھاری سلطنت بھی قائم تھی کہ جس کا دارالسلطنت ایک عالی شان اور عدیم المثل شہر تھا اور جس کو بانیانِ سلطنت نے "شہرِ فتح و ظفر" کا خطاب دے رکھا تھا وہ آج صفحۂ دُنیا سے بالکل مٹ گیا۔ اِس بڑے بھاری شہر میں محلاّتِ عالی شان پُر تکلف بازار ہندوؤں کے بڑے بڑے نامی گرامی مندر تھے جو کسی زمانے میں اپنے استحکام و عظمت و شان کے آپ ہی نظیر تھے۔ جہاں دن رات چہل پہل رہتی تھی اور جن کی عمارات بفلک سرکشیدہ تھیں۔ آج اُن کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں اور شہر کی ٹوٹی پھوٹی فصیل کے سوا کچھ بھی باقی نہیں ہی۔ یہ سلطنت زمانے کے ہاتھوں سے ایسی کچھ تباہ ہوئی کہ آج لوگوں کے صفحۂ دل سے بھی اِس کا نام تک مٹ گیا ہی اور فی زمانا جو چند کھنڈر اور مندر رہ گئے ہیں وہ زبانِ حال سے اپنی سرگزشت بتلا رہے ہیں اور بجائے شہر بیجانگر کے اُس جگہ کو اب صرف "رُوِنز آف بیجانگر" یعنی بیجانگر کے کھنڈروں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہی جو ایک چھوٹے سے موضع سے جس کا نام ہمپی ہی منسوب ہیں۔ فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ۝ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔ جس زمانے میں اِس سلطنت کا عروج تھا۔ تو یہ سلطنت یورپ کی سلطنتِ آسٹریا سے بہت بڑی تھی اور شہر بیجانگر کو جن یورپین سیاحوں نے پندرھویں اور سولھویں صدی میں دیکھا ہی وہ اِس کی وسیع آبادی اور

---

۵۱ وِیجایا نگر "راجہ کا نام وِیجایا ہی اور نگر بمعنی شہر۔ دوسری وجہ تسمیہ یہ ہی وِیجایا بمعنی فتح۔ ہندوستانی اِس کو بیجانگر کہتے ہیں اِس شہر کو وِدیانگر بھی کہتے تھے یعنی دارالعلم ۱۲۔

۵۲ Ruins of Vijayanagar.

۵۳ ۲۲/۴۵ ج۔ غرض کتنی بستیاں ہیں کہ ہم نے اُن کو ہلاک کر مارا اور وہ نافرمان تھیں۔ پس اب وہ (ایسی اُجڑی پڑی ہیں کہ اُن کی دیواریں) اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے (کنوئیں) بے کار پڑے ہیں اور (کتنے پکے) پکے محل ویران پڑے ہیں پس اے اہلِ بصیرت عبرت پکڑو ۱۲۔

سرسبزی اور شادابی اور رونق اور آراستگی اور ثروت اور تموّل کے افسانے بیان کر گئے ہیں خلاصہ یہ کہ بلحاظِ تموّل اور عالی شان عمارتوں کے اُس زمانے میں خطۂ ہند پر کوئی شہر اس کی ہم سری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ اِس شہر کی عظمت کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ اُس زمانے میں پرتگالیوں کے تمام جھگڑے صرف ویجانگر کی بحری تجارت پر قبضہ حاصل کرنے ہی کے لیئے برپا تھے اور جب ۱۵۶۵ء میں اِس سلطنت کا زوال ہوا تو ساتھ ہی ساتھ بندر گوا کا عروج بھی ایسا ختم ہوا کہ آج تک وہ پنپنے نہ پایا۔

واقعات کا ماخذ

جو کچھ حالات ہم نے سلطنتِ بیجانگر کے لکھے ہیں اُن کا ماخذ ہے یورپ کے سیاحوں کی تحریرات اُن کے تذکرے جو اُنھوں نے وقتاً فوقتاً ملکِ ہند کے حالات پر لکھے ہیں کچھ پُرانی کتبِ تواریخ وغیرہ کچھ مورّخوں کے بیانات کچھ پتھروں کے کتبوں سے جو جا بجا مندروں پر بطور سندِ عطیاتِ ارضی و انعامات وغیرہ نصب ہیں۔ اِس کے علاوہ خاص کر دو ضمیمہ حالات نوشتہ پیس اور نیونز سے ویجانگر کی اُن حالات پر جو سولھویں صدی میں تھے بڑی روشنی پڑتی ہے جن کو ہم نے اختصار کر کے اِس کتاب کے آخر میں لگا دیا ہے۔

سولھویں صدی میں ہندوستان کی پولیٹکل حالت

ویجانگر کے تاریخی حالات لکھنے کے قبل ہم کو ایک سرسری نظر ہندوستان کی پولیٹکل حالت پر ڈالنی چاہیئے جو چودھویں صدی کے نصفِ اولیٰ میں تھی۔ اِس سے پہلے تو ہندوستان میں جا بجا چھوٹی چھوٹی سلطنتیں ہنود کی تھیں جن میں مدرہ کے پانڈو اور تانجور کے چولے سب سے سربرآوردہ تھے۔ ۱۱۹۳ء میں سب سے پہلے مسلمانوں کا قدم ہندوستان میں آیا۔ ہندوستان کی سرحد شمال و غرب کی طرف سے محمود غزنوی نے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ پہلے ملکِ پنجاب پھر

---

۱ Means

۲ اِس نے ہندوستان پر سترہ حملے کیئے اور ہر ایک حملے کے بعد وہ اَور دلیر ہو کر ہندوستان میں گھستا چلا گیا اور بڑے بڑے شہروں اور مندروں کو تباہ کیا۔ محمود کا آخری حملہ ۱۰۲۴ء میں گجرات پر تھا جہاں سومناتھ کا مشہور مندر تھا جس میں بے انتہا دولت تھی اِس مندر میں چاندی کا بت تھا۔ محمود نے (ساڑھے تین سو میل کا سفر ملک سندھ کا وسیع میدان طے کرنے کے بعد) ہندوؤں

ملتان اور اس کے بعد اَور اَور مقامات پر حملے کیئے۔ ہر سال اِن حملوں کا سلسلہ جاری تھا اور ہر سال فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھتا چلا جاتا تھا ۱۰۲۱ء میں کلنگہ پر اور ۱۰۲۳ء میں کاٹھیاواڑ پر حملہ کیا مگر محمود غزنوی کبھی جم کر ہندوستان میں نہیں رہا۔ یہ حملے ایک قسم کے چھاپے تھے کہ حملہ کیا اور پلٹ گیا۔ یہ سلسلہ ایک عرصے تک قائم رہا قصّہ مختصر دو صدی کے عرصے میں مُسلمانوں کی قوی اور مستحکم سلطنت دہلی میں قائم ہو گئی۔ ہندوستان کے شمالی حصّے میں جنگ پر جنگ ہوتی چلی جاتی تھیں اور کسی طرح باشندگانِ ملک کو امن نہ تھا۔ تیرھویں صدی کے آخر میں مسلمانوں نے دکھن کا رُخ کیا ۱۲۹۳ء میں علاؤالدین[۵۲] خلجی نے جو بادشاہِ دہلی کا بھتیجا تھا دیوگری[۵۳] کو فتح کر لیا۔ اِس کے چار برس کے بعد گجرات پر حملہ ہوا۔ ۱۳۰۳ء میں ورنگل[۵۴] کو مطیع کرنا چاہا

---

۵۲ (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۷) کی اُس بھاری سپاہ کو شکست دی جو مندر کی حفاظت کے لیئے جمع ہو گئی تھی۔ جب وہ مندر میں داخل ہوا تو پجاریوں نے کانپتے ہوئے بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر وہ بُت کو نہ توڑے تو ہم اُس کے عوض بہت سی رقم بادشاہ کی نذر کرنے کو موجود ہیں پسند کر بادشاہ نے کہا کہ "میں بُت شکن ہوں بت فروش نہیں ہوں" اور ایک گرز اُس بُت پر ایسا مارا کہ پارہ پارہ ہو گیا۔ محمود نے اِس حملے سے واپس ہو کر بہت جلد وفات پائی گو وہ ہندوستان پر خود حکومت کرنے کے لیئے نہیں رہا مگر اُس نے اپنا ایک افسر پنجاب پر مقرر کر دیا تھا۔ اِس کی سلطنت کا زمانہ ۹۹۷ء سے ۱۰۳۰ء تک رہا ہے۔ اِس نے بمقام غزنی روز پنجشنبہ ۲۳ ربیع الآخر ۴۲۱ھ کو تریسٹھ سال کی عمر میں ۳۵ سال سلطنت کرنے کے بعد انتقال کیا اور قصرِ فیروزہ غزنی میں مدفون ہے ۱۲۔

۵۲ (نوٹ صفحہ ہذا) خاندانِ خلجی کی ۳۰ سال تک حکومت رہی خلجیوں میں چار بادشاہ ہوئے ان میں سب سے زبردست اور بے رحم بادشاہ علاؤالدین تھا جس نے اپنے بوڑھے اسّی سالہ چچا کو جو اِس کو فرزند سے زیادہ چاہتا تھا قتل کر کے سلطنت حاصل کی تھی۔ ایک بار وہ خود اور پھر اُس کا نومسلم سردار ملک کافور دکن پر حملہ آور ہوا اور قدیم سلطنتوں کو برباد کر ڈالا مندروں کو مسمار کیا اور یہ دونوں بہت سی دولت دہلی کو لے گئے۔ دکن پر مُسلمانوں کا یہ پہلا حملہ تھا۔ علاؤالدین نے چند مسلمان افسر بطور نائب کے دکن میں چھوڑے تھے جو پہلے تو صوبہ دار کہلائے مگر پھر وہ خود مختار بادشاہ بن بیٹھے اِس بادشاہ نے بیس سال چند ماہ سلطنت کرنے کے بعد بہ تاریخ ۹ شوال ۷۱۵ھ انتقال کیا ۱۲۔

۵۳ قلعۂ دولت آباد واقع ضلع اورنگ آباد کا قدیم نام ہے ۱۲۔

۵۴ بڑی اور نہایت قدیم بستی ہے جو حیدرآباد کے جنوب و مشرق میں بہ فاصلہ (۹۳) میل واقع ہے اور حیدرآباد بجواڑہ (ایاتی صفحہ ۱۹)

سنہ ۱۳۰۹ء میں پھر دوبارہ دیوگری پر حملہ ہوا سنہ ۱۳۰۹ء میں ملکِ کافور ایک جرار لشکر کے ساتھ دکن پر آیا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۸) سکشن نظام اسٹیٹ ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ یہ نہایت قدیم بستی ہے۔ پہلے زمانے میں بڑا شہر ہوگا اب تو ایک قصبے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی آبادی چھ میل لمبی چلی گئی ہے۔ بیچ میں جا بجا فصل ہوگیا ہے۔ ایک طرف ورنگل اسٹیشن ہے اور دوسرے سرے پر قاضی پیٹ اسٹیشن درمیان میں مٹھو اڈہ اور ہنمکنڈہ ہے۔ نواب فرامرز جنگ بہادر سابق اول تعلقہ دار حال صوبہ دار نے (جو پہلے پارسی نواب حیدرآباد میں ہوئے اور جن کو تعمیرِ ہنمکنہ اور آراستگیِ شہر و توفیر و ترقیِ آبادی میں ایک خداداد دل چسپی ہے) بڑی جاں فشانی ترغیب و تحریص سے اس اُجڑی ہوئی بستی کو از سرِ نو آباد کیا۔ متعدد خوش نما بنگلے بنوائے۔ سڑکیں نکالیں۔ بازار بسائے اور اس طرح اب ایک چھوٹا سا پُر رونق شہر ہوگیا ہے۔ ورنگل ہیوپار کی بڑی منڈی ہے۔ فرامرز جنگ بہادر کا ارادہ تھا کہ چھ میل کا فصل جو دونوں ریلوے اسٹیشنوں میں ہے اس لمبان میں مسلسل آبادی کردی جائے اور اسی حساب سے اُنھوں نے بنگلوں کی بنیاد ڈالی لیکن اُن کے مبادے کے بعد بس جہاں کا تہاں یہ معاملہ رہ گیا اور اسی وجہ سے تین ٹکڑے آبادی کے ہوگئے اور بیچ میں جگہ چھوٹ گئی۔ اب یہاں محکمہ صوبہ داری (کشنری) اور دیگر محکمہ جات کا مستقر ہے۔ ایوانِ صوبہ داری اور اُس کے پاس ایک خوش نما مسجد (جو نواب معین الدولہ بشیر نواز جنگ بہادر سابق صوبہ دار نے دہلی کے مشہور معمار سے بنوائی تھی) اور سنٹرل جیل حال کی خوش نما اور وسیع عمارات ہیں۔ یہاں کا جیل بہت بڑا ہے۔ جس کو مسٹر ہینکن سی۔ آئی۔ ای۔ انسپکٹر جنرل پولیس و جیل نے صنعت و حرفت کی ترویج سے بہت رونق دی ہے۔ جیل میں ہر قسم کا سامان پارچہ۔ فرنیچر۔ دریاں۔ قالین طیار ہوتے ہیں اور ایک بڑا چھاپے خانہ بھی ہے۔ یہاں کے قالین ہمیشہ سے مشہور رہے اب بھی جیسا قالین یہاں بنتا ہے شاید اور کہیں بنتا ہو۔ چنانچہ پیرس کی نمایش گاہ میں مڈل (تمغہ) بھی ملا ہے۔ ہنمکنڈہ میں حضرت عبدالنبی شاہ صاحب کی درگاہ حال میں طیار ہوئی ہے۔ حضرت موصوف بڑے بزرگ تھے آپ کا وصال چند سال قبل ہوا ہے۔ سالانہ عرس شریف بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔

زمانۂ قدیم میں ورنگل قدیم ہندو راجگان خاندانِ کاکتیا کا دارالسلطنت تھا۔ روایات اور تواریخ کی رو سے یہ شہر بہت قدیم پایا جاتا ہے اور صدہا سال تک جنوبی حصۂ ہند میں ہندوؤں کا ایک بڑا مضبوط قلعہ اور پناہ گاہ رہا ہے جس پر سلاطینِ اسلام شمالی حصۂ ہند کے بڑے بڑے معرکے متواتر رہے ہیں ۱۳۳۵ء کے قریب ملک دکن میں راجگانِ خاندانِ چلوکیا حکم راں تھے۔ ساتویں صدی کے وسط میں چینی سیاح ہیوان تھسانگ ملکِ ہند میں آیا تھا اُس نے لکھا ہے کہ اُس زمانے میں جنوبی حصۂ ہند نو بڑی بڑی سلطنتوں پر منقسم تھا۔ ملکِ تلنگانہ میں تین سلطنتیں تھیں۔ انڈھرا۔ دانا کٹیا۔ کلنگ۔ اس میں سے اول الذکر سلطنت کا پایۂ تخت شہر ورنگل تھا۔ قدیم مسلمان مورخ بدایونی نے لکھا ہے کہ سلطان محمد بن تغلق نے قلعۂ ورنگل کو سنہ ۱۳۲۱ء میں فتح کیا اس سے پہلے تلنگانہ خاندانِ کاکتیا ورنگل میں سات سو سال تک حکم راں رہ چکا تھا۔ ہندوؤں کی روایت

(باقی بر صفحہ ۲۰)

اور ورنگل کا محاصرہ کرلیا۔ سنہ ۱۳۰۰ء میں دیوسمدر دارالسلطنت ہوسالا بلال پر قبضہ کرلیا اور ملک

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۹) یہ ہے کہ چلوکیا خاندان کا راجہ جو نندر گیری ملک دکن میں حکمراں تھا اُس نے اپنی مملکت اپنے دو بیٹوں میں تقسیم کردی تھی جن میں ایک لڑکا قندھار (ضلع عثمان آباد) پر حکمراں تھا اور دوسرا بادشاہ کٹک سے لڑائی میں مارا گیا جس کے بعد اُس کی بیوہ رانی بھاگ کر ہنمکنڈہ آئی اور اسی مقام پر اُس کے ہاں ایک لڑکا (باپ کے مرنے کے بعد) پیدا ہوا اور اسی لڑکے سے خاندانِ کاکاتیا کی بنا پڑی۔ اِس خاندان کے تاریخی حالات زیادہ تر اُس سنسکرت کے کتبے سے معلوم ہوتے ہیں جو ہنمکنڈہ کے مشہور ہزار کھم کے دیول میں موجود ہے۔ یہ کتبہ سنہ ۱۱۶۲-۶۳ء کا ہے اور اِس میں پہلے راجہ کا نام ترجھون ملاّ بیتا راجہ لکھا ہے۔ اِس کے بعد اُس کا بیٹا پرولو راجہ جانشین ہوا جو بڑا طاقتور اور جنگ جُو تھا اِس کے بعد پرتاب رُدر دیو (اوّل) تخت نشین ہوا جس نے ہنمکنڈہ کا مشہور اور عظیم الشان دیول بنوایا ہے۔ یہ بھی بڑا بہادر لڑنے مرنے والا راجہ تھا اور اِس کے دَور میں جدید فتوحات کے ذریعے سے چاروں طرف سلطنت کی توسیع ہوئی۔ اِس کے بعد مادھو حکمراں ہوا پھر اُس کا بیٹا گنپتی سنہ ۱۲۲۳ء میں راجہ ہوا اِسی نے شہر ورنگل کی اندرونی سنگ بست فصیل بنوائی۔ یہ لاولد تھا اِس لیئے اِس کے بعد اِس کی بیوی رام رُدرما دیوی حکمراں ہوئی اِس نے قلعے کے اطراف میں پتھر کی فصیل بنوائی اور نیز شہر کو مٹی کی فصیل سے مُحاط کیا جو اب نیست و نابود ہوگئی ہے تاہم جابجا کچھ کچھ نشان اب بھی باقی ہیں۔ اِس رانی نے بڑی بیدار مغزی سے ۴۸ سال سلطنت کی۔ سیاح مارکوپولو جب ہندوستان میں آیا تھا تو اُس نے رانی کو دیکھا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ایک بڑی دانش مند رانی تھی اور اپنی رعایا میں بہت ہر دل عزیز تھی اور اُس نے حالتِ بیوگی میں سلطنت کو خوب چلایا۔ رانی جب معمر و مسن ہوگئی تو اُس نے اپنے رشتے کے پوتے پرتاب رُدر دیو (دُوم) کو تخت نشین کردیا۔ پرتاب رُدر دیو دوم کے عہد میں محمد بن تغلق نے ورنگل پر چڑھائی کی اور اِس راجہ کو قید کرکے دہلی بھیج دیا لیکن چند روز بعد پھر اُس کو ورنگل آنے کی اجازت مل گئی اور وہ مرتے دم تک بادشاہ کا مطیع و فرماں بردار رہا۔ اِس راجہ نے سنہ ۱۳۲۵ء میں انتقال کیا مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ راجگانِ خاندانِ کاکاتیا پر سنہ ۱۳۰۳ء میں ہوا لیکن اِس میں کچھ کامیابی نہیں ہوئی سنہ ۱۳۰۹ء میں دوسرا حملہ بہ سرکردگی ملک کافور ہوا جس میں راجہ نے اطاعت قبول کرکے خراج ادا کرنے کا اقرار کرلیا۔ تیسرا حملہ سنہ ۱۳۱۸ء میں بہ سرکردگی خسرو خاں ہوا لیکن اِس میں ناکامیابی رہی سنہ ۱۳۲۱ء میں سلطان محمد تغلق نے ایک بڑا لشکر اپنے بیٹے الغ خاں کو دے کر ورنگل بھیج دیا۔ اِس لڑائی میں شروع شروع تو ناکامیابی رہی لیکن اِسی اثنا میں دہلی سے فوج کی مدد پہنچ جانے کی وجہ سے آخرکار شہر فتح ہوگیا اور راجہ قید کرلیا گیا۔ اِس کے بعد ورنگل پر سلاطین بہمنیہ کی چڑھائی ہوئی اور آخرکار سلطان احمد شاہ ولی بہمنی نے سنہ ۱۴۲۱ء میں بالکلیہ اپنا قبضہ کرلیا۔ پرتاب رُدر دیو دوم نے ایک شاندار مرصّع و مکلّل تخت بادشاہ دہلی کے واسطے بنوایا تھا جو آگے چل کر "تختِ فیروز"

کافور نے ساحل ملیبار پر جا کر ایک مسجد کی تعمیر کی اور دار السلطنت دہلی کو بے انتہا دولت لے کر واپس ہوا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰) کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ تخت آبنوس کا تین گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا تھا۔ اس پر سونے کا پترہ منڈھا ہوا تھا اور بے انتہا جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ یہ تخت اس ترکیب سے بنایا گیا تھا کہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کو صندوقوں میں بھر لیتے تھے جس سے حمل و نقل میں آسانی ہوتی تھی۔ پرتاب رُدر دوم کا بیٹا کرشنا مسلمان ہو گیا تھا لیکن آگے چل کر وہ اسلام سے منحرف ہو گیا اور اُس نے سلاطینِ اسلام کے دباؤ سے نکل جانا چاہا ۱۳۶۲ء میں راجہ ورنگل کو مسلمانوں نے تنگ پکڑا اور بہت دنوں تک لڑائی کے بعد صلح ہو گئی اور راجہ کے ایلچیوں نے جہاں اور بہت سے تحفے تحائف محمد شاہ کو دیئے۔ اُس کے ساتھ ہی یہ بیش بہا تخت بھی نذر دیا۔ اس تخت کے بے نظیر تحفے ہی کے خیال سے بادشاہ نے اپنی سرحد گولکنڈہ کو قرار دیا اور وعدہ کر لیا کہ جب تک تمہاری طرف سے پہل نہ ہو ادھر سے کسی قسم کی مداخلت نہ ہوگی۔ خاندانِ بہمنیہ کے بادشاہوں نے اس تخت پر وقتاً فوقتاً اور جواہرات کا اضافہ کیا اور چودھویں بادشاہ محمود شاہ کے زمانے میں اس کی قیمت ساڑھے لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس فٹ نوٹ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ راجگانِ ورنگل اور سلاطینِ اسلام کی لڑائیوں کا ہم پورا حال لکھ سکیں جن میں شکست اور فتح کبھی اِدھر ہوتی رہتی تھی کبھی اُدھر۔ بہت سی لڑائیوں اور انقلاب کے بعد ورنگل سلطنتِ قطب شاہیوں میں شامل ہو گیا اور آخر کار اورنگ زیب نے ۱۶۸۳ء میں سلطنتِ مغلیہ میں اُسے ملا لیا۔

ورنگل کے حالات بالکل نامکمل رہ جائیں اگر ہم مشہور لٹیرے پیراکلاں کا ذکر نہ کریں جو یورپ کے رابن ہڈ Robin Hood کی طرح شہرۂ آفاق تھا اور جس نے ملکِ دکن میں ایک اُودھم ڈال دی تھی۔ لوگوں کا اُس کی کھُلّم کھُلّا لُوٹ مار سے ناک میں دم آگیا تھا۔ لوگوں نے مجبور ہو کر اورنگ زیب سے درخواست کی کہ کسی طرح آپ ہی ہم کو اس ظالم کے پنجے سے نجات دلائیں۔ بڑھتے بڑھتے یہ قلعۂ شاہ پور میں بہت سی فوج لے کر جا بیٹھا اور چاروں طرف لُوٹ مار کرنے لگا۔ ماہ محرم (اپریل ۱۶۸۸ء) میں پیرا نے ایک بہت بڑا لشکر سواروں اور پیدلوں کا لے کر ورنگل پر چڑھائی کی اور قلعے پر قبضہ کر لیا اور بہت کچھ قیمتی سامان لُوٹا جس میں ورنگل کے مشہور قالینوں کا بھی ایک کافی ذخیرہ تھا اور جاتے جاتے بارہ ہزار قیدی پکڑ کر لے گیا۔ اِتنی بڑی فتح کے بعد پیرا کا حوصلہ اور جرأت اَور بڑھ گئی اور دن دہاڑے خوب لُوٹ کھسوٹ کرنے لگا آخر کار بادشاہ نے اپنے ایک نہایت معتمد اور بہادر سردار یوسف خاں رز بہانی کو لشکر دے کر بھجوایا اُس نے آتے ہی قلعۂ شاہ پور سے پیرا کو نکال باہر کیا اور اپنا قبضہ کر لیا۔ اِسی سردار نے پیرا کو گرفتار بھی کر لیا اور چند روز زندہ رکھ کر اُس سے اُس کے جمع کیے ہوئے خزانوں کا پتہ لگانے کے بعد اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور اُس کا سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا ۱۶۸۸ء میں کلکتہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کرنل پیچ کی کمانڈ میں ایک لشکر ورنگل پر بھیج دیا جس سے مقصود حیدر آباد پر دباؤ ڈالنا تھا چنانچہ نواب نظام علی خاں بہادر

۱۳۱۲ء میں بھی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ چھ برس بعد دہلی سے مبارک نے دیوگری پر چڑھائی کی اور وہاں کے راجہ ہری پال دیو کا سر کاٹ کر اُسی شہر کے دروازے پر لٹکا دیا۔ ۱۳۲۳ء میں ورنگل فتح ہو گیا جس زمانے سے ہماری تاریخ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے یعنی ۱۳۳۰ء اُس زمانے میں تمام شمالی ہند بندھیاچل پہاڑوں تک بلا غل و غش مسلمانوں کے تحتِ حکومت تھا۔ دکن بھی اُن کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہا تھا اور جنوب کی طرف مسلمانوں کے بڑھنے کا کھٹکا لگا ہوا تھا اور یقیناً معلوم تھا کہ جو گت دکن کی مسلمانوں نے بنائی ہے وہ ایک نہ ایک دن یہاں کی بھی ہونے والی ہے۔

مسلمانوں کی فتوحات سے محفوظ رہنے کے لیے ہندوؤں کی جدید سلطنت کا قیام

دریائے کرشنا کے جنوب کا تمام حصۂ ملک اب تک اہلِ ہنود کی حکومت میں تھا لیکن پُرانی پُرانی ریاستوں کی بیخ و بنیاد مسلمانوں کے پیاپے حملوں اور اُن کے روز بروز کی یورشوں سے ہل گئی تھی ۱۳۲۵ء میں سُلطان محمد تغلق کا تختِ دہلی پر بیٹھنا تھا کہ اس طرف اور کھلبلی پڑ گئی۔ بادشاہ کے ظلم و جبر و ہوسِ ملک گیری کی خوفناک خبریں اُڑ اُڑ کر یہاں آتی رہتی تھیں جس سے اِن لوگوں کا کلیجہ دہلا ہوا تھا اور ناگزیر یہ نتیجہ نکالا جاتا تھا کہ مسلمان ایک

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱) نے حیدر علی بادشاہ میسور سے قطعِ تعلق کر لیا اور ۱۷۶۹ء میں صلح نامہ ہو گیا جب سے اب تک اِس مقام پر اور کوئی معرکہ نہیں ہوا۔ اب بھی ورنگل میں دیکھنے کے لیے بہت سے دل چسپ مقامات قلعہ۔ مندر۔ محلوں کے کھنڈر فصیلیں وغیرہ موجود ہیں جو میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مندر کے چار عالی شان پھاٹک اب تک سر بہ فلک کھڑے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مندر جب کبھی ہو گا تو ہمکنڈے کے مشہور ہزار کھم والے مندر سے کہیں بڑھا چڑھا ہو گا کیوں کہ ہزارہا گھڑے گھڑائے نقش و نگار کے پتھر اب بھی جا بجا مکانوں اور فصیلوں میں کثرت سے لگے ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے مندروں کو توڑ پھوڑ کر مسلمانوں نے مسمار کر دیا ہے اور اِن ہی کے ساتھ تمام کتبے جو اِن مقامات پر تھے اور جن سے قدیم خاندانِ کاکتیا کے حالات معلوم ہو سکتے تھے تباہ اور برباد ہو گئے ۱۲۔

لہ (نوٹ صفحہ ہذا) دریائے کرشنا مغربی گھاٹوں سے قریب مہابلیشور کے نکل کر خلیج بنگالے میں گرتا ہے اس کا طول تخمیناً ۱۰۰۰ میل ہے اس کو اُتری گنگا بھی کہتے ہیں اِس وجہ سے کہ تمام دریاؤں کے خلاف مشرق سے مغرب کو بہتا ہے۔ دریا کے قریب ہی جی۔ آئی۔ پی ریلوے کا اسٹیشن اسی نام کا ہے۔ اِس دریا کا آہنی پُل اِس ریلوے لین کا سب سے بڑا پُل ہے جس کی ۳۶ کمانیں ہیں اور

نہ ایک دن ہندوؤں کی سلطنت کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کر پھینک دیں گے۔ اِن کی قدیم سلطنت اور خاندان تباہ اور برباد ہو جائیں گے اِن کے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی سلطنت اور مذہب دونوں کا خاتمہ نظر آتا ہی معابد کی ویرانی اور تباہی جُدا۔ دفعۃً ۱۳۴۴ء میں اِس طوفان کی روک تھام ہوگئی۔ یکایک زور شور مدھم ہو گیا۔ فتنہ و فساد دب گیا اور ایک متفقہ فصیل مسلمانوں کے حملوں کے روکنے اور مقابلے کو طیار ہو گئی جس کی بدولت ڈھائی سو سال تک جنوبی حصّہ ہند مسلمانوں کی دست بُرد سے محفوظ رہا۔ ورنگل اور دیوسمدرم کی ریاستیں مسلمانوں سے پہلے شکست پا چکی تھیں یہ دونوں اور تیسری ایک چھوٹی ریاست آنا گُندی اِن کے اتحادِ ثلثہ کی وجہ سے مسلمانوں کی یورشوں کی روک تھام ہوئی اور تینوں مل کر گویا مسلمانوں کے لیئے ایک سدِّ سکندری ہو گئے۔ اِس طرح آنا گُندی کی چھوٹی سی ریاست بڑھتے بڑھتے وجیانگر کی بڑی بھاری سلطنت بن گئی اور دکن ہند کی تمام رعایا اِسی سلطنت کی مطیع و فرماں بردار ہو گئی۔

بیجانگر کی جغرافی حالت

نقشہ ہندوستان کے وسط میں اگر ایک خطِّ مستقیم بمبئی سے لے کر مدراس تک کھینچا جاوے تو نصف راستے پر دریائے تُنگ[1] بھدرا سے تقاطع ہو گا جو آگے چل کر کرنول کے قریب دریائے کرشنا سے مِل جاتا ہی۔ دریائے تُنگ بھدرا درمیانی حصّے میں ایک کوہستانی اور پتھریلے اُس حصۂ ملک سے گزرتا ہی جو بلھاری[2] سے بہ جانب شمال و مغرب

---

[1] دریائے تُنگ بھدرا دو چھوٹی چھوٹی ندیوں تُنگا اور بھدرا کے مِل جانے سے پیدا ہوا ہی۔ موضع سموگر علاقہ میسور سے نکل کر لنگسگور ورایچور کی جنوبی حد پر بہتا ہوا عالم پور کے قریب سرحد موضع کوڑ دیلی میں کرنول سے عالم پور نو میل ہی درمیان میں تُنگ بھدرا حائل ہی) کرشنا سے ملتا ہی۔ اِس مقام کو ہنود "سنگم تریان" کہتے ہیں اور بڑا متبرک مقام سمجھ کر اشنان کرتے ہیں اِس میں سے بہت سی نہریں کاٹ کر زراعت میں مدد لی گئی ہی۔ مملکت نظام میں اِس کی درازی (۱۷۵) میل ہی۔ گورنمنٹ نظام اور برٹش میں یہی دریا حدِ فاصل ہی۔ مدراس ریلوے کا اسٹیشن اِسی دریا کے نام سے مشہور ہی۔ دریا پر ریل کا بہت بڑا آہنی پُل بنا ہوا ہی ۱۲۔

[2] بلھاری مستقر ضلع ہی۔ سدرن مرہٹہ ریلوے پر واقع ہی۔ یہاں گورے اور ہندوستانی فوج کی چھاؤنی ہی جو شہر سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہی۔ بہت بڑی بستی ہی۔ روئی کی تجارت کے کاروبار کی بڑی منڈی ہی۔ روئی کے بنولے نکالنے اور گٹھے باندھنے کے متعدد پریس ہیں۔ یہاں ایک قدیم قلعہ ہی جس کی مضبوط فصیل اور خندق موجود ہی۔ (باقی نوٹ صفحۂ آیندہ)

چالیس میل پر واقع ہی یہ خطہ بلھاری سے جو ریل دہارواڑ کو جاتی ہی اُس کے شمال میں واقع ہی۔

آناگُندی کی قدیم ریاست

اسی مقام پر دریائے تُنگ بھدرا کے شمالی ساحل پر ۱۳۳۰ء میں ایک محصور[1] شہر موسوم بہ آناگُندی[2] جس کو نگُندیم بھی کہتے تھے موجود ہی اب یہ مقام ریاست سرکارِ عالی نظام میں ہی۔ یہاں ایک راجہ رہا کرتا ہی اور یہ سمستان اب تک باقی ہی حسنِ اتفاق سے اس قصبے کے اطراف میں مرتفع پہاڑ واقع تھے جو ایک مستحکم قلعہ بنانے کے لیئے بہت اچھا موقع تھا۔ اسی لحاظ سے دریائے تُنگ بھدرا کے کنارے ایک مستحکم قلعہ بنا لیا گیا۔ دریائے تُنگ بھدرا اس مقام پر عمیق ہی اور کوسوں تک پایاب نہیں ہوتا۔ ہر موسم میں رواں رہتا ہی طغیانی کے زمانے میں اور بھی زیادہ بھر جاتا ہی اور بہت سے خطرناک کُنڈ اور آبشار یہاں موجود ہیں۔ راجگانِ آناگُندی کی قدیم تاریخ بہت کم معلوم ہی لیکن اتنا معلوم ہوتا ہی کہ غالباً وہ لوگ ہُیسالا بلّالا کے خراج گزار تھے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ ۱۳۵۰ء سے سات سو سال قبل اِن کی ریاست قائم تھی۔

سلطان محمد تغلق کا آناگُندی کو فتح کرنا ۱۳۳۶ء

نیونز نے حالاتِ راجگانِ ویجانگر میں صاف طور پر بیان کیا ہی کہ کس طرح اُنھوں نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳)۔ قلعے کے اندر سول کے عہدہ دار رہتے ہیں اور ملٹری سٹور اور میگزین بھی ہی۔ اس پُرانے قلعے کے علاوہ ایک اور قلعہ بھی ایک پہاڑ پر جس کی بلندی (۴۵۰) فٹ ہی زمانہ دراز کا بنا ہوا ہی جس پر سے سارا شہر نظر آتا ہی اور قلعہ بھی بہ سبب اپنی بلندی کے بہت دُور سے دکھلائی دیتا ہی۔ بیان کیا جاتا ہی کہ جب یہ قلعہ طیار ہوا تو حیدر علی بادشاہ میسور نے فرانسیسی انجینیر کو جس نے قلعہ بنایا تھا قلعے کے دروازے پر پھانسی دے کر لٹکوا دیا کیوں کہ یہ قلعہ ایسا بے موقع بنایا تھا کہ ایک پاس کی پہاڑی کی زد میں تھا ۱۸۰۰ء میں سرکار نظام نے بلھاری سرکار انگریزی کے سپرد کر دی ۱۲۔

[1] (نوٹ صفحہ ہذا) یعنی جس کو فصیل محیط ہو ۱۲۔

[2] آناگُندی کا اصلی نام پہلے اَنگادی تھا جو اَنگاد پسر "والی" کے (نام) سے موسوم تھا جو اس کا اصلی بنانے والا تھا۔ رفتہ رفتہ انگادی سے آناگُندی ہو گیا۔ چوں کہ یہاں راجہ بیجانگر کے بہت سے ہاتھی رہا کرتے تھے اِس وجہ سے آناگُندی نام پڑ گیا۔ کنڑی میں آنا ہاتھی کو کہتے ہیں اور گُندی گلی کو۔ یعنی ہاتھیوں کے رکھنے کی گلی۔ یہ دوسری وجہ تسمیہ ہی ۱۲۔

[3] اصل سنسکرت لفظ راجہ ہی جسے راسے سے بدل دیا ہی۔ رلے کو کنڑی زبان میں رایا کہتے ہیں۔ لیکن راجہ اور رایا ہی دونوں ایک ہی بات۔ راجگانِ بیجانگر کو "رایا" کہتے تھے ۱۲۔

حکومت کی بنیاد ڈالی اور کیوں کر بڑھتے بڑھتے اِس قدر وسیع اور مستحکم ہوگئی۔ اُس نے لکھا ہے کہ محمد تغلق بادشاہ دہلی نے مُلکِ گجرات فتح کرکے جنوبی ہند کی جانب بالاگھاٹ کی طرف سے رُخ کیا اور ۱۳۳۶ء سے ذرا پہلے قصبہ و قلعۂ آناگُندی کو فتح کر لیا اور راجہ کو مع اُس کے سارے خاندان کے قتل کر ڈالا۔ بادشاہ نے پہلے ارادہ کیا کہ اپنی طرف سے کسی نائب کو مقرر کرکے یہاں کا انتظام کرے مگر یہ تدبیر کچھ کارگر نہ ہوئی تب اِس ریاست کے وزیر دیو راؤ کو جس کا پورا نام ہریہر دیو اوّل تھا اپنی طرف سے حکمراں مقرر کیا۔ اِسی نے بہ امداد اپنے مذہبی پیشوا مادھو کے دریائے تُنگ بھدرا کے جنوبی ساحل پر آناگُندی کے محاذی شہرِ بیجانگر کی بُنیاد ڈالی۔ اور وہیں خود رہنے لگا۔ آناگُندی چھوڑ کر بیجانگر میں سکونت اختیار کرنے کا منشا یہ تھا کہ آناگُندی پر سلاطینِ اسلام کا قبضہ تھا آئے دن اُن سے جنگ و جدل ہونے ہی والی تھی اِس سے بہتر یہ تھا کہ سلطنتِ اسلام اور ہنود کے درمیان ایک مستقل حدِّ فاصل دریا واقع ہو تاکہ ایک گونہ امن و امان ملے۔ ہریہر دیو اوّل کے بعد اُس کا بھائی بکّا راؤ جانشین ہوا جس نے (۳۷) برس سلطنت کی اِس کے بعد بکّا راؤ کا بیٹا پریوڑ دیو (ہریہر دیو ثانی) مسند نشین ہوا۔

سلطنتِ بیجانگر کا نشو و نما حسبِ بیانِ ابنِ بطوطہ و عبدالرزاق و فرشتہ

سلطنتِ بیجانگر کا نشو و نما بہت تعجب خیز تھا۔ ابن بطوطہ (جس نے ہندوستان میں ۱۳۳۳ء سے ۱۳۴۲ء تک سفر کیا ہے) اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ اِس زمانے میں بھی ایک مُسلمان رئیس جو مغربی ساحلِ ہند پر تھا ہریہر اوّل کا مطیع تھا۔ اِس کے سو سال کے بعد عبدالرزاق جو سلطنتِ فارس کا ایلچی تھا لکھتا ہے کہ اِس زمانے میں بادشاہِ بیجانگر کی سلطنت تمامی جنوبی حصۂ ہند پر قائم تھی اِس سمندر سے اُس سمندر تک اور دکن سے راس کماری تک سراندیپ (جزیرۂ لنکا) سے لے کر گلبرگہ[1] تک اِن کا تسلّط تھا۔ اِن کی افواج کی تعداد گیارہ لاکھ

---

[1] ریلوے اسٹیشن جی آئی پی ریلوے اب سرکارِ عالی نظام کے صوبہ کا مستقر ہے اور پینتیس ہزار کی آبادی ہے اگرچہ سلاطینِ بہمنیہ کا دارالحکومت خاص گلبرگہ میں تقریباً اسّی سال قائم رہا تاہم اِس خاندان کے کسی متنفس کا یہاں پتہ نہیں چلتا بلکہ اُن کے فلک شکوہ شاہی ایوان سب منہدم اور مسمار ہو گئے جن کا نام و نشان تک باقی نہیں شہر گلبرگہ پہلے ہندو راجاؤں کا راج دھانی (دارالخلافہ) تھا۔ اِس کی آبادی کی بنا راجہ "کلی چند" نے ڈالی (باقی بر صفحہ آئندہ)

تھی۔ تاریخ فرشتہ میں ۱۳۶۸ء کا حال لکھا ہے کہ اس زمانے میں بھی راجہ بیجانگر بہ اعتبار قوت دولت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵)۔ اسی وجہ سے ہندو اب تک کل برگہ کہتے ہیں، جو رفتہ رفتہ گلبرگہ ہوگیا۔ جو قلعہ اس وقت یہاں موجود ہے وہ ان ہی راجاؤں کا بنایا ہوا ہے اس قلعے میں ایک عجیب و غریب مسجد ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ دراصل یہ عمارت ان ہی راجاؤں کے دربار کا مقام تھا مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ عمارت بُت خانہ تھی جس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ ابھی حال میں جب اس مسجد کی استرکاری کرائی گئی تو مسجد کے اندر بعض جگہ دیواروں پر مورتیں اور دیوتاؤں کی شکلیں نظر آتی تھیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جگہ پہلے مندر ہی تھی جس وقت سلطان علاؤ الدین حسن گانگوی بہمنی نے یہاں کے راے بھیرن کو قتل کرکے اس کو اپنا دار الخلافہ قرار دیا اور بجاے گلبرگہ کے حسن آباد نام رکھا اور قلعے کی بھی ضروری ترمیم کی اُس وقت اس مندر کی شکل مسجد سے بدل دی۔ یہ مسجد قرطبہ کے نمونے پر بنی ہوئی ہے اور صنعتِ قدیم کا ایک اعلیٰ درجے کا نمونہ ہے سرکار عالی نظام نے اس کی نہایت عمدگی سے مرمت کرادی ہے۔ گلبرگہ میں بہت بڑی متبرک اور مشہور درگاہ حضرت میر سید محمد الحسینی عرف حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی ہے۔ حضرت بندہ نواز دہلی کی طرف سے ۱۳۱۳ء میں بعہد سلطان فیروز شاہ بہمنی تشریف لائے تھے۔ آپ حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے۔ بادشاہ فیروز آباد میں تھا (جو گلبرگہ سے سات کوس کے فاصلے پر واقع ہے اور فیروز شاہ ہی کا آباد کیا ہوا ہے یہ کسی زمانے میں بڑا شہر ہوگا اب تو ایک معمولی گاؤں کی حیثیت رکھتا ہے البتہ ایک عظیم الشان قلعہ اور ایک عالی شان مسجد موجود ہے۔ قلعے کے اندر کے مکانات ٹوٹ پھوٹ گئے مگر حصار اور مسجد باقی ہے) کہ اُس نے حوالی گلبرگہ میں حضرت کی تشریف آوری کی خبر سُنی ؎ چراغے را نشاید بی تافتہ ہ کہ خورشید دمہ نور از و یافتہ ہ

بادشاہ ہمیشہ ایسے بزرگوں کا متلاشی رہتا تھا اس بشارت سے بہت خوش ہوا اور فیروز آباد سے گلبرگہ آیا تمام اُمرا و ارکان دولت کو آپ کے استقبال کے لیے بھجوایا اور بہت اعزاز و احترام سے شہر گلبرگہ میں لایا اور حضرت کی خانقاہ بہمنی پورہ میں چلّہ باولی کے متصل بنا دی جو اب تک موجود ہے لیکن بعد میں ۸۱۸ھ میں بادشاہ نے اپنے بڑے بیٹے حسن خان کی ولی عہدی کے لیے حضرت سے دُعا چاہی آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالےٰ کی مرضی کے خلاف میں دعا نہیں کرسکتا اس پر بادشاہ ناراض ہو گیا اور کہلا بھیجا کہ آپ شہر کے باہر چلے جائیے کہ لوگوں کے ازدحام سے ہم کو تکلیف ہوتی ہے چنانچہ آپ شہر کے باہر چلے گئے اور جس جگہ اب درگاہ شریف ہے وہاں ٹھیر گئے۔ آپ کا عرس شریف ۱۵ سے ۱۷۔ ذی قعدہ تک ہر سال بڑی دُھوم دھام سے ہوتا ہے اور سرکار عالی نظام کی طرف سے ایک رقم معتدبہ منظور ہوتی ہے اور تخمیناً پچاس ہزار آدمی اطراف واکناف اور دُور دراز مقامات کے جمع ہوتے ہیں۔ آپ کی ولادت ۷۱۷ھ میں ہوئی اور وصال (بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

اور وسعتِ ملک کے سلاطینِ بہمنیۂ دکن سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ دکن میں جو قدیم ریاستیں موجود

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶) ۱۶ ذی قعدہ ۸۲۵ھ میں ہوا اس حساب سے آپ کا سنِ شریف ۱۰۵ برس کا ہوتا ہے آپ کی وفات "مخدوم دنیا و دین" سے نکلتی ہے۔ اس شعر سے عمر ولادت اور وفات کی تینوں تاریخیں نکلتی ہیں :-

سنش عادل تولد "وارثِ جود" وفاتش داں کہ "تاج المرسلیں" بود

۱۰۵ ۷۲۰ ۸۲۵

آپ کے رحلت فرمانے کے دو سال بعد گنبد کی طیاری احمد شاہ بہمنی نے آغاز کی جو سلطان علاء الدین فرزند سلطان احمد شاہ کے زمانے میں ختم ہوئی۔ (۷) سال میں گنبد کے اندرونی حصے کی استرکاری ہوئی ابراہیم قطب شاہ نے بیرونی استرکاری کرائی۔ سلطان محمود عادل شاہ بیجاپور نے ۹۵۵ھ میں قدیم کلس نکال کر آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت سید محمد اکبر حسینی کے گنبد پر چڑھا کر نیا کلس آپ کے گنبد پر لگایا۔ افضل خاں سپہ سالار بیجاپور نے دروازۂ پائیں و مسجد بیرون اور سرا تعمیر کرائی۔ عالمگیر بادشاہ نے مسجد اندرونِ درگاہ و سماع خانہ حجرے اور حوض مسجد تعمیر کرایا۔ گلبرگہ میں متعدد گنبد موجود ہیں۔ جو سلاطینِ بہمنیہ کے زمانے میں اکثر تاجروں نے اپنے ذاتی صرف سے تعمیر کیے تھے اور جب شاہی خاندان میں سے کسی کو اُن کی ضرورت لاحق ہوتی تو ایک معتدبہ رقم لے کر گنبد تعمیر شدہ کو فروخت کر دیتے تھے چنانچہ اسی وجہ سے بعض گنبدوں میں مزار یا اُن کے آثار موجود ہیں اور بعض بالکل خالی ہیں۔ ان گنبدوں میں سب سے بڑا مشہور اور قابلِ دید گنبد حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کا ہے جو محلۂ روضۂ بزرگ میں واقع ہے۔ اس گنبد کے آس پاس اور بھی گنبد ہیں جن میں بڑا اور بہت دُور سے نظر آنے والا گنبد حضرت موصوف کے پوتے حضرت شاہ قبولا حسینی قُدِّسَ سِرُّہٗ کا ہے۔ یہ دونوں عالی شان اور بلند گنبد دس بارہ میل کے فاصلے سے نظر آتے ہیں۔ روضۂ بزرگ اور محلہ مخدوم پورہ کے درمیان سات گنبد واقع ہیں جو "ہفت گنبد" کے نام سے مشہور ہیں یہ سلاطینِ بہمنیہ اور اُن کے خاندان کے لوگوں کے مدفن ہیں۔ محلۂ شاہ بازار کے غربی طرف حضرت شیخ سراج الدین جُنیدی قُدِّسَ سِرُّہٗ کا روضہ ہے جس کے عالی شان دروازے کے دونوں جانب دو بلند مینار بنے ہوئے ہیں مگر حضرت موصوف کا گنبد کچھ ایسا بلند نہیں ہے۔ اس سے آگے چل کر ایک عالی شان گنبد بھاری لاگت کا بلند اور پُرفضا مقام پر بنام "چور گنبد" گلبرگہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس میں کوئی قبر نہیں ہے۔ چوں کہ یہ گنبد آبادی سے دُور ہے اور اکثر چور اور بدمعاش لوگوں نے اُس کو اپنا مسکن بنا لیا تھا لہٰذا یہ گنبد اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ اس کی تعمیر اور کاری گری قابلِ دید ہے۔ قدیم عمارتوں میں ان گنبدوں کے علاوہ خانقاہ حضرتِ بندہ نواز حسینی قُدِّسَ سِرُّہٗ قلعے کے عقب میں۔ جامع مسجد شاہ بازار میں۔ لنگر خانے سلطان پور کے رستے میں (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

تھیں وہ سب کی سب خود بخود اس خیال سے نئی سلطنتِ بیجانگر کے مطیع و فرماں بردار ہوگئیں کہ کسی طرح وہ مسلمان بادشاہوں کی دست بُرد سے جو غیر مذہب والے تھے محفوظ رہیں اور اسی وجہ سے آناگُندی کی ایک چھوٹی سی ریاست آنِ واحد میں حیرت خیز ترقی کرکے ایک خود مختار سلطنت بن گئی۔ سلطنتِ شاہ اسلام میں خود جنگ و جدال اور خوں ریزیاں اس کثرت سے ہو رہی تھیں کہ ہر بہر اور بحّا دونوں کو میدان خالی ملا اور وہ بلا روک ٹوک کے اپنے عمل دخل کو وسعت دیتے گئے۔ سلطان محمد تغلق کی زیادتیوں اور مظالم سے تنگ آکر ۱۳۲۷ء میں ملکِ دکن میں بغاوت ہوکر ایک خود مختار سلطنتِ سلاطینِ بہمنیہ مستقلاً قائم ہوگئی۔

سلطان محمد تغلق کے حالات نیونسز اور دیگر وقائع نگاروں کی زبانی

"۱۳۳۰ء میں اس حصۂ ملک پر ایک ایسے بادشاہ کی حکومت تھی کہ جس سے بڑا کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ یہ دلّی کا بادشاہ تھا جو اپنے لشکر کے زور پر کئی سال تک ملکِ گجرات میں لڑتا رہا اور ملکِ گجرات کو جو کیمبے کے تحت تھا فتح کرلیا اور آخر کار خود اس پر قابض ہوگیا۔ اس کے بعد بادشاہِ دہلی نے ازبالائے بالا گھاٹ و بیجانگر پر چڑھائی کی۔ بادشاہ کے ہنود بہت معتقد تھے اور اُنھیں ولی سمجھتے تھے۔ ہنود کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ عبادتِ الٰہی میں مشغول تھا کہ چار ہاتھ نمودار ہوئے جنھوں نے آسمان پر سے اُس پر پھول برسائے اُس نے بہت سے مُلک فتح کیے تھے اُس کی حکومت میں بہت بڑا حصّہ مُلک کا تھا۔ اُس نے بہت سے بادشاہوں کو اپنا مطیع کرلیا تھا بہتوں کو قتل کیا اور اُن کی کھالیں کھچوا کر اپنے ساتھ لے گیا یہاں تک کہ لوگوں نے اُسے کھال کھینچوانے والے بادشاہ کا خطاب دے رکھا تھا۔ اس بادشاہ کے عجیب و غریب قصّے مشہور ہیں۔ ایک دن بادشاہ لباس بدل رہا تھا کہ بند کھڑکی میں سے آفتاب کی شُعاع اندر پڑی اس پر وہ برافروختہ ہوا اور کہا کہ یہ کون ہے جس کی اتنی بڑی جرأت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷) اور عیدگاہ چرگنبد کے متصل اور جدید عمارتوں میں عمارات ذیل مشہور ہیں۔

[1] اکرام سرائے جس کو منشی اکرام اللہ خاں صاحب صدر تعلقہ دار کاکوروی المخاطب بہ نواب یار جنگ بہادر مرحوم نے بنوایا تھا۔ [2] آصف گنج۔

[3] گلزار حوض سنٹرل جیل جس میں بہت بڑا کارخانہ صنعت و حرفت کا ہے۔ اسی جیل سے تمام ممالکِ محروسہ میں ڈیرے سپلائی کیے جاتے ہیں [4] محبوب گلشن۔ [5] ایوانِ صوبہ داری (گورنمنٹ ہاؤس) [6] حضوری بنگلہ (پیایش بنگلہ) اور [7] محبوب شاہی بلڈنگ (پارچہ بافی کی گھرنی) شہر سے

[3] جانبِ غرب (۳) میل کے فاصلے پر واقع ہے ۱۲۔

ہوئی کہ وہ میرے خلوت خانے میں گھس آیا۔ میں اُسے ضرور مار کر رہوں گا۔ ہر چند اُمرائے عرض کی کہ خداوند نعمت وہ آفتاب کی شعاع تھی۔ آفتاب وہ چیز ہے کہ جس سے ہم سب کی زندگی ہے۔ اور آفتاب خدا کا بنایا ہوا آسمان میں ہے اُسے کس طرح نقصان پہونچایا جا سکتا ہے۔ لیکن بادشاہ نے ایک نہ سُنی اور لشکر کی طیاری کا حکم دیا اور کہا کہ میں ضرور اپنے دشمن کے پیچھے جاؤں گا اور اُس نے ایسا ہی کیا کہ ایک جم غفیر لشکر کا لے کر نکلا۔ لشکر کی کثرت سے اس قدر گرد و غبار بلند ہوا کہ آسمان کا نورانی چہرہ دُھندلا پڑ گیا تب لوگوں نے عرض کی کہ اب تو بادشاہ کی لشکر کشی سے آفتاب رُوپوش ہو گیا تب کہیں بادشاہ کو سکون ہوا اور کہنے لگا کہ ہاں میں نے آفتاب کو بھگا دیا تب لشکر لے کر پلٹا۔ اور دوسرے ایسے ہی فوق العادات حالات اس بادشاہ کے بیان کیے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی وہ بڑے مرتبے کا بادشاہ تھا مثلاً جب وہ ساحل کیرو منڈل پر تھا تو اُسے خبر ملی کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر سمندر میں ایک بہت بڑا جزیرہ ہے جہاں کی زمین سونے کی ہے اور پہاڑ پتھر جواہرات کے۔ اس جزیرے میں ایک مندر ہے جہاں آسمان سے فرشتے اُترتے ہیں۔ بادشاہ نے سنتے ہی چاہا کہ جس طرح بَن پڑے اُس پر قبضہ کرنا چاہیے اُس نے وہاں پہنچنے کا ارادہ کیا مگر اُس کے پاس اس قدر جہاز کہاں تھے جو اتنے بڑے لشکر کو اُتار سکتا تو اُس نے لاکھوں چھکڑے مٹی اور پتھر کے سمندر میں ڈلوانے شروع کیے کہ میں سمندر ہی کو پاٹ کر اُتر جاؤں گا اور لگاتار کوشش سے یہاں تک ہوا کہ بارہ یا پندرہ لیگ تک رستہ بن گیا اور[1] بادشاہ جزیرۂ سیلاؤ تک پونہچ گیا۔ اس بند کو کئی سال کے بعد سمندر نے کاٹ دیا اور اسی کے باقی ماندہ حصّے میں چلاؤ کے مچھلی پکڑنے کا اُتھلا حصّہ ہے۔ جب ملک نائب (بادشاہ کے سپہ سالار) نے دیکھا کہ خواہ مخواہ اس ناممکن العمل کام پر کتنی محنت برباد ہو رہی ہے تو اُس نے دو بڑے بڑے جہاز طیار کرائے اور اُن میں سونا اور جواہرات لدوا کر جزیرے کے راجہ کے نام سے بادشاہ کے پاس بھجوائے اور راجہ کی طرف سے اطاعت و فرماں برداری کا قول و قرار کہلا بھیجا کہ کسی طرح اس بلا سے نجات ملے تب خدا خدا کر کے

---

[1] محمد تغلق کے حالات اور اس سے پیشتر کا پُرانا قصّہ رام کے پل بنانے کا جو اُس نے بندروں کے لشکر سے بنوایا تھا دونوں قریب قریب ایک ہی معلوم ہوتے ہیں اسی پل کو مسلمان لوگ "آدم کا پل" بھی کہتے ہیں ۱۲۔

بادشاہ نے اپنا ارادہ ملتوی کیا ۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ " اُس زمانے کے ہم عصر لکھتے ہیں کہ محمد تغلق ایک نادرِ روزگار شخص تھا وہ بڑا فیاض اور حاتم دل تھا خصوصاً اہلِ ہُنر کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس نے مریضوں کے لیئے جا بجا شفا خانے اور بیوہوں اور یتیموں کے لیئے خیرات خانے کھول دیئے تھے۔ اپنے زمانے کا بڑا فصیح البیان اور لائق بادشاہ تھا۔ اس کو بہت سے علوم میں دستگاہ تھی منطق۔ علمِ ہیئت ریاضیات۔ فلسفۂ یونان۔ سب میں ماہر تھا اور اپنے مذہبی فرائض کا سختی سے پابند تھا لیکن باایں ہمہ صفاتِ حسنہ اُس کے دل میں رحم نام کو نہ تھا نہ کسی کا پاسِ خاطر تھا۔ سزا دینے میں بہت ہی سخت بلکہ سنگدل تھا اور اکثر بے انصافی کر بیٹھتا تھا۔ بندگانِ خدا کا خون بہانا اُس کے نزدیک کچھ بات نہ تھی اور جب کبھی اس پر تُل جاتا تھا تو ایسا معلوم دیتا تھا کہ اب نسلِ انسان کو دُنیا سے نیست و نابود کر دے گا۔ کوئی ہفتہ خالی نہ جاتا تھا کہ ایک نہ ایک عالم یا مقدس شخص یا اُس کے معتمدین اور مصاحبین میں سے کسی کی گردن نہ ماری جاتی ہو۔ اگر کوئی ذرا سی بات بھی اُس کی مرضی کے خلاف ہو جاتی تھی تو فوراً اُس کی طبیعت ہاتھ سے جاتی رہتی تھی اور بھڑک اُٹھتا تھا اور پھر جو دل میں آتا تھا کر بیٹھتا تھا۔ اس کا مزاج بالکل وہمی تھا اور اپنے خیال کا وہمی بندہ تھا۔ اُمرا کو بہت داد و دہش بھی کرتا تھا یہاں تک کہ بعض دفعہ ایک ایک دن میں ساڑھے سات لاکھ روپے تک دے دیئے ہیں۔ مغلوں نے جب چڑھائی کی تھی تو اس بادشاہ نے اُن سے لڑائی نہیں کی بلکہ بے شمار دولت دے کر اُن کو ہموار کر لیا۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد فارس پر چڑھائی کے لیئے تین لاکھ ستر ہزار سواروں کا لشکر طیار کیا۔ لیکن نتیجہ سوائے اِس کے کچھ نہ ہوا کہ اُن لوگوں کو تنخواہ نہ ملنے سے اُنھوں نے لُوٹ مار شروع کی اور مُلک کو لُوٹ ڈالا پھر چین پر حملے کا ارادہ کیا اور ایک لاکھ فوج کو ہمالیہ کی طرف بھیج دی جہاں سب کے سب ہلاک ہو گئے جو اِس مُہم سے بچ کر آئے اُنہیں بادشاہ نے مروا ڈالا ۔

اِس کی یادگار میں محمد تغلق نے اُس جگہ پر ایک بڑا مندر بنوا دیا جو اب تک وہاں موجود ہے اور جاترا کا ایک بڑا مقام شمار کیا جاتا ہے۔

محمد تغلق نے ملکِ گجرات فتح کر لیا۔ بنگال میں بھی لڑائی کی۔ اور ترکوں سے

شیخ اسمٰعیل[1] یعنی ملکِ فارس سے لڑائی ہوئی۔ محمدؐ تغلق کے اوائلِ زمانۂ سلطنت میں مغلوں کی ایک کثیر جماعت نے پنجاب پر حملہ کیا اور بڑھتے بڑھتے دہلی تک پہنچ گئے۔ بادشاہِ دہلی نے اُن کو بہت سا روپیہ دے کر ہموار کر لیا۔ بنگال کے متعلق یہ ہے کہ محمدؐ تغلق کی سلطنت سے پہلے ہی وہ فتح ہو گیا تھا لیکن پھر کچھ سرکشی کی تھی اور دوبارہ مغلوب کیا گیا تھا اس کے زمانے میں غیاث الدین بہادر نے جو بادشاہِ دہلی کا صوبہ تھا پھر اسے فتح کیا جو تھوڑے ہی دنوں بعد خود مختار بن گیا اور بہادر شاہ کا خطاب لے کر اپنا سکہ جاری کر دیا ۱۳۲۷ء م ۷۲۸ھ کے سکوں میں مُلکِ بنگال کا بادشاہِ دہلی کے تحت میں ہونا درج ہے مگر دو ہی سال بعد خود مختار بادشاہ کا سکہ چلا دیا لیکن پھر ۱۳۳۳ء میں محمدؐ تغلق نے اپنا سکہ ملکِ بنگال میں جاری کیا اور باغی سردار پر چڑھائی کی۔ بادشاہ نے اُسے شکست دے کر گرفتار کر لیا اور زندہ کھال کھچوا کر اُس میں بھُس بھروا کر سارے صوبے میں پھروایا تاکہ ایسے خود سر صوبہ داروں کا انجام معلوم ہو کہ جو خود مالک بن بیٹھتے ہیں ۱۳۴۷ء میں محمدؐ تغلق نے گجرات کو فتح کیا۔ پھر دکن کا قصد کیا اور دوارا سمدر۔ ملیبار اور آنا گُندی کو جس کا نام کمپیلا تھا اور ورنگل کو فتح کر لیا۔ اس بادشاہ نے دولت جمع کرنے کی غرض سے ایک کم قیمت سکہ تانبے کا بعوض سونے کے ملک میں رواج دیا تھا لیکن اس سے ساکھ جاتی رہی اور تجارت بالکل ڈوب گئی۔ جب اس طریقے میں ناکام یابی ہوئی تو خزانہ بھرنے کے لیے اُس نے بڑے بڑے بھاری محصول لگا کر زراعت کو برباد کیا۔ کاشتکار زراعت کا کاروبار چھوڑ کر لُوٹ مار پر پل پڑے جس سے ملک تباہ و ویران ہو گیا اور رعایا برایا تمام مفلس و قلّاش ہو گئی اور بھوکوں مرنے لگی۔ بادشاہ نے انسان کی اتنی بھی پروا نہ کی جتنی کہ کیڑے کی کرتے ہیں اور رہے سہے لوگوں کو بھی اُجاڑ دیا۔ جب کسی حصّۂ مُلک کی رعایا نے سخت اور جابرانہ مطالباتِ شاہی کے دینے سے اپنا عجز ظاہر کیا تو فوراً بادشاہ اُن پر فوج کو اس طرح بھیج دیتا تھا جیسے کوئی شکار پر جاتا ہے۔ وہ لوگ حلقہ ڈال کر جانوروں

[1] شیخ اسمٰعیل کا عروج مُلکِ فارس میں سولھویں صدی کے اوائل میں ہوا ہے۔ باربوسا نے جو ۱۵۱۴ء میں ہندوستان میں تھا اور جس نے اپنے وقائع ۱۵۱۶ء میں لکھے ہیں اُس کو اپنا ہم عصر لکھا ہے۔ اُس نے مشرقی حصّۂ مملکتِ فارس کا فتح کر کے مذہبِ شیعہ کی بُنیاد ڈالی تھی وہ مسلمان اور نوعمر شخص تھا مگر خاندانِ شاہی سے نہ تھا + ۱۲ +

کی طرح آدمیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیتے تھے اور پھر سب کو بلا امتیاز احدے تہ تیغ کر ڈالتے تھے ایسے واقعات ایک دفعہ نہیں بارہا پیش آئے اور ایک دفعہ اُس نے ہنود کے قدیم شہر قنوج میں قتل عام کروا دیا جس کی وجہ سے قحط پڑ گیا اور بے چارے ہنود کو ناگفتہ بہ مصائب کا سامنا ہوا جس کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے۔ جب بادشاہ دیوگیری (دولت آباد) سے پلٹا تو اُس کا ایک دانت گر گیا تھا جس کے لیئے اُس نے ایک متبرہ پیڑ مقام پر بنوا دیا جو اب تک موجود ہے۔ لیکن سب سے زیادہ مظالم کی مثال قتل باشندگانِ دہلی کی ہے۔ بادشاہ نے بجائے دہلی کے دیوگیری کو پایۂ تخت مقرر کرنا چاہا اور اسی نے اِس مقام کا نام دولت[1] آباد رکھا۔ اِن دونوں مقاموں میں چھ

---

[1] اورنگ آباد سے بجانب غرب (۸) میل پر واقع ہے اور گوداوری ویلی ریلوے کا اسٹیشن ہے بستی اسٹیشن سے ایک میل ہے۔ یہاں کا قلعہ عجائباتِ روزگار سے ہے جو ایک بلند پہاڑ کو کمال صنعت کے ساتھ اطراف سے تراش کر بنایا گیا ہے اور ایسی کاریگری صرف کی گئی ہے کہ سوائے ایک مخصوص رستے کے کسی دوسری طرف سے گزر ہونا محال ہے۔ اس کا دور تخمیناً چھ ہزار گز کا ہوگا سنگ تراشوں اور کاریگروں کی صناعی دیکھ کر قدرتِ خدا یاد آتی ہے۔ قلعے کے گرداگرد کئی مستحکم فصیلیں اور عریض و عمیق خندقیں ہیں۔ قلعے کا صدر دروازہ بہت عالی شان ہے۔ قلعے کے اندر ایک عالی شان مینار علاء الدین خلجی کا بنایا ہوا ہے۔ جو اب شکستہ حالت میں ہے۔ اِس مینار کے قریب پتھر کی ایک شاندار مسجد ویران حالت میں ہے۔ طرزِ عمارت اور لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑے جینی مندر کو توڑ کر مسجد بنائی گئی ہے۔ ؎

بہیں کرامتِ بُت خانہ مرا اے شیخ کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

اِس کے قریب چینی محل کے کچھ کھنڈر کھڑے ہوئے ہیں۔ اب سے دو سو تیئیس برس پہلے یعنی ۱۶۸۶ء میں شہنشاہِ اورنگ زیب نے سلطان ابوالحسن بادشاہ کو جو سلطنتِ قطب شاہیہ کا آخری تاج دار تھا قید کیا تھا۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس کی نسبت شاہ جہاں نے لکھا تھا ؎

ابنہ فرستاد بما بوالحسن
اَنبتہ اللہ نباتاً حسناً

عمارت کی وضع قطع اور چینی کے باقی ماندہ کام سے پایا جاتا ہے کہ یہ عمارت کسی زمانے میں نہایت نفیس اور خوش نما ہوگی۔ یہیں قریب میں ایک بڑا حوض ہاتھی حوض کے نام سے مشہور ہے یہ حوض بہت بڑا ہے اور اِس قدر عمیق ہے کہ

(بقیہ اوٹ پر صفحہ آیندہ)

سومیل کا فصل ہی بادشاہ نے ایک حکم عام دے دیا کہ سب باشندے دہلی سے دیوگیری چلے جائیں اور

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴) اس میں ہاتھی ڈوب جاتا تھا لیکن اب خشک ہی۔ قلعے کے اندر متعدد تہ خانے اور کوٹھے ہیں جو بند ہیں مگر معلوم ہوتا ہی کہ بعض میں ہتیار گولے اور بارود ہی۔ بعض میں اجناس ہیں۔ چنانچہ اُس زمانے کی بارود گو منجمد ہوگئی ہی مگر اب بھی کام آتی ہی اور اجناس کے کوٹھوں میں گھی کے علاوہ اور اشیاء تمباکو وغیرہ بھرا ہوا ہی۔ گھی تو موم کی طرح کا لاچکٹ ہوگیا ہی اور تمباکو قریب قریب مٹی کے ہی۔ قلعے پر چڑھنے کے لیے ایک نہایت پیچ دار رستہ بنایا گیا ہی جس میں دو اندھیریاں بھی ہیں ایک چھوٹی اور ایک بڑی ان میں دن کے وقت بھی اندھیرا گھپ رہتا ہی اور مشعل کے بدون کچھ دکھائی نہیں دیتا یہ اندھیریاں پہاڑ میں کاٹ کر بنائی گئی ہیں اور اس قدر وسیع اور بلند ہیں کہ بے تکلف گھوڑے سوار جا سکتے ہیں اور ان اندھیریوں میں سے بذریعہ سُرنگ قلعے سے دُور نکل جانے کے رستے بنے ہوے ہیں۔ اندھیری کے ختم پر ایک بہت بڑا آہنی دَوَار لگا ہوا ہی۔ اوّل تو غنیم یہاں تک پہونچ ہی نہیں سکتا لیکن اگر پہونچ بھی جاے تو رستے کے مُنہ پر تو اُدھنک کر آگ دہکا دی جائے تو گرمی کی تپش سے دم گھُٹ کر مرجاے۔ قلعے میں داخل ہونے کے لیے بڑا مستحکم پھاٹک بنایا گیا ہی اور رستہ کچھ اِس خوبی سے نکالا ہی کہ ایک آدمی کے سوا دو مل کر جا ہی نہیں سکتے۔ قلعے کی چوٹی پر پہونچتے پہونچتے آدمی تھک جاتا ہی اور پسینے میں شرابور ہو جاتا ہی لیکن قلعے کی پختہ اور سنگین عمارتوں میں قدم رکھتے ہی سرد سرد ہَوا کے جھونکے قلب میں بے انتہا فرحت پیدا کرتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہی کہ گویا کرۂ نار سے کرۂ زمہریر میں رسائی ہوگئی جس سے تکان اور کوفت جاتی رہتی ہی۔ یہاں ایک عالی شان بارہ دری اور رنگ زیب کی بنوائی ہوئی قابل دید ہی جس کی بلندی پر سے سارے مقامات ہیتلی پر معلوم دیتے ہیں اور گھنٹوں سیر کرنے کے بعد بھی دل نہیں بھرتا اِس کے کمروں میں شاہزادگاں اور دیسرایاں ٹھیر کر چاے نوشی اور بریکفاسٹ کرتے ہیں۔ لیڈیاں کرسیوں پر بٹھا کر اوپر پہونچائی جاتی ہیں جو جھنجان کی وضع کی خاص اِسی غرض سے بنائی گئی ہیں۔ بارہ دری کے اوپر بالاحصار پر ایک بہت بڑی عالی خان توپ رکھی ہی۔ حیرت ہی کہ اِس قدر بلندی پر کیسے پہونچی ہوگی۔ یہ توپ بیجاپور کی ملک میدان، سے کسی طرح کم نہیں ہی۔ قلعے کے بالائی حصّے پر دو تین چشمے ہیں جن میں ہر موسم میں پانی رہتا ہی۔ ایک چشمہ "کو ٹری ٹانکے" کے نام سے موسوم ہی جس کا پانی اِس قدر صاف اور شفاف ہی کہ کوڑی ڈالو تو تہ میں نظر آتی ہی اور پانی اِس قدر شیریں اور خنک ہی کہ برف کو مات کرتا ہی۔ دولت آباد کی آب و ہوا نہایت خوش گوار اور زندگی بخش ہی۔ یہاں انجیر۔ انگور۔ امرود کے باغ کثرت سے ہیں۔ تمام میوہ جات تر و تازہ اور بالیدہ ہوتے ہیں اتنا بڑا تازہ اور شاداب انجیر شاید کہیں اور ہوتا ہو۔ انگور پہلے تو بے انتہا پیدا ہوتا تھا (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

لوگوں کے جلاوطن ہونے سے پہلے تمام بڑے بڑے درخت اُکھڑوا کر اس نئے رستے پر اس

اب بھی کثرت سے ہوتا ہی۔ فصیلِ شہر کے باہر بعض دل فریب اور قدرتی مناظر خوش نما تالاب اور جھیلیں اور دل کش مرغزار ہیں جن کے نظارے سے دل باغ باغ ہوجاتا ہی اور آنکھوں میں تازگی آتی ہی۔ یہاں سے قریب ہی خُلد آباد ہی جہاں علاوہ بہت سے اولیاے کرام کے مزاراتِ مبارک کے اورنگ زیب بھی مدفون ہی جس کی قبر بالکل خام اور سادی ہی۔ خُلد آباد کے نواح میں حوضِ قتلغ جو سلطان محمد تغلق شاہ کے اُستاد قتلغ خاں صوبہ دار خُلد آباد نے بنوایا تھا قابلِ دید ہی جو حقیقت میں ایک وسیع تالاب ہی۔ تین طرف پہاڑیاں ہیں اور ایک طرف پُختہ دیوار ہی۔ اِس حوض کا پانی درۂ آب پاش سے گزرتا ہوا قلعۂ دولت آباد کے باطنی حوض میں پُہنچتا ہی۔ یہاں قتلغ خاں کا دو منزلہ مکان اُس کی یادگار رہی اُوپر کا حصّہ گر گیا ہی نیچے کا حصّہ کچھ باقی ہی اب کثرتِ استعمال سے "دو تلّو کا حوض" مشہور ہی۔ حوض مذکور کے جنوب اور دولت آباد کی شمالی گھاٹی کے دامن میں وسیع اور عمیق "درۂ آب پاش ہی" یہ جگہ قدرتاً ایک مثلّث متساوی الساقین ہی۔ شرقاً اور غرباً دونوں طرف دو پہاڑیاں اور جنوب یعنی قاعدے کی طرف چُونے اور پتھر سے چوڑی دیوار بنائی گئی ہی۔ یہ مرغزار دل برداشتہ اور وحشت زدہ کے واسطے فرحت افزا اور ازحد دل کُشا ہی۔ دل چسپی اور نظارۂ قدرتِ الٰہی کے لیئے اِس سے بہتر مقام نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ جس طرح ملکِ دکن میں خُلد آباد بے نظیر ہی اِسی طرح شاہ خاکسار صاحب کے پہاڑوں سے حوضِ قتلغ اور درۂ آب پاش باعتبارِ لطافتِ آب و ہوا اور نیز لغرضِ تفریحِ طبع و سیر و شکار یہ مقامات بے مثل ہیں اور خلد آباد سے یہ مقامات بالکل قریب ہیں۔ یہ تمام کوہستان ہر فصل میں خزاں سے پاک سرسبز اور شاداب رہتا ہی خصوصاً موسمِ بارش میں بلاشبہ نمونۂ جنّت نظر آتا ہی۔ حاجی محمد خاں قدسی کہتے ہیں ؎

	در ایامِ خرداد و اردی بہشت	زمد دولت آباد دم از بہشت	
	زولہا صبا رفتہ گرد ملال	ہواے بہشت است یا برشکال	
	در و بامش از سبزۂ فیروزہ فام	حصارش ز سنگِ زبرجد تمام	
	ندیدہ کسے جُز دریں مرغزار	تقلب الاسد ابتداے بہار	
	نہ از سیلِ دیوارِ باغش خراب	نہ بر نخلِ موشش ستم ز آفتاب	
	جوانند پیرانِ ایں سرزمیں	نہ سرما نہ گرما بہشت است ایں	
	ز رشحِ ہوا پاے صحت بگل	طبیباں زبے کاری ایں جا خجل	(باقی بر صفحۂ آیندہ)

سرے سے اُس سرے تک لگوا دیئے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات۔ سب کو دلّی چھوڑنی پڑی۔ سنگ آمد و سخت آمد۔ اِس زمانے میں سڑکیں نہ تھیں اور رستہ کوہ بندھیاچل اور گھنے جنگلوں میں سے تھا۔ جہاں غذا اور پانی میسر نہ ہوتا تھا نہ اُن لوگوں کے لیئے جو وہاں پہونچ چکے تھے نئے شہر میں رہنے کے مکانات موجود تھے۔ بہت سے آدمی بڈھے اور عورتیں اور بچّے تو رستے کی صعوبت کی تاب نہ لاکر وہاں پہونچے بھی نہ پائے تھے کہ مرگئے۔ آخرکار بادشاہ نے اُن لوگوں کو جو گرتے پڑتے وہاں پہونچ گئے تھے دہلی واپس چلے جانے کی اجازت دے دی +

(بقیہ صفحہ ۳۴)

حصارش کند بر سرِ چرخ ناز	کہ طاؤسِ عرشش لہست پرگردہ باز
مرایں قطع را بود یاد میاں	کہ رفعت از زمین سبزہ بر آسماں
دریں ملک مردم خوش آسودہ اند	ہوائیست گوئی کہ فرمودہ اند
نیایند برگے دریں بوستاں	کہ گردد زبانش بکام خزاں
سگے غنچہ نگزاشت فیضِ سحاب	دریں بوستاں جز گلِ آفتاب
گر از گریہ خالی کند ابر دل	عجب گر رود پائے مورے بگل
بہارد اگر ابر سالے تمام	دریں خاک گل را نماند نام
بہار از پئے زینتِ ہر چمن	برد مایہ از بر شکالِ دکن
زنم گشتہ بازار ہا سبز پوش	دکانہا دکانِ زبرجد فروش
ہوا اش بخوبی از اں ست فرد	کہ ہرگز کسے را تصرف نہ کرد
زمینِ دکن سر نیارد فرود	زفیروزہ رنگی بہ چرخِ کبود

دولت آباد سے چار میل خلد آباد کے پہاڑ کے نیچے مشہور غار ہاے ایلورہ ہیں جو پہاڑ کو تراش کر اندر ہی اندر وسیع اور عمدہ مکانات اور تصاویر اور نقش و نگار بنائے ہیں۔ یہ صناعی بہت قدیم ہزار سال پیشتر کی ہے ہنود کی قوم بودھ اور جین لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اِن غاروں کی تعداد چھوٹے بڑے ملا کر تیس ہے جس میں کیلاس تین منزل (یعنی سہ منزلہ) ستار (بڑھئی) کی جھونپڑی۔ بہت مشہور اور عجائباتِ روزگار ہیں۔ بلا دیکھے اِن کی کیفیت سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اِن کے تفصیلی بیان کو ایک جداگانہ کتاب چاہیئے۔ چنانچہ انگریزی میں ایک مبسوط کتاب غار ہاے

۱۲ ایلورہ کے متعلق موجود ہے ۱۲

ابنِ بطوطہ اِس قیامت نما واقعے کے وقت موجود تھا اور اُس نے چشم دید یہ واقعات لکھے ہیں۔
"بادشاہ نے تمام باشندگانِ دہلی کو شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا لیکن جب معلوم ہوا کہ لوگ پس و پیش کر رہے ہیں تو مُنادی کرادی کہ اگر کوئی شخص شہر میں مکانات میں یا گلیوں میں ملے گا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی۔ اِس حکم پر سب نکل کھڑے ہوئے لیکن جاسوسوں نے آکر دیکھا تو صرف ایک اندھا آدمی اور ایک فریش مریض دو مکانوں میں نظر پڑے۔ بادشاہ نے بیمار کو تو سُولی چڑھوا دی اور اندھے کو حکم دیا کہ اِس کو اِس کے پاؤں سے گھسیٹتے ہوئے دولت آباد لے جاؤ اِس بے چارے کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے جا بجا اِس کے ہاتھ پاؤں زخمی ہو کر جھڑ گئے۔ صرف ایک ٹانگ دولت آباد تک پُہنچی کیوں کہ حکم یہی تھا کہ دولت آباد پُہنچاؤ اور اُس کی تعمیل ضرور تھی۔ جب ابنِ بطوطہ دہلی پُہنچا تو وہاں کوئی متنفس باقی نہ تھا اور بالکل سناٹا اور ویرانہ تھا"
اِس بادشاہ کا کچھ عجیب وہمی مزاج تھا تھوڑے دنوں کے بعد اُس نے دوسرے مقامات کے لوگوں کو حکم دیا کہ دِلّی میں جا کر بسیں لیکن ایک دفعہ شہر اُجڑ چکا تھا پھر پنپ نہ سکا۔ ابنِ بطوطہ لکھتا ہے کہ جب بادشاہ شہر کو اُجاڑ چکا تو اُس نے اپنے محل کے کوٹھے پر چڑھ کر دیکھا تو سارا شہر خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا تھا آگ یا دھوئیں کا کہیں نام نہ تھا تب بادشاہ نے کہا۔
"ہاں اب میرے دل کو اطمینان ہوا اور میری خواہش پوری ہوئی" ابنِ بطوطہ اِس دربار کا ایک ممبر تھا اور اُسے بہت سے حالات دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ لکھتا ہے کہ "سلطان محمد تغلق کی دو عادتیں بہت راسخ تھیں۔ ایک تو داد و دہش اور دوسری خوں ریزی۔ دربار میں روز دیکھا جاتا تھا کہ فقیر جس کو چیتھڑے لگے ہوئے تھے آن کی آن میں امیر بن گیا یا یہ کہ کسی بدنصیب کے قتل کا حکم ہوا۔ بادشاہی فیاضی اور بہادری اور مجرموں کے ساتھ اُس کی بے رحمی اور سنگ دلی کے افسانے زبان زدِ خاص و عام تھے۔ قطعِ نظر اِن اُمور کے وہ بہت منکسر المزاج اور نصفت پسند تھا ادائے فرائضِ مذہبی اور نماز کا سختی سے پابند تھا اور تارک الصلوٰۃ کو سخت سزا دیتا تھا۔ اُس کی تمام عادات میں فیاضی سب سے بڑھی ہوئی صفت تھی۔ جو قتل کیا جاتا تھا اُس کی نعش محلِ شاہی کے دروازے پر رکھی رہتی تھی۔ ایک دن محل کی طرف گیا تو میرا گھوڑا بدک گیا مَیں نے دیکھا تو میرے سامنے ہی زمین پر ایک سفید ڈھیر پڑا تھا۔ مَیں نے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے تو لوگوں نے کہا کہ آدمی کی نعش ہے جس کے

تین ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔ دربارِ عام میں ہر روز سیکڑوں آدمی پا بہ زنجیر سامنے لائے جاتے تھے اُن کے ہاتھ اُن کی گردنوں میں جکڑے رہتے تھے اور دونوں پاؤں بھی بندھے ہوتے تھے بعضوں کو قتل کیا جاتا تھا اور بعضوں پر مار پڑتی تھی اور طرح طرح کے عذاب دیئے جاتے تھے۔" یہ شخص متضاد صفات کا آدمی تھا کہ خیرات اور داد و دہش اور پابندیِ مذہب کے ساتھ اس میں خوں ریزی کی عادتِ بد اور آدمیوں کے مرواڈالنے کی خواہش ایک عجیب و غریب ترکیب تھی جو کچھ سمجھ میں نہیں آتی اسی لیئے ہنود اِسے انسان فوق العادت سمجھتے تھے کہ بظاہر ولی تھا مگر دل شیطان کا رکھتا تھا یا ایک شیطانِ مجسّم تھا مگر ولی کی روح اُس میں حلول کر گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سُلطان محمّد تغلق کے متعلق زمانہ مابعد میں انواع و اقسام کے خرقِ عادات مشہور ہو گئے ہیں اور جب دیکھو ایک نئی روایت اُس کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اِس بادشاہ کو ہندوؤں سے سخت نفرت تھی۔ تمام فوجی اور سول کے عہدے افغانوں کو دے رکھے تھے جو ہندوؤں کی زبان نہ جاننے کے علاوہ اُن سے نفرت بھی کرتے تھے۔ خاندانِ تغلق کی سلطنت ۱۲۰۶ء سے ۱۵۲۶ء تک رہی۔ اِس میں آٹھ بادشاہ ہوئے۔ محمّد تغلق نے ۱۳۲۵ء سے ۱۳۵۱ء تک بادشاہت کی۔ اِس بادشاہ نے ۲ شوال ۷۵۲ھ میں انتقال فرمایا۔

باب دوسرا

سلطنتِ بیجانگر کی ابتدا

سنہ ۱۳۳۶ء

سلطان محمد تغلق کا کمپیلی اور آناگُندی کو فتح کرنا سنہ ۱۳۳۴ء

شہر بیجانگر کی بُنیاد سنہ ۱۳۳۶ء میں پڑی جیسا کہ پتھر کے کتبوں اور ابنِ بطُوطہ کے سفرنامے سے معلوم ہوتا ہی ابنِ بطُوطہ نے لکھا ہی کہ سلطان محمد تغلق نے اپنے باغی بھتیجے بہاء الدین گشتاسپ کے مقابلے میں فوج کشی کی جو بھاگ کر راے کمپیلا کی پناہ میں تھا۔ تاریخ فرشتہ میں اِسی مقام کو کمپیلا لکھا ہی جو ایک محصور مقام ہی اور یہ حال کا قصبہ کمپلی ہی جو ضلع بلھاری میں دریاے تُنگ بھدرا کے کنارے واقع ہی۔ یہ مقام آناگُندی سے (۸) میل کے فاصلے پر جانبِ مشرق میں ہی اور یہاں ایک قدیم گڑھی بھی ہی۔ عجب نہیں کہ جب سُلطان حملہ آور ہوا ہو تو راے کمپیلا نے آناگُندی جیسے محفوظ اور مصنُون مقام میں جو قدرتی طور پر پہاڑوں سے گھرا ہوا ہی پناہ لی ہو جہاں کہ وہ بہ نسبت کمپلی کے زیادہ محفوظ رہ سکتا تھا اور مقابلے کے لیے بھی یہی جگہ بہ مقابلہ کمپلی کے زیادہ موزوں تھی۔ ابنِ بطُوطہ نے لکھا ہی کہ راے موصوف نے سلطان محمد تغلق کی چڑھائی کی خبر پاتے ہی بہاء الدین کو تومیسور کے علاقے میں اپنے قریب ہی دیور سمدرم کے راجہ ہوئیسالا بلّالا کے پاس بھگا دیا جو اُس زمانے میں تاوُر مقام میں رہتا تھا اور خود ایک بہت بڑی آگ جلوائی جس میں اُس نے اپنی اور اپنے اُمرا کی بیویوں۔ وزرا اور بڑے بڑے لوگوں سب کو قربان کر دیا۔ اِس کے بعد وہ باقی ماندہ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر حملہ آور ہوا

کے مقابلے کو نکلا اور مارا گیا۔ شہر پر بادشاہ کا قبضہ ہوگیا۔ راے کے گیارہ بیٹے پکڑ کر بادشاہ کے حضور میں حاضر کیے گئے جن سب نے مذہب اسلام قبول کر لیا۔ بادشاہ نے بھی اِن لوگوں کی شرافتِ خاندانی اور اُن کے والد کی ہمت اور جواں مردی کے لحاظ سے بہت کچھ عزت و توقیر کی اور ان کو اپنے مصاحبوں میں شریک کر لیا۔ نیونز نے جو ہنود کی روایت نقل کی ہے اُس میں اور ابنِ بطوطہ کے بیان میں دو امور میں اختلاف ہے۔ ہندوؤں کا کہنا یہ ہے کہ بادشاہ نے صرف بہ طمعِ زر یہ حملہ کیا تھا لیکن مسلمانوں کا بیان ہے کہ صرف باغی کا تعاقب محرک تھا۔ ہندو کہتے ہیں کہ راے کے خاندان میں سے ایک متنفس بھی آگ کے جلنے سے نہ بچا تھا اور ابنِ بطوطہ برخلاف اِس کے راے کے گیارہ لڑکوں کا زندہ گرفتار ہونا کہتا ہے۔ دونوں واقعہ نگاروں نے ایک ہی واقعے کو دو مختلف پیرایوں سے لکھا ہے ممکن ہے کہ راے کے گیارہ لڑکوں نے چوں کہ اسلام قبول کر لیا تھا اہلِ ہنود کے نزدیک وہ مردہ تصور کر لیے گئے ہوں +

محمد تغلق کے بھتیجے بہاء الدین کی گرفتاری اور موت

آنا گُندی کی فتح کے بعد سلطان نے بہاء الدین کا تعاقب کیا اور بالآخر اُسے جہاں وہ پناہ گزیں تھا جا پکڑا وہاں کے راجہ نے بھی مصلحت نہ دیکھی کہ کچھ پس و پیش کرے اور بہاء الدین کو حوالے کر دیا۔ نیونز لکھتا ہے کہ "بادشاہ نے پہلے تو اُسے زنانے میں بھجوایا جہاں سب نے اُسے لعنت ملامت کی اور اُس کے مُنہ پر تھُوکا۔ تب بادشاہ نے زندہ کی کھال کھچوالی اور اُس کے گوشت میں چاول ڈال کر پکوائے اور تھوڑا سا اُس کے بیوی بچّوں کو بھیج دیا باقی ہاتھیوں کے کونڈوں میں ڈلوا دیا لیکن ہاتھیوں نے سُونگھ کر چھوڑ دیا بادشاہ نے کھال میں بُھس بھروا کر غیاث الدین بہادر شاہ بنگالے کے پاس رکھوا دیا تاکہ مُلک کے سارے لوگ دیکھیں اور عبرت پکڑیں"۔

ملک نائب بطور گورنر آنا گُندی اور مُلک کی بدامنی

۱۳۳۴ء میں آنا گُندی کے فتح ہونے کے بعد بادشاہ نے ملک نائب کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور خود مراجعت کی۔ بادشاہ کے جاتے ہی پھر مُلک میں بدامنی پھیل گئی +

ہریہر دیوراؤ آنا گُنڈی کا راجہ بنایا گیا

چند روز کے بعد سلطان نے دیوراؤ وزیرِ سابق ہی کو وہاں کا حاکم مقرّر کر دیا جس نے سات سال سلطنت کی +

شہرِ بیجانگر کی بِنا ۱۳۳۶ء

ایک دن کا ذکر ہی کہ دیوراؤ شکاری کتّوں کے ساتھ شکار کو نکلا تھا اور دریائے تُنگ بھدرا کے جنوبی کنارے پر پہاڑوں میں شکار کھیل رہا تھا کہ ایک خرگوش نکلا کتّوں نے اُس کا پیچھا کیا مگر تعجّب تو یہ ہی کہ خرگوش ہی نے اُلٹا کتّوں پر حملہ کر کے زخمی کیا۔ راے کو خرگوش کی اِس غیر معمولی جرأت پر تعجّب ہوا اور اِسی سونچ میں سرگرداں واپس آ رہا تھا کہ دریا کے کنارے پر ایک بُزرگ سنیاسی مادھو اچاری نامی سے ملاقات ہوئی جس کا عرف ودیارانیا یعنی علم کا جنگل تھا۔ اُس نے رایا کو صلاح دی کہ ایسے مقام پر جہاں کے جانور ایسے جری ہیں ایک شہر بنانا چاہیے راے نے سنیاسی کے کہنے پر عمل کیا اور اُسی دِن سے شہر کی تعمیر شروع ہو گئی اور شہر کی فصیل بنائی گئی فصیل طیار ہوتے ہی راجہ نے آنا گُنڈی چھوڑ کر اِسی شہر میں اپنی سکونت اختیار کی اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ شہر کی آبادی بڑھتی چلی اور سنیاسی کی مناسبت سے اِس شہر کا نام ودیا نگر یا بیجانگر رکھا گیا اور یوں ۱۳۳۶ء میں اِس شہر کی بُنیاد پڑی جو آگے چل کر اِس قدر مشہور اور عظیم الشّان شہر ہو گیا +

ہمپی کے دیول کی بِنا

رایا نے سنیاسی کے نام پر ایک بہت بڑا مندر شہر میں بنایا اور یہ دیول اب تک دریا کے کنارے واقع ہی جو بہت عظیم الشّان ہی اور ہمپی کے دیول کے نام سے مشہور ہی کیونکہ اِسی نام کا ایک چھوٹا گاؤں دیول کے پاس بسا ہوا ہی۔ اِسی جگہ قریب میں پہاڑ پر ایک اَور قدیم چھوٹا سا دیول ہی جو جَینیوں کے مابعد زمانے کے بنائے ہوئے مندروں کے نزدیک ہی اِس دیول کی دیواریں اور چھت سب پتھر کی ہیں طرزِ عمارت سے معلوم ہوتا ہی کہ اِس قلعے میں جس قدر دیول ہیں اُن سب میں یہ بہت

لہ اِسی قسم کی روایت بہت سی نئی سلطنتوں اور نئے شہروں کی بنا کے متعلق مشہور ہی ۱۲۔

لہ بیجانگر کی وجہ تسمیہ اکثر یہی بیان کی جاتی ہی لیکن یہ صحیح نہیں ہی۔ بیجانگر کا نام شہرِ فتح وظفر تھا نہ کہ شہرِ علم کیوں کہ وجایا نگر نام تھا نہ کہ ودیا نگر۔ وجایا جُنا غالباً ودیا اُرجُنا تھا ۱۲۔

پُرانا ہے لیکن اِس کی تعمیر کی صحیح تاریخ کا پتہ نہیں چلتا۔ اِس کی وضع قطع سے تو ساتویں صدی کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے اور ایسے سنیاسیوں کے رہنے کا مقام تھا جو جنگل اور تنہائی میں یادِ خدا کیا کرتے ہیں اور فی الواقع عبادت کے لیے اِس سے بہتر کوئی مقام نہیں ہو سکتا جہاں سوائے نیچر کے پُرفضا نظاروں کے اَور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اب یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اُس زمانے میں کون رشی یہاں رہتا تھا بعض کہتے ہیں کہ مادھوا چاری ہی رہتا تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ سرنگری میں رہتا تھا اور یہاں کوئی اَور رہا کرتا تھا +

شہر بیجانگر کی بنا کے متعلق مختلف روایات

وجیانگر کی بنا کے متعلق اَور بھی مختلف روایتیں ہیں۔

(۱) اِس زمانے میں دو بھائی تھے بکّا اور ہریہر۔ دونوں راجہ ورنگل کے پاس نوکر تھے جب ۱۳۲۳ء میں وہ سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ سے تباہ ہوئی تو یہ دونوں بھائی چند سواروں کے ساتھ بھاگ کر آنا گُندی آئے اِن کے ساتھ برہمن مادھو (جس کا دوسرا نام مادھوا چاری ودّیا رانیا تھا) بھی تھا اور نہیں معلوم کس طرح اِس حصۂ ملک کے راجہ بن گئے اور اُنھوں ہی نے اِس شہر کو آباد کیا۔

(۲) مسلمانوں نے جب پہلی دفعہ ۱۳۰۹ء میں ورنگل کو فتح کیا تو اُن کے ہاں دو بھائی ملازم تھے ملک کافور نے جب ۱۳۱۰ء میں ہوئیسالا بلّالا پر لشکر کشی کی تو یہ دونوں بھائی بھی اُس کے ساتھ تھے دوارا سمدرم دار السلطنت کو مسلمانوں نے فتح کر لیا لیکن لشکر کے اُس حصّے نے جس پر یہ دونوں بھائی تھے شکست کھائی اور وہ آنا گُندی کے کوہستانی حصّے میں بھاگ گئے۔ یہاں اِن کو مقدس مادھو ملا جو تارک الدنیا تھا اور اِسی کی مدد سے اُنھوں نے شہر بیجانگر کی بنا ڈالی۔

(۳) دونوں بھائی کسی خاص وجہ سے ورنگل سے بھاگ کر آنا گُندی چلے آئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ پہلے پہل تو اُنھوں نے مسلمانوں کی نوکری کر لی لیکن بعد میں اپنے مذہبی جوش کی وجہ سے چھوڑ چھاڑ آنا گُندی آ گئے +

(۴) سنیاسی مادھو کو ایک پوشیدہ خزانہ مل گیا تھا اور اِسی نے اِس شہر کو بسایا تھا اور خود ہی حکومت کرتا رہا اور اپنے انتقال کے وقت کروبا کے خاندان کے لیے سلطنت چھوڑ گیا جنھوں نے ایک جدید خاندان کی بنیاد ڈالی +

(۵) کوٹو نے لکھا ہے کہ اِس شہر کی بنا ۱۳۳۶ء میں پڑی اور یوں سلسلۂ واقعات لکھتا ہے کہ جب مادھو پہاڑوں اور جنگلوں میں فقیرانہ زندگی بسر کرتا تھا تو ایک غریب گڈریئے کا لڑکا بکّا نامی اُس کو روٹی پونہچایا کرتا تھا۔ ایک دن اُس برہمن نے اِس چھوکرے سے کہا کہ "تو تمام ہندوستان کا بادشاہ ہوجاے گا"، جب یہ خبر دوسرے گڈریوں کو معلوم ہوئی تو وہ اُس کی تعظیم کرنے لگے اور اُس کو اپنے گروہ کا سردار بنالیا اور رفتہ رفتہ راجہ کہلانے لگا اور ساتھی ساتھ اُس نے اطراف و جوانب کے پانچ مُلکوں پر بھی قبضہ کرلیا یعنی کرناٹک[۱]۔ تلنگانہ[۲]۔ کنگوئی[۳] وَرُو[۴] (کنجیورم) انگا پٹاؤ[۵] (تنگا پاٹم) اور اپنا ملک جو بڑگاس[۶] کہلاتا تھا اور اِس طرح وہ راجہ بن گیا اور بکّا راؤ کہلانے لگا۔ اِس پر دہلی کے بادشاہ نے چڑھائی کی لیکن بادشاہ کو شکست ہوئی اور واپس گیا تب بکّا راؤ نے ایک نیا شہر بسایا جس کا نام اُس نے "وساجانگر" رکھا جو آگے چل کر بگڑ بگڑا کر "بسنگا" کہلانے لگا اور پھر وہاں کے لوگ تمام ملک کو بسنگا کہنے لگے اور بعض کرناٹک بھی کہتے تھے۔

(۶) بکّا اور ہر ہر دونوں ہوئیسالا بلّالا کے خراج گزار علاقے دار تھے۔ اُسی سیّاح نکیٹین نے جو ۱۴۷۰ء میں ہندوستان میں آیا تھا لکھا ہے کہ یہ دونوں بھائی قدیم خاندان "کدمبا بنوا سی" کے تھے چنانچہ "ہندو راجہ کدم" کے نام سے لکھا ہے جو بیجانگر میں رہتے تھے۔

(۷) بکانن صاحب نے اپنی کتاب "حالاتِ میسور" جلد سوم صفحہ (۱۱۰) میں لکھا ہے کہ جب وہ ملک میسور میں بیدور مقام پر ۱۸۰۱ء میں گئے تو اُن کو رامپّا دار میکا نے ایک سنسکرت کی کتاب دکھلائی جس کا نام ودّیارانیا رسکا تھا۔ اُس میں لکھا تھا کہ ویجانگر کے بانی ہکّا اور بکّا تھے جو پرتاب رُور راجہ ورنگل کے خزانچی تھے۔ یہ دونوں بھائی ایک گرو کے پاس گئے جس کا نام ودّیارانیا تھا اور جو سرنج گیری کا جگت گرو تھا اُس نے اِن کے واسطے یہ شہر بنا دیا۔ یہ واقعہ ۱۳۳۶ء میں ہوا اور ہکّا پہلا راجہ ہوا لیکن اِس سے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک نئے ملک میں ایک نئی حکومت اُن کو جو کہ ورنگل سے بھاگے ہوئے تھے اور ورنگل مُسلمانوں کے قبضے میں بھی آچکا تھا کیوں کر مل گئی اور پھر اِس طرح جھٹ پٹ ایک نئے شہر کی بنا کیسے پڑ گئی۔ اِن سب سے معتبر اور قابلِ وثوق روایت جس کی تائید تاریخ سے بھی ہوتی ہے یہ ہے کہ کروبا ذات کے دو ہندو بھائی تھے جو اپنے مذہب کے بڑے پابند تھے

بادشاہِ ورنگل کے مُلازم تھے۔ جب ۱۳۲۳ء میں ورنگل تباہ ہوا اور وہاں کی سلطنت ٹوٹی تو یہ دونوں بھائی بھاگ کر آناگُندی آئے اور یہاں اُنھوں نے نوکری کرلی۔ دونوں بھائیوں کو ورنگل کی ریاست کی تباہی کا قلق تھا اور مُسلمانوں کی جا برانہ فتح کی چوٹ اُن کے دلوں پر تھی۔ اِن دونوں نے عہد کرلیا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے مُلک اور اپنے مذہب کی حمایت کریں۔ دونوں بھائی بڑھتے بڑھتے آناگُندی میں وزیر اور خزانچی کے عہدوں پر پہنچ گئے۔ ۱۳۳۴ء میں راجہ نے بہاء الدین کو پناہ دی جس پر سُلطان محمّد تغلق نے حملہ کیا آناگندی فتح ہوگئی۔ بادشاہ نے مُلک نہی کو اپنا نائب مقرر کیا لیکن ملک سنبھل نہ سکا۔ بدامنی پھیلتی گئی۔ آخرکار بادشاہ نے مُلک پھر ہندوؤں کو واپس دے دیا اور اِن دونوں بھائیوں میں سے ایک کو راجہ اور دوسرے کو وزیر مقرر کر دیا یہی دونوں ہریہر اوّل اور بکّا اوّل تھے +

باب تیسرا

راجگانِ خاندانِ اوّل من ابتدا
سنہ ۱۳۳۶ء تا سنہ ۱۵۷۹ء

مقبوضات کی توسیع شہر بیجانگر کی بنیاد کے پڑنے کے بعد تمام ہندو جن کے قدم مسلمانوں کے نرغے سے شمالی ہند کی طرف سے اُکھڑ گئے تھے یہاں آکر جمے۔ بیجانگر کے پہلے حکم رانوں کو خطابِ شاہی لینے کی جرأت نہ پڑی نہ برہمنوں نے اُن کو راجہ کا لقب دیا چنانچہ کتبوں میں بھی ہربہر کو ہربیا "وُدیا" لکھا ہی کیوں کہ ہربہر سے ہربیا زیادہ تعظیم کا نام تھا اور وڈیا کے معنی صرف سردار کے تھے اور خطاب اُس کا مہامنڈلیسور تھا جس کے معنی سنسکرت میں بڑے سردار کے ہیں نہ کہ بادشاہ کے۔ اور یہی حال ہربہر کے جانشین بکّا کا تھا جیسا کہ دو کتبوں میں موجود ہی جن میں ایک کتبہ سنہ ۱۳۵۳ء کا ہی۔ سنہ ۱۳۴۶ء میں ہربہر اوّل کے تختِ حکومت بہت بڑا ملک آگیا تھا اور شمالی حد ضلع کلادگی تک وہی راجہ سمجھا جاتا تھا یہ وہی حصۂ ملک ہی جس پر سلطان محمد تغلق نے بھی چڑھائی کی تھی اور جو مال پربھا کے شمال میں واقع ہے یہ صرف زبانی جمع و خرچ نہ تھا بلکہ اس کا بیّن ثبوت یہ ہی کہ اسی سال میں ہربہر کی اجازت سے یہ مقام بدامی [1]

[1] ضلع بیجاپور کا تعلقہ اور سدرن مرہٹہ ریلوے کا اسٹیشن ہی۔ یہاں کے مندر جو چینوں کے زمانے میں سنہ ۶۵۰ء میں بنے تھے مشہور ہیں اس کے علاوہ برہمنوں کے قدیم ترمشہدہ تین غاریں جنکے کتبے سے سنہ ۵۷۹ء کے بنے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ نرسنہاوں کا اوتار۔ (وشنو کی مورت) جو پانچ سروں کے سانپ افنتا پر بیٹھا ہوا ہی اور اسی قسم کی طرح طرح کی مورتیں ہیں۔ ایک غار کے ستون پر مردانی اور زنانی تصویریں نہایت خوبصورتی سے تراشی ہوئی ہیں ان میں بڑی صناعی دکھائی گئی ہی۔ اس کے علاوہ (۹) میل کے فاصلے پر ایک بہت بڑا دیول دیوی سری بانا سنکری کا ہی جسکی جاترا ہر سال جنوری کے مہینے میں ہوتی ہے اور بہت لوگ جمع ہوتے ہیں ۱۲

ایک قلعہ تعمیر کیا گیا۔ اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندانِ بیجانگر کے پہلے ہی حکمراں نے بلا کسی قسم کی جنگ و شکر کشی کے چُپچُپاتے اِس قدر عروج حاصل کر لیا اور اپنے مقبوضات کو بہت بڑی وسعت دی اِس سلطنت کو ایسی جلدی اور غیر معمولی ترقی ہوئی کہ بکّا نے جو ہریہر دوم کا جانشین ہوا راج دھیراج یعنی شاہِ شاہاں گویا شاہنشاہ کا خطاب لیا +

زمانِ سلطنتِ ہریہر اوّل

پہلے راجہ ہریہر (جسے دیوراؤ یا دیورایا بھی کہتے تھے) نے سات برس سلطنت کی اور سوائے امن و امان کے کوئی واقعہ اِس کے عہد میں پیش نہیں آیا۔ اِس نے ملک کو سکون کی حالت میں چھوڑا ۱۳۴۳ء میں اِس کا انتقال ہوا۔ اِسی نے اُس برہمن سنیاسی کی یادگار میں جس نے اِسے اس عروج پر پہونچایا تھا ہمپی کا عظیم الشان مشہور دیول دریا کے پاس بنوایا جو اب تک اچھی حالت میں ہے اور جہاں اب تک برابر پوجا پاٹ جاری ہے۔ باقی سارے دیولوں کو مُسلمانوں نے ۱۵۶۵ء میں تباہ اور مسمار کر دیا +

مُسلمانوں کی مداخلت کی روک تھام

۱۳۴۴ء میں ورنگل کے راجہ پرتاب رُدرا کے بیٹے کرشنا نے بیجانگر میں آکر پناہ لی اور برہمشا ورتِ راجۂ بیجانگر اور پس ماندگانِ راجہ گانِ خاندان بلّالا دیورا سمدرم مسلمانوں کو پس پا کیا اور اُن سے جنوبی حصّۂ ملک دکن کو چھڑا لیا (اور پھر دہلی کی سلطنت کے نیست و نابود کرنے کے لیئے بند ھیاچل پہاڑوں کے جنوبی طرف رستہ صاف کیا۔

کہا جاتا ہے کہ ہریہر کے دور میں کسی قسم کی لڑائی نہیں ہوئی لیکن اُس کے مخالف سنگما دوم کے زمانہ ۱۳۵۶ء کا ایک کتبہ ایک عطیہ کے متعلق ہے جس میں ہریہر اوّل نے بادشاہ کو شکست دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ سلطان محمّد تغلق نے جو اِس ملک کا قبضہ چھوڑ دیا تھا غالباً یہ اُسی کی طرف اشارہ ہے جس کو شکست سے تعبیر کیا ہے +

زمانۂ سلطنتِ بکّا اوّل

اِس سلسلے کا دوسرا راجہ بکّا اوّل یا بکّا راؤ ہریہر کا بھائی تھا جس نے (۳۶) سال حکومت کی اور اپنے عہد میں تمام ریاست ہائے دکن کو مطیع کر لیا حتیٰ کہ اُڑیسہ بھی فتح کر لیا۔ ان فتوحات میں زیادہ خوں ریزی یا جنگ آزمائی نہیں کرنی پڑی۔ کُل نہیں تو اکثر حصّۂ جنوبی ہند کا مسلمانوں کی خود مختاری کی وجہ سے اُن کی رعایا

بن کر رہنا پسند نہ کرتا تھا اور اُن کی دلی خواہش تھی کہ ہندوؤں کا راج جو اُن کے ہم مذہب تھے قائم رہے اِس وجہ سے وہ لوگ خود بہ خود بیجانگر کی سلطنت[1] کے تابع ہو گئے ✤

کمپا اور سگم کے حالات

بکّا اوّل نے ۱۳۸۶ء میں انتقال کیا اُس کا زمانۂ سلطنت کتبوں کی رُو سے سن ابتدائے ۱۳۴۳ء تا ۱۳۷۹ء قرار پاتا ہے اور ہریہر دوم کے زمانے کا پہلا کتبہ ۱۳۷۹ء[2] کا ہے۔ کلکٹر صاحب نلور کی کچہری میں تانبے کے پتر پر کندہ کیا ہوا ایک کتبہ رکھا ہوا ہے جس کو مسٹر کشن شاستری نے بغور پڑھا ہے جس سے بکّا اوّل کا (جو ایک جنگ جو آدمی تھا) تخت پر غاصبانہ قبضہ کرنا پایا جاتا ہے۔ اِس میں یہ بھی درج ہے کہ ہریہر اوّل کا باپ جس کا نام سگم تھا اُس کے پانچ بیٹے تھے۔ سب سے بڑا خود ہریہر تھا اور فرزند دوم کمپا اور سوم بکّا تھا۔ اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ ہریہر کا جانشین کون ہوا۔ بکّا کے زمانۂ سلطنت کا ایک کتبہ ۱۳۵۲ء کا موجود ہے لیکن یہ نلور والا کتبہ ۱۳۵۶ء کا ہے۔ کتبہ آخر الذکر ایک دور مقام کا ہے جس میں لکھا ہے کہ ہریہر کے بعد کمپا جانشین ہوا اور اُس کے بعد کمپا کا بیٹا سگم دوم جس نے ضلع نلور میں برہمنوں کو ایک گاؤں جاگیر دیا تھا جس کی تاریخ عیسوی سے مطابقت کی جاے تو ۳ رسی ۱۳۵۶ء ہوتی ہے۔ اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سگم اپنے باپ کی جگہ پر اِس گاؤں کے عطا کرنے سے ایک سال پیشتر تخت نشین ہوا تھا اور اِس سے صاف ظاہر ہے کہ کمپا نے ۱۳۴۳ء سے ۱۳۵۵ء تک سلطنت کی۔ اِس بارے میں اِس سے زیادہ حالات اَور کچھ معلوم نہیں ہوتے سوائے اِس کے ایک اَور فرمان بھی ہے جو کمپا یا سگم کے زمانے میں لکھا گیا ہے۔ مسٹر کشن شاستری نے اِس کا ذکر کیا ہے کہ سایَن چاری جو مادھو چاری کا سوتیلا بھائی تھا وہ کمپا پسر سگم کا وزیر تھا اِن بیانات سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہریہر کی جانشینی کے واسطے کچھ جھگڑا پڑا ہوگا اور کسی

---

[1] گنّی ضلع انتاپور مدراس پریزیڈنسی میں ایک قلعہ ہے یہ مقام بیجانگر سے (۹۰) میل جانب مشرق واقع ہے۔ اور اب مدراس ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قلعہ بھی راجہ بکّا کا تھا چنانچہ ایک کتبہ بلا تاریخ قلعے کے پاس ایک بلند پہاڑی پر اِسی مضمون کا لگا ہوا ہے ۱۲۔

[2] ایک کتبہ ۱۳۶۹ء مطابق سکے ۱۲۹۱ء سال کلاکا کا موجود ہے جس سے اِس زمانے تک مادھو چاری وزیا رانیا کا زندہ ہونا پایا جاتا ہے ۱۲۔

نہ کسی طرح ۱۳۵۴ء میں بکّا بازی لے گیا اور راجہ بن گیا اور پھر اس بات کا دعویٰ کرنے لگا کہ وہ ہریہر کا جانشین قرار پایا ہے۔ اُس زمانے میں جب ایک راجہ مرجاتا تھا تو دوسرے کی تخت نشینی میں ہمیشہ انقلاب عظیم ہوتا تھا اور کئی کئی سال تک لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں لوگ مارے جاتے تھے اور جس کی چل جاتی تھی وہی آخر کار کامیاب ہو جاتا تھا +

قیام سلطنتِ بہمنیہ ۱۳۴۷ء

اب دیکھنا یہ ہے کہ اِس زمانے میں راجۂ بیجانگر کے جو رودِ کرشنا کے جانبِ شمال حکمراں تھا شاہانِ اسلام سے کیسے تعلقات تھے۔ بکّا کی تخت نشینی کے بعد مسلمانوں پر ہندوؤں نے لشکر کشی کی۔ تاریخ فرشتہ میں اس جنگ کا حال حسبِ ذیل درج ہے کہ ۷۴۴ھ میں جو ۱۳۴۳ء کے مطابق ہے کرشنا نایک فرزند رُودر دیو نایک فرزند راجۂ ورنگل بلّال دیو کے پاس گیا اور خواہش کی کہ سب ہندو مل کر لشکر فراہم کریں تاکہ مسلمانوں کو مُلکِ دکن سے ہٹا دیں۔ دونوں نے اِس رائے سے اتفاق کیا اور مُلکِ تلنگان کے ہنود کو جمع کر کے بکّا نے لشکر کشی کی۔ جنگ شروع ہوئی ورنگل جو اس زمانے میں مسلمانوں کے پاس تھا اُن کے قبضے سے نکل گیا۔ عماد الملک مسلمانوں کا گورنر قلعۂ دولت آباد میں پناہ گزیں ہوا۔ ان دونوں نے اپنے ساتھ راجہ گاں ملیبار اور کنارا کو بھی شامل کر لیا اور سب نے مل کر مسلمانوں کو مُلکِ دکن سے پس پا کیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سُلطان محمّد تغلق کے پاس مُلکِ دکن میں سوائے قلعۂ دولت آباد کے اَور کچھ نہ رہا۔ ہندوؤں کی یہ فتح بالکل چند روزہ اور عارضی تھی کیوں کہ مسلمان دکن سے نیست و نابود نہیں ہوئے تھے بلکہ جا بجا موجود تھے۔ اِس جنگ کے بعد ہی ہندو خود بخود رودِ کشنا کے جنوب میں پیچھے ہٹ گئے اور ملک میں طوائف الملوکی اور بدنظمی گھر پکڑ گئی۔ اگرچہ بادشاہِ دہلی کی حکومت مُلکِ دکن سے اُٹھ گئی تھی مگر تین ہی سال کے بعد ۲۴ ربیع الآخر ۷۴۸ھ مطابق ۳ اگست ۱۳۴۷ء میں مُلکِ دکن میں بہ مقام گلبرگہ علاء الدین حسن گانگوی بہمنی بادشاہ بن بیٹھا

لہ دار الخلافت دہلی میں حسن نامی ایک شخص تھا جو گانگوی برہمن منجم کے پاس ملازم تھا یہ منجم شاہزادہ محمد تغلق کا مصاحب تھا۔ حسن بالکل مفلوک الحال تھا تنگیٔ معاش سے عاجز آکر ایک دن اُس نے برہمن مذکور سے درخواست کی کہ میرے واسطے کوئی مشغلہ یا خدمت ایسی نکال دیجئے کہ میں اِس تکلیف سے نجات پاؤں۔ برہمن مذکور نے ایک جوڑی بیل اور دو مزدور اور جوالی دہلی میں ایک کھیت اُس کو دے دیا کہ زراعت کرو اور کھاؤ پیو۔ چوں کہ حسن کی حالت البقیہ بر صفحہ آئندہ

اور اُس سے ایک نئے خاندان بہمنیہ کی بنیاد پڑی جنھوں نے تقریباً ایک سو چالیس سال تک سلطنت کی

سلطان علاء الدین کا کرناٹک پر حملہ

اس کے چند ہی سال کے بعد سلطان علاء الدین نے ملک کرناٹک پر ایک کامیاب حملہ کیا اور لشکرِ اسلام کو بہت کچھ لوٹ کا مال ملا لیکن فرشتہ کے خیال میں مسلمانوں کو کامل فتح نصیب نہیں ہوئی تاہم

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷) بہت تباہ تھی اُس نے منظور کر لیا اور قلعہ رانی کرنے لگا۔ ایک دن ہل زمین میں اٹک گیا مزدور نے حسن کو خبر کی حسن نے آکر کھودنا شروع کیا دیکھا تو ہل کا پھل ایک زنجیر میں اٹک گیا تھا۔ بہ غور دیکھا تو زنجیر ایک برتن کے گلے میں لپٹی ہوئی تھی برتن کو نکالا تو وہ اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا حسن نے اُس برتن کو ایک چادر میں لپیٹ لیا اور رات کے وقت برہمن کے پاس جا کر حقیقتِ حال بیان کی برہمن نے اس کی دیانت اور امانت پر آفریں کہی اور علی الصباح اس واقعۂ عجیب کو شاہزادے سے عرض کیا۔ شہزادہ حسن کی کامل دیانت اور علوِ ہمتی سے متعجب ہوا اور اُسے اپنے سامنے بلایا اور اپنے والد بادشاہ غیاث الدین تغلق کو خبر پہونچائی۔ بادشاہ نے بہ مرحمتِ خسروانہ اُس کو اُمرائے سلطنت میں شامل کیا ایک دن برہمن نے حسن سے کہا کہ مجھ کو تمھارے زائچے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم صاحبِ اقبال ہو اور عن قریب مراتبِ اعلیٰ پر پہونچو گے لیکن شرط یہ ہے کہ مجھ سے اس بات کا عہد کر لو کہ اگر تم صاحبِ دولت و ثروت ہو جاؤ تو میرے نام کو اپنے نام کا جزو بنانا تاکہ تمھارے نام کے ساتھ میرا نام بھی مشہور ہو جائے حسن نے اس بات کو قبول کر لیا اور اُسی وقت سے اپنی مُہر میں اپنا نام حسن گانگوی کندہ کرایا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک دن حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ نے دہلی میں ایک عام دعوت دی تھی جس میں شہزادہ محمد تغلق بھی حاضر ہوا تھا ختمِ دعوت کے بعد حسن بھی بہ غرض شرف ملازمتِ حضرت خانقاہ میں حاضر ہوا حضرت نے عالمِ کشف میں احوال دریافت فرمالیا اور ارشاد فرمایا کہ "سلطانے رفت و سلطانے آمد" ابھی اس کی اطلاع بھی حضرت کی خدمت میں نہیں کی گئی تھی کہ آپ نے خادم کو فرمایا کہ ایک شخص جس کے چہرے سے آثارِ شرافت و نجابت ظاہر ہیں دروازے کے باہر کھڑا ہے اُسے بُلا لاؤ۔ خادم اُس کو بلانے باہر گیا تو اُس کے ظاہری لباس کی سادگی سے پہچان نہ سکا اور واپس آکر عرض کیا کہ ایسا تو کوئی شخص باہر نہیں ہے۔ شیخ نے ارشاد فرمایا کہ اچھی طرح دیکھو ضرور ہوگا خادم نے عرض کیا کہ ایک مجہول سا شخص بیٹھا ہوا ہے حضرت نے فرمایا کہ اُسی کو بُلا لاؤ کہ بظاہر وہ حقیر ہے اور بہ معنی بادشاہ اُس کے حاضر ہونے کے بعد شیخ نے بہت التفات سے اُسکے حالات پوچھے اور جوں کہ دسترخوان اُٹھ چکا تھا حضرت نے افطار کے واسطے ایک نان جَو کے طاقچے میں رکھی ہوئی تھی اُس کو اپنی انگلی کی پور پر رکھ کر حسن کو دی اور فرمایا کہ یہ چیز شاہی ہے) جو مدتِ دراز اور محنت دیرپا کے بعد تجھ کو ۴۴

۴۴ دکن میں نصیب ہوگا ۱۲

سلطان مذکور نے جنوبی ساحل دریائے تنگ بھدرا تک اپنے مقبوضات کو وسعت دی اور قلعۂ[1] ادھونی تک پو نہیچ گیا +

سلطان علاء الدین کا انتقال اور محمد شاہ کی تخت نشینی ۱۳۵۸ء

سلطان علاء الدین نے (۶۷) سال کی عمر میں ۲ر فروری[2] ۱۳۵۸ء کو اتوار کے دن انتقال کیا اور محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ راے بیجانگر نے سلطان علاء الدین کو ایک بیش قیمت لعل نذر دیا تھا جس کو بادشاہ نے اپنے تخت کے شامیانے میں لگایا تھا اور بعض اس کے برخلاف روایت کرتے ہیں کہ سلطان محمد شاہ نے راجہ کو ایک لعل دیا تھا جو اُس نے اپنے چتر میں لگا لیا تھا۔

محمد شاہ کی ورنگل پر پہلی چڑھائی

محمد شاہ کی اوائل سلطنت میں معلوم ہوا کہ سلاطین بہمنیہ کے طلائی اور نقرئی سکوں کو اہل ہنود بیجانگر اور ورنگل میں بہت گلا رہے ہیں اور بہت سے سوداگروں کو مار بھی ڈالا ہے۔ اسی زمانے میں بکّا اوّل نے بہ امداد اپنے پرانے دوست راجہ ورنگل کے بادشاہ سے اُن علاقہ جات کی واپسی چاہی جن پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا لیکن بادشاہ اس وقت جنگ کے لیئے طیار نہ تھا اُس نے ڈیڑھ سال تک راے بیجانگر کے ایلچیوں کو اپنے دربار میں اٹکا رکھا اور

---

[1] مدراس ریلوے کا سٹیشن ہے دریائے تنگ بھدرا سے چھبیس ۲۶ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مردم شماری (۱۶، ۴، ۳۰) روئی کے بیوپار کی بڑی منڈی ہے متعدد روئی کے صاف کرنے اور گٹھے باندھنے کے پریس ہیں۔ ادھونی کی وسیع جاگیر جس میں بلھاری بھی شامل تھی امیر الامرا سید محمد شریف خاں بہادر شجاع الملک بصلابت جنگ فرزند نجیب نواب میر نظام علی خاں بہادر مغفرت مکاں کے زیر حکومت تھی اب قلعے کا کچھ ٹوٹا پھوٹا حصہ باقی ہے مگر کوئی کتبے نہیں ہیں مسجد میں ایک ہی پتھر سے تراشی ہوئی زنجیریں دیکھنے کے قابل ہیں ۱۲ [2] تاریخ فرشتہ میں غرۂ ربیع الاول ۷۵۹ھ تاریخ وفات لکھی ہے لیکن برہان مآثر میں ۷۶۱ھ م ۱۳۶۰ء درج ہے اور مدت سلطنت علاء الدین تیرہ سال دس مہینے ستائیس دن لکھی ہے جس کی رو سے تاریخ وفات ۲۲ ربیع الاول ۷۶۲ھ م ۳۱ جنوری ۱۳۶۱ء ہوتی ہے جو غلط معلوم ہوتی ہے۔ فرشتہ نے صاف طور پر مدت سلطنت گیارہ سال دو ماہ سات دن لکھی ہے یہی مرجح اور صحیح ہے ۱۲۔

اور راے بیجانگر کی طلبیت کے لیے اپنے ایلچی کو دربارِ بیجانگر میں بھیج دیا۔ اِس اثنار میں بادشاہ بھی جنگ کے لیے طیار ہوگیا اور اِدھر سے بھی جواب تُرکی بہ تُرکی دیا گیا اور ہنود سے مطالبات کیے گئے۔ راجہ بکّا اور ورنگل دونوں کی افواج مِل گئیں اور محمد شاہ نے ورنگل پر چڑھائی کی اور تمام مُلک کو دارالسلطنت بیجانگر تک تاراج کر دیا اور ایک بہت بھاری زرِ خطیر ہرجانہ لے کر مراجعت کی۔ اِس کے بعد تھوڑے دِنوں تک مُسلمانوں کی طرف سے کچھ چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی لیکن ورنگل پر بادشاہ کا دانت تھا اور ورنگل سے ناکام واپس ہونے کا غبار بادشاہ کو تھا اور وہ راجۂ ورنگل کی طرف سے بے دِل تھا +

ورنگل پر محمد شاہ کی دوبارہ چڑھائی اور ناگدیو کا مارا جانا

بادشاہ نے پھر ورنگل کے شہر ولّن پٹن[1] پر چڑھائی کی۔ شہر پر قبضہ کر لیا۔ باشندگانِ شہر کو بڑی بے رحمی سے تہ تیغ کیا اور وہاں کے راجہ زادے دنایک دیو[2] کو جسے ناگدیو بھی کہتے تھے گرفتار کر لیا۔ بادشاہ نے گڑھی کے سامنے لکڑیوں کا بڑا انبار لگانے کا حکم دیا اور آگ جلوائی اور ناگدیو کو اُس میں پھنکوا دیا جہاں وہ جل کر بھسم ہوگیا۔ چند دن آرام لے کر بادشاہ پلٹا۔ لیکن ہندوؤں کے ایک بہت بڑے لشکر نے اُس کا پیچھا کیا اور بہت کچھ کُشت وخون ہوا۔ مُسلمانوں کے لشکر کی بہت تباہی ہوئی صرف پندرہ سو آدمیوں کے ساتھ بادشاہ گلبرگہ واپس آیا اور اِسی معرکے میں بادشاہ کے بازو پر بھی ایک سخت زخم لگا۔

ورنگل پر محمد شاہ کی سہ بارہ چڑھائی

اِس کے بعد بھی ہندو چین سے نہ بیٹھے اور بکّا راجۂ بیجانگر اور راجۂ ورنگل دونوں نے مِل کر بادشاہِ دہلی کے پاس اپنا ایلچی روانہ کیا اور درخواست کی کہ اگر آپ پھر دکن پر تسلّط کرنے کی غرض سے لشکر کشی فرمائیں تو ہم دونوں آپ کی مدد کو بسر و چشم حاضر ہیں لیکن فیروز[3] شاہ کو اپنے ہی جھگڑوں سے فرصت

---

[1] بُرہانِ مآثر نے غلام پٹن لکھا ہے ۱۲۔

[2] مسٹر ایس نے لکھا ہے کہ کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں بکّا کے لشکر کے سردار کا نام نٹری گنڈ تلینا تھا پس نٹری گنڈ سا یتا تھا۔ کتبوں میں ۱۳۵۵-۵۶ء و ۱۳۵۶-۵۷ء درج ہیں ۱۲

[3] ملک فیروز دربار بک سلطان غیاث الدین تغلق کا بھتیجا تھا۔ سلطان محمد تغلق نے اُسے اپنا ولی عہد مقرر کیا (بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

نہ تھی اُس نے ان کی درخواست پر کوئی توجہ نہ کی۔ محمد شاہ یہ خبر سُن کر آگ بگولا ہو گیا اور لشکر جمع کر کے دو حصّے کیئے کچھ لشکر ورنگل کی طرف بھیجا اور کچھ گولکنڈہ کو۔ اِس لڑائی میں راجۂ ورنگل کو شکست ہوئی اور بہ مشکل معتدبہ خزانہ اور ایک بیش قیمت اور مرصّع تخت جس کی قیمت کا اندازہ چالیس لاکھ روپیہ ہوتا ہے نذر کرنے کے علاوہ قلعۂ گولکنڈہ بھی بادشاہ کو بلاجب کہیں صلح ہوئی۔ آخرکار ورنگل کا قلعہ ۱۴۲۴ء میں فتح ہو گیا اور پوری طرح سلطنتِ بہمنیہ میں شامل کر لیا گیا۔ اور اِس طرح مُسلمانوں کا قبضہ دریائے کرشنا کے کنارے کنارے سب مقامات پر سوائے ایک تھوڑے سے حصّے کے جو مشرقی کنارے کے قریب تھا ہو گیا۔ اب بکّا کی سلطنت اور بیجانگر کا حال سُنیئے۔ ۱۳۶۵ء سے تاریخ بیجانگر میں دلچسپ واقعات شروع ہو جاتے ہیں اور دو صدی تک سلطنتِ ہنود کے حالات کے دریافت کرنے میں کچھ زیادہ دقّت پیش نہیں آتی +

بیجانگر کی سب سے پہلی بڑی بھاری لڑائی سنہ ۱۳۶۶ء

اوائل ۱۳۶۶ء میں سلطان محمد شاہ بہمنی اور بیجانگر کے فرماں رواؤں میں پہلی باقاعدہ لڑائی شروع ہوئی۔ بات تو کچھ ایسی نہ تھی کھانے کے بعد ہنسی مذاق میں لڑائی ٹھن گئی اور ہنسی میں پھنسی ہو گئی جس کا انجام ایسا قتلِ عام ہوا کہ حسبِ بیانِ فرشتہ صرف ہندوؤں کی طرف کے پانچ لاکھ آدمی مارے گئے۔ اِس لڑائی کا چشم دید حال مُلّا داؤد بیدری نے جس کے پاس سلطان محمد شاہ کی مُہر رہا کرتی تھی حسبِ ذیل بیان کیا ہے۔

"ایک روز شام کو جب محمد شاہ بادشاہ محفلِ عیش و نشاط میں مسرور تھا چند قوّالوں نے بادشاہ اور جلسۂ رقص و سرود کی تعریف میں دو شعر امیر خسرو کے گائے۔ بادشاہ اِن اشعار

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۰) اور اپنی رحلت کے وقت یہ شعر پڑھا۔

تو سرسبز باشی بہ شاہنشہی — کہ من کردہ ام سرزبانیں تہی

اُس نے نوّے برس بلکہ کچھ زیادہ ہی عمر پاکر ۱۳ رمضان ۸۹۹ھ میں قریب قریب چالیس سال سلطنت کر کے انتقال کیا۔ یہ بادشاہ بڑا فاضل و عادل و کریم و رحیم و حلیم و رعایا و سپاہ پرور تھا۔ "وفاتِ فیروز" تاریخِ وفات ہے جس سے ۸۹۹ھ نکلتے ہیں ۱۲۔

کو سُن کر بے انتہا خوش ہوا اور ملک سیف الدین غوری وزیر کو حکم دیا کہ اِن گویّوں کے لیئے جن کی تعداد تین سو تھی راجۂ بیجانگر کے نام ایک برات انعام دینے کے لیئے لکھ دی جاے۔ بتعمیلِ حکمِ بادشاہ وزیر مذکور نے اُسی وقت حکم تو لکھ دیا لیکن اِس خیال سے کہ بادشاہ اپنی حالت میں نہ تھا روانہ نہیں کیا۔ لیکن بادشاہ اِس بات کو تاڑ گیا اور دوسرے ہی دن وزیر سے پوچھا کہ "تم نے فرمان روانہ کر دیا"؟ وزیر نے عرض کیا کہ "ابھی نہیں"۔ بادشاہ کو اِس عدول حکمی پر غصّہ آیا اور فرمایا کہ "کیا تُو خیال کرتا ہی کہ کوئی مہمل اور لغو حکم مابدولت کی زبان سے نکل سکتا ہی؟ ہم نے نشے کی حالت میں حکم نہیں دیا بلکہ جو کچھ ہم نے کہا ہی سمجھ بُوجھ کر ہی کہا ہی"۔ یہ سُنتے ہی وزیر نے فوراً برات پر شاہی مُہر ثبت کر دی اور ایک معتبر قاصد کے ہاتھ اُسی وقت بیجانگر بھیج دی۔ راے بیجانگر کو اپنی حکومت کا نشہ ایسا چڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنے آپ کو خود مختار سمجھتا تھا بادشاہ کی اُس کے سامنے کیا حقیقت تھی۔ جو قاصد فرمان لے کر پُونہچا تھا اُس کی بڑی تہنک اور فضیحت کی اُسے گدھے پر سوار کر کے تمام شہر بیجانگر میں پھرایا اور تشہیر کی۔ اِس کے بعد قاصد کو نہایت ذلیل کر کے نکلوا دیا۔ اِس کے ساتھ ہی رایا نے افواج اور لشکر جمع کرنے کا حکم دیا اور مملکتِ بہمنیہ پر چڑھائی کے اِرادے سے نکلا اور تیس ہزار سوار تین ہزار ہاتھی اور نو لاکھ پیدل لے کر قلعۂ ادھونی کے قریب پُونہچ گیا اور وہاں ٹھیر کر سلطنتِ بہمنیہ کے مُلک میں لُوٹ مار کرنے کے لیئے اپنی فوج کو پھیلا دیا۔ اگرچہ یہ موسم بارش کا تھا تاہم راے بیجانگر مُدگل[1] تک جو رایچور دوآبہ میں

[1] اب اِس کی حیثیت شہر کی نہیں رہی البتہ ایک بڑا قصبہ ہی۔ سات ہزار کی آبادی ہی۔ قلعہ شکستہ حالت میں موجود ہی۔ قلعۂ مدگل کی تعمیر سمی مُدّتا ریڈی نے کی تھی جو سرکار مدگل کا زمیندار تھا۔ یہ تعمیر یادھوراؤ راجہ کے چھٹے سالِ جلوس میں یعنی سنہ شالی واہن ۱۰۵۳ میں ہوئی تھی جس کو اب ۷۹۰ سال کا عرصہ ہوا۔ اِس کے بعد قلعے کی توسیع اور درستی راجگانِ بیجانگر نے کی تھی ابھی کام اتمام کو نہیں پُونہچا تھا کہ سلاطینِ خاندانِ عادل شاہیہ بیجاپور نے اِس قلعے پر قبضہ کر لیا ابھی سلطنتِ بیجاپور کی طرف سے قلعے کی درستی و اصلاح ختم نہیں ہوئی تھی کہ اورنگ زیب نے قبضہ کر لیا۔ اورنگ زیب نے اِس قلعے کے بُرجوں کی تعمیر اپنے متفرق عہدہ داروں کے سپرد کی (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

ایک بڑا شہر تھا پونہچ گیا۔ ریاچور دوآبہ وہ ملک ہی کہ دریاے کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان واقع ہی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲) اور ہر ایک بُرج کو اُن عہدہ داروں کے نام سے موسوم کیا۔ بیجانگر کے راجہ کے زمانے میں قلعۂ مُدگل کا زمیندار لسپا نایک تھا جس کے پاس ہزار سوار اور دس ہزار پیدل اور پچاس ہاتھی رہتے تھے اور وہ راجۂ بیجانگر کو سالانہ ڈیڑھ لاکھ پگوڈا خراج دیتا تھا۔ ایک پگوڈا ساڑھے تین روپے کے مساوی ہی۔

۱۳۴۹ء و ۱۳۵۰ء میں مُدگل دیوگیری کے یادھو راجگان کے صوبے کا مستقر تھا۔ راجگانِ یادھو کے بعد مُدگل پر راجگانِ ورنگل نے قبضہ کیا۔ چودھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں یہ وہ زمانہ ہی جب کہ سلطان محمد تغلق کے صوبہ دار نے ملکِ دکن کو لُوٹا اور اپنی سلطنت قائم کی اِس زمانے میں یہ عالی شان قلعہ سلطنتِ بہمنیہ کا ایک سرحدی قلعہ قرار پایا اور یہاں بہت سی فوج رہتی تھی۔ پھر عادل شاہیوں کا قبضہ رہا ۱۶۶۹ء کے قریب ایک صدی تک مُدگل میر کلاں خاں نواب کلیانی کی جاگیر رہا بعد ازاں اُن کو ایک فرزند امتیاز الدولہ پیدا ہونے سے پرگنہ مُسکی دُودھ دہی میں جاگیر دیا گیا اور اُن کے فرزند امتیاز الدولہ کی جاگیر رہا ۱۷۶۸ء میں سلطنتِ بیجاپور پر اورنگ زیب نے قبضہ کیا ۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب کا انتقال ہوا ۱۷۰۷ء سے ۱۷۲۳ء تک سلطنتِ دکن بہادر شاہ۔ جہاں دار شاہ۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ کے قبضے میں رہی۔ محمد شاہ کی سلطنت کے زمانے میں بہ تاریخ ۱۳ر اکتوبر ۱۷۲۳ء نظام الملک آصف جاہ صوبے داریِ دکن پر واپس ہوے اور اُس زمانے سے آج تک بفضلِ خدا سلطنتِ آصفیہ قائم ہی جس کے مالکِ وقت اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ ہیں۔

بروے تہ نامہ ۱۲ر مئی ۱۸۵۳ء فی مابین آنریبل دی انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر مُلک دوآبہ ریاچور واسطے اداے تنخواہ جمعیت کنٹنجنٹ کرنل لوصاحب بہادر رزیڈنٹ سرکار عظمت مدار کے سپرد ہوا جس میں مُدگل بھی شامل تھا۔

بروے ضمیمہ تہ نامہ فی مابین ہز میجسٹی کوئین وکٹوریا و ہز ہائنس نواب افضل الدولہ نظام الملک آصف جاہ بہادر مورخہ ۲۹ر دسمبر ۱۸۶۰ء بزمانہ کرنل ڈیوڈسن بہادر رزیڈنٹ حیدرآباد ملکِ دوآبہ سرکارِ عالی کو مسترد ہوا۔

یہاں کے قلعے کی فصیل۔ خندق۔ برج۔ پھاٹک اب تک درست حالت میں ہیں سقلعے کے اندر عمارات ذیل موجود ہیں

مسجدِ دیندار خاں | یہ مسجد قریب قلعہ دروازۂ دیں دار خاں سردار کی بنوائی ہوئی ہی۔ اِس میں وہ علَم جو کربلاے معلّٰے سے علی عادل شاہ کی فوج کے ساتھ آے تھے چند روز رکھے گئے تھے اِس کے بعد جُداگانہ عاشور خانہ بنا کر وہاں منتقل کیے گئے اِس مسجد کی دیوار پر کتبہ ذیل ہی جو ناموزوں ہی۔ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اور اِس علاقے کی بابت ہندو اور مسلمانوں میں اب سے لے کر آیندہ دو سو برس تک برابر جنگ رہی ہے

	غازی آں سلطاں مراتاج و نگیں		کفار سرنگوں شد قوت گرفت دیں
	در عہد ابو المظفر علی عادل شاہ		بنا کرد ایں مسجد دیں دار خاں کمتر درگاہ

جامع مسجد | بیرونِ فتح دروازہ علی عادل شاہ کی بنائی ہوئی ہے کوئی کتبہ نہیں ہے۔

چاؤڑی | بیرونِ فتح دروازہ۔ اِس میں تین سو عرب ایک چاؤش کے تحت میں رہتے تھے یہ جمعیت قلعے کی حفاظت پر مامور تھی +

فتح دروازہ | اِس دروازے کا نام "چھپن کسی" تھا۔ علی عادل شاہ چھ مہینے تک قلعۂ مُدگل پر لڑا مگر اندر داخل نہ ہو سکا آخر کار رمپا پٹواری کے پوتے سرپتپا نے اپنے زنانے کو قلعہ دکھانے کے لیے اجازت چاہی اور اِس بہانے سے پچاس میانوں میں فی میانہ دو دو آدمی پٹھانوں کو چھپا کر اِس دروازے سے قلعے میں داخل کر دیئے۔ پٹھانوں نے ساٹھ شاہیر قلعہ کو قتل کر کے دروازہ کھول دیا۔ بادشاہ بھی اِسی دروازے سے ۱۲ ذی قعدہ ۹۸۰ھ کو داخلِ قلعہ ہوا۔ اِس لیے اِس کا نام فتح دروازہ رکھا گیا +

فتح بُرج | چوں کہ ۱۲ ذی قعدہ ۹۸۰ھ کو جب بادشاہ (عادل شاہ) قلعے کے اندر داخل ہوا اُس وقت اِس بُرج کی توپوں وغیرہ پر قبضہ ہوا اِس لیے اِس کا نام فتح بُرج رکھا گیا۔ جس پر یہ کتبہ ہے۔

بنائے بُرجِ فتح جنگ در زمان السلطان العادل الکامل السلطنۃ محمد ابو المظفر شاہ عالی جاہ عالم پناہ علی عادل شاہ غازی خلّد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ۔ در کارکرد کتبہ الفقیر الحقیر دیانت خاں ناغیت قلعہ مُدگل بتاریخ عشر شہر رجب المرجب سنہ

تسعین و تسعمائۃ المصطفویہ

۹۹۰ھ

حسینی عَلَم کی درگاہ | علی عادل شاہ کی فوج کے آگے وہ عَلَم جو کربلائے معلّٰی سے لائے گئے تھے بجائے نشان کے تھے۔ جب قلعہ فتح ہو گیا تو باروت کوٹھے میں چند روز وہ علم رکھے گئے بعدہ وہ رایچور مسجد میں رکھے گئے اور بالآخر مدنگ دیول اور گرام دیول تک کل دیولوں کو مسمار کر کے عاشور خانہ بنایا وہ عاشور خانہ درگاہ حسینی عَلَم کے نام سے موسوم ہے اور اب بطور جدید اِس کی ترمیم ہوئی ہے۔ محرم میں بہت دھوم دھام ہوتی ہے اور بہت سی نذر و نیاز چڑھتی ہے اور ایک کمیٹی من جانب سرکار یہاں کے آمد و خرچ کے حساب کے لیے مقرر ہے۔

دُھگرانی | یہ ایک بہت بڑی وسیع اور عمیق باؤلی ہے جو تالاب معلوم ہوتا ہے۔ چاروں طرف اُس کے (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

راجہ نے مُدگل پر چڑھائی کی اور بے انتہا سعی و کوشش کی کہ جس کا بیان قوتِ بشری سے خارج ہی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۴) سیڑھیاں ہیں یہ بھی قلعے کے ساتھ بنی ہی۔ اِس کا طول ۶۶۴ فٹ عرض ۱۱۳ فٹ عمق ۲۴ فٹ ہی۔

آثارِ شریف شاہانِ بیجاپور نے حسینی عَلَم تو مُدگل میں چھوڑ دیئے تھے بعدہ تبرکات (موئے مبارک وغیرہ) بھی یہاں بھیج دیئے اُس وقت سے اب تک یہ تبرکات یہاں موجود ہیں۔ جس عمارت میں یہ تبرکات رکھے ہیں وہ ایک سنگین پختہ عاشور خانہ ہی اور آثارِ شریف کے نام سے مشہور ہی۔ ہر دوازدہم ماہِ ربیع الاوّل کو اِن تبرکات کی زیارت کے لیئے ایک مجمع کثیر ہوتا ہی۔

باروت کوٹھ علی عادل شاہ ثانی کے وقت کا بنا ہوا ہی۔ سنہ ۹۹۰ھ میں جب علی عادل شاہ یہاں آیا تو موجودہ باروت کوٹھ کی عمارت میں ترمیم کرکے حسینی عَلَم جو اُس کے ساتھ آئے تھے پہلے یہاں رکھے گئے تھے۔ اب اِس میں سرکاری مدرسہ ہی یہ مکان لداؤ کا ہی۔

علی بُرج یہ بُرج پہلے کسی نام سے موسوم نہ تھا علی عادل شاہ نے سنہ ۹۸۰ھ میں فتح کرکے اُس کا نام علی بُرج رکھا۔ اِس پر یہ کتبہ ہی جس کے اشعار نامزوں ہیں اور اِسی بُرج کے پاس "چارمحل" نامی ایک جگہ ہی جہاں کسی زمانے میں چار محل ہوں گے اب تو سپاٹ میدان ہی اور زراعت ہوتی ہی البتہ ایک باؤلی قدیم ہی جو چارمحل کی باؤلی کہلاتی ہی۔

	در ایامیکہ سلطان جہاں دار	سمیِ شیریز داں شیر کردار
	باقبال و ظفر و ضرب شمشیر	گرفت او کوٹ تبکا پور کفار
	ز ہجرت نہ صد و ہفتاد و دو بود	کمینہ کردم اینجا تیشہ در کار
	چو از اقبالِ سلطاں شد مرتب	الٰہی تا ابد پائندہ اش دار
	بہ کار کرد حکیم	

کتبہ متصل بُرج حوضِ دُھگرانی	بعہدِ سلطنتِ شاہِ عادل ابراہیم	کہ باد سلطنتش متصل برستاخیز
	بدورِ آصفِ صاحب قراں دلاور خاں	کہ در حکومتِ او شد زمانہ بہرستیز
	ز نسلِ شاہِ ولایت بلند مرتبہ	سمیِ احمدِ مرسل شہِ سپہ انگیز
	بوقتِ سعدِ ہمایوں بہ طالعِ مسعود	کہ خور بہ برجِ شرف بود و مشتری ہم تیز
	(یہ مصرع پتھر پر کندہ نہیں ہی)	کہ مثلِ آں نہ بود در عراق و در تبریز
	نوشتہ بودم و از بہرِ فکرِ تاریخش	ز غیب ہاتفے آواز داد گفت کہ خیز

(بقیہ صفحہ آیندہ)

قلعۂ مُدگل میں آٹھ سو جوان جنگی قلعے کے محافظ تھے وہ ہر طور سے مُقابلہ کرتے رہے۔ داروغۂ قلعہ

بالاحصار اس کا قدیم نام "ماسن بٹا" یعنی گھنٹے کا پہاڑ تھا۔ کسی زمانے میں اس پر گھنٹا بجایا جاتا تھا۔ علی عادل شاہ نے بعد فتح قلعے کے اوپر چڑھ کر دیکھا کہ وہاں ایک فصیل سکے ۱۵۲۵ اچتر بھانو نام سمچھر کی بنی ہوئی موجود تھی اور ایک بُرج بھی ایسا بلند زیرِ طیاری تھا جس پر سے کرشنا ندی کا نظارہ ہو سکے وہ بنتا بنتا ادھورا رہ گیا۔ محمد عادل شاہ نے بالاحصار پر گگن محل بنوایا تھا جس کی اب صرف دیواریں اور کمانیں کھڑی ہیں اس پر جو کتبہ تھا وہ اب خاں صاحب کے باغ میں رکھا ہوا ہے۔ لیکن اشعار غیر موزوں ہیں۔

اللہ۔ عمل۔ علی

در زمان بادشاہ عادل روئے زمیں	خسرو آفاق سلطانِ محمد شاہ دیں
بنا کرد محل گگن باز یب بالائے کوہ	کہ در حسن و خوبی نب شد خوباں ازو
محل منوّر کہ از سنگ مرمر بستہ	نمایاں ز مشرق بہ مغرب چو ماہ خجستہ
کوہے کہ ہمچوں کوہِ قاف نیست	بلند و نکو تر در آفاق نیست
الٰہی پائیدار ایں صفیں باصفا	بحرمتِ سیّدِ کونین مُصطفےٰ
کمینۂ بندہ درگاہ را گوید	کہ در مردانگی از شیر برتر است او

ہنومان دیول رایچور دروازے کے پاس ہی دیول کے عقب میں۔ بخط کنڑی ایک کندہ دیوار پر ہی جس کا ترجمہ یہ ہی۔ "خدا سلامت رکھے" مبارک اور عروج کرنے والے سالیواہن سکے ۱۴۸۲ اُردری سمچھر بیساکھ سدھ ۱۵ اس لفظ کے معنی سمجھ میں نہیں آتے) راجا جمع الاوصاف راجۂ راجگاں سب راجوں کا شیر الیار ام کشکیندر کمار کرشنا راج یادھو مہاراج مبارک قدم خدا کا فرماں بردار خدا کے نافرمانوں کا سرکوبی کرنے والا فوج جمع کرنے والا مردِ میدان و منگلیا نایک کا طیار کرایا ہوا دروازہ سلامت رہے۔

مُل اُکسی دروازے کا کتبہ یہ قلعے کا پہلا دروازہ ہی جو جانبِ لنگر ہی۔ مُل اُکسی کنڑی ہی۔ مُل یعنی خار اور اُکسی دروازۂ کلاں۔ اس دروازے کے پٹوں پر بڑی بڑی کیلیں لگی ہوئی ہیں جو اس غرض سے لگائی جاتی تھیں کہ ہاتھیوں کی ٹکر سے دروازے نہ ٹوٹ سکیں۔ یہ کتبہ کنڑی میں دروازے کے لکڑی کے پٹ پر کندہ ہی جس کا ترجمہ یہ ہی۔

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

مُلکِ نائب سیف الدین غوری کا ایک عزیز تھا وہ بڑا سخت گیر تھا جس کی وجہ سے فوج میں اختلاف پڑ گیا تھا اِس آپس کی پھوٹ کی وجہ سے حارسینِ قلعہ میں دو دلی ہو گئی اور قلعہ فتح ہو گیا۔

(تصویر صفحہ ۵۶)

"خدا سلامت رکھے سالیو اہن سکے ۱۴۱۲ اُردری ہیچھر بیاکھ سدھ (۵) میں دنگلپا نایک کا بنایا ہوا دروازہ"

اسی دروازے کے دوسرے پٹ پر ایک لوہے کی چادر پر کتبہ ذیل کندہ کر کے کیلوں سے جڑ دیا گیا ہے۔

در کار کرد غلام مرتضیٰ شاہ یار بیگ بن شاہ سلیمان

غرض نقشیست کز ما یاد ماند — کہ ہستی را نمی بینم بقائے

گرجا یہاں رومن کیتھولک فرقہ سینٹ زیویر کا بہت قدیم گرجا ہے جو ۱۵۵۰ء میں بنا ہے جس کو علی عادل شاہ نے ۱۵۵۵ء میں گرانٹ دیا تھا اور اب سرکارِ عالی نظام سے گرانٹ ملتا ہے اب تک پادری رہتے ہیں جن کے تابع نیچ کی قوم کے لوگ عیسائی ہیں۔

کالی مسجد جو غالباً کلاں مسجد ہو گی بیرونِ قلعہ ابراہیم پورپیٹ میں ہے اور مسجد نظام الدین اولیاء کے نام سے مشہور ہے۔ دروازے کے اندر کے رُخ پر یہ کتبہ ہے۔

ساخت ایں مسجد نیرا ے ثواب		کہ بہ آساں دہد سوال و جواب	
شہر میراں نظام سرخابی		کہ دہد حیدرش ز کوثر آب	

سنہ ۹۹۱ھ

کاتب الحروف (نام نہیں پڑھا جاتا)

باؤلی پُرانی پیٹ اِس باؤلی میں حسینی عَلَم کو عشرۂ محرم کے دن غسل دے کر رکھ دیتے ہیں یہ باؤلی دنگلپا نایک نے سکے ۱۴۱۲ مطابق ۹۷۸ھ میں بنائی ہے۔

شاہ پور پیٹ اسے پُرانا پیٹ بھی کہتے ہیں۔ یہ پیٹ یو گلپا نایک نے (جو ریاستِ آنا گُنڈی کا ایک سردار تھا) بنوانا شروع کیا تھا مگر صرف ایک باؤلی ہی بنانے پایا تھا کہ کسی سبب سے ملتوی ہو گیا بعدہ علی عادل شاہ نے اِس پیٹ کو بنوایا اور شاہ پور پیٹ نام رکھا۔ ابراہیم پور پیٹ بھی اِسی بادشاہ کا بنوایا ہوا ہے۔

جس زمانے میں قلعہ مُدگل تحتِ حکومتِ سرکارِ انگریزی تھا کئی توپیں قلعے کی لے گئے جو بہت بڑی بڑی تھیں باقی حیدرآباد اور رایچور میں منگالی گئیں اب دو ایک چھوٹے چھوٹے ریکلے (چھوٹی پتلی اور لمبی چھڑی توپیں) پڑے ہوئے ہیں۔ ۱۲

افواجِ راجۂ بیجانگر نے تمامی باشندگانِ شہر زن و مرد حتّٰی کہ بچّوں تک کو قتل کر ڈالا۔ صرف ایک مسلمان کسی کونے میں چھپ گیا تھا رات کو وہ تغیرِ لباس کرکے راجہ کے پیادوں کے ساتھ قلعے کے باہر نکل آیا۔ اور اُس نے گلبرگہ پہنچ کر اس کُشت وخوں کی خبر کی۔ "محمد شاہ بادشاہ نے جب یہ خبر سُنی تو آگ بگولا ہو گیا اور حکم دیا کہ جو شخص یہ خبر لایا ہے اُسے بھی فوراً تہ تیغ کیا جاے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں ایسی منحوس اور بزدل صورت کو دیکھ نہیں سکتا جو تمام بہادروں کو مرتے کٹتے دیکھ کر خود جان بچا کر نکل بھاگا" اُسی دن بماہ جمادی الاوّلیٰ ۷۶۷ھ ۱۳۶۶ء " بادشاہ نے قسم کھائی کہ جب تک میں آٹھ سو مسلمانوں کے بدلے ایک لاکھ ہندوؤں کو قتل نہ کروں گا تب تک تلوار کو نیام نہ کروں گا نہ کُشت وخون سے ہاتھ روکوں گا اور لڑائی پر نکل کھڑا ہوا۔ جب رودِ کرشنا پر پہنچا تو اُس نے اپنے خالق کی جس نے اُسے رتبۂ شاہی پر پہنچایا تھا مغلظہ قسم کھائی کہ جب تک میں دریا کو عبور کرکے خداوندِ کریم کی مدد سے لشکرِ کفار کو نیست و نابود نہ کروں اور جب تک مسلمانانِ مُدگل کے خون کا بدلہ قاتلوں سے لے کر اپنا دل ٹھنڈا نہ کروں مجھے آب وخور اور نیند حرام ہے۔ اُسی وقت بادشاہ نے اپنے بیٹے مجاہد شاہ کو اپنا جانشین اور ملکِ سیف الدین کو نائب السلطنت مقرر کیا۔ بادشاہ نے صرف بیس ہاتھی خاصے کے رکھ لیے باقی مجاہد شاہ کو دے دیئے اور وصیت کرکے اُسے فوراً گلبرگہ روانہ کر دیا۔ اور اِدھر خود نو ہزار منتخب اور جرّار سواروں کے ساتھ فوراً کرشنا کے پار اُتر آیا۔ یہ دیکھ کر راے بیجانگر کے ہوش باختہ ہو گئے اور ایسا گھبرایا کہ اُس نے اپنا تمام خزانہ اور مال واسباب اور ہاتھیوں کو بیجانگر روانہ کر دیا اور دل میں ٹھان لی کہ کل صبح تک یا تو لڑائی شروع ہو جاے گی یا میں بھاگ نکلوں گا جیسا موقع و وقت ہو گا کروں گا۔ رات بھر طوفان رہا اور سخت بارش تھی رستے میں ہاتھی اور دوسرے مواشی بار برداری کے کیچڑ میں پھنس گئے اور رات بھر میں مشکل سے چار میل چل سکے۔ محمد شاہ کو غنیم کے آنے کی خبر لگ گئی کہ راتوں رات چلا آرہا ہے اُسی وقت بادشاہ لشکر کو ویسا ہی چھوڑ چھاڑ گھوڑے پر سوار ہو کر مختصر سی فوج لے چل کھڑا ہوا اور صبح نہیں ہونے پائی تھی کہ راے بیجانگر کے لشکر میں جا دھمکا۔ اس کے پہنچتے ہی ایسی اُودھم مچی کہ ہندوؤں کی ساری فوج اپنا کل سامان واسباب چھوڑ چھاڑ قلعۂ ادھونی کی طرف

بھاگی۔ تاہم جو لوگ بچ رہے تھے اُن کا قتلِ عام کیا گیا اور ستر ہزار زن و مرد اور بچے مارے گئے۔
تحفۃ الصالحین میں لکھا ہے کہ دو ہزار ہاتھی اور تین ہزار توپیں و بنادیق سات سو عربی گھوڑے
اور ایک صد دسنگاسن (پالکی) مرصع مالِ غنیمت داخلِ سرکار ہوا۔ باقی لُوٹ اُمرا اور لشکریوں
کو ملی۔ محمد شاہ نے ساری گرمیاں اور کچھ دن موسمِ برسات کے مُدگل ہی میں بسر کیے اور جب
خان محمد خاں فوج کی مدد دارالسلطنت سے لے کر پُونہ پہنچ گیا تو بادشاہ قلعۂ ادھونی کی طرف
روانہ ہوا۔ راے بیجانگر اپنے علاقے میں دریاے تُنگ بھدرا پار ہو کر قلعۂ ادھونی کے باہر
مُقیم تھا اور قلعے کی سپہ سالاری اپنے بھانجے کو دے کر اپنے علاقے میں واپس آکر خود یہاں
ٹھیر کر بہت بڑی فوج جمع کر لی اور بیجانگر سے ہاتھی اور تمام سامان و لوازمِ شاہی منگوا لیے۔
بادشاہ نے محمد خاں کی صلاح سے تسخیرِ قلعہ کا ارادہ چندے ملتوی کیا اور اپنے تمام قلعوں
اور ممالکِ محروسہ میں فرامین بھیج کر توپیں اور بندوقیں منگوالیں اور ایک کارخانہ آتش بازی
کا کہ جس کا رواج اس سے پیشتر دکن میں جاری نہ تھا طیار کرا کے مقرب خاں سیستانی کو جو
اُمراے معتمد سے تھا تفویض کیا اور تمام رومیوں اور فرنگیوں کو جو ملازمِ بادشاہی تھے اُس
کی ماتحتی میں دے دیا اور اِس طرح ایک عظیم الشان توپ خانہ طیار کیا گیا۔ بادشاہ تھوڑے
عرصے میں دریاے تُنگ بھدرا کے پار ہو کر سلطنتِ بیجانگر میں داخل ہو گیا یہ پہلا موقع تھا
کہ ریاستِ بیجانگر پر ایک مسلمان بادشاہ نے بالذات چڑھائی کی تھی۔ فرشتہ کا یہ قول اِس وجہ
سے صحیح ہے کہ بادشاہِ دہلی نے جب آنا گُندی پر حملہ کیا تو وہ دریاے تُنگ بھدرا کے اِسی پار
تھا۔ تاریخ فرشتہ میں راجۂ بیجانگر کا نام کشن راے لکھا ہے لیکن اُس کا اصلی نام بکا تھا چوں کہ
تاریخ فرشتہ اِن واقعات کے دو سو برس کے بعد لکھی گئی ہے اکثر جگہ ہندو راجاؤں کے ناموں
میں مغالطہ ہو گیا ہے۔ محمد شاہ نے یہاں سے ادھونی کی راہ لی جو دریاے تُنگ بھدرا سے تخمیناً
پچیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور قصبۂ سِرگُنہ[1] کے قریب کسی مقام سے دریا پار ہوا۔ کیوں کہ اِس مقام
پر دریا کی سطح پہاڑی ہے اور ہر موسم میں پانی کم رہتا ہے۔ راے بیجانگر اپنی فوج لے کر رستے
میں حائل ہوا اور بہ مقامِ یاکل کوتال ایک وسیع میدان میں جنگ شروع ہوئی۔ مورخ فرشتہ

[1] ضلع بلہاری میں ایک قصبہ ہے ۱۲۔

نے اس جنگ کا حال یوں لکھا ہے کہ "راے کشن راے (بنگا) کو جب یہ خبر پہونچی کہ محمد شاہ دریا کے پار اُتر آیا ہے تو اُس نے اپنے دربار کے تمام اُمرا کو جمع کر کے صلاح مشورہ کیا کہ لشکرِ اسلام کو روکنے کی سب سے بہتر تدبیر کیا ہے۔ سب نے متفق ہو کر یہ صلاح دی کہ بھوج مل جو راے بیجانگر کا رشتہ دار تھا اس جنگ کا سپہ سالار مقرر کیا جاے۔ بھوج مل اس غیر معمولی عزت و افتخار سے پھول گیا اور بڑے گھمنڈ سے عرض کی کہ "مہاراج کا کیا حکم ہوتا ہے آیا بادشاہ کو زندہ قید کر کے حاضر کروں یا اُس کا سر کاٹ کر نیزے پر لگا کر لاؤں؟ کشن راے نے جواب دیا کہ "زندہ دشمن تو ہر حال میں خطرناک ہے بہتر تو یہ ہے کہ جب تم اُس کو پکڑ لو تو اُسی وقت مار ڈالو"۔ یہ سُنتے ہی بھوج مل چالیس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیدل لے کر محمد شاہ کے مقابلے کو چلا۔ بھوج مل نے برہمنوں کو تاکید کر دی تھی کہ وہ روزانہ لشکر میں مُسلمانوں کے مظالم کا بیان کیا کریں جو وہ ہنود کے ساتھ آئے دن کرتے رہتے ہیں تاکہ اُن کے دلوں میں جوشِ مذہبی موج زن ہو۔ اتنا اشارہ پانا تھا کہ برہمنوں نے اِس قسم کے وعظ شروع کیے کہ "دیکھو بھائیو یہ مسلمان ہماری مقدس گئو ماتا کو کس بے رحمی اور سفاکی سے ذبح کرتے اور اُس کا گوشت کھاتے ہیں۔ ہمارے مذہبی متبرک عبادت خانوں کو جب موقع ملتا ہے جڑ بُنیاد سے ڈھا دیتے ہیں۔ ہماری متبرک دیوتاؤں کی مورتوں کو توڑ پھوڑ کر نیست و نابود کرتے اور طرح طرح کی بے ادبی کرتے ہیں اور اُن کی تذلیل کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔ غرض مُسلمان ہمارے جانی دشمن ہیں اُن کا مار ڈالنا ہمارے واسطے دُنیا اور دین دونوں کی بہبودی اور نجاتِ ابدی کا باعث ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اِن کا تخم باقی نہ چھوڑیں"۔ ایسے وعظوں سے لامحالہ ہندوؤں کے دِلوں میں تازہ جوش پیدا ہو گیا اور مُسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ محمد شاہ کو جب خبر ملی کہ غنیم کی فوج پندرہ کوس کے فاصلے پر آن پہونچی ہے تو اُس نے اپنے سپہ سالار خان محمد کو افواج کے جمع کرنے کا حکم دیا جن کی تعداد پندرہ ہزار سوار اور پچاس ہزار پیدل تھی۔ دس ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل اور توپ خانے لے کر خان محمد آگے بڑھا۔ ۱۴ ذی قعدہ ۷۶۷ھ یوم پنجشنبہ مطابق ۲۳ جولائی ۱۳۶۶ء کو اسلام اور ہنود کے لشکر کا مُقابلہ ہوا۔ صبح سویرے سے دِن ڈھلے تک دونوں فوجیں آپس میں گتھی رہیں گویا سمندر کی دو بڑی مہیب موجیں

آپس میں ٹکرا رہی تھیں اور جانبین کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ موسیٰ خاں اور عیسیٰ خاں جو ہراول اور میسرہ کی کمان پر تھے دونوں ضربِ بندوق سے شہید ہوئے اور اُن کی فوجیں منتشر ہوگئیں اور قریب تھا کہ شاہی لشکر میں اِس صدمے سے بھاگڑ پڑ جائے کہ عین ایسے وقت پر بادشاہ خود تین ہزار تازہ دم سوار لے کر میدانِ جنگ میں پہنچ گیا۔ بادشاہ کو دیکھ کر خان محمد کی ہمت بندھی اور منتشر شدہ فوج میں جان آگئی پھر سب نے سمٹ کر حملہ کیا۔ مقرب خاں توپ خانہ لے کر بڑی بہادری سے آگے بڑھا اور دشمنوں کے سوار اور پیدلوں میں ایک تہلکہ ڈال دیا خان محمد خاں نے اپنے ہاں کے چیدہ بہادروں کو اَور اُس کی مدد کو دیا۔ اِس لشکر نے ایسی سرعت سے دھاوا کیا کہ ہندوؤں کی فوج کو اتنی مہلت نہ ملی کہ وہ اپنی توپوں سے کام لے سکے بلکہ دست بدست تلوار اور خنجروں سے لڑائی ہونے لگی۔

چکا چاک خنجر ز میدان کیں
بہفتم فلک شد ز روے زمیں

اِس معرکے میں خان محمد خاں کا ہاتھی جس کا نام شیر شکار تھا بگڑ گیا اور مہاوت کے حکم میں نہ رہا بلکہ ایک دم دشمنوں کے لشکر کے قلب میں گھس گیا۔ بھوج مل کے ہاتھیوں نے اِس کو روکا اور مہاوت مارا گیا۔ خان محمد خاں نے جب یہ دیکھا کہ ہاتھی بدل گیا ہے تو وہ پانچ ہزار سوار لے کر دشمنوں پر جا پڑا۔ طرفہ ماجرا یہ ہے کہ "شیر شکار" ہاتھی فیل بان کے مارے جانے سے خالی رہ گیا لیکن جوں ہی اُس نے خان محمد خان کو دیکھا دشمن کی فوج کی طرف سیدھا ہو لیا اور دشمنوں کی صفوں کو برہم کر دیا۔ غرض ہندوؤں کے لشکر میں ایک ہل چل پڑ گئی۔ بھوج مل کو ایک کاری زخم لگا اور وہ بھاگا اُس کے ساتھ ہی ساری فوج میں بھاگڑ پڑ گئی اور جب ہندوؤں کی فوج نے دیکھا کہ اُن کا سردار بھاگ گیا اور قلبِ لشکر کے پاؤں اُکھڑ گئے تو باقی ماندہ فوج تتر بتر ہو گئی۔ ابھی مسلمانوں کی تلواریں نیام نہیں کی گئی تھیں اور قتلِ عام ہو ہی رہا تھا کہ چترِ شاہی نظر آیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ہاں کفار کے قتل میں ڈھیل نہ ہو۔ پھر کیا دیکھنا تھا ایسا کُشت وخون ہوا کہ الاماں الاماں حاملہ عورتیں اور دودھ پیتے بچے بھی تلوار سے بچ نہ سکے۔ محمد شاہ میدانِ جنگ میں ایک ہفتہ مقیم رہا اور

اِس فتح کی خبر دار السلطنت کو روانہ کی۔ بادشاہ کا غُصّہ ابھی فرو نہ ہوا تھا جو اُس نے قسم کھائی تھی اُس کے پورا کرنے کے لیئے پھر وہ کشن راے کی فوج کی طرف بڑھا۔ کشن راے بادشاہ کے حملے کی خبر سُن کر باوجود یہ کہ اب بھی اُس کے پاس بہت سا لشکر تھا گھبرا کر بھاگا اور پہاڑوں اور جنگلوں میں جا چھُپا لیکن بادشاہ نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا اور جہاں جہاں وہ گیا بادشاہ اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اِسی طرح برابر تین مہینے تک آگے آگے راجہ اور پیچھے پیچھے بادشاہ رہا اور جس مقام پر سے گزرا وہیں قتلِ عام کرتا چلا گیا۔ بالآخر راجہ کو دباتا ہوا شہر بیجانگر کے قریب تک پُونہچ گیا۔" بادشاہ ایک مہینے تک شہر بیجانگر کا محاصرہ کیئے پڑا رہا مگر کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی البتہ شب میں ہنود کے گروہ کے گروہ لشکر میں آکر چھیڑ چھاڑ کرتے گالیاں دیتے اور چھوٹی موٹی جھڑپ ہو جاتی تھی۔ اِس وقت بادشاہ ایک چال چلا کہ بسترِ بیماری پر پڑ گیا اور اطراف و اکناف میں بادشاہ کی بیماری کی شہرت ہو گئی لیکن اصلی حال سے سوائے خان محمد اور مقرب خاں کے کوئی واقف نہ تھا۔ بادشاہ نے حکم واپسی کا دے دیا۔ راے بیجانگر نے جب یہ خبر سنی تو بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ مُسلمانوں کے پانوں اُکھڑ گئے اور شکست کھا کر بھاگے۔ راجہ تھوڑی فوج لے کر بادشاہ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ ہر مقام پر روز چھوٹی موٹی جھڑپ ہو جاتی تھی۔ ہندو کہتے تھے کہ بادشاہ تو یم مردہ ہی ہمارے برہمنوں کی دعا قبول ہو گئی ہم تم میں سے ایک مُسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے کہ تم اپنے وطن کو واپس جا سکو۔ کوچ کے وقت بادشاہ سنگاسن میں سوار ہو کر اُوپر سے ایک چادر اوڑھ لیتا تھا لشکر کے لوگ بہت پریشان تھے کہ خدا جانے بادشاہ زندہ بھی ہے یا نہیں مگر خان محمد اور مقرب خاں تشفی اور دلاسا دیتے دلاتے منزل بہ منزل کوچ مقام کرتے ہوئے آخر دریاے تُنگ بھدرا کے پار ہو کر ایک کھُلے میدان میں بادشاہ کا لشکر اُترا وہاں سے قریب تین چار کوس ہٹ کر راجۂ بیجانگر نے بھی اپنے ڈیرے ڈال دیئے راجۂ بیجانگر نے یہ سمجھا کہ یہ لوگ بھاگم بھاگ واپس چلے جا رہے ہیں مگر بادشاہ کی چال دوسری ہی تھی غنیم کو اِس دھوکے سے کھینچ بُلایا۔ راجۂ بیجانگر دھوکے میں آن کر بلا طیاری جنگ اُن پُونہچا۔ منتر خوب چل گیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اب اچھا موقع ہے ایک دن اپنے لشکر کے

اطمینانِ خاطر کے لیئے بوقتِ عصر دربارِ عام کیا تھوڑی دیر کے لیئے برآمد ہوا اور ضعف کا عذر کرکے دربار برخاست کر دیا۔ شب میں سب اُمرا کو خلوت میں طلب کیا اور حکم دیا کہ سپاہ کو مسلح اور مستعدِ جنگ کریں اور فلاں مقام پر جاکر اکھٹا کریں اور میرے آنے کے منتظر رہیں اُدھر لشکر میں طیاریاں ہونے لگیں اِدھر بادشاہ لباسِ جنگ زیبِ تن کرکے برابر نصف شب کو سوار ہوکر اُسی جگہ پُونہچا جہاں کہ لشکر منتظرِ قدومِ میمنت لزوم کھڑا تھا۔ لشکر کو جا بہ جا مناسب مقامات پر تقسیم کرکے ایسے وقت یکایک شب خون مارا کہ ہندوؤں کے لشکر میں اِس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔ ہندو خوابِ خرگوش میں تھے وہ اس خیال میں مگن تھے کہ اب مسلمانوں میں دم کیا رہا ہے۔ رائے بیجانگر وارکانِ دولت بالکل بے خبر تھے لہو ولعب اور شراب کے نشے میں چُور۔ رقص وسرود کی محفل کے مزے لے رہے تھے۔ اُن کو اُس وقت تک کانوں کان خبر نہ ہوئی جب تک مسلمان سر پر نہیں چڑھ آئے اور پکڑا دھکڑا اور قتلِ عام کا بازار گرم نہ ہوا اور لشکر میں واویلا اور شور وغل بپا نہ ہوا۔

محمد شاہ کا قتلِ عام

رائے بیجانگر تو اپنی جان بچاکر بھاگا لیکن اُس کی فوج کے دس ہزار آدمی مارے گئے۔ تب بھی بادشاہ کی آتشِ غضب فرو نہیں ہوئی اور بیجانگر کے اطراف میں چالیس کوس تک تمام بستیوں میں قتلِ عام کیا گیا۔ معتبرین وعمائدینِ شہر بیجانگر نے کشن رائے کی شوریدہ سری پر ملامت اور سرزنش کی اور کہا کہ تیری حکومت رانی تو ہمارے لیئے بڑی منحوس ہوئی مال وناموس دونوں برباد ہوئے اور دس ہزار برہمن قتل ہوگئے رعایا کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ کشن رائے نے کہا کہ میں نے کوئی کام تم لوگوں کے بغیر صلاح ومشورہ نہیں کیا ہاں مقدر سے ناچار ہوں یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

خدا کے ہاتھ ہے فتح وظفر وے اے میر
مُقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

اب آیندہ جو تم سب کی صلاح ہو میں حاضر ہوں۔ اُمرا نے کہا کہ جس طرح تمھارے باپ نے مُسلمانوں کی جنگ سے دست کشی کرکے علاء الدین سے صلح کرلی تھی تم کو بھی چاہیئے کہ اُن سے مصالحت کرلو۔ کشن رائے نے اِس بات کو قبول کیا اور اُسی وقت محمد شاہ کے پاس

ایلچی روانہ کیئے اور اپنے کیئے پر بہت ندامت و پشیمانی کا اظہار کرکے خواہانِ عفوِ تقصیر ہوا مگر بادشاہ نے صاف انکار کردیا۔ بادشاہ کی خدمت میں جو اُمرا اُس وقت حاضر تھے اُن میں سے ایک شخص کو بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل تھا اُس نے عرض کی کہ حضرت نے قسم کھائی تھی کہ آٹھ سو مسلمانوں کے بدلے ایک لاکھ ہندوؤں کو قتل کروں گا وہ تو بہ اقبالِ خداوندی پوری ہوچکی جہاں پناہ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ روئے زمین پر کسی ہندو کا تخم باقی نہ چھوڑوں گا۔ بادشاہ ہنسا اور کہا کہ ہاں تمھارا کہنا سچ ہے ایک لاکھ کیا کئی لاکھ ہندوؤں کا قتل ہوچکا لیکن میں اپنی اُسی بات پر اُڑا ہوا ہوں جب تک راے بیجانگر ہمارے حکم کے مطابق قوالوں کو رقم نہ دے دے گا میں کبھی اُس کی خطا سے درگزر نہ کروں گا نہ اُس کی رعایا کے قتل سے ہاتھ کھینچوں گا۔ اِس بات پر بیجانگر کے ایلچی جو راے کی طرف سے پورے مختار و مجاز تھے بخوشی رضامند ہوگئے اور اُسی وقت قوالوں کا روپیہ ادا کردیا۔ تب محمد شاہ نے کہا "میں نہیں چاہتا کہ میری زبان سے کوئی ایسا لغو و حشو حکم نکلے کہ اُس کی تعمیل نہ ہوسکے اور آگے چل کر میری سُبکی ہو اور ہنسی اُڑے الحمدللہ کہ میرا قول پورا ہوا اور میرے حکم کی تعمیل ہوئی" اِس میں شک نہیں کہ سخن پروری کی ایسی مثال بادشاہانِ سابق و لاحق میں دیکھی کیا سُنی بھی نہیں گئی اور ناظرین پر مخفی نہ ہوگا کہ بادشاہ اپنے قول کا کیسا دھنی تھا۔ جان جاے مگر آن بان نہ جاے۔ ذرا سی بات کا بتنگڑ بن گیا اور کچھ کا کچھ ہوگیا۔

امثالِ ایں غرائب و زیں غریب تر
بسیار کرد دولتِ ایں شاہِ دادگر

ایلچیوں نے بادشاہ کو خوش وقت پاکر عرض کی کہ جہاں پناہ نے ہم غلاموں پر بڑی سرفرازی فرمائی اور عزت و آبرو رکھ لی اگر جان بخشی ہو اور حکمِ عالی ہو تو دو کلمۂ اخلاص عرض کریں۔ بادشاہ نے کہا اچھا کہو۔ ایلچیوں نے عرض کی کہ کسی مذہب و ملت میں روا نہیں ہے کہ گناہ گار کے عوض کسی بے گناہ کو قتل کیا جاے خصوصاً عورتوں اور بچوں کو۔ اِس میں شک نہیں کہ کشن راے نے مسلمانانِ قلعۂ مُدگل سے بے جا سلوک کیا جو جیسا کرے ویسا بھرے گا لیکن اِس میں اِن غریبوں کا کیا قصور ہے؟ بادشاہ نے فرمایا حکمِ قضا و قدر یوں ہی تھا اِس میں میرا کچھ اختیار نہ تھا۔

ایلچیوں نے عرض کی کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو بادشاہ ملک دکن بنایا ہے اور آپ کے قرب وجوار میں ملک کرناٹک واقع ہے ہم بھی آپ ہی کے زیر سایہ ہیں ہمارا آپ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خدا نے چاہا تو جہاں پناہ اور حضرت کی اولاد و احفاد سالہا سال مدت دراز تک حکمراں رہیں گے اور ہم بھی آپ کے دامن دولت سے وابستہ ہیں ایک کو دوسرے سے سابقہ پڑتا ہی رہتا ہے اب کچھ ایسی صورت ہو کہ طرفین میں امن چین ہو جائے خیر اندیشی و صلاح حال یہی ہے کہ کشت و خون موقوف ہو جائے۔ محمد شاہ اس واجبی گفتگو سے متاثر ہوا اور کہا کہ میں نے خدائے تعالےٰ سے عہد کر لیا ہے کہ آیندہ کبھی فتح کے بعد کسی کو قتل نہ کروں گا اور میرے جانشین بھی ان شاء اللہ تعالےٰ اسی طریقے پر چلیں گے اور اس کے بعد چند سال تک البتہ ایسا ہوا بھی کہ لڑائی کے بعد جو زندہ گرفتار ہوئے وہ قتل نہیں کیے گئے اور بے سبب قتل عام رعایا اور ضعفا کا موقوف رہا مگر پھر دوسرے بادشاہوں نے ہموں آش درکاسہ قتل عام شروع کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ گلبرگہ واپس چلا آیا اور اس جنگ عظیم الشان کا یوں خاتمہ ہوا۔ اور پھر چند سال تک ان دونوں میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ محمد شاہ کے عہد میں پانچ لاکھ ہندو مارے گئے اور ملک کرناٹک ایسا تباہ اور ایسا برباد ہوا کہ مدتوں وہ سنبھل نہ سکا اور نہ اس کی آبادی پنپی۔

محمد شاہ کا انتقال اور مجاہد شاہ کی تخت نشینی

محمد شاہ نے ۱۹ ذی قعدہ ۷۷۶ھ م ۲۱ اپریل ۱۳۷۵ء کو انتقال کیا اور اس کا بیٹا مجاہد شاہ[۵۲] جو ملک سیف الدین غوری کا نواسہ تھا۔ انیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ مجاہد شاہ نے اپنی تخت نشینی

---

[۵۱] برہان مآثر میں ۷۷۸ھ لکھا ہے ۱۲۔

[۵۲] مجاہد شاہ بڑا قوی ہیکل خوش رو اور سڈول جوان تھا۔ بڑا بہادر اور جری تھا۔ زبان ترکی خوب جانتا تھا۔ اس کی صحبت ہمیشہ ترکی اور فارسی زبان دانوں کی رہی شمشیر و نیزہ و خنجر و تیر و کمان کا بے انتہا شوق تھا۔ بہمن نامے میں لکھا ہے ؎

زکہوارہ چوں پائے بیروں نہاد		بہ تیر و کماں دست و بازو کشاد	
بسے تند و گردن کشاں و پیل زور		کہ نشنید گفتن کسے وقت شور	
چناں بر سر کنگرہ مے دوید		کہ انگشت حیرت فلک می گزید	

کے چند روز بعد بکّا رائے[1] کو لکھا کہ چند قلعے اور اضلاع جو درمیانِ رودِ کرشنا اور تُنگ بھدرا کے واقع ہیں وہ ہم تم دونوں میں مشترک ہیں جس کی وجہ سے اکثر جھگڑے برپا ہوتے رہتے ہیں تم کو چاہیئے کہ آیندہ اپنی حدود دریائے تُنگ بھدرا کو مُقرّر کر لو۔ سیت[2] بندر رامیسور کے اُس طرف تمھارے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۵) مجاہد شاہ نے بچپنے میں باپ کا خزانہ توڑ کر چند بدرے روپیہ اشرفیوں کے لے جا کر اپنے ہم عمر دوستوں کو بانٹ دیئے تھے خزانچی کو جب خبر ہوئی تو اُس نے سلطان محمد شاہ سے عرض کی۔ بادشاہ اِس جسارت اور بیباکی سے بہت برآشفتہ ہوا اور مبارک تنبول دار خاصے کو بھیجوا کر شاہ زادے کو بُلوایا۔ شاہ زادے نے دیکھا تو بادشاہ غصّے میں بھرا بیٹھا تھا شاہ زادے نے سوائے اعترافِ قصور کے چارۂ کار نہ دیکھا۔ بادشاہ نے اُسے خوب چابک مارے اور لوتھڑے ڈال دیئے۔ مجاہد شاہ نے اپنی ماں سے تنبول دار کی شکایت کی اور کہا کہ اگر وہ مجھ سے کہہ دیتا تو میں آپ سے سفارش کراتا اور غصّہ فرو ہونے کے بعد بادشاہ کے حضور میں جاتا۔ ماں نے کہا اُس بے چارے کا کیا قصور ہے بادشاہ نے جو تم کو تنبیہ کی وہ بالکل درست اور واجب تھی۔ مجاہد شاہ اُس وقت تو چُپ ہو گیا بات گئی گزری ہوئی۔ مبارک سے بھی یہ ظاہر صاف ہو گیا بلکہ اُس سے میل جول بڑھا لیا۔ ایک ہفتے کے بعد آنِ جان ہو کر ایک جلسے میں مبارک سے پوچھا کہ میں سُنتا ہوں کہ تم بڑے پہلوان ہو اور کُشتی خوب لڑتے ہو اور بڑے بڑے پہلوانوں کو تُم نے پچھاڑ دیا ہے۔ بھلا ہماری تمھاری کشتی ہو جب جانیں۔ مبارک کو خبر نہ تھی کہ شاہزادے کے دل میں کینہ ہے دل میں سمجھا کہ میرا اِس کا کیا جوڑ ہے یہ چودہ برس کا لڑکا اور میں تیس سال کا جوان۔ غرض کُشتی بدلی۔ شاہ زادے نے اُٹھا کر ایسا پٹخا کہ اُس بے چارے کی گردن ہی ٹوٹ گئی اور تھوڑی دیر میں رُخصت ہوا ۱۲۔

[1] فرشتہ اب تک راجۂ بیجانگر کو کشن رائے ہی لکھتا جاتا ہے بُرہان مآثر میں راجہ کا نام "کپزا" لکھا ہے میجر کنگ نے لکھا ہے کہ صاحب بُرہان مآثر نے نقطے بھی دیئے ہیں اور اِس نام کی نسبت کسی طرح کا شک نہ ہونا لکھا ہے سیول صاحب یہ قیاس دوڑاتے ہیں کہ یہ نام شاید "بکزا" ہو تو ہو جو "بکّا شاہ" کے ہم مخرج ہے۔ لیکن راجگانِ بیجانگر میں سے کسی کا نام "کپزا" تو نہ تھا ۱۲۔

[2] جزیرۂ شہر رامیسرم زمینداری رام ناد ضلع مدراصوبۂ مدراس میں واقع ہے یہ شہر گیارہ میل طول میں اور چھ میل عرض میں ہے اور کسی زمانے میں برِّ اعظم سے ملا ہوا تھا۔ رامیسرم میں تمام ہندوستان میں ہندوؤں کا سب سے زیادہ متبرک مندر ہے جو بیان کیا جاتا ہے کہ خود رام کا بنایا ہوا ہے اور جب کہ رام چندر جی اپنی بی بی سیتا کی تلاش میں لنکا کی طرف جا رہے تھے جب بنایا ہے اِس مندر کا ذکر متعدد جگہ رامائن میں ہے صدہا سال سے تمامی حصّہ ملک ہند سے (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

علاقے میں رہے اور اس طرف شرقاً وغرباً ہمارے قبضے میں علاوہ اِس کے قلعۂ بنکاپور[1] اور چند دوسرے قلعے ومقامات کو ہمارے تفویض کرو تاکہ ہمیشہ کے لیئے یہ نزاع مٹ جائے سلاطینِ دکن کا دانت ہمیشہ قلعۂ بنکاپور پر لگا ہوا تھا کیوں کہ وہ بیجانگر اور سمندر کے شارعِ عام پر واقع تھا اُس کے قبضے سے ہندوؤں کی تجارت بالکل قابو میں آجاتی تھی۔ راے بیجانگر نے اُلٹا مطالبہ کیا کہ خود بادشاہ کو تمام ملکِ دوآبہ پر سے اپنا قبضہ اُٹھا لینا چاہیئے کیوں کہ ہمیشہ سے رایچور اور مُدگل اور دیگر مقامات تاکنا رِ رودِ کرشنا ہمارے رہے ہیں۔ بکّا نے اصلی حدِّ فاصل سلطنتِ ہنود و اسلام کی دریاے کرشنا قرار دی اور یہ بھی لکھا کہ جو ہاتھی آپ کے والدِ ماجد اُمراے کرناٹک سے چھین لے گئے ہیں وہ بھی واپس کر دیجیئے۔

ادھونی کی لڑائی
سنہ ۱۳۶۶ع

یہ جواب سن کر بادشاہ بہت خشم ناک ہوا اور جنگ کا اعلان کر دیا اور پایۂ تخت اور جمیع ممالکِ محروسہ مُلک نائب سیف الدین غوری کو جو بادشاہ کا نانا تھا سپرد کر کے خود جنگ کے لیئے آمادہ ہو گیا۔ گلبرگہ میں جب لشکر دولت آباد۔ بیدر[2] و برار کا جمع ہو گیا تو بادشاہ پانسو ہاتھی کوہ پیکر اور خزانے اپنے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۸) ہزاروں زائرین یہاں آتے ہیں۔ یہ نہایت عظیم الشان مندر جزیرے کے شمالی حصے میں ایک بلند حصۂ زمین پر واقع ہے اُس کا احاطہ ایک ہزار فٹ لمبا اور ۶۵۷ فٹ چوڑا ہے۔ اِس کا صدر دروازہ سو فٹ بلند ہے۔ مندر کی بلندی (۱۲۰) فٹ ہے۔ اِس کے قُبّے بہت بلند اور شان دار ہیں۔ تمام دیواروں پر نقاشی کا عمدہ کام ہے سب سے زیادہ قابلِ دید بات اِس مندر کی بڑی بھاری اور وسیع عمارت اور مندر کے چاروں طرف بڑے بڑے ہال ستونوں پر کھڑے ہوے ہیں اِس مندر کا دیو "رنگم" خود رام چندر جی نے اپنے ہاتھ سے بٹھایا تھا۔ دیو کو ہمیشہ گنگا جی کے پانی سے اشنان کرایا جاتا ہے۔ اِس مندر کے متعلق متعدد چھترم یعنی مسافر خانے ہیں جہاں سدا برت جاری ہے اور جو لوگ تیرتھ کو آتے ہیں اُن کو مُفت اُتارا جاتا ہے اور مُفت کھانا بھی ملتا ہے ۱۲۔

(نوٹ صفحہ ہذا) [1] اِس کا نام ایک مشہور قلعہ دھارواڑ کے جنوب میں واقع ہے ۱۲

[2] حیدر آباد سے چالیس کوس ہے۔ قریب ترین ریلوے اسٹیشن دھارواڑ ہے وہاں سے بھی (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

ہمراہ لے کر عازمِ سفرِ بیجانگر ہوا۔ کرشنا اور تنگ بھدرا دریاؤں کو عبور کر کے قلعۂ ادھونی پر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۷) چوبیس کوس ہے۔ یہ بڑا تاریخی مقام ہے جہاں سلطنت بہمنیہ اور بریدشاہیہ مدتوں قائم رہی۔ منجور پربت پہاڑ پر سطح سمندر سے ۲۳۳۰ فٹ بلندی پر آباد ہے۔ آب وہوا یہاں کی نہایت خوشگوار ہے۔ پانی میں قدرتاً فولاد کی آمیزش ہے کیوں کہ یہاں کی پتھر کی چٹانوں میں فولاد کے ذرّے پائے جاتے ہیں۔ شہر کی آبادی بارہ ہزار ہے۔ بیدر کنڑی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی بانس کے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قدیم زمانے میں شہر کے گرد بانس کی گھنی جھاڑی تھی اس وجہ سے یہ نام پڑ گیا۔ رامائن اور مہابھارت میں اس کا قدیم نام وِدُربھا لکھا ہے۔ یہاں کے قدیم راجہ کا نام بھدور تھا جو راجہ پانڈ کا بیٹا تھا۔ مالوہ کے راجہ نَل کی معشوقہ دمن بھیسین راجہ بیدر کی لڑکی تھی۔ پہلے راجگان بیدر پر قابض تھے بعد کو سلاطین خلجی کا قبضہ رہا اور ۱۳۲۲ء میں سلطان محمد تغلق نے فتح کیا اس کے بعد سلاطینِ گلبرگہ قابض رہے۔ سلطان احمد شاہ بہمنی نے سرزمین و آب وہوائے بیدر کو پسند کر کے ۸۳۲ھ میں بجائے گلبرگہ کے بیدر کو اپنا دارالحکومت قرار دیا ۹۸۸ھ میں بعد زوالِ خاندانِ بہمنیہ بریدی خاندان کے بادشاہوں کی حکومت رہی۔ بہت سے بادشاہوں کے عالی شان اور قابلِ دید مقابر یہاں ہیں یہاں کا قلعہ بہت بڑا خوش نما اور قابلِ دید ہے جس کا دَور (۴۵۰۰) گز اور بلندی فصیل کی پندرہ گز ہے قلعے کے گرد تین عمیق اور چوڑی خندقیں ہیں۔ سلطان احمد شاہ نے مشہور کاریگروں سنگ تراشوں اور معماروں کو ہندوستان و دیگر بلاد سے بلا کر چار سال میں قلعہ تعمیر کرایا ۹۲۲ھ میں علی برید بادشاہ سوم خاندان بریدیہ نے قلعے کی پرانی عمارتوں کو ڈھا کر از سرِ نو چھ میل کے دَور میں فصیل بنوائی جس میں (۳۵) برج اور (۱۳) دروازے ہیں۔ وسطِ قلعے میں علاوہ دیگر محلات کے سلطان احمد شاہ نے ایک عالی شان محل شاہی جس کا نام "تخت محل" ہے اپنے قیام کے لیے طیار کرایا جو ٹوٹا پھوٹا اب بھی موجود ہے۔ جس کی تعریف میں شیخ آذری نے یہ رباعی لکھ کر بادشاہ کی نذر کی اور بہت سا انعام پایا۔

بجنبِ قصرِ مشیدِ کہ زد سرِ عظمت		آسماں سدۂ از پایۂ ایں درگاہ است	
آسماں ہم نتواں گفت کہ ترکِ ادب است		قصرِ سلطانِ جہاں احمدِ بہمن شاہ است	

محمد شاہ لشکری نے ترکش محل۔ گگن محل۔ چینی محل۔ نگینہ محل اور حمام وغیرہ بنوائے۔ اور علی برید نے رنگین محل تعمیر کرایا۔ اس میں جا بجا چینی کا کام کیا ہوا ہے اور خاص مشنشین اعلیٰ درجے کی سنگِ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ جس میں صدف کا نہایت عمدہ نقش و نگار کیا ہوا ہے اور صدفی تحریر سے خطِ عربی طغرا اور (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

پہنچ گیا جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ راے بیجانگر دریاے تنگ بھدرا کے کنارے پر کنہ گنگاوتی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۸) فارسی کے کتبات کھود کے بٹھاے گئے ہیں جو اب تک جگمگا رہے ہیں شہ نشین کی دہلیز پر سیپ کی پچیکاری سے یہ شعر لکھا ہوا ہی

شاہ نشین چشم من تکیہ گہ خیال ما
جاے دعاست شاہ من بے تو مبادجاے تو

محل کے اندر سیپ سے یہ لکھا ہوا ہی ۔

یا کافی المہمات ۔ یا راضی الدرجات

ای منتظر دیدہ از جمالت روشن		وی کردہ چو در درج صدف سینہ وطن	
بخرام بہ شہ نشین خلوت گہ دل		کز بہر تو آراستہ شد ایں منزل	

اعلی اللہ تعالیٰ شانہ یا مفتح الابواب ۔ المستنصر بنصر اللہ الملک المالک المجلس المکرم والہمایون الاکرم علی برید الممالک ۔

ہر درّ نیست کہ در صدف دارد عشق		از بہر نثار در گہت دارد عشق	
عاشق شود از دیدن رویت زانگہ		گویا بدر و بام تو می بارد عشق	

کتبہ بالاخانہ رنگین محل بخط طغرا بجانب مغرب

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ ھٰذَا الْقَصْرَ الرَّفِیْعَ مَنْزِلًا مُّبَارَکًا دَّوْمًا نَّا عَالِیًا وَاتَّخِذْہُ بِرَحْمَۃِ مُحَمَّدٍ نَبِیًّا مَقَامًا مَّحْمُوْدًا اَحَلًّا مَّرْضِیًّا

قلعے کے اندر ایک بہت بڑی عالی شان زنانی مسجد موجود ہی جس کو سولھا کھم کی مسجد کہتے ہیں ۔ اس کے درمیانی بڑے گنبد کی مرمت بعہد مولوی اکرام الدین خاں صاحب کاکوروی تعلقہ دار ضلع نہایت عمدگی سے کرائی گئی ہی ۔ بعض بعض چھوٹے چھوٹے گنبد اس کے گر گئے ہیں اب صرف بیچ کے بڑے گنبد میں جو فی نفسہ ایک بڑی مسجد کے برابر ہی نماز ہوتی ہی ۔ قلعے کے اندر ایک بہت بڑی توپ جانب مشرق ایک بلند برج پر رکھی ہوئی ہی جو دولت آباد کی توپ اور بیجاپور کی مشہور توپ ملک میدان کے ہم پلہ ہی ۔ اس پر حسب ذیل عبارت طلائی حروف میں کندہ ہی ۔

"یکے از غرائب علامات کارخانہ الہی توپ شاہی وضع خاصہ حضرت ہمایون اکرم علی برید شاہی"
(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ) تمت فی التاریخ ۹۰۰ ہجرۃ النبویۃ

میں مقیم ہی تو اُس نے صفدر خاں سیستانی کو برار کا لشکر دے کر قلعے کے محاصرے کے لیئے بھیج دیا اور دوسرا لشکر امیر الامرا بہادر خاں اور اعظم ہمایوں کی سرکردگی میں بیجانگر روانہ کیا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۹)

کندۂ دیگر

"غلہ دوازدہ من و نیم دراو دو من و نیم اگر خواہد کہ زیادہ
بریں اضافہ کند ازدہ یازدہ سیر بر اندازد"

اس کے علاوہ اور بہت سے بزرگانِ دین کی درگاہیں یہاں موجود ہیں چنانچہ اندرونِ آبادی حضرت شیخ مُلتانی بادشاہ کی درگاہ شریف ہی جس پر یہ تاریخ کندہ ہی۔

بعلم معرفت در اہلِ عرفاں		محمد شاہ ملتانیِ کامل
بجستم سالِ تاریخِ وفاتش		ندا آمد بولیٰ گشت واصل

۹۳۵ھ

درگاہ حضرت شاہ ابو الفیض نبیرۂ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز۔

جنّذا گنبدِ عالی کہ آسودہ درو		شاہِ فردوس مکاں شاہِ علی رہبر دیں
سالِ تاریخ بنایش زخرد جستم و گفت		ہاتف از غیب کہ شد گنبدِ فردوس بریں

۹۹۲ھ

حضرت خلیل اللہ بُت شکن کی چوکھنڈی۔ حضرت غفران منزل نواب ناصر الدولہ بہادر کی حویلی۔ بارود کا کوٹھا جس کی بارود اب تک کام آتی ہی۔ جامع مسجد۔ قلعے کا عاشور خانہ۔ سرائے عالمگیری۔ مکانِ مدرسۂ صوفیہ۔ محبوب گنج۔ عثمان گنج۔ شاہ گنج۔ چوبارہ۔ سنگھار باغ۔ علی باغ۔ چینا خانہ۔ خاص محل۔ بیرونِ شہر حضرت سید السادات کا جھرا۔ لال باغ۔ حسینی باغ۔ حضرت باغ۔ فرح باغ وغیرہ سب مقامات قابلِ دید ہیں اِن کا تفصیلی حال لکھنے کو ایک جُداگانہ کتاب درکار ہی مسلمانوں کے عہد میں اِس شہر کا نام پہلے احمد آباد بیدر تھا بعد کو محمد آباد بیدر رہا یہاں کی صناعی بیدری برتنوں کی مشہور ہی جو اب تک نہایت عمدہ بنتے ہیں ۱۲

(نوٹ صفحہ ۶۹) ۱؎ گنگاوتی دریائے تنگ بھدرا سے (۵) میل کے فاصلے پر ایک بڑا قصبہ مستقر تحصیل ہی ۱۲۔

اور خود بہ سمتِ شمال و مغرب دریا کی جانب آہستہ آہستہ مقام کرتا ہوا بڑی پیش بندی سے روانہ ہوا۔

بکّا کا بھاگ جانا

رائے بیجانگر نے اوّل تو مقابلے کی طیّاری کر لی لیکن خدا جانے کیا واقعہ پیش آیا کہ اُس کا جی چھوٹ گیا اور سنڈور کے جنگلوں میں جا کر چھُپ گیا جو بیجانگر سے بہ جانبِ جنوب واقع ہیں۔ بیجانگر کو آباد ہوئے اِس وقت تک چالیس سال ہونے آئے تھے۔ مجاہد شاہ نے اِس شہر کی خوب صورتی کی بہت تعریف سُنی تھی اِس پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ بہت مضبوطی سے محفوظ ہے اور اُس کا محاصرہ کرنا کچھ آسان بات نہیں ہے تب بادشاہ نے جنگل کی طرف رُخ کیا جہاں رائے بیجانگر چھُپا تھا۔

مجاہد شاہ کا ساحل ملیبار کی طرف جانا

بادشاہ کی چڑھائی کی خبر سُن کر رائے بیجانگر جنگلوں اور پہاڑوں میں بہ جانبِ سیت بندر رامیسر بھاگ گیا۔

لہ بکّا کی ہمّت چھوٹ جانے کے متعلق تاریخ فرشتہ میں ذیل کا واقعہ لکھا ہے

مجاہد شاہ لشکر کے ساتھ کوچ مقام کرتا ہوا چلا آ رہا تھا کہ اُس کو ایک آدم خوار شیر کی خبر ملی جس نے اطراف و اکناف میں ہل چل ڈال دی تھی۔ مجاہد شاہ صرف سات پیادے ساتھ لے کر پہونچا اور تاک کر ایک تیر ایسا مارا کہ جو ٹھیک اُس کے دل میں جا کر گڑ گیا۔

کماں از کمیں گاہِ بازو کشید	بیک تیر پہلوش از ہم درید
سرانِ سپہ از پیِ یار و یمیں	زبان برکشادند بر آفریں
کہ گیتی ندیدہ چو تُو شہریار	پس از رستم و بعد اسفندیار

یہ خبر سُن کر ہندوؤں نے بدشگونی سمجھی اور ڈر گئے۔ ادھونی اور بیجانگر کے درمیان اِس زمانے میں شیر تو نہیں ہیں البتہ ریچھ بہت کثرت سے ہیں لیکن ممکن ہے کہ اُس زمانے میں جنگل بھی ہو اور شیر بھی ہوں۔ سیول صاحب نے فرشتہ کی اِس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے کہ اتنی سی بات بکّا کی پست ہمّتی کے لیے کافی نہ تھی لیکن ہمارے خیال میں یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے۔ اکثر لوگ شگون لینے کے خوگر ہوتے ہیں خصوصاً اہلِ ہنود جو فال شگون اور مہورت کو بہت مانتے ہیں اور ایک ذرا سی بات اگر ہو جائے تو اُس کا بہت بڑا خیال کرتے ہیں ۱۲۔

لیکن بادشاہ نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ جنگل ایسا گھنا تھا کہ رستہ نہیں ملتا تھا۔ بادشاہ نے اُس میں رستے کٹوائے۔ اِسی طرح راے برابر چھ مہینے تک خانہ بدوش پھرتا رہا۔ آج یہاں ہے تو کل وہاں۔ لیکن اُس کی ہمت نہ پڑی کہ جنگل سے باہر نکل کر مُقابلے پر آتا۔ مصاحبین نے بادشاہ سے بارہا عرض کی کہ راے کا تعاقب کرنا بالکل بے سود ہے اور مُفت میں فوج تباہ ہو رہی ہے لیکن بادشاہ نے ایک نہ سُنی آخرِ کار اچھے دن آے راجہ بکّا اور اُس کے امرا جنگلوں کی ردی آب و ہوا سے بیمار ہو گئے حکیموں نے صلاح دی کہ جنگلوں کی سکونت چھوڑ دیں مجبوراً ایک خُفیہ رستے سے راجہ بیجانگر پُونچ گیا بادشاہ نے اُس کے پیچھے ہی ایک لشکر روانہ کیا اور خود امیرالاُمرا بہادر خاں اور پانچ ہزار فوج لے کر تفریحِ طبع کے لیے سیت بندر رامیسر کی سیر کو چلا گیا۔ سُلطان علاءالدین خلجی کے کامداروں نے اِس مقام پر ایک مسجد بنائی تھی جو بالکل بے مرمت تھی بادشاہ نے اُس کو درست کرا دیا۔ بہت سے مندر توڑ ڈالے ملک کو لُوٹ لیا۔ اِس کے بعد بہت تیزی سے بیجانگر پُونچا۔ واقع میں مُلک کافور نے ۱۳۱۰ء میں ایک مسجد ساحلِ سمندر پر بنائی تھی۔ لیکن رامیسرم میں کسی مسجد بنانے کا پتہ نہیں چلتا۔ رامیسرم جزیرہ نماے ہند کے مشرقی انتہاے ساحل پر سراندیپ کے محاذی واقع ہے یہ بات قریب قریب ناممکن کے ہے کہ چودھویں صدی میں بادشاہِ اسلام ایک تھوڑی سی فوج کے ساتھ اتنی دُور پُونچا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر قدم پر لاکھوں ہندو سدِ راہ ہوتے۔ اگرچہ ہنود مسلمانوں کی شکل سے کانپ جاتے تھے تاہم صرف پانچ ہزار فوج کے ساتھ ایک ہزار میل کے جنگل اور پہاڑوں کو بلا کُشت و خون کے طے کرنا سمجھ میں نہیں آتا کیوں کہ رامیسرم سے بیجانگر پورے پانسو میل کا فاصلہ ہے۔ ملک کافور نے بعد فتح بلال راجہ دوہر سمدرم واقع ملک میسور حملہ کیا تھا اور جب ہی ساحلِ ملیبار پر مسجد تعمیر کی تھی لیکن رامیسرم کے قریب مسجد کا بنانا پایا نہیں جاتا۔ کرنل برگز نے لکھا ہے کہ جس جاے کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ سد اسیو گڑھ ہے جو مغربی ساحل پر گوا کے جنوب میں واقع ہے جو نقشے میں کیپ رامس کے نام سے موسوم ہے[1]

[1] C. de. Ramos: — مسٹر ڈینورز کے نقشۂ مطبوعہ ۱۸۸۵ء میں یہ مقام درج ہے لیکن حال کے نقشوں میں یہ مقام موجود نہیں ہے ۱۲

اگرچہ رامیسرم میں ایک مسجد کا ہونا وہ بیان کرتے ہیں لیکن اُس کی تعمیر کی تاریخ متحقّق نہیں ہوتی پس اِس بات کو اِسی حالت پر چھوڑ کر اب ہم بکّا راے کے حالات بیان کرتے ہیں۔

محاصرۂ شہرِ بیجانگر

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ بیجانگر کے دو رستے تھے ایک ایسا تھا کہ جس پر سے لشکر گزر سکتا تھا اور دوسرا تنگ اور ناہموار تھا جس کو سودھ کہتے تھے۔ بڑے رستے پر جا بجا کمین گاہیں تھیں اِس لیئے چھوٹے رستے سے مجاہد شاہ منتخب فوج لے کر گزرا اور آسانی سے بیجانگر پونہچ گیا۔ مجاہد شاہ ساحلِ ملیبار سے ان دونوں رستوں میں سے کسی ایک پر آیا ہوگا اور معمولی رستہ چھوڑ کر سنڈور کے پہاڑوں میں سے ہوتا ہوا بیجانگر اُس رستے سے جہاں اب بلھاری اور بیجانگر کی سڑک واقع ہی پونہچ گیا۔ راجہ بکّا کو بادشاہ کے آنے کی جب خبر معلوم ہوئی تو اُس کی ہمّت و استقلال پر متعجب ہوا اور اپنی بے شمار رعایا کو شہر کی حفاظت کے لیے متعیّن کیا۔ بادشاہ نے اِن سب کو پسِ پا کیا اور بڑھتے بڑھتے یہاں تک پونہچا کہ قلعۂ بیجانگر اور بادشاہ کے مقام میں صرف ایک جھیل حائل رہ گئی۔ اِس جھیل کے پاس ایک ٹیکری پر ایک مندر تھا جس کا نام سری رنگ تھا اور جس میں بے انتہا سونے چاندی کے زیورات اور جواہرات تھے ہندو اِس دیول کا بہت احترام کرتے تھے اور اپنی زبان میں اِس کو ٹیرتھ کہتے تھے۔ بادشاہ اِس کی بربادی کو عین اپنا مذہبی فرض سمجھ کر پہاڑی پر چڑھ گیا اور مندر کو بالکل مسمار کر دیا اور جو کچھ مال و متاع اُس میں تھا لوٹ لیا۔ جس جھیل کا حوالہ دیا جاتا ہی یہ وہی جھیل ہی جو موضع کاملاپور میں اب تک موجود ہی لیکن یہ مندر جسے مجاہد شاہ نے لوٹا کونسا تھا کچھ معلوم نہیں ہو سکتا کیوں کہ اِس جگہ اور کئی مندر ہیں۔ ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بادشاہ شہر کے اِس قدر قریب کیوں کر پونہچ گیا کیوں کہ شہر کی متعدد فصیلیں تھیں۔ عبدالرزاق نے ۱۴۴۳ء میں لکھا ہی کہ اُس زمانے میں شہر کی سات فصیلیں تھیں۔ البتہ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ بکّا کے زمانے میں شہر کی کتنی فصیلیں تھیں۔ ہندوؤں نے جب دیکھا کہ اُن کے مقدّس مندر کو مجاہد شاہ نے تباہ کر دیا تو اُن کی واویلا آسمان تک پونہچی اُنھوں نے اپنے راجہ کو انتقام لینے کے لیئے مجبور کیا اور ایک بہت عظیم الشّان لشکر مقابلے کو چلا۔

مجاہد شاہ کا غنیم کے نرغے میں گھر جانا

مجاہد شاہ کو جب یہ خبر ملی تو اُس نے اپنا چتر اُتار ڈالا اور صرف محمود نامی ایک افغان سلحدار کو اپنے ساتھ لے کر ایک چھوٹا سا نالہ پار ہو کر ہندوؤں کی نقل و حرکت اور تعداد کو دیکھنے گیا۔ ایک ہندو نے بادشاہ کو اُس کے سواری کے گھوڑے سے جس کا نام "شب رنگ" تھا پہچان لیا اور اپنے دیوتاؤں اور ملک کی بربادی کا انتقام لے کر ابدی شہرت حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور خفیہ طور پر نالے کے کنارے کنارے نشیب زمین میں دبتا ہوا میدان میں پہنچ گیا اور بادشاہ پر ایک دم وار کرنا چاہتا تھا کہ خوش نصیبی سے مجاہد شاہ مطلع ہو گیا بادشاہ نے محمود افغان کو اشارہ کیا اُس نے فوراً ہندو پر حملہ کیا لیکن سوءِ اتفاق سے محمود کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور محمود گر پڑا۔ دشمن کو یہ موقع اچھا ہاتھ لگا اور قریب تھا کہ محمود کا کام تمام کر ڈالے کہ بجلی کی طرح مجاہد شاہ بڑھا۔ دشمن نے محمود کو چھوڑ کر بادشاہ پر حملہ کیا اور ایک فتح کا نعرہ ایسا مارا کہ لوگوں نے سمجھا کہ اُس کا وار کارگر ہوا۔ حُسنِ اتفاق سے خود کی وجہ سے بادشاہ کا سر بچ گیا بادشاہ نے اُلٹ کر ایک ایسا تلوار کا ہاتھ ہندو کو مارا کہ شانے سے ناف تک دو ٹکڑے ہو گئے جو پشتِ زین سے بے جان گرا۔ بادشاہ نے محمود کو پھر گھوڑے پر سوار کرایا اور اپنے لشکر میں جو نالے کے اِس پار تھا صحیح سلامت پہنچ گیا۔

مجاہد شاہ کی لڑائی سنہ ۱۳۷۵ء

کشن رائے اپنی فوج کے ساتھ جھیل کے اُس پار کھڑا تھا اُس کی فوج پانی میں سے اُتر رہی تھی بادشاہ نے امیر الامراء اور اعظم خاں کو جن کے سپرد لشکر کا میمنہ اور میسرہ تھا جنگ کرنے کا حکم دیا۔ مقرب خاں سیستانی جو آتش خانے کا افسر تھا توپیں لے کر بڑھا اور جنگ شروع ہو گئی آخر کار اِس لڑائی میں ہندو مغلوب رہے۔ اِس فتح کے بعد مُسلمان ابھی چین سے بیٹھنے نہ پائے تھے کہ رائے بیجانگر کا بھائی مُدیّا آٹھ ہزار سوار اور چھ لاکھ پیدل[1] لے کر

[1] اِس زمانے میں سلطنت کی تقسیم صوبوں میں کی گئی تھی اور ہر صوبے پر اُمرا اِس شرط سے حاکم مقرر کیے جاتے تھے کہ کافی مقدار فوج کی اپنے پاس طیار رکھیں جو وقتِ جنگ کام آسکے ۱۲

پونچ گیا۔ جنگ پھر تُندی سے شروع ہوگئی۔ طرفین کے بے شمار آدمی قتل ہوئے چنانچہ مقرب خاں اِسی میں مارا گیا۔ مجاہد شاہ بہ نفسِ نفیس اِس جنگ میں شریک تھا اور دشمنوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتا تھا۔

جہاں پہلواں خسروِ شیر دل		ہمی ساخت از خونِ شاں خاکِ گِل	
بشب رنگ آنگہ کہ دادے عناں		ہمی کشتے ہندو بزخمِ سناں	

داؤد خاں نے (بادشاہ کا چچا) جو دہنہ سودرہ[1] میں مقیم تھا جب سُنا کہ صبح سے دوپہر تک دو طرفہ جنگ رہی مگر ہندو مغلوب نہیں ہوئے اور لحظہ بہ لحظہ اُن کی مدد کو تازہ لشکر پونہچتا جاتا ہے۔ بے تاب ہوگیا اور ناعاقبت اندیشی سے دہنہ کو خالی چھوڑ کر سات ہزار سوار لے کر میدانِ جنگ میں پونہچ گیا اور خود بڑی بہادری اور جواں مردی سے لڑا کہ تین مرتبہ اِس کا گھوڑا زخمی ہونے سے سوار سے پیادہ ہوگیا تیر و نیزہ و تلوار سے لڑتا رہا کہ اِتنے میں بادشاہ کی نظر داؤد خاں کے عَلَم پر پڑی لیکن اُس وقت تامّل کیا اور کچھ نہ کہا بالآخر مسلمانوں کی فتح ہوئی اُس وقت داؤد خاں کو بُلا کر بادشاہ بہت سخت ناراض ہوا اور بہت کچھ بُرا بھلا کہا اور کہا کہ یہ تُو نے کیا غضب کیا کہ دہنہ کو خالی چھوڑ کر چلا آیا اگر خدانخواستہ ہندو اُس پر قابض ہوگئے تو یاد رکھو کہ ایک مُسلمان بھی یہاں سے صحیح سلامت نہ جا سکے گا۔ مجاہد شاہ نے چند اُمرا کو دہنہ کی حفاظت کے لیئے دوڑایا لیکن ہندوؤں کے ہاتھ اچھا موقع لگ گیا تھا ابھی اُمرا پونہچنے بھی نہ پائے تھے کہ اُنھوں نے دہنہ کو جو ایک تنگ سُرنگ تھی

[1] سیول صاحب نے لکھا ہے کہ دہنہ سودرہ غالباً ایک جھیل یا تالاب ہے جو جیانگر کے مشرقی میدان کے پہاڑوں کے آخر میں اُس بلند پہاڑ کے متصل واقع ہے کہ جو گورنمنٹ کی پیمایشِ اراضی بذریعہ مثلث کے نقشے میں دمان سنہ ۴ کے نام سے بتایا گیا ہے جو غالباً دھرما سمدرم ہوگا۔ اِس پہاڑ پر ایک ستون پیمایش کا بنا ہوا ہے۔ یہ پہاڑ پانسو فٹ بلند ہے اور حدود موضع کنوی تمّا پور میں واقع ہے۔ یہ مقام شہر جیانگر سے جو فوج نکلے اُس کو رستے میں پڑتا ہے اور اُس کے دامن میں سے چکر کاٹ کر جانا پڑتا ہے پہاڑ کی آڑ پکڑ کر اگر اِس رستے کو روک دیا جاوے تو پھر غنیم کو نکلنے کا کوئی رستہ باقی نہیں رہتا اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لیئے اِس رستے کو اپنے قبضے میں رکھنا کتنا ضروری تھا۔ فرشتہ نے اِس مقام کو ایک بہت بڑی گھاٹی لکھا ہے ۱۲

خالی پاکر فوراً قبضہ کرلیا۔ اُمرا نے بادشاہ کو خبر دی مجاہد شاہ نے (جس نے چالیس ہزار سوار و پیادہ ہنود کے اُسی دن قتل کیے تھے اور اِدھر مسلمانوں کے لشکر کے بھی بے شمار آدمی کام آئے تھے) توقف مناسب نہ سمجھا اور ویسے ہی یلغار دہنہ سودرہ پر پُونہچا۔ اِس کے آنے کی خبر سُنتے ہی ہندو بھاگ گئے۔ اور جب تک سارا لشکر نہ گزر گیا بادشاہ گھاٹی پر سے نہ ٹلا۔ القصّہ جب بادشاہ نے دیکھ لیا کہ بیجانگر کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہیں ہی تو وہاں سے کوچ کر دیا۔ جو عہد کہ سلطان محمد شاہ بہمنی نے کیا تھا کہ بعد فتح رعایا کو قتل نہ کروں گا اُس پر عمل نہ کیا اور قریب ساٹھ ستّر ہزار عورتیں اور بچّے قید کرلیے اور چوں کہ بادشاہ کی فوج قلعۂ ادھونی کو محاصرہ کیے ہوے پڑی تھی اُس طرف روانہ ہوا وہاں نو مہینے تک محاصرہ کیے پڑا رہا۔ موسم گرمی کا آگیا تھا اور اُمید تھی کہ اب قلعہ فتح ہوجاے گا کیونکہ محصورین کو پانی کی سخت تکلیف تھی لیکن غیر معمولی بارش ہونے سے یہ بات بھی جاتی رہی۔ بادشاہ کے لشکر میں آثارِ قحط نمایاں ہوے اور اسہال و پیچش اِس شدّت سے ہوئی کہ لوگ تنگ آکر خواہانِ مراجعت ہوے۔ ملک نائب سیف الدین غوری کو جب یہ خبر پُونہچی تو بادشاہ کی خدمت میں یہ معروضہ لکھّا کہ افواہِ خاص و عام سے ادھونی کی تعریف بہت سُنتا ہوں اگر فرمانِ خداوندی ہو تو فوج لے کر حاضر ہوں۔ بادشاہ نے اِس درخواست کو منظور فرمالیا چنانچہ سیف الدین بہت جلد آن پُونہچا اور آتے ہی بادشاہ سے عرض کی کہ یہ ایسا قلعہ ہی کہ پندرہ قلعے اِس کے گرد ہیں اور ایک بہت بڑے بلند اور وسیع پہاڑ پر واقع ہی جلد اِس کا فتح ہونا مشکل ہی۔ شرطِ کشور کشائی یہ ہی کہ اوّل قلعہ جات و مقامات مابین دو آبہ بندر گو آ و بلگاؤں سے بنکاپور تک فتح فرمایئے اُس کے بعد اِس قلعے کو لے لینا آسان ہی۔ بات معقول تھی بادشاہ کی سمجھ میں آگئی اور واپسی پر راضی ہوگیا۔ سیف الدین نے راے بیجانگر سے صلح کا پیغام چھیڑ دیا اور یوں بادشاہ گلبرگہ واپس ہوا اور اِس جنگ کا خاتمہ ہوا۔ تاریخ فرشتہ میں سلطنتِ بیجانگر کا جو حال ۱۳۷۵ء میں تھا حسبِ ذیل لکھّا ہی۔

"ولایتِ کرناٹک کا طول شمالاً اور جنوباً کرشنا سے سیت بن رامیسر تک چھ سو کوس تھا اور عرض غرباً و شرقاً دریاے عُمان سے تا سرحدِ مملکتِ تلنگانہ ڈیڑھ سو کوس تھا اِس میں بڑے بڑے جنگل اور متعدد قلعے تھے اِس ملک کی زبان کنڑی اور تلنگی ہی اور اکثر لوگ

ایسے بہادر اور مردانہ ہیں کہ لڑائی کے وقت ناچتے کودتے اپنی عورتوں کو بھی میدانِ جنگ میں لے آتے ہیں باایں ہمہ شوکتِ سپاہ اسلام کا دبدبہ اِن کے دلوں پر ایسا تھا کہ سلاطینِ بہمنیہ نے باوجود قلتِ سپاہ بھی ہمیشہ اِن پر فتح پائی ہو ورنہ بہ لحاظِ وسعتِ مُلک اور فوج کے راے بیجانگر بدرجہا اِن سے بڑھا ہوا تھا خصوصًا مجاہد شاہ کے زمانے میں کہ سارا ملک تلنگانہ ہنود کے قبضے میں تھا۔ بندر[1] گوا قلعۂ بلگاؤں اور تلنگانہ کا اکثر حصہ بھی بیجانگر کے قبضے میں تھا علاوہ اِس کے راجگانِ سیلان ویلیبار اور دوسرے بندروں اور جزائر کے فرماں روا اِن کے تابع تھے اور ہمیشہ خراج اور پیش کش دیا کرتے تھے اور اِن کے ایلچی ہمیشہ تحفہ تحائف لے کر راجہ کے دربار میں حاضر رہتے تھے۔ آبا و اجداد کشن راے سات سو برس سے بادشاہت کرتے چلے آتے تھے اُن کا اندوختہ بے انتہا تھا کیوں کہ اِن لوگوں کو خرچ کرنے کی عادت نہ تھی اور مدتوں سے کوئی جنگ بھی پیش نہیں آئی تھی اِن وجوہ سے راجگانِ بیجانگر کے خزائن بے شمار تھے تمام دُنیا کے بادشاہوں کو اگر ملا لیا جائے تو وہ سب ایک طرف اور یہ اکیلے ایک طرف۔ علاء الدین خلجی کے زمانے میں کشن راے کا دادا جو بانیٔ سلطنتِ بیجانگر تھا اُس نے اپنے آبا و اجداد کے جمع کیے ہوے بے شمار خزانے بہ نیتِ ثوابِ آخرت زمین میں گاڑ کر اُوپر سے بُت خانے بنا دیئے تھے چنانچہ سیت بن رامیسر میں علاء الدین کو اِسی قسم کا مدفون بے شمار خزانہ مِل گیا تھا" دریاے تُنگ بھدرا پار ہو کر بادشاہ حوالی مدگل میں پُونہچا بادشاہ لشکر مدگل میں چھوڑ کر چند مصاحبوں اور اربابِ عشرت کو کہ جن کی تعداد قریب چار سو کے ہوگی شکار کو گیا داؤد خاں و سند عالی خاں محمد و صفدر خاں سیستانی و اعظم ہمایوں ہمراہ تھے بادشاہ شکار کھیلتا کھیلتا قلعۂ رایچور کے قریب تک پُونہچ گیا۔ صفدر خاں اور اعظم ہمایوں بادشاہ کی بے باکی اور بے پروائی خوب جانتے تھے اور ہمیشہ اُس کی جان کی محافظت

[1] سینار پس نے لکھا ہے کہ اُس نے ۱۵۳۲ء میں ٹاریڈو ٹومبو کے گزشتہ زمانے کے تاریخی کاغذات میں بہ مقام بسنگر عطیات کا ایک تانبے کا پتر دیکھا ہے جو گوا میں ۱۳۹۱ء میں کندہ کیا گیا تھا اُس میں گوا کے حاکم کا نام "ویرا ہربہر" راجۂ بیجانگر لکھا ہے۔ یہ ویرا ہربہر دوم تھا ۱۲۔

کرتے رہتے تھے کیوں کہ بادشاہ تمام دن شکار کھیل کر جنگل اور پہاڑوں میں جہاں رات ہو جاتی تھی۔ بے تکلفانہ اُتر پڑتا تھا۔ داؤد خاں بادشاہ کی دشنام دہی سے آزردہ خاطر تھا اور بادشاہ کی جان لینے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ خان محمد دولت آباد کی امارت سے معزول کیا گیا تھا اور اُس کی جگہ اعظم ہمایوں مقرر ہوا تھا اور مسعود خاں ولد مبارک خاں تنبول بردار خاصہ کے سینے میں کینہ اپنے باپ کے مارے جانے کا تھا یہ سب داؤد خاں کے ہم داستان ہو گئے اور شکارگاہ ہی میں چاہتے تھے کہ بادشاہ کو مار ڈالیں مگر صفدر خاں اور اعظم ہمایوں ہر وقت بادشاہ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اُن کو موقع نہ ملا لیکن حکمِ قضا و قدر ٹلتا نہیں شکار سے فارغ ہو کر بادشاہ نے صفدر خاں کو برار اور اعظم ہمایوں کو دولت آباد اپنے اپنے مقامات پر چلے جانے کی اجازت دے دی یہ دونوں مجبوراً بہ تعمیلِ حکم بادشاہ چلے گئے۔ بادشاہ لشکر میں واپس نہیں گیا بلکہ اُسی منتخب جماعت کے ساتھ شکار کرتا ہوا گلبرگہ کی طرف چلا اور دریائے کرشنا پار ہو کر اُس کے کنارے پر مقام کیا اور مچھلی کا شکار کیا۔

مجاہد شاہ کا قتل اور داؤد شاہ کی تخت نشینی سنہ ۱۳۷۸ء

اتفاقاً اُس روز بادشاہ کو آشوبِ چشم ہو گیا شب کے وقت آرام کے لیے سراپردے میں گیا۔ داؤد خاں اور مسعود خاں مع چند جوانوں کے جو اِس سازش میں شریک تھے نشست کے بہانے سے سراپردے کے پاس بیٹھ گئے دوپہر رات جب گزر گئی اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ سو سلا گئے اور اِن کے سوائے کوئی باقی نہ رہا تب داؤد خاں مستعد ہو گیا۔ خان محمد اور چند آدمیوں کو باہر کھڑا کیا اور خود دو آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر ڈیرے کے اندر گھسا دیکھا بادشاہ پلنگ پر آرام کر رہا تھا آنکھ لگ گئی تھی ایک خواجہ سرا اور ایک حبشی غلام پاؤں دبا رہے تھے جوں ہی اُنھوں نے داؤد خاں کے ہاتھ میں خنجر دیکھا فوراً اتاڑ گئے کہ دال میں کچھ کالا ہے اور شور و غل کرنے لگے۔ بادشاہ جاگ اُٹھا اور آنکھیں ملنے لگا اور ہر چند چاہتا تھا کہ آنکھ کھولے لیکن آشوبِ چشم کے سبب سے آنکھ نہ کھل سکی داؤد خاں جفاکار نے فرصت پا کر خواجہ سرا کے پیٹ میں خنجر بھونک دیا کہ اُس کی انتڑیاں نکل پڑیں۔ بادشاہ نے باوجود آشوبِ چشم کے بڑی بہادری سے داؤد خاں کا ہاتھ پکڑ کر خنجر سمیت اپنی طرف گھسیٹا

حبشی غلام کے پاس کوئی ہتیار نہ تھا وہ مسعود خاں کو لپٹ گیا مسعود خاں نے ایک تلوار ایسی ماری کہ بے چارہ غلام ختم ہو گیا اور اُسی تلوار سے بادشاہ کے سر پر ایک ضرب ایسی لگائی کہ اُسی وقت بادشاہ دُنیا سے رُخصت ہوا۔ یہ واقعہ ۱۷ ذی الحجہ ۸۷۹ھ م ۱۶ اپریل ۱۴۷۵ء یوم جمعہ کی شب میں ہوا تھا۔

اجل خانۂ تن بپرداختش	پس از تخت بر تختہ انداختش
جہاں کارزیں گونہ بسیار کرد	زمانہ بخستیں چنیں کار کرد
یکے را زر بر سر افسر نہد	یکے را بہ خاکِ سیہ در نہد

داؤد خاں بادشاہ کا کام تمام کر کے باہر آیا اور اُسی دن سب اُمرا کو بُلا کر اپنی سلطنت کی دعوت دی۔ مجاہد شاہ کے کوئی اولاد نہ تھی داؤد خاں کے سوا سے کوئی وارث نہ تھا۔ سب نے اطاعت قبول کی اور سرِ تسلیم خم کیا۔ داؤد خاں نے علی الصباح اپنے بھتیجے کے جنازے کو گلبرگہ بھجوا دیا اور خود دو تین روز مدگل سے لشکر آنے کے انتظار میں وہیں ٹھیرا رہا۔ مجاہد شاہ نے صرف تین سال سلطنت کی۔ بادشاہ کے قتل سے چاروں طرف مُلک میں فتنہ و فساد شروع ہو گیا صفدر خاں اور اعظم ہمایوں دونوں حوالی بیجاپور تک گئے لیکن آپس میں صلاح کر کے ادائے رسمِ تہنیت کے لیئے گلبرگہ نہ گئے بلکہ بادشاہی ہاتھی اور گھوڑے جو بیجاپور میں تھے وہ لے کر ایلچ پور اور دولت آباد کو واپس چلے گئے اور داؤد شاہ کو

لہ کرنل میڈوز ٹیلر نے اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۱۶۲ میں لکھا ہے کہ بیجانگر کے حملے میں ایک مرتبہ مجاہد شاہ ایک بڑے مندر میں گھس گیا اور برہمنوں کو جو دیوں کی حفاظت کر رہے تھے اور دیو کو بچانا چاہتے تھے منتشر کر دیا اور ہنومان کے بُت مشہور پر ایک ضرب شمشیر ایسی ماری کہ اُس کا چہرہ کٹ گیا۔ ایک برہمن نے جو بُت کے قدموں پر جان توڑ رہا تھا بادشاہ کو بددعا دی اور کہا کہ اِس بے ادبی کی سزا تجھ کو ایسی ملے گی کہ تُو اپنی دارالسلطنت کو پہنچنے بھی نہ پائے گا کہ مرجائے گا۔ یہ پیشین گوئی بالکل پوری ہوئی۔ یہ بُت جو ایک بڑے پتھر سے تراشا گیا ہے اب بھی موجود ہے اور اُس پر بادشاہ کی ضرب کا نشان بھی ہے ۱۲

لکھ دیا کہ لشکر اور جانوروں کے آرام کے خیال سے ہم اپنے اپنے مقامات پر چلے گئے ہیں اگر درگاہِ فلکِ پایگاہ سے یاد ہوگی تو فوراً حاضر ہوں گے۔ بیجانگر میں جب مجاہد شاہ کے قتل کی خبر پہونچی تو خوش حالی اور شادمانی پھیل گئی یہ لوگ ملک کو لوٹتے ہوئے رایچور تک آئے اور قلعہ فتح کر لیا۔ گلبرگہ میں دو فرقے ہو گئے بعض داؤد شاہ کی طرف اور بعض سلطان علاء الدین کے چھوٹے بیٹے محمود شاہ کی طرف۔ آخر کار ملک سیف الدین جو عاقل و جہاں دیدہ تھا اُس نے کہا کہ ایسے اختلافات سے تو زوالِ سلطنت کا اندیشہ ہے اب کہ داؤد شاہ نے تاجِ شاہی زیبِ سر کر لیا ہے مناسب یہی ہے کہ ہم سب بھی اطاعت قبول کریں۔ چوں کہ ملک سیف الدین رکنِ اعظم سلطنت کا تھا۔ سب نے حتیٰ کہ خواتینِ حرم نے بھی اُس کی بات سُنی اور ناچار اس امر کو قبول کر لیا۔ لیکن بادشاہ کی حقیقی بہن نے کہ سیف الدین کی نواسی ہوتی تھی۔ بہت لعنت ملامت کی اور اپنے بھائی کے قتل سے بہت مضطرب اور بے تاب تھی۔ آخر کار سب نے مل کر داؤد شاہ کا خطبہ پڑھا اور اُس کو بہت شان و شوکت و اہتمام سے استقبال کر کے شہر میں لائے اور تخت پر بٹھا دیا۔ اِس کے بعد سیف الدین نے منصبِ وکالت سے استعفار دے دیا۔ بادشاہ نے ہر چند اصرار کیا لیکن سیف الدین اپنی رائے پر اڑا رہا ناچار بادشاہ نے بھی منظور کر لیا۔ الغرض سب نے تو اطاعت اور فرماں برداری قبول کر لی لیکن مجاہد شاہ کی بہن کہ جس کا نام روح پرور آغا تھا وہ بالکل منحرف رہی حتیٰ کہ تخت نشینی کی مبارک باد بھی نہ کہلا بھیجی۔ داؤد شاہ نے ہر چند خوشامد درآمد کی لیکن وہ اِس کی کچھ حقیقت نہ سمجھتی تھی کیوں کہ محمد شاہ کے وقت میں اِس بیگم کی بڑی عزت تھی اور تمام محلاتِ شاہی میں اِسی کو تفوق تھا۔ داؤد شاہ ہمیشہ اِس کی بہت عزت اور احترام کیا کرتا تھا اور مجال نہ تھی کہ اِس کے سامنے زبان ہلا سکتا۔

داؤد شاہ کا قتل اور محمود شاہ کی تخت نشینی ۱۳۷۸ء

باکہ نامی ایک جوان تھا جو مجاہد شاہ کا بڑا خیر خواہ اور مقرب تھا اور اِس وجہ سے اعلیٰ مرتبے پر پہونچ گیا تھا روح پرور آغا نے اُس کو بھڑکایا۔ وہ اپنے آقائے ولی نعمت کے خون کے بدلہ لینے پر مستعد ہو گیا اور جان سے ہاتھ دھو کر موقع اور وقت

کا منتظر رہا۔ ۲۱ محرم ۷۹۸ھ یوم جمعہ کو جب کہ داؤد شاہ اور اُس کے ساتھ مسند عالی خاں محمد ادائے نمازِ جمعہ کے واسطے جامع مسجد کو گئے تھے باکہ بھی داؤد شاہ کے پیچھے کی صف میں جا بیٹھا اور جب بادشاہ سجدے میں گیا تو چُستی اور چالاکی سے اِس طرح کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ ایک ہاتھ تلوار کا ایسا مارا کہ داؤد شاہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ مسند عالی خان محمد اپنے چچیرے بھائی کو مُردہ دیکھ کر جھپٹا اور قاتل مسجد کے باہر بھی نہ بھاگنے پایا تھا کہ اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ داؤد شاہ کے لیئے یہ مثل صادق آئی "چاہ کن را چاہ در پیش"۔ داؤد شاہ نے ایک مہینے پانچ دن سلطنت کی۔ علاء الدین کا چھوٹا بیٹا محمود[1] شاہ اوّل داؤد شاہ کا جانشین ہوا۔ مجاہد شاہ کی ہمشیر روح پرور آغا نے داؤد شاہ کے بڑے بیٹے محمد سنجر کی جس کی عمر (۸) سال کی تھی پہلے ہی آنکھیں نکلوا دی تھیں تاکہ تخت نشینی کا جھگڑا نہ پیش آئے محمود شاہ کو سب فریقوں نے بہ خوشی اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا حتیٰ کہ راے بیجانگر نے بھی اپنا محاصرہ رایچور پر سے اُٹھا لیا اور جو خراج محمد شاہ کے زمانے میں دیا کرتا تھا اُس کے دینے کا اقرار کر لیا۔

سلطان محمود کا انتقال ۱۳۹۷ء

سلطان محمود نے اُنیس سال نو مہینے بیس روز سلطنت کی یہ زمانہ بالکل امن و امان سے گزرا اور ۲۱ رجب ۸۱۹ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۳۹۷ء کو بہ مرضِ تپ محرقہ دُنیا سے رخصت ہوا۔

جواں شہ بدولت جہاں بر گرفت		بشاہنشہی چتر بر سر گرفت	
بسے سالہا در جہاں کام یافت		براو رنگ بے رزم آرام یافت	

[1] تاریخ فرشتہ میں اِس بادشاہ کا نام محمود لکھا ہے لیکن ڈاکٹر کاڈرمنگٹن جو سکّہ شناسی کے ماہر ہیں لکھتے ہیں کہ سکّوں پر اِس بادشاہ کا نام محمد تھا نہ کہ محمود اور برہانِ مآثر میں بھی یہی لکھا ہے اور میجر کنگ نے بھی یہی لکھا ہے لیکن ہم نے تاریخ فرشتہ پر ہی عمل کیا ہے ۱۲

باب چوتھا

توسیعِ سلطنت من ابتدائے ۱۳۷۹ء تا ۱۴۰۶ء

زمانِ سلطنتِ ہریہر دوم | بکّا اول کی جگہ اُس کا بیٹا ہریہر دوم جو اُس کی بیوی گوری کے بطن سے تھا تخت نشین ہوا۔ کتبوں کے لحاظ سے ہریہر دوم نے بیس سال سلطنت کی نیو نزنے نئے راجہ کا نام پریوری دیوراؤ لکھا ہی جو اصل میں ہریہر ہوگا پرتگالی زبان میں بگاڑ دیا ہی علاوہ اِس کے ھ اور پ دونوں لفظ تلنگی اور کنڑی زبان میں قریب المخرج بھی ہیں۔ یہ پہلا راجہ تھا جس نے شاہی خطاب "مہاراج ادھیراج" کا لیا۔ اِس کے عہد میں دیولوں کو بہت سے عطیّات دیئے گئے اور سلطنت کو جنوبی حصّۂ ہند میں بہت مستحکم کیا۔ سایَن[1] برادر مادھوا چاری جس طرح سنگم دوم کا وزیر تھا اِس کا بھی وزیرِ اعظم رہا۔ ۱۳۷۹ء و ۱۳۸۲ء کے دو کتبوں سے معلوم ہوتا ہی کہ اِس زمانے میں سپہ سالارِ فوج مدّا نامی شخص تھا اور ایک دوسرے فوج کے سردار کا نام ایروگا تھا جو بکّا دوم کے وزیر چیچا کا بیٹا تھا جس کا نام کاملاپور کے جینیوں کے مندر کے ستون پر کندہ ہی اور سال ۱۳۸۵ء درج ہی اور ایک سردار کا نام گنڈا تھا لیکن اِس کا سنہ نہیں ملتا۔ ایک دوسرے کتبے سے معلوم ہوتا ہی کہ ہریہر نے اپنے سلطنت کے اوائلِ زمانہ میں مسلمانوں کو بندرگو آسے بے دخل کر دیا تھا۔ اور اِس کی سلطنت کا آخری کتبہ جواب تک دریافت ہوا ہی (جس میں بادشاہ کا نام "مہامنڈلیسور پسمِ پیرا بکّا اُدیار مالک ہر چہار سمندر" درج ہی) اِس سے

---

[1] پروفیسر آئیر پیٹ نے لکھا ہی کہ سایَن نے ۱۳۸۶ء میں انتقال کیا ۱۲۔

معلوم ہوتا ہے کہ بندر گو آپر بکنا اُدے یار گورنر تھا۔ راجہ کی بڑی رانی کا نام مُلّا دیوی یا مُلّنبیکا تھا جو سب میں ممتاز اور سربرآوردہ تھی۔ اِس راجہ کے وقت میں سلطنت کو اِس قدر وسعت ہوئی کہ دُور و دراز مقامات مثل میسور۔ دھارواڑ۔ کنجیورم۔ چنگلی پیٹ اور ترچناپلی میں بھی اِس کے نام کے گنبذ موجود ہیں۔ راجہ سیوا اور ویر پاکشا دیو کی پوجا کرتا تھا لیکن دوسرے مذاہب سے اُسے تعصب نہ تھا۔ کتبوں کے رُو سے سب سے آخر تاریخ اِس کی سلطنت کی ۱۵ اکتوبر ۱۳۹۹ء قرار پاتی ہے۔

سلطان غیاث الدین کی تخت نشینی ۱۳۹۷ء

سلطان محمود کے بعد اُس کا بیٹا سلطان غیاث الدین سترہ سال کی عمر میں تختِ گلبرگہ پر بیٹھا۔ اِسی زمانے میں صفدر خاں سیستانی کے مرنے کی خبر ایلچپور سے پونہچی بادشاہ نے اُس کے بیٹے صلابت خاں کو جو بادشاہ کا ہمباز اور ہم مکتب تھا مجلسِ عالی کا خطاب دے کر اُس کے باپ کی جگہ مقرر کر دیا۔ احمد بیگ قزوینی کو عہدۂ پیشوائی اور محمد خاں ولد اعظم ہمایوں کو خدمتِ سرنوبتی سے سرفراز فرمایا۔

تغلچین کی سازش سے غیاث الدین کا مکحول ہونا ۱۳۹۷ء

یہ بات تغلچین کو جو سلطان محمود شاہ کا ایک غلام تھا ناگوار ہوئی کیوں کہ وہ یہ چاہتا تھا کہ منصب وکالت اُسے اور اُس کے بیٹے حسین خاں کو سرنوبتی ملے لیکن ان دونوں خواہشوں میں وہ ناکام رہا اور اسی وجہ سے اُس کے دِل میں کدورت تھی۔ بادشاہ اکثر کہا کرتا تھا کہ یہ بات بہت نامناسب ہے کہ غلاموں کو خلق اللہ پر حاکم مقرر کر دیا جاے جن میں کثرت سے معزّزین حتّٰی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد بھی ہیں۔ تغلچین بھی ایک امیرِ کبیر تھا اُس کے ساتھ بھی اُس کے بہت سے ہم درد تھے۔ تغلچین کے دل میں گرہ پڑ گئی اور اُس کی تمام تر کوشش اِسی بات کی تھی کہ کسی نہ کسی طرح بادشاہ کو تخت سے اُتار دے۔ تغلچین کی ایک لڑکی حُسن و جمال میں شہرۂ آفاق اور بے مثل تھی وہ فنِ موسیقی میں بھی مشہور تھی۔ بادشاہ اُس کی طرف راغب تھا اور اُس کی محبت کا دم بھرتا تھا۔ ان ہی دِنوں میں تغلچین نے

اپنے مکان میں ضیافت کا سامان اعلیٰ درجے پر کیا اور بادشاہ کے قدوم میمنت لزوم اپنے غریب خانے تک قدم رنجہ فرمانے کی خواہش کی۔ بادشاہ نے سمجھا کہ شاید یہ اپنی لڑکی کو پیش کرے گا خوشی خوشی اُس کے گھر گیا۔ تغلچین نے بڑی دھوم دھام سے دعوت کی اور مجلسِ بزم آراستہ کی جب بادشاہ مخمور ہو گیا تغلچین نے چاہا کہ تخلیہ ہو کر مجلس نامحرموں سے خالی ہو جاے۔ بادشاہ کو وصالِ معشوق کی دُھن تھی اُس پر شراب کا نشہ کچھ نہ سُوجھا محفل کو خالی کرا دیا اور سب کو باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ تغلچین کے پاس ایک قدیم غُلام خواجہ سرا تھا جس کا نام طرب تھا اُس کو بادشاہ کا ساقی بنایا اور اشارہ کر دیا کہ ہاں خوب دَور پر دَور دے کہ بادشاہ بالکل بے ہوش ہو جاے اور خود اپنی بیٹی کو لانے کے بہانے باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر میں خنجر برہنہ لے کر واپس آیا۔ بادشاہ کو نشے کی حالت میں جب بھی خبر نہ ہوئی۔ اگرچہ بادشاہ کے پاس کوئی ہتیار نہ تھا لیکن پھر بھی تغلچین کے وار کو روکا اور کھڑا ہو گیا لیکن نشے کے سبب سے پاؤں ٹِک نہ سکے تھے لڑکھڑایا اور گر پڑا اور زینے کی طرف بھاگا کہ باہر کُود جاے لیکن تغلچین نے جھپٹ کر بادشاہ کو آخری سیڑھی پر پکڑ لیا اور اُس کے سر کے بال پکڑ کر نیچے گھسیٹ لایا۔ خواجہ سرا اور اُس نے دونوں نے مِل کر بادشاہ کی مُشکیں کَس دیں اور خنجر سے فوراً اُس کی دونوں آنکھیں نکال لیں تغلچین نے اپنے دو تین آدمیوں کو مسلح کھڑا کر رکھا تھا طرب کو بار بار باہر بھیجتا تھا اور بادشاہ کے نام سے ایک ایک امیر کو اندر بُلاتا تھا اور قتل کر ڈالتا تھا۔ اِس طرح چوبیس امیروں کو قتل کیا اور اُمراے دولت میں سے کسی بڑے شخص کو باقی نہ چھوڑا۔ سب سے آخر بادشاہ کے چھوٹے بھائی شمس الدین کو بُلوایا جب وہ قریب آیا تو تغلچین رسمِ پیشوائی مع اپنے جوانانِ خاصہ کے آگے بڑھا اور مبارک بادِ سلطنت کی دی اور قلعے میں لے جا کر تختِ فیروزہ پر بٹھلایا۔ غیاث الدین کو قلعۂ سگر میں لے جا کر مقید کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۷ رمضان المبارک ۷۹۹ھ م ۱۴ جون ۱۳۹۷ء میں ہوا۔ اِس بدنصیب بادشاہ کی سلطنت صرف ایک مہینے بیس دن رہی۔

سلطان شمس الدین کی تخت نشینی ۱۳۹۷ء | اِس کے بعد اِس کا چھوٹا بھائی شمس الدین

پندرہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا اِس نے تغلچین کو خطاب ملکِ نائب و منصب امیر جلگی عطا کیا۔ شمس الدین نے اپنی والدہ کو جو سُلطان غیاث الدین کی والدہ کی لونڈی تھی مخدومۂ جہاں کا خطاب دیا وہ تغلچین کی بڑی خاطر کرتی تھی اور اپنے بیٹے کو ہمیشہ نصیحت کرتی تھی کہ اِسی کی بدولت تم کو بادشاہت ملی ہے یہ تمھارا سچا خیر خواہ ہے اِس کے مقابلے میں کسی اہلِ غرض کی بات نہ سُننا۔ تغلچین نے بھی مخدومۂ جہاں کو خوشامد در آمد کرکے خوب گانٹھ لیا تھا۔ داؤد شاہ کے تین بیٹے تھے بڑے بیٹے محمد سنجر کی آنکھیں پہلے ہی نکلوا ڈالی گئی تھیں جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ دوسرا بیٹا فیروز خاں اور تیسرا احمد خاں یہ دونوں ایک ماں کے پیٹ سے تھے اور اپنے باپ کے قتل کے وقت اِن کی عمر چھ سات سال سے زیادہ نہ تھی اِن کے چچا سُلطان محمود شاہ نے ان کی تعلیم و تربیت بہت عمدگی سے کی تھی۔ میر فضل اللہ انجو کہ جو شیراز کا عظیم المرتبہ سیّد تھا اور مُلّا سعد الدین تفتازانی کا شاگرد تھا اِن لڑکوں کا اُستاد تھا۔ اُس وقت تک سلطان محمود شاہ کے ہاں کوئی لڑکا نہ تھا اُس نے اِن دونوں بھتیجوں کو اپنی بیٹیاں منسوب کردی تھیں اور بعض وقت کہتا تھا کہ فیروز خاں میرا ولی عہد ہے اور اُس کو تخت پر بھی اپنے برابر بٹھاتا تھا لیکن بعد میں اُس کے ہاں لڑکا پیدا ہوگیا اور اُس نے اپنے بیٹے غیاث الدین کو ولی عہد مقرر کیا اور اپنی وفات کے وقت اپنے بھتیجوں کو اطاعت و فرماں برداری غیاث الدین کی وصیت کی جس پر اُنھوں نے پورے طور سے عمل کیا اور ہر طرح سے غیاث الدین کی اطاعت اور فرماں برداری کی۔

تغلچین کی بدولت سلطان شمس الدین سے فیروز خاں اور احمد خاں کی اَن بَن

جب تغلچین نے سلطان غیاث الدین کو اندھا کردیا تو فیروز خاں اور احمد خاں کی بیگمات نے جو غیاث الدین کی بہنیں تھیں اپنے شوہروں کو ترغیب و تحریص دی کہ تم دونوں بھائی تغلچین سے اِس کا بدلہ لو اِن دونوں نے اقرار کرلیا اور تاک میں رہے۔ تغلچین بھی یہ بات سمجھ گیا اور سلطان شمس الدین سے اِن کی شکایت کی اور بدگوئی کرنے لگا اور اِس کوشش میں لگا رہا کہ بادشاہ کو ناخوش کرکے اِن دونوں کو قید کرادے لیکن سلطان شمس الدین نے باوجود صغرِ سنی کے تغلچین کی شکایتوں پر اعتبار نہ کیا

تغلچین نے اب یہ چال چلی کہ مخدومۂ جہاں کو بھڑکایا اور کہا کہ اگر دو تین دن میں ان دونوں بھائیوں کا قرار واقعی بندوبست نہ کیا جاے گا تو یہ دونوں انواع واقسام کا فساد برپا کرکے بادشاہ کو اور تم کو نکلوا دیں گے۔ القصہ مخدومۂ جہاں نے شمس الدین کے خوب کان بھرے اور اُس کو اِن دونوں کے قتل پر آمادہ کر لیا۔ فیروز خاں اور احمد خاں کو بھی خبر لگ گئی وہ دونوں سگر بھاگ گئے۔ سگر کا حاکم سدھو اِس خاندان کا غلام تھا وہ اِن کی مدد کے لیے مستعد ہو گیا ؎

چنیں گفت سدھو بہ فیروز خاں	ندارم دریغ از تو مالے و جاں
بہ کوشم کہ اورنگِ کیخسروی	زفرِّ کُلاہِ تو گردد قوی

اِن دونوں بھائیوں نے پہلے شمس الدین کو لکھا کہ ہمارا مقصود صرف یہ ہے کہ تغلچین کو نکال دیا جاے کہ جس نے بہت سے اعمالِ ناشائستہ جن سے سلطنت کی ناموس میں خلل پڑا ہے کیے ہیں مثلاً سلطان غیاث الدین کا اندھا کرنا اگر آپ اُس کو سزا دیں تو ہم بدستور آپ کے مطیع ہیں ورنہ ہم سے جو کچھ ہو سکے گا اُس میں ہم کمی نہ کریں گے۔

حوالیِ گلبرگہ میں فیروز خاں اور احمد خاں سے ایک جنگ

شمس الدین نے تغلچین اور مخدومۂ جہاں کی وساطت سے اُلٹا جواب بھجوایا کہ جس سے دشمنی اَور بڑھ گئی۔ دونوں بھائی سدھو سے تین ہزار سوار اور پیادے لے کر گلبرگہ پہنچے اور خیال کیا کہ بادشاہی لشکر بھی اُن کے ساتھ ہو جاے گا لیکن جب دریاے بھٹورہ[1] کے پار ہوے تو دیکھا کہ دار الخلافت سے کوئی شخص اُن کے پاس نہیں آیا اِس لیے اُسی جگہ ٹھیر گئے اور ارادہ کیا کہ معقول انتظام کرکے آگے بڑھنا چاہیے۔ اِن لوگوں نے چترِ شاہی فیروز خاں پر لگایا احمد خاں کو امیر الامرا اور سدھو کو سر نوبت اور میر فضل اللہ انجو کو وکالت کی خدمات دیں۔ الغرض اپنے آپس میں تمام خدمات اور مناصب کو تقسیم کرکے آگے بڑھے جب گلبرگہ چار کوس رہ گیا تو تغلچین فوج لے کر مقابلے کو پہنچا

---

[1] تلقہ شاہ پور ضلعِ گلبرگہ میں ایک مقام ہے ۱۲۔

[2] اِس نام کا کوئی دریا اب حوالیِ گلبرگہ میں نہیں ہے ایک ندی البتہ ہے جس کا نام بنی ترا ہے جو بھٹورہ سے ملتا جلتا ہے ۱۲۔

اور حوالیٔ قصبہ مرقول[1] میں بہت بڑی جنگ ہوئی جس میں فیروز خاں اور احمد خاں کو شکست ہونے سے وہ دونوں پھر سگر کو واپس چلے گئے۔ مخدومۂ جہاں اور تغلچین کو اب اور زور ہو گیا۔

فیروز خاں کا گلبرگہ واپس آکر تغلچین کو قتل کرنا اور شمس الدین کو معزول کرکے خود تخت پر بیٹھنا ۷۳۹ھ

عامۂ خلائق تغلچین سے متنفر تھی اور فیروز خاں کو چاہتے تھے۔ ان لوگوں نے فیروز خاں کو صلاح دی کہ بہتر یہ ہے کہ سلطان شمس الدین سے عہد نامہ کرکے تم گلبرگہ چلے آؤ آنے کے بعد حسب موقع و صوابدید تمھارا مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ جب فیروز خاں نے دیکھا کہ گلبرگہ کے لوگ اس کی حمایت پر ہیں تو اُس نے میر غیاث الدین ولد فضل اللہ انجو اور سید کمال الدین اور دوسرے سادات اور علماء کو مخدومۂ جہاں اور تغلچین کے پاس بھیجا کہ ہم لوگ بعض لوگوں کے کہنے سُننے سے ان حرکات کے مرتکب ہوئے تھے اب ہم اپنے کیے پر نادم و شرمسار ہیں اگر بادشاہ ہم کو امان دے تو ہم دونوں بھائی بادشاہ کے ظلِّ عاطفت میں حاضر ہو جائیں۔ مخدومۂ جہاں اور تغلچین اس بات سے خوش ہوئے اور اُن کو آنے کی اجازت دی۔ یہ دونوں بھائی گلبرگہ جانے کے لیے اپنے کوٹھے پر متفکر بیٹھے تھے کہ گلبرگہ سے ایک دیوانہ کشمیری آیا اور غل شور کرتے لگا کہ اے فیروز خاں میں تجھ کو گلبرگہ جانے کے واسطے "روز افزوں" آیا ہوں (یعنی بہت جلد) تاکہ تجھے بادشاہ بناؤں۔ ان دونوں نے دیوانے کی بات کو فالِ نیک سمجھا اور گلبرگہ آ گئے۔ لیکن تغلچین اور فیروز خاں ایک دوسرے سے کھٹکے ہوئے تھے اور اپنی اپنی جگہ ہشیار رہتے تھے۔ ان لوگوں کو آئے ہوئے دو ہفتے گزرے تھے کہ ۲۳ صفر ۷۳۹ھ یوم پنجشنبہ کو فیروز خاں بارہ سلاح داروں کے ساتھ دربار میں حاضر ہوا اور پیچھے تین سو جوان ایک ایک دو دو کرکے قلعے میں اکٹھے ہو گئے۔ بعد کو احمد خاں بھی آ گیا۔ فیروز خاں نے تغلچین سے کہا کہ میرے خویشوں میں سے دو تین شخص ہمارے ملک سے آئے ہیں اور بادشاہ کے قدمبوس ہونا چاہتے ہیں اگر آپ کا حکم ہو تو بادشاہ کے سلام سے مشرف ہو جائیں

---

[1] اب یہ موضع مرتور کے نام سے مشہور ہے اور گلبرگہ سے چار کوس ہے اور ریل کا اسٹیشن ہے ۱۲۔

تغلچین نے کہا اچھا اور بادشاہ سے عرض کیا اُس نے حکم دیا کہ فیروز خاں جس کو لاے پردہ دار مزاحم نہ ہوں۔ فیروز خان نے تغلچین کو اِدھر باتوں میں لگا لیا اور احمد خاں کو کہا کہ اُن لوگوں کو بُلا لاؤ احمد خاں بارہ سلاح داروں کو جو اُن کے ساتھ آے تھے دروازے کے پاس لایا لیکن اُن کو مسلح دیکھ کر پردہ داروں نے روک دیا۔ احمد خاں نے دیکھا کہ کام بگڑ گیا اور بھید کھُل جاے گا اِن لوگوں نے فوراً ہتیار کھینچ لیے اور چند پردہ داروں کو مار کر اندر گھُس آے۔ اندر آکر تغلچین کے بیٹوں کو پکڑ لیا۔ جو لوگ فیروز خاں سے باتیں کر رہے تھے وہ سب بھاگ گئے اور حجروں میں چھُپ گئے سلطان شمس الدین نے جب یہ حالت دیکھی تو وہ بھی بھاگ کر تہ خانے میں چھُپ گیا۔ اتنے میں تین سو لشکری جو باہر تھے وہ بھی اندر گھُس آے اور تغلچین کے تمام متعلقین کو جو دیوان خانے میں تھے قتل کر ڈالا۔ اِن لوگوں نے فیروز خاں کے حکم سے شمس الدین اور تغلچین کو پابہ زنجیر کر کے اُسی تہ خانے میں قید کر دیا۔ اُسی وقت فیروز خاں بہ اتفاقِ ارکانِ دولت دیوان خانے میں آیا اور بر سرِ دربار تخت پر بیٹھ گیا۔ جو بات کشمیری دیوانے نے کہی تھی وہ پوری ہو گئی اِسی وجہ سے بادشاہ نے روز افزوں شاہ کا خطاب لیا سلطان شمس الدین کی آنکھیں نکلوا کر قلعۂ بیدر کو بھیج دیا اور سُلطان غیاث الدین کو سگر سے لا کر تغلچین کو اُس کے حوالے کیا کہ اپنا بدلہ اِس سے لے لے۔ سلطان غیاث الدین نے باوجود اندھے ہونے کے تغلچین کو اپنے سامنے بٹھا کر ایک ضربِ شمشیر سے ہلاک کیا۔ مخدومۂ جہاں اور سلطان شمس الدین ہر دو فیروز شاہ سے اجازت لے کر مکۂ معظمہ کو چلے گئے اور جب تک وہاں زندہ رہے ہر سال پانچ ہزار اشرفیاں اور تحفہ تحائف ہندوستان سے اُن کے پاس بھیجے جاتے تھے۔ شمس الدین نے ۸۱۲ھ میں مدینۂ منورہ میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوا اِس کی مدتِ سلطنت (۵۷) روز تھی۔ اِس کے بعد ۲۳ صفر ۸۰۰ھ م ۱۵ نومبر ۱۳۹۷ء کو فیروز شاہ تخت نشین ہوا کیوں کہ اِسی کو اِس خاندان میں بڑے ہونے کا حق حاصل تھا اور آگے چل کر اِس خاندان میں یہی سب سے مشہور بادشاہ ہوا۔ فرشتہ نے ۱۳۹۱ء میں بادشاہ کو بڈھا لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ تخت پر بیٹھا تو معمّر و مُسن تھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ دیو رائے بیجانگر سنہ ۸۰۰ھ کے اخیر میں (مہینے کی صراحت نہیں ہے م ۱۳۹۸ء و ۱۳۹۹ء) تیس ہزار سوار اور (۹) لاکھ

پیدل لے کر بغرضِ تسخیر قلعۂ مدگل و رائچور و ملکِ دوآبہ متوجہ ہوا۔ یہ زمانہ آخر اگست ۱۳۹۹ء کا ہوتا ہی اِس حساب سے ضرور ہی کہ لشکرِ ہنود غالباً اوائل موسمِ سرما دسمبر ۱۳۹۸ء میں روانہ ہوا ہوگا جب کہ تمام میدان تقریباً ریگڑائی[1] زمینوں کا (جس میں سے لشکر کا رستہ تھا) زراعت سے خالی ہوتا ہی اور طیِ مسافت میں آسانی ہوتی ہی۔ ہر ہر دوم ایک صلح پسند اور بڑی عمر کا راجہ تھا یہ ناممکن ہی کہ بدون کسی وجہِ وجیہ کے وہ یکایک آمادۂ جنگ ہو گیا ہو اور خود جنگ میں ساتھ رہا ہو اغلب ہی کہ یہ جنگ اُس کے بیٹے کے جوش کا نتیجہ تھی اگرچہ وہ راجہ کی اجازت ہی سے ہوئی ہو۔

زمانِ سلطنتِ بکّا دوم

حسبِ بیان نیونز و فرشتہ و بلحاظ کتبوں کے متفقاً یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ ہر ہر دوم نے آخر ۱۳۹۹ء میں انتقال کیا اُس کی جگہ اُس کا بیٹا بکّا دوم تخت پر بیٹھا اور یہ بھی اوسط العمر کا ہوگا کیوں کہ تخت نشینی سے اوّل ہی اُس کے خود ایک جوان لڑکا موجود تھا جو اُس کے ساتھ تخت نشینی سے پہلے جنگ میں شریک تھا ہر ہر دوم کے جانشین بکّا دوم نے شہرِ بجانگر کو بہت ترقی دی اور اُس کی توسیع کی اور فصیلیں بنوائیں۔ اُس کی سلطنت کا سب سے بڑا کام وہ عظیم الشان بند ہی جو اُس نے دریائے تنگ بھدرا پر باندھا ہی اور وہاں سے شہر تک ایک نہر لایا ہی جس کا طول (۱۵) میل ہی یہ نہر آبپاشی کا ایک نہایت عجیب و غریب کام ہی کہ جو آج تک موجود ہی اور جس سے اب بھی زراعت کی آبیاری کی جاتی ہی۔ یہ نہر مسلسل کئی میلوں تک پہاڑوں کو کاٹ کر نکالی گئی ہی اور اِس وقت بھی ہندوستان کے کارہائے آبپاشی میں نہایت مشہور ہی۔ اِس کے عہدِ سلطنت میں جو لڑائیاں ہوئیں اُن کی تفصیل نہیں ملتی سوائے اِس کے کہ مسلمانوں سے مقابلہ کر کے اِس نے بندرِ گوآ۔ چال اور دابل کو فتح کر لیا اور جزیرہ نمائے ہند کے ساحل کا رومنڈل کو

---

[1] ملکِ دکن میں کالی مٹی کی زمین کو ریگڑ کہتے ہیں اِس قسم کی زمین میں پیداوار خوب ہوتی ہی اور موسمِ بارش میں پانی بہت جذب کرنے کی وجہ سے اِس قدر کیچڑ ہو جاتی ہی کہ رستہ چلنا مشکل ہو جاتا ہی اور سواری دلدل کی طرح پھنس جاتی ہی ۱۲۔

[2] بندرِ گوآ بگاؤں کے پاس ہی اور مغربی ساحلِ ہند پر متصل سلسلۂ مغربی گھاٹوں کے واقع ہی اور ملک کوکن میں دابل اور چال یہ دو بندر بھی ہیں جو بمبئی کے پاس ہیں ۱۲۔

فخ کرکے اپنی سلطنت میں ملالیا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ بکّا دوم کے عہد میں اُس کے باپ ہربہر کے عینِ حیات دسمبر ۱۳۹۸ء میں پہلی جنگ ہوئی جس کا ذکر ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

رودِ کرشنا پر راے بیجانگر اور فیروز شاہ بہمنی کی لڑائی ۸۰۱ھ م ۱۳۹۸ء

یہ جنگ موسم سرما میں ہوئی جب کہ میدان زراعت سے خالی تھا کیوں کہ اتنے بڑے لشکر کو موسم بارش میں ریگڑی زمین پر سے گزرنا ناممکن تھا اس جنگ میں بکّا اپنے باپ کے ساتھ تھا اور ملک دوآبہ خصوصاً قلعہ جات مُدگل، ویراپچور پر چڑھائی کی گئی تھی جو اُس زمانے میں سلاطین بہمنی کے قبضے میں تھے۔ فیروز شاہ گلبرگہ سے بارہ ہزار سوار لے کر سگر پُونچا اور ہندوؤں کے مُقابلے کو بڑھا رستے میں اُس نے ایک بڑے ہندو زمیندار کو جو ہمیشہ بغاوت کرتا رہتا تھا قتل کیا اور اُس کے ساتھ سات آٹھ ہزار آدمی مارے گئے راجۂ بیجانگر شمالی ساحل رودِ کرشنا تک پُونہچ گیا تھا جو اُس زمانے میں طغیانی پر تھی اُس کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا جو دریا کا گھاٹ روکے پڑا تھا۔ جب فیروز شاہ دریا کے پاس پُونہچا تو اُس نے اپنے اُمرا و وزرا کا ایک دربار منعقد کیا اور اُن سے صلاح و مشورہ لیا لیکن اُن لوگوں میں سے کسی نے کوئی ٹھکانے کی بات نہ کہی۔

قاضی سراج کی کارستانی

بادشاہ کو ملول دیکھ کر قاضی سراج نامی ایک امیر نے عرض کیا کہ اگر بادشاہ کی اجازت ہو تو میں اپنے بھروسے کے چند رُفقا رے کر دریا پار اُتر جاتا ہوں اور دیول راے یا اُس کے بیٹے کا جیسا موقع ملے خنجر اور کٹار سے کام تمام کر دیتا ہوں جب لشکرِ ہنود میں شور و غوغا ہونے لگے تو ہماری طرف کے چار پانچ ہزار سوار فوراً گھاٹ پر قبضہ کر کے ندی پار اُتر جائیں پھر حضرت بھی اطمینان سے تشریف فرما ہوں۔ یہ بات بادشاہ کو پسند آئی۔ تھوڑی دیر میں چالیس چمڑے[1] کے ٹکڑے فوج کو پار کرنے کے لیے تیار کر لیے گئے۔ قاضی سراج اپنے ساتھ سات دوستوں

[1] ملکِ دکن میں اب تک بھی جھاؤ کے بڑے بڑے ٹکڑے بنا کر چمڑے سے مڑھ دیتے ہیں جس میں سو ڈیڑھ سو آدمی تک بیٹھ جاتے ہیں اور گاڑیاں بھی اُس میں رکھ کر پار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۱۲ء میں انگریزی توپ خانہ دریاے تنگ بھدرا سے ان ہی ٹکڑوں میں پار ہوا۔ کشتیوں کا یہاں بہت کم رواج ہے ۱۲۔

کو فقیروں کا بھیس بدل راے بیجانگر کے کیمپ میں لے پہنچا۔ رایان بیجانگر کے لشکر کے ساتھ ہمیشہ بہت سی طوائف رہا کرتی تھیں اُن کے پاس ہی جا اُترا۔ قاضی صاحب نے ایک طوائف سے تعشق کا جال بچھایا اور اُسے دیکھتے ہی بسمل ہو گئے اور اُس کے عشق میں دیوانے بن گئے۔ اتفاقاً اُسی دن شام کو اِس طوائف کو دربار میں جانا تھا۔ شام کے وقت اُس نے بناؤ سنگھار شروع کیا زیورات اور عمدہ پوشاک سے آراستہ ہوئی قاضی صاحب لوٹ پوٹ ہو کر اُس کے پاؤں پر گر پڑے اور بہت منت سماجت سے گڑگڑا کر کہنے لگے کہ خدارا تم نہ جاؤ اور اگر جاتی ہو تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو تمھاری جدائی مجھے ایک منٹ کے لیے بھی ہرگز گوارا نہیں ہے۔ طوائف نے کہا کہ راجہ کے صاحب زادے نے ایک بڑا جلسہ کیا ہے اور مجھے یاد فرمایا ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ سرکاری حکم میں ٹال دوں اور نہ جاؤں قاضی صاحب نے بہت کچھ اپنا تعشق جتلایا اور کہا کہ خیر اگر تم جاتی ہی ہو تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ طوائف نے کہا کہ وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا اور سوائے گویوں اور سازندوں کے دوسروں کا وہاں گزر ہونا ناممکن ہے اور تم اِس فن سے کورے ہو۔ قاضی صاحب نے کہا کہ نغمہ اور ساز جو تم جانتی ہو میں بھی جانتا ہوں اِس کے علاوہ اَور بھی عجیب و غریب تماشے اور کرتب ایسے جانتا ہوں کہ جن کو دیکھ کر راجہ کے صاحب زادے بہت محظوظ ہوں گے طوائف نے خیال کیا کہ یہ قاضی صاحب نے ایک گپ لگائی ہے اور جھٹ ستار اُن کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ بسم اللہ شروع کیجیے۔ قاضی صاحب نے ستار چھیڑا تو اِس غضب کا بجایا کہ وہ دنگ رہ گئی تب قاضی صاحب نے یہ پٹی پڑھائی کہ اگر تو مجھے ساتھ لے چلے گی تو سب طائفوں میں تیرا ہی نمبر اوّل رہے گا اور صاحب زادے صاحب خوش ہو کر تجھے انعام و اکرام سے نہال کر دیں گے۔ طوائف دم میں آ گئی قاضی صاحب اور اُن کے ساتھی اُس کے ساتھ جلسے میں پہنچ گئے۔

بدید مذہبے چو باغ بہشت		سراپردۂ پرنیانی سرشت	
ہماں راے زادہ بر اورنگ زر		سراسر برآمودہ دُرّ و گہر	
ز سر تا قدم زیر ہندی		بہ بخشید زو چشمہا را نوی	

	زہر دو طرف بہتراں کنھر		بزیور درخشاں کمر در کمر

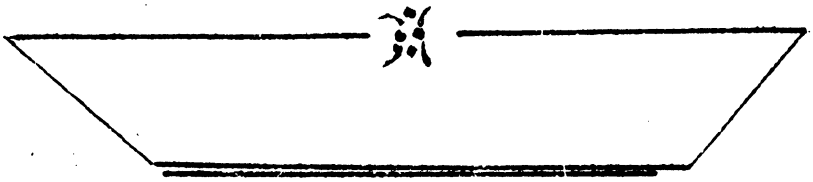
ملکِ دکن میں لونڈے - بھانڈ اور رنڈیوں کے طائفے ناچتے گاتے ہیں یہ سب وہاں جمع تھے اور باری باری سے اِن کا مجرا ہو رہا تھا اور ہر شخص اپنا کمال دِکھا رہا تھا - راے زادے نے کھیل تماشہ کرنے والے سانگ بھرنے والے اور نقالوں کی یاد کی اِس طوائف نے راے زادے سے اجازت چاہی کہ اُس کے ساتھ ایک طائفہ اَور آیا ہی جو بہت عمدہ ناچتا گاتا اور تماشے کرتا ہی راے زادے نے کہا اچھا بُلا لو - قاضی صاحب اوّل ہی سے زنانے لباس سے آراستہ و پیراستہ تھے بڑے انداز سے ہنستے مُسکراتے آے اِن کا گانا بجانا ناچ تماشے اور نقلیں کچھ اِس غضب کی تھیں کہ راے زادہ بالکل محو ہو گیا - ملکِ دکن میں کہرو کے ناچ میں جمبیہ کٹار کی کثرت ہوتی ہی اور دو شخص مِل کر ناچتے ہیں - اِن لوگوں نے بھی کٹاریں نکال لیں اور کٹارے کر ناچنے لگے اُس میں سیکڑوں طرح کے اُلٹ پھیر ہوتے ہیں ناچتے ناچتے ایک دم دو شخص راے زادے کے اوپر جا پڑے اور دونوں نے اُس کی چھاتی اور پیٹ میں کٹاریں بھونک دیں اور پھر اُن کے ہمرائیوں کی خبر لی - قاضی صاحب کے باقی پانچ چھ آدمی ڈیرے کے باہر تک میں لگے ہوے بیٹھے تھے شور و غل کی آواز سُن کر قنات پھاڑ کر اندر گھُس آے - یہاں تو سب لوگ نشے میں سرشار تھے اِن کا مار لینا کونسی بڑی بات تھی قاضی صاحب اور اُس کے ہمرائیوں نے روشنی خاموش کر دی اور مجمعِ عام میں مِل کر نکل بھاگے اور دریا کے کنارے پُہنچ کر لشکرِ سلطانی کا انتظار کرنے لگے -

	جواں مرد قاضی چو غرّندہ شیر		سوے راے زادہ در آمد دلیر
	ورا کشت بر دیگراں حملہ کرد		دمار از ہنوداں بر آورد گرد

راجہ کے کیمپ میں ایک اودھم پڑ گئی اور چو طرف بلوہ اور ہنگامہ ہو گیا یہ گڑبڑ دیکھ کر بعضوں نے خیال کیا کہ بادشاہ دریا اُتر آیا ہی اور لشکر پر شب خون مار رہا ہی - بعضوں کا خیال ہوا کہ بادشاہ کی طرف سے لشکر آگیا ہی اور راے بیجانگر اور اُس کے بیٹے کو قتل کر ڈالا ہی - رات بالکل اندھیری تھی اور لشکر برابر پندرہ میل تک پڑا ہوا تھا ہر شخص کے مُونہہ سے ایک نئی بات نکلتی تھی مختلف رؤسا و اُمرا حیران تھے اصلی سبب اِس ہنگامے کا کسی کو معلوم نہ تھا

اُن لوگوں نے اپنی اپنی جگہ ہتیار سنبھال لیئے اور طیار ہوکر اپنے اپنے خیموں میں بیٹھ گئے۔ اِسی اثنار میں چار ہزار فوجِ سُلطانی جو اِسی انتظار میں طیار بیٹھی ہوئی تھی ٹوکروں میں پار ہوکر آن پونہچی راے بیجانگر کی فوج جو مسلمانوں کا رستہ روکے ہوے پڑی ہوئی تھی وہ اِس شور و شغب سے خوف زدہ ہوگئی اور یکایک اُن پر فوجِ سلطانی آن پڑی وہ کچھ ایسے سٹ پٹائے کہ جنگ و جدال کی نوبت بھی نہ آنے پائی کہ اپنی جان بچاکر بھاگ نکلے صبح نہ ہونے پائی تھی کہ بادشاہ مع اپنے تمام لشکر کے دریا کے اِس پار آن پونہچا اور ابھی جھٹ پٹا ہی تھا کہ بڑے زور و شور سے حملہ آور ہوا۔ دیول راے اپنے بیٹے کے اچانک مارے جانے سے سخت رنجیدہ اور پریشان تھا اوپر سے یہ بلا نازل ہوئی اِس لیئے بحالتِ دل شکستگی مقابلہ نہ کرسکا ابھی آفتاب کی کرن نہیں نکلنے پائی تھی کہ اپنے بیٹے کی نعش لے مع لشکر فرار ہوگیا۔ اِس جنگ میں بادشاہ کو بے انتہا لوٹ کا مال ملا۔ بادشاہ نے بیجانگر تک راجہ کا تعاقب کیا۔ رستے میں کئی چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوئیں لیکن سب میں بادشاہ کامیاب رہا۔ ہنود کے کُشتوں کے پُشتے رستوں پر لگ گئے۔ بچا کسی نہ کسی طرح جان بچاکر صحیح سلامت بیجانگر پونہچا اور قلعے کے اندر پناہ لی۔ بادشاہ نے اپنے بھائی احمد کو (جو آیندہ سُلطان احمد شاہ کے نام سے مشہور ہوا اور جس کا خطاب خانِ خاناں تھا) اور میر فضل اللہ انجو شیرازی کو شہر کے جنوب میں جو زرخیز مُلک تھا اُس کے لُوٹنے کو بھیج دیا۔ اِن دونوں نے خوب لُوٹ مار کی اور دو ہزار قیدی جن میں اکثر برہمنوں کی عورتیں اور بچے تھے پکڑ لاے۔ اِن لوگوں کے رشتے داروں نے راے بیجانگر ہر بیر دوم سے جو اب تک زندہ تھا اور بہت بُڈھا ہوگیا تھا عاجزی کی کہ جتنا ہو خون بہا دے کر اِن لوگوں کی گلو خلاصی کرائی جاے آخرکار بہت ردّ و قدح کے بعد دس لاکھ ہُن (یعنی ساٹھ لاکھ روپے) پر فضل اللہ نے صلح ٹھیرائی۔ چھ لاکھ ہن رعایا نے تاوان دیا اور پانچ لاکھ ہُن راجہ نے۔ اِس کے علاوہ ایک لاکھ ہُن فضل اللہ صاحب کے حق السعی کے نذر ہوے جب کہیں جاکر صلح ہوئی۔ اِس صلح نامے کی رُو سے (جو سنہ ۸۰۰ھ کے اختتام سے چند ماہ پیشتر ہوا اور جس کی تاریخ ۳ ستمبر ۱۳۹۹ء کے چند مہینے پہلے ہوتی ہے) ہر دو سلطنتوں کی حدود وہی قرار پائیں جو اِس جنگ کے اوّل تھیں

اور معاہدہ یہ ہوگیا کہ دونوں آیندہ سے جنگ نہ کریں - اِس جنگ سے بادشاہ کو کچھ بڑا فائدہ نہیں ہوا کیوں کہ ہمیشہ سے اِن دونوں سلطنتوں میں حدود کی ہی نزاع تھی - اِس جنگ کے تھوڑے دنوں بعد ۱۵ اکتوبر ۱۳۹۹ء کے قریب ہربیر دوم کا انتقال ہوا اور اُس کا بیٹا بکّا دوم جانشین ہوا - بکّا نے گجرات - مالوا - خاندیس کے رؤسا کی اغوا سے فیروز شاہ کو خراج دینا بند کر دیا - چنانچہ ۸۰۱ھ میں چار سال کا خراج باقی تھا لیکن بادشاہ نے سکوت اختیار کیا اور ایک موقع مناسب کا منتظر رہا - بکّا کے بعد تختِ بیجانگر پر اُس کا بھائی دیو رایا اول تخت نشین ہوا اِس کی تخت نشینی کی تاریخ ایک پتھر پر جو ہاسن ضلع میسور میں ہے ۵ نومبر ۱۴۰۶ء کندہ ہے +



باب پانچواں

دیورایا اوّل من ابتدائے سنہ ۱۴۰۶ء تا سنہ ۱۴۱۹ء

پرتھال کا حال سنہ ۱۴۰۶ء کے اخیر میں دیوراے کے زمانے کا ایک واقعہ تاریخ فرشتہ میں حسب ذیل منقول ہے۔

مُدگل میں ایک غریب زرگر کی لڑکی بہت خوب صورت تھی۔

پری پیکر نگارے سرو قدّے		کہ حُسن از روے وی سرمایہ بُردے	
زعکسِ عارضش رضواں بہ جنّت		زبہر حوریاں پیرایہ بُردے	

راے پر یہ خبط سوار ہوا کہ کسی نہ کسی طرح اُس کو اپنے قبضے میں لائے۔ راے کے سر عشق کا جن ایسا سوار تھا کہ اِس لڑکی کے حاصل کرنے کے لیے اُس نے اُس خطۂ زمین پر جو بہ جانب شمال دریاے تُنگ بھدرا ما بہ النزاع تھا لشکر کشی کی۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شہر مُدگل میں ایک غریب سُنار تھا جس کی ایک لڑکی مسماۃ پرتھال ایسی حسین تھی کہ اللہ تعالےٰ نے گویا اُسے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور خلّاقِ عالم نے اُس میں کُوٹ کُوٹ کر حُسن بھر دیا تھا اور اُس کو اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک پورا نمونہ بنایا تھا۔

لب لعلش نگینِ خاتمِ جم		دہاں از حلقۂ انگشتری کم	
زرنگِ عارضش روے ہوا لعل		خمِ زلفش در آتش کردہ صد نعل	

	غدارش قبلۂ آتش پرستاں		دہانش آرزوے تنگ دستاں

حسبِ رسم و رواج زمانہ اُس کے والدین کی یہ خواہش ہوئی کہ صغرسنی میں اپنی ذات برادری میں ایک لڑکے سے اُس کی شادی کردیں لیکن پربھا نے انکار کیا اور کہا کہ ہرچند مجھ پر والدین کی اطاعت واجب ولازم ہی لیکن والدین کو بھی اِس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ میری اُس کی کیا مناسبت اُس کا میرا کیا جوڑ۔ مناسب یہ ہی کہ تن بہ تقدیر اِس بات کو چھوڑ دو مشیّت ایزدی جو ہوگی وہ ہو رہے گا۔ ماں باپ یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔ بات گئی گزری ہوئی۔ اِس اثنار میں ایک دانشمند برہمن کہن سال جو بیجانگر سے بنارس جاکر واپس آرہا تھا حُسنِ اتفاق سے اِس موضع میں پہونچا اور اِن ہی کے گھر اُترا۔ سوائے اِس لڑکی کے گھر والے سب آکر برہمن کے قدموں ہوے اور خاطر مدارات و مہماں نوازی کرنے لگے۔ اِس برہمن کو متبرک دیکھ کر لڑکی کے ماں باپ نے کہا کہ آپ ہماری لڑکی کے حق میں دُعاے خیر کیجیئے۔ برہمن نے پوچھا کہ لڑکی کہاں ہی؟ ماں باپ نے جواب دیا کہ وہ سب سے پردہ کرتی ہی۔ برہمن کو یہ سُن کر تعجب ہوا کیوں کہ اراذلِ ہنود میں پردے کا رواج نہیں ہی اور خصوصًا برہمنوں سے جو مذہبی پیشوا ہیں کوئی بھی پردہ نہیں کرتا۔ برہمن نے پردے کا سبب پوچھا اُس کے ماں باپ نے بالتفصیل سب حال اُس لڑکی کا اور اپنا دردِ دل بیان کیا کہ وہ لڑکی شادی کرنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتی۔ برہمن یہ حال سُن کر اُس کے دیکھنے کا مشتاق ہوا لڑکی بھی وہیں پردے کے پیچھے تھی برہمن نے پکار کر کہا کہ تُو تو میری بیٹی ہی مجھ بڈھے سے کیوں پردہ کرتی ہی۔ الغرض بہت اصرار کرنے پر لڑکی سامنے آئی اور برہمن کے پاؤں پڑی۔

اشعار

جادو نگہِ صنم فریبے		نگزاشتہ در جہاں شکیبے
صد برہمنش بہ غوں نشستہ		در بُت کدہ بُت بہ بُت شکستہ
گلقند بسے بہ ہر شکر خند		شورے بہ نمک فگندہ در قند
بر خندہ نمک برات کردہ		در سحر نمک نبات کردہ
شیریں نمکیں تکلّم او		شیریں تر از آں تبسّم او

شمشاد قدے بناز رستہ	صد رہ بہ دگلاب شستہ
در پردۂ دیدہ جلوہ گاہش	در خانۂ و پا بفرق ماہش
الماس نژاد غمزہ اش تیز	ہم دشنہ فشان و ہم نمک ریز
مالیدہ چو گل بجاے غازہ	صد صندل تر بخون تازہ
پیچیدہ بہ جعد عنبریں تار	از ہر خمِ مو ہزار زنار
واں طرّہ و آں عذارِ مہوش	موئیں دامے بدست آتش
آں را کہ بزخمِ غمزہ دل سوخت	زا بریشمِ طرّہ زخمِ او دوخت
چشمش کہ چو فتنہ مست خفتہ	صد دشنہ در آستیں نہفتہ
از شرم فگندہ پردہ در پیش	در روز نہ دیدہ سایۂ خویش
در پردہ بصد ہزار بازی	در پردہ دری و پردہ سازی
جز آئینہ کس ندیدہ دستش	جز سرمہ ندید چشمِ مستش
پیشانیٔ غمزہ ناز در ناز	ابرو بہ کرشمہ راز در راز
بودند قبیلہ و تبارش	حیرت زدگانِ کاروبارش

برہمن سراپاے پرتھال کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اور کہا کہ اے بیٹی فی الحقیقت تیرا حُسن حیرت بخش ہے۔ تیرے حسن و اخلاق و اطوارِ خوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ تُو بڑی خوش قسمت اور صاحبِ اقبال ہے۔

می شنیدم کہ جانِ جانانی
چوں بدیدم ہزار چندانی

برہمن کو علمِ موسیقی میں بڑا دخل تھا اور اکثر ساز خوب بجاتا تھا لڑکی کو اپنے پاس بٹھلا کر جنتر اور سرمنڈل بجایا کرتا تھا۔ چوں کہ پرتھال کو اس فن سے رغبتِ تامہ تھی اُس کو حظ آنے لگا اور برہمن سے اجنبیت رفع ہو گئی۔ برہمن برابر ایک سال تک اِن کے مکان میں رہا اور پرتھال کو علمِ موسیقی جی توڑ کر سکھایا۔ پرتھال کو خود شوق تھا اُس نے از روے اخلاص و عقیدت برہمن سے کسبِ ہنر کیا ع شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست۔

چند روز میں پرتھال علمِ موسیقی میں صاحبِ کمال ہو گئی آخرکار برہمن بیجانگر کو روانہ ہوا۔ برہمن نے اس کے بے نظیر حسن و جمال کے لحاظ سے پہلے ہی دل میں ٹھان لی تھی کہ یہ سونے کی چڑیا تو محلاتِ رائے بیجانگر میں رہنے کے لائق ہے نہ کہ اس کلبۂ احزان میں۔ پرتھال کیا ہے گدڑی کا لعل ہے برہمن دوہری دوہری منزلیں طے کر جس قدر جلد ممکن تھا بیجانگر پونہچا اور جاتے ہی پرتھال کے حسن و جمال قابلیت و کمال کی بے انتہا تعریف کا ذکر ہر آئے گئے کے سامنے کرنے لگا۔ شدہ شدہ یہ خبر راجہ کے کانوں تک بھی پونہچی راجہ نے فوراً برہمن کو بلا بھیجا اور بے تاب ہو کر حال اس پری جمال کا پوچھا۔ برہمن نے تا بہ امکان جو دیکھا تھا بیان کیا مگر ہم کہتے ہیں کہ جو دیکھا تھا اس کا عشرِ عشیر بھی زبان سے نہ نکلا ہوگا کیوں کہ زبان میں وہ طاقت کہاں کہ اس کا نقشہ من و عن بیان کر سکے جتنا کہتا تھوڑا تھا۔ راجہ سنتے ہی فریفتہ ہو گیا اور عشق کا کاری خنجر اس کے سینے میں گڑ گیا۔ برہمن کو مالا مال اور خوش حال کر دیا اور اس کے ساتھ ایک بیش قیمت مرصع ہار اور بہت کچھ نقد و جواہر دے کر خفیہ طور پر جانے کی تاکید کی اور کہا کہ جس طرح ممکن ہو اس کے ماں باپ کو سمجھا بجھا کر دے دلا کر ہموار کرے اور پرتھال کو خطاب رانی و عزت و بلندیِ مرتبے کی طمع دلا کر زر و جواہر اسے دے اور بارِ مرصع اس کے زیبِ گلو کرے اور معابد بیجانگر کے دور و دراز متبرک مشہور ہیں ان کی تیرتھ کے بہانے سے لے آئے۔ برہمن کو منہ مانگی مراد ملی آیندہ کی توقعات پر پھول گیا دل میں کہنے لگا کہ ادنے امتارنی راجہ کا نام سنتے ہی لٹو ہو جاوے گی ایسے اس کے نصیب کہاں کہ راجہ کے گھر آوے اور رانی کہلاوے اس کو تو چار چاند لگ جائیں گے۔ غرض ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر مدگل پونہچا رستے میں منصوبے گانٹھتا چلا جاتا تھا کہ یوں کروں گا اور ووں کروں گا سیدھا وہیں پونہچا۔ پہلے تو یہی کہا کہ میرا دل تم لوگوں کے دیکھنے کو بہت چاہتا تھا اس لیے آیا ہوں دو تین دن تک یوں ہی خاموش اور منتظرِ موقعِ مناسب رہا الغرض آمدم برسرِ مطلب ایک دن پرتھال کے ماں باپ سے راجہ با اقبال کا پیغام پونہچایا۔ اور بہت سی چکنی چپڑی باتیں کیں کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہ لڑکی ہونہار ہے۔

	بالائے سرش ز ہوشمندی		می تافت ستارۂ بلندی	

دونوں اِس مژدے سے پھول گئے زمانے کا جَور و ستم بھول گئے۔ دل میں اُمنگ اور طرح طرح کی امیدیں کرنے لگے۔ برہمن نے جھٹ سامان کھول کر پدک مرصّع نکالا دیکھتے ہی سُنار کی آنکھیں کُھل گئیں ع زر برسرِ فولاد نہی نرم شود۔ ماں باپ نے زر و جواہرات اور بیش قیمت تحائف لے جا کر اپنی بیٹی کے سامنے رکھ دیئے اور بہت خوشی سے اُس کی خوش نصیبی پر مبارک باد دی کہ اُس کی تقدیر کیسی اونچی جگہ لڑی ہے کہ وہ ایک بڑے جلیل القدر راجہ سے بیاہی جائے گی۔ اور چاہا کہ اُس کے گلے میں ہار بطور ادائے رسم کے ڈال دیں کہ بات پکّی ہو جائے لڑکی یہ باتیں سُن کر بہت متعجّب ہوئی اور جبیں بجبیں ہو کر گردن موڑلی اور ہار کے پہننے سے صاف انکار کیا اور کہا کہ راجہ گانِ بیجانگر کا یہ شیوہ ہے کہ جو بدنصیب اُن کے محل میں داخل ہوئی وہ زندہ درگور ہوئی پھر قیامت تک وہ ماں باپ اور عزیز و قریب کی صورت تک نہیں دیکھنے دیتے۔ اگر تم مجھ سے بے زار ہو اور حقیر دولت کے عوض مجھے بیچتے ہو تو میں تو تم سے بے زار نہیں ہوں کہ اُن کے محل میں جا کر قیدی بن جاؤں اور مدّۃ العمر تمھاری صورتوں کو ترسوں پھڑکوں اور جیتے جی تم سے چھوٹ جاؤں۔ تم کو دولت عزیز ہے مگر میرے سامنے تو تمھارے مُقابلے میں راے بیجانگر کی تمام دولت بھی ہیچ ہے اور میں ہرگز اِس بات کو پسند نہیں کرتی اور نہ اِس پر راضی ہوں۔ یہ باتیں وہ اِس درد سے کہہ رہی تھی اور بے اختیار زار و قطار آنسو بہا رہی تھی کہ اُس کے والدین کا کلیجہ پگھل گیا تاہم اُنھوں نے اپنی بیٹی کو اُونچ نیچ بہت کچھ سمجھایا اور منّت سماجت کی لیکن جوں جوں اُن کا اصرار بڑھتا تھا اُس کا اِنکار بڑھتا جاتا تھا۔ پرمّال نے جب دیکھا کہ وہ کبیدہ خاطر ہوتے ہیں تو ناچار اُس نے سچ سچ بات کہدی کہ مَیں نے خواب دیکھا ہے کہ میری خوش وقتی سے بے سعی و مشقت میں فائز المرام ہوں گی اور چند ہی دنوں میں ایّامِ عُسرت عشرت سے بدل جائیں گے۔ تم کو چاہیئے کہ صبر کرو اور تن بہ تقدیر صابر رہو۔

کارِ سازِ ما بہ فکرِ کارِ ما
فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

برہمن نہایت ملول اور نا اُمید ہو کر بیجانگر واپس گیا۔ جب برہمن بیجانگر پہونچا اور اُس نے

اپنی ناکامیابی کا حال راے سے بیان کیا کہ لڑکی کے ماں باپ تو راضی ہیں مگر وہ خود ناراض ہی۔ یہ سُن کر راجہ کی آتش غضب مشتعل ہوئی اور اُس نے اپنے دل میں ٹھان لیا کہ جب راستی سے یہ کام نہ بنا تو جس طرح ممکن ہوگا جابرانہ طور سے ہی اپنا مقصد حاصل کروں گا اگرچہ وہ جانتا تھا کہ یہ سونے کی چڑیا اُس کی حدودِ حکومت میں نہیں رہتی بلکہ یہ بیش بہا تحفہ سلطنت فیروز شاہ میں یہ مقام مُدگل ہی اور مُدگل ایسا مقام تھا کہ ہمیشہ اِن دونوں سلطنتوں میں مابہ النزاع رہا ہی۔ لیکن خیر ع ہر چہ باداباد ما کشتی در آب انداختیم۔

پرتھال کے لیئے دیول راے اوّل راے بیجانگر کی چڑھائی مُدگل پر

نکلا تو راجہ پرتھال ہی کے ارادے سے تھا لیکن مشہور یہ کیا کہ اپنے علاقے میں دَورے کو جا رہا ہوں اور ایک بہت بڑا لشکر اپنے ساتھ لیا۔ کوچ مقام کرتا ہوا دریاے تُنگ بھدرا کے کنارے پُونہچ گیا۔ اپنی فوج میں سے پانچ ہزار سواروں کو منتخب کیا اور عشق کی باگ اُن کے ہاتھوں میں دی خود اُن کا سرکردہ بنا اور اگرچہ ہر چند اِس کے بہی خواہوں نے اِسے سمجھایا بُجھایا مگر آتش عشق نے اندھا کر رکھا تھا

در عشق بجز گداختن نیست			ایں سوختن است ساختن نیست
ایں عشق کہ ہست بے خود از خویش			ز شاہ شناسد و نہ درویش
با میست بصد بلند و پستی			ہاں پاے نلغزدت زمستی

اِس مقام سے مُدگل (۴۰) میل شمال میں واقع تھا راجہ رات دن چل کر بہت جلد مُدگل پُونہچا اور اِس شہر کا جہاں وہ مہ جبین جس کا نام پرتھال (اور برگ صاحب لکھتے ہیں کہ اُس کا نام نہال تھا) بستی تھی محاصرہ کر لیا اور حکم دیا کہ اُس معشوقہ کو مع اُسکے خاندان کے گرفتار کر لائیں لیکن کسی قسم کی اذیت نہ پُونہچائیں۔ لیکن خوبیٔ تقدیر دیکھیئے کہ جس بات کی امید نہ تھی وہ واقعہ پیش آیا۔ راجہ بیجانگر سے بڑی چُوک ہوئی کہ اُس نے پرتھال کے گھر والوں کو اِس کی خبر پہلے سے نہ کی اور جب مُدگل میں بیجانگر کی بڑی بھاری فوج کے آنے کی خبر پُونہچی تو ساری بستی کے لوگ اپنی جان بچا کر بھاگے اُسی ہڑبڑ میں یہ سونے کی چڑیا مع اپنے گھر والوں کے اُڑ گئی۔

ایں ست زبخت بد نمونہ
فریاد زبخت واژگونہ

فوج خالی ہاتھ واپس آئی لیکن شہر و قصبات کو خوب لوٹا اور خاک سیاہ کیا۔ مدگل میں جو فوج تھی اُس سے مقابلہ ہوا اور دو ہزار آدمی مارے گئے۔ یہ واقعہ آیندہ کی لڑائی کے واسطے ایک بنا ہوئی۔

فیروز شاہ بہمنی اور راجہ بیجانگر کی لڑائی بیجانگر پر ۸۰۹ھ مطابق ۱۴۰۶ء

جب فیروز شاہ کو یہ خبر پہونچی تو وہ اوائل موسم سرما ۸۰۹ھ مطابق ۱۴۰۶ء میں ایک بہت بڑا لشکر لے کر بیجانگر کے قریب پہونچ گیا۔

رہے بگرفتہ ازمہ تا بماہی
سپاہِ دولتِ فیروز شاہی

دیول رائے قلعے میں گھس کر بیٹھ گیا تھا شہر پر حملہ ہوا اور چند محلے فتح کر لیے گئے۔ لیکن کرناٹکیوں نے ایسا پیچھا لیا کہ ہٹنا پڑا۔ دیول رائے کو اپنی اِس کامیابی سے بڑی ہمت ہوئی اُس نے اپنی فوج کو شہر کے حصار کے پاس ڈال دیا اور مسلمانوں کے لشکر سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ بیجانگر کے اطراف تمام پہاڑ اور ایسی ناہموار زمین ہے کہ مسلمانوں کے گھوڑے دوڑ نہ سکتے تھے اِس لیئے وہ بالکل مجبور تھے اُدھر سے برابر تیروں کا مینہ برس رہا تھا کہ ناگاہ سلطان فیروز شاہ کے ہاتھ میں ایک تیر لگ کر وہ زخمی ہوا لیکن گھوڑے پر سے جب بھی نہ اُترا اور تیر نکال کر پھینک دیا اور زخم پر ایک کپڑا باندھ لیا۔ آخر کار احمد خاں خانِ خاناں کی حکمتِ عملی اور بہادری سے دشمن پس پا ہوے اور بادشاہ کی فوج کے واسطے رستہ کھلا وہ شہر سے دُور ایک مناسب میدان (یہ میدان غالباً قصبہ ہوس پیٹھ کے قریب جانبِ جنوب واقع ہے) میں فروکش ہوا اور وہاں چند روز اِس غرض سے ٹھیرا رہا کہ جو لوگ زخمی ہو گئے تھے چنگے ہو جائیں۔ اُدھر راجہ بیجانگر اپنی دار السلطنت کے اندر بند بیٹھا تھا اِدھر مسلمانوں کا لشکر تسخیرِ بیجانگر سے قطعِ نظر کر کے امیر الامرا احمد خاں خانِ خاناں اور میاں رندھو سرنوبت دس ہزار سوار کے ساتھ ممالکِ جنوبی بیجانگر کو تباہ کر رہا تھا اور امیر الامرا فضل اللہ

انجو شیرازی نے ملکِ برار کا لشکر لے کر قلعۂ بنکاپور جو ملک کرناٹک کا مشہور قلعہ ہے حملہ کیا اور بادشاہ خود دیوراے کے مقابلے کے لیے رہ گیا۔ اِس عرصے میں علاوہ اِس جنگِ عظیم کے آٹھ چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوئیں اور سب میں فیروز شاہ کو فتح ہوئی۔ اِن وجوہ سے دیوراے نے بادشاہانِ گجرات کے پاس ایلچی بھیج کر مدد طلب کی۔ بادشاہ چار مہینے محاصرہ کیے پڑا رہا۔ خان خاناں نے کرناٹک کے ملک کو خوب لوٹا اور میر فضل اللہ نے قلعۂ بنکاپور اور دیگر مقامات کو فتح کر کے سدھو کو سپرد کر کے خود بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ خانِ خاناں علاوہ بے شمار مالِ غنیمت کے ساٹھ ہزار عورتیں اور بچے ہندوؤں کے قید کر کے حضوری میں حاضر ہو گیا۔ ایک دن بادشاہ نے اِن فتوح کی خوشی میں ایک بہت بڑا جشن کیا اور یہ بات قرار پائی کہ خانِ خاناں کو دیوراے کے مقابلے کے لیے چھوڑ کر بادشاہ اور میر فضل اللہ قلعۂ ادھونی پر جو رایانِ بیجانگر کا سب سے مستحکم قلعہ تھا حملہ کریں۔ جب اِس ارادے کی خبر وحشت اثر دیوراے کو پہنچی اور شاہانِ گجرات و مالوا و خاندیس سے امداد بھی نہ ملی تو راے بیجانگر نے حسبِ صلاح و مشورۂ ارکانِ دولت فیروز شاہ کے ادھونی جانے سے پہلے اپنے معتمدین کی ایک جماعت بادشاہ کی خدمت میں بھیجنا چاہی لیکن باریابی کی اجازت نہ ملی۔

دیوراے راجۂ بیجانگر کی لڑکی کی شادی فیروز شاہ بہمنی سے

آخرکار بہ وساطت میر فضل اللہ معتمدین کو آنے کی اِس شرط پر اجازت دی گئی کہ دیوراے اپنی بیٹی کو بادشاہ کے عقد میں دے علاوہ اِس کے دس لاکھ ہُن اور پانچ من موتی اور پچاس ہاتھی اور دو ہزار لونڈی غلام پیش کرے اور اگرچہ قلعہ بنکاپور اِس وقت مسلمانوں کے قبضے میں تھا مگر وہ بھی دوآبا جہیز میں دیا جائے۔ آج تک کبھی رایانِ بیجانگر کی لڑکی سوائے اپنی ذات برادری کے دوسروں میں نہیں بیاہی گئی تھی اور غیر جگہ بیٹی دینا بڑی ذلت کی بات سمجھی جاتی تھی لیکن مجبوری سب کچھ کراتی ہے۔ دیوراے نے ناچار اِس بات کو منظور کر لیا۔ دونوں طرف شادی کی طیاریاں دھوم دھام سے ہونے لگیں۔ اور چالیس دن تک بیجانگر سے بادشاہ کے لشکر تک کہ (۱۴) میل کا فاصلہ تھا دو طرفہ رستے پر دکانیں لگائی گئی تھیں جن میں ہر قسم کا سامان موجود تھا۔ ناٹک کے تماشے گاروڑی

ناچنے گانے والے۔ قوّال۔ بھانڈ۔ طوائف اپنے اپنے تماشوں اور گانے بجانے سے لوگوں کا دل خوش کرتے تھے۔ خانِ خاناں اور میر فضل اللہ دولھا کی طرف سے چڑھاوا لے کر بیجانگر پہونچے اور بعد ایک ہفتے کے بڑے بھاری جہیز کے ساتھ دُلہن کو وداع کرلائے۔ دیوراے نے جب دیکھا کہ اب خصوصیت و اتّحاد قائم ہوگیا تو اُس نے بادشاہ کی ملاقات کی تمنا ظاہر کی۔ بادشاہ بھی راضی ہوگیا اور خانِ خاناں کو لشکر سپرد کرکے مع اپنی دلہن کے بیجانگر گیا۔

فیروز شاہ کا راجہ کی ملاقات کی غرض سے بیجانگر جانا

دیوراے نے بڑی دھوم دھام سے بادشاہ کا استقبال کیا اور شہر کے دروازے سے لے کر اپنے محل تک کہ (۶) میل کا فاصلہ تھا سڑک پر مخمل و اطلس اور مشجّر اور بیش بہا کپڑوں کا فرش کرایا۔ بادشاہ اور دیول راے دونوں برابر گھوڑوں پر سوار تھے گرداگرد خوب صورت لڑکے اور لڑکیاں سونے چاندی کے پھول خوشبو اور عطریات نچھاور کرکے لُٹا رہے تھے۔ شہر کے باشندوں نے بھی اپنے اپنے مرتبے کے موافق خیر خیرات کی۔ جب یہ لوگ وسطِ شہر میں چوراہے پر پہونچے تو دیول راے کے رشتے دار جن کا ٹھٹ کا ٹھٹ لگا ہوا تھا آداب بجالائے اور صدقے سے اُتارے اور سواری کے جلوس کے آگے آگے پاپیادہ ہولیے۔ محل کے دروازے پر پہونچ کر بادشاہ اور راے گھوڑوں پر سے اُتر پڑے اور شان دار مرصّع پالکیوں میں جو جواہرات سے جگمگا رہی تھیں سوار ہوئے اور اُس مقام تک جو کہ دُولھا دُلہن کے لیئے آراستہ کیا گیا تھا گئے وہاں پہونچ کر دیول راے رخصت ہوا اور اپنے محل کو واپس آیا۔ بادشاہ تین روز تک مہمان رہا اُس کی آؤ بھگت اور مہمان داری شاہانہ طور پر بڑے تکلّف سے کی گئی رخصت ہوتے وقت راجہ نے اِس قدر تحفے و تحائف بادشاہ کی نذر کیئے جو پہلے سے بھی زیادہ تھے اور آٹھ میل تک پہونچا کر پلٹ گیا۔ لیکن بادشاہ کو یہ بات ناپسند ہوئی اور میر فضل اللہ سے کہا کہ دیول راے کو چاہیئے تھا کہ ہم کو ہمارے مقام تک پہونچاتا نہ یہ کہ اُدھر میں چھوڑ کر چل دیا۔ اچھا خیر ان شاء اللہ اِس کا بدلا اُس سے ضرور لوں گا۔ راجہ کو بھی اِس بات کی خبر پہونچ گئی وہ بھی اوندھی سیدھی باتیں کرنے لگا غرض طرفین سے کشیدگی ہوگئی۔

پرتھال کا فیروز شاہ کے حضور میں بہ مقام گلبرگہ حاضر ہونا اور حسن خاں ولی عہد سے شادی ہونا

بادشاہ فیروز آباد چلا گیا اور حکم دیا کہ مُدگل کو چند لوگ جا کر پرتھال اور اُس کے ماں باپ کو لا کر ہمارے حضور میں حاضر کریں جب وہ حاضر ہوئی تو اُس کو دیکھ کر بے اختیار تعریف کرنے لگا اور خدا کی قدرت یاد آئی۔

مرا زدیدنِ حُسن بتاں غرض ایں ست
کہ نقش بنیم و نقاش در نظر دارم

جو کچھ لوگوں نے اِس لڑکی کے حُسن و جمال کا حال بیان کیا تھا بادشاہ نے اُس سے صدہا بلکہ ہزارہا گُونا زیادہ پایا۔

ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ
شنیدہ کے بود مانند دیدہ

بادشاہ نے کہا کہ مَیں تو بڈھا ہو گیا مناسب یہ ہے کہ اِس لڑکی کی شادی میرے بڑے لڑکے حسن خاں سے جس کا عنفوانِ شباب تھا کی جاوے اور پرتھال کے والدین کو بہت کچھ نقد وجاگیر دے کر خوش کیا اور لڑکی کو اپنی چچی کے سپرد کیا اور کہا کہ شادی کی تیاری کی جاوے اور جس طرح بادشاہوں کی لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے بڑی دھوم دھام اور شاہانہ تزک و احتشام سے اُس کی شادی حسن خاں سے سرانجام پائی۔ فرشتہ نے حسن خاں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مُتخنی اور آوارہ منش شخص تھا۔ گو وہ وارثِ تخت و تاج تھا۔ لیکن احمد خاں خانِ خاناں نے اپنی ہمت اور قابلیت سے اُس کو کاروبارِ سلطنت سے بالکل بے دخل کر رکھا تھا۔ ولی عہد چُپ چاپ فیروز آباد میں بالکل لہو و لعب اور آرام طلبی میں رہا کرتا تھا جب اُس کے چچا احمد شاہ اول نے تخت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تب اُس نے حسن خاں کے ساتھ اتنا سلوک البتہ کیا کہ فیروز آباد میں اُس کو رہنے کی اجازت دی اور بہت سی جاگیریں دے دیں اور یہ بھی اجازت دی کہ اپنے محل سے (۸) میل کے اندر ہی اندر جہاں چاہے سیر و شکار کرے اور کسی قسم کی پابندی وقت وغیرہ کی نہ تھی۔ حسن نے اِس کو بھی غنیمت سمجھا اور عیاشی میں مرے اُڑاتا رہا سلطنت کی اُسے کچھ پروا نہ تھی وہ

اپنے اسی حال میں مگن تھا جب تک حسن خاں کا چچا زندہ رہا اس کی آرام و آسائش میں بسر ہوتی رہی اور چچا بھتیجے میں کبھی سوءِ مزاجی نہیں ہوئی اس کے بعد تو پھر اس بیچارے کی آنکھیں نکلوا ڈالی گئیں اور محلِ فیروز آباد میں قید کر دیا گیا یہ واقعہ ۱۴۳۴ء کے بعد ہونا پایا جاتا ہے۔

دیوراے اوّل کا انتقال

دیوراے اوّل کم سے کم ۱۴۱۲ء تک زندہ رہا اور اس کے بعد اُس کا بیٹا ویروجایا تخت نشین ہوا جس نے (۶) برس سلطنت کی۔ دیوراے اوّل کی سلطنت کے اخیر کتبے برسنہ ۱۴۱۲ء و سنہ ۱۴۱۳ء کندہ ہے اور ویروجایا کی سلطنت کے پہلے کتبے پر سنہ ۱۴۱۳ء و سنہ ۱۴۱۴ء موجود ہے۔ وجایا کی سلطنت کا اخیر کتبہ سنہ ۱۴۱۶ء و سنہ ۱۴۱۷ء کا ہے۔ دیوراے دوم جو وجایا کا بڑا بیٹا اور اُس کا جانشین تھا اُس کے عہد کے سب سے پہلے کتبے میں روزِ دوشنبہ ۲۶ رجون سنہ ۱۴۲۵ء ہے۔ نیونز نے دیوراے دوم کی سلطنت کا زمانہ پچیس سال بتلایا ہے۔ دیوراے دوم کی سلطنت کا زمانہ ۱۴۱۹ء میں شروع ہونا ان وجوہ سے قرینِ قیاس ہے کہ نیونز نے لکھا ہے کہ وجایا کے زمانے میں کوئی امرِ اہم واقع ہی نہیں ہوا البتہ اُس کے بعد دیوراے دوم کے عہد میں متواتر لڑائیاں ہوتی رہیں۔

قلعۂ پانگل کا محاصرہ بعہد فیروز شاہ سنہ ۸۲۰ھ م سنہ ۱۴۱۷ء

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سنہ ۸۲۰ھ مطابق سنہ ۱۴۱۷ء میں فیروز شاہ بادشاہِ گلبرگہ نے ایک بڑی جنگ ہنودِ ملک تلنگانہ سے کی اور قلعہ پانگل پر (جو ادھونی سے شمال و مشرق کی جانب (۷۰) میل کے فاصلے پر ہے) اگرچہ دو سال تک محاصرہ کیے پڑا رہا لیکن آدمیوں اور جانوروں میں ایسی وبا پھیلی کہ بہت سے لوگ مر گئے۔ بہت سے لشکری اور اُمرا رمیدانِ جنگ چھوڑ کر اپنی اپنی جاگیروں کو چلے گئے۔

شہنشہ دراں ناحیہ چند سال	تہی کرد گنجینہ از زر و مال
ز آب و ہوایش دراں سال و ماہ	چہ اسپ و چہ آدم بسے شد تباہ
زدُشواریِ رنج آں کارزار	پراگندہ شد لشکرِ شہریار

مسلمانوں کی فوج کا اس طرح تتر بتر ہو جانا دیکھ کر دیول راے نے اپنی فوج جمع کی اور اپنے متصلہ علاقوں سے امداد حاصل کی حتیٰ کہ راجۂ ورنگل بھی شریک ہو گیا اور اس طرح ایک

بڑا بھاری لشکر سواروں اور پیدل کا جمع کر کے بادشاہ کے مقابلے کو چلا۔ حساب سے یہ واقعہ ۱۴۱۹ء میں ہونا پایا جاتا ہے اور اتنی فوج کا جمع کرنا اور ایسی مردانگی کا کام کرنا وجایا جیسے مجہول شخص سے جس نے سارے دورِ حکومت میں کوئی اہم کام نہیں کیا کیسے ممکن ہو سکتا ہے پس ضرور ہے کہ یہ واقعہ دیوراے دوم کے تخت نشین ہوتے ہی ہوا ہوگا۔ اگرچہ دیوراے دوم بہت[1] کم سنی میں حکمراں ہوا لیکن درباری اُمرا مسلمانوں سے جلے بھنے بیٹھے تھے اُنھوں نے فوج کو بھڑکا کر ایک دم اپنے مُلک کے قدیم دشمن مسلمانوں سے جنگ شروع کی ہوگی۔ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے تو دیوراے دوم جس کی مدتِ سلطنت نیونز پچیس سال بتلاتا ہے ۱۴۴۲ء میں ختم ہو جانی چاہیئے۔

راجۂ بیجانگر کا خنجر سے زخمی ہونا

نیونز نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ دیوراے کے بیٹے اور جانشین پناراؤ (پنا بمعنی خورد) کو اُس کے بھتیجے نے زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے زخمی کیا تھا جس کے اثر سے وہ چھ مہینے کے بعد مر گیا۔ نیونز کے بیان سے زیادہ عبدالرزاق کا بیان قابلِ اعتبار ہے کہ وہ نہ صرف اِس زمانے کا ہم عصر تھا بلکہ خود بیجانگر میں اُس وقت موجود تھا۔ اُس نے اِس واقعے کو دیوراے دوم سے منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ بادشاہ کے بھائی نے خود اُسے زخمی کیا اور اِس واقعے کی صحیح تاریخ بتلائی ہے جو نومبر ۱۴۴۲ء اور اپریل ۱۴۴۳ء کے درمیان کسی دن ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ عبدالرزاق کالی کوٹ گیا ہوا تھا اور اُس کے غیاب میں یہ سانحہ ہوا۔ لیکن عبدالرزاق نے یہ نہیں لکھا کہ راجہ کو کاری زخم لگا تھا اور وہ اُس کے صدمے سے مر گیا بلکہ عبدالرزاق جب دسمبر ۱۴۴۳ء میں اِس شہر سے چلا جب تک بھی راجہ زندہ تھا پس نیونز نے جو مدت چھ مہینے

[1] دیوراے دوم کے دادا دیوراے اوّل نے جب ۱۴۰۶ء میں سلطنت شروع کی تو وہ جواں عمر تھا اُس کے عہد میں اِس قسم کی عاشقانہ جنگ اور پیچ در پیچ معاملات ہونا قرینِ قیاس ہے اور اِس کی سلطنت کا کا زمانہ بھی زیادہ سے زیادہ سات سال کا رہا ہے۔ اُس کے بیٹے اور جانشین وجایا نے بھی صرف چھ سال سلطنت کی پس لعب یہ ہے کہ وجایا کا بیٹا دیوراے دوم جب ۱۴۱۹ء میں تخت نشین ہوا بالکل لڑکا تھا۔ ۱۲

کی لکھی ہو وہ صحیح نہیں معلوم دیتی البتہ یہ قیاس کیا جا سکتا ہو کہ ماہ اپریل ۱۴۴۳ء کے لگ بھگ یہ حملہ ہوا اور اوائل ۱۴۴۴ء میں دیو راؤ دوم مر گیا۔ لیکن اس سال میں بھی ایک دقت آن پڑی ہو کہ ۱۴۴۹ء تک کے کتبوں میں دیو راے کا نام موجود ہو لیکن ممکن ہو کہ اسی نام کا کوئی اور دوسرا راجہ ہو گزرا ہو۔ ان سب واقعات پر غور کرنے سے دیو راے دوم کی پچیس سالہ سلطنت کی مدت ۱۴۱۹ء و ۱۴۴۴ء کے مابین قرار پاتی ہو۔

باب چھٹا

دیورائے دوم من ابتدائے ۱۴۱۹ء لغایۂ ۱۴۴۲ء یا ۱۴۴۹ء

صراحتِ بالا سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ ۱۴۱۹ء میں جو جنگ فیروز شاہ بادشاہ گلبرگہ اور راجۂ بیجانگر سے ہوئی تھی وہ راجہ دیورائے دوم ہی تھا۔ قلعۂ ورنگل و پانگل کے حملوں میں بادشاہ کی ناکامیابی کی وجہ سے بیجانگر کی افواج کو جرأت ہو گئی اور اُن کے سوار پیدل اور ہاتھی بادشاہ پر بڑھے۔ فیروز شاہ نے اگرچہ راجہ کی فوج کو بہ مقابلہ اپنے لشکر کے کم پایا تاہم ارادہ جنگ کا چھوڑ دیا۔ تاریخ فرشتہ میں اِس لڑائی کا حال حسبِ تفصیلِ ذیل لکھا ہے مگر کہیں یہ نہیں بتلایا کہ یہ لڑائی کس مقام پر ہوئی۔

دیورائے دوم اور فیروز شاہ کی لڑائی سنہ ۸۲۲ھ م ۱۴۱۹ء

میر فضل اللہ جو اِس لشکر کا کمانڈنگ تھا اُس نے بڑی جواں مردی اور بہادری سے ہنود پر حملہ کیا اور قلبِ لشکر کو تاراج کر کے پھر میمنہ پر جا پڑا اور قریب تھا کہ فتح ہو جاوے لیکن سوءِ اتفاق سے خود اِن ہی کے طرف کے ایک کنڑی سردار نے جو میر فضل اللہ کا قدیم نمک خوار تھا مگر در پردہ راجہ سے مِل گیا تھا دغا دی۔ دیورائے نے اُسے بڑھاوے چڑھاوے دے کر اُدھر سے توڑ لیا تھا۔ اُس نے میر فضل اللہ کے سر پر ایک ایسی کاری تلوار ماری کہ فوراً ہی ملکِ عدم کو راہی ہوا۔ میر فضل اللہ کا مارا جانا تھا کہ لڑائی کی حالت بدل گئی اور اِس کے علاوہ اَور بہت سے اُمرا بھی مارے گئے۔ آخرکار بجائے فتح کے مسلمانوں کو شکست

ہوئی اور نہایت مشکل اور بڑی حکمتِ عملی سے بادشاہ جان بچاکر بھاگا۔ پھر تو ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا اور میدانِ جنگ میں مسلمان مقتولین کے سروں کا ایک چبوترہ بنایا۔ ہندوؤں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے لشکر کا تعاقب خود اُن کے مُلک میں کرتے ہوئے چلے گئے اور جہاں پونہچے برابر خوں ریزی کرتے اور بستیوں کو آگ لگاتے گئے اور بہت سے مقامات پر قبضہ کرلیا بہت سی مسجدوں اور متبرک مقامات کو مسمار کرڈالا مسلمانوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا جس سے یہ معلوم دیتا تھا کہ مدتوں کی دبی ہوئی آتش دشمنی اب نکالی جارہی ہے۔ سلطان فیروز شاہ نے بحالتِ مجبوری بادشاہِ گجرات سے امداد چاہی لیکن وہ بے چارہ نیا نیا تخت پر بیٹھا تھا کچھ مدد نہ کرسکا۔ آخر کب تک مسلمانوں کی باری بھی آئی اور کئی معرکوں کے بعد بادشاہ کے بھائی خانِ خاناں نے خدا خدا کرکے ہنود کو اپنے ملک سے بدر تو کیا لیکن اس شکست کا صدمہ ضعیف العمر بادشاہ کے دل پر ایسا ہوا کہ اُس کا دل ٹوٹ گیا اور ہمت ہار دی۔

بسے غصہ می خورد شوریدہ وار	بہ پیچید بر خویش چوں روزگار
بہ تدبیرِ آن بود شاہِ جہاں	کہ تا بر گشد کینہ از ہندواں
پس از چند گاہ آن کیانی نژاد	زخستہ دلی سر ببالیں نہاد

اسی رنج و ملال سے بادشاہ زیادہ بیمار رہنے لگا اُس نے سلطنت کا کُل کاروبار ہشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک دو معتمد غلاموں کے سپرد کردیا اور خود اُمورِ مملکت میں دلچسپی لینی چھوڑدی۔ رفتہ رفتہ یہ دونوں غلام قوت پکڑ گئے لیکن ان لوگوں نے بھانپ لیا کہ خانِ خاناں بہت کچھ دخیلِ کار ہوتا جاتا ہے اور آگے چل کر ضرور سلطنت کو دبا بیٹھے گا۔

حضرت بندہ نواز گیسو دراز کا حال

بادشاہ نے حسن خاں کو ۸۱۸ھ میں ولی عہد مقرر کیا اور رسوم ادا کرنے کے بعد اُس کو حضرت میر سید محمد گیسو دراز کی خدمت میں بھیجا کر عرض کرائی کہ اس کے لیے آپ دعائے خیر کیجیے آپ نے فرمایا کہ "بادشاہی تو تم دے چکے اب دعا کی کیا حاجت رہی" دوبارہ بادشاہ نے اصرار سے کہلا بھیجا تو آپ نے فرمایا کہ "عالمِ بالا سے تمھارے بعد تاجِ شاہی تمھارے بھائی احمد خاں خانِ خاناں کے نامزد ہو چکا ہے اب اس کے خلاف کوشش کرنا بے فائدہ ہے" بادشاہ اس بات سے

رنجیدہ ہوا اور پیغام بھیجا کہ تمھاری خانقاہ ہمارے قلعے کے پاس ہے اور ازدحام خلقت کا ہوتا ہے اس لیئے تم شہر کے باہر چلے جاؤ۔ سید محمد گیسو دراز مجبور ہو گئے اور اپنے اہل وعیال سمیت شہر گلبرگہ سے نکل کر بیرونِ شہر ایک مقام پر اُتر گئے جہاں اُن کے معتقدین نے مکانات بنوا دیئے یہ وہی جگہ ہے جہاں اب درگاہ شریف ہے۔

فیروز شاہ اور احمد شاہ خانِ خاناں کی لڑائیاں

امورِ سلطنت میں خانِ خاناں کی دخل درمعقولات دیکھ کر بادشاہ کو حضرت گیسو دراز کا ارشاد یاد آیا اور لوگوں نے صلاح دی کہ مصلحت یہی ہے کہ احمد خاں کو اندھا کر دیا جائے تاکہ وہ حسن خاں کی تخت نشینی میں حائل نہ ہو۔ احمد خاں کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ راتوں رات اپنے بیٹے علاء الدین کے ساتھ سید محمد گیسو دراز کے پاس بھاگ گیا۔ آپ نے اُس کے حالات سُنے اور اپنی پگڑی کے دو ٹکڑے کئے ایک حصہ باپ کے سر پر لپیٹ دیا اور دوسرا بیٹے کے اور دونوں کو بادشاہت کی خوش خبری دے کر فاتحہ پڑھی اور اِن دونوں کو اپنے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھلایا۔ احمد خاں نے اپنے مکان پہنچ کر رات بھر تیاری کی اور علی الصباح چار سو جوانانِ مسلح کے ساتھ باہر نکلا۔ اثنائے راہ میں شہر کے دروازے کے باہر خلف حسن بصری سوداگر جو خانِ خاناں کا قدیم ملاقاتی تھا ملا۔ اُس نے بہت جھک کر اس طرح سلام کیا کہ جیسے بادشاہوں کو کرتے ہیں۔ احمد خاں نے اِس کو فالِ نیک سمجھا اور کہا کہ تم فوراً اپنے مکان کو واپس چلے جاؤ ایسا نہ ہو کہ میری دوستی کی وجہ سے تم کو گزند پہنچے۔ حسن بصری نے کہا کہ آسائش وفراغت کے وقت تو میں آپ کا ندیم وجلیس رہا اور تکلیف کے وقت بے وفائی کروں یہ شیوۂ شرافت نہیں ہے۔ جب تک تن میں جان ہے حاشا وکلا آپ کے قدموں سے دُور نہ ہوں گا۔

سرے کہ از تو بہ پیچد بُریدہ باد چو زلف ۔۔۔ دلے کہ از تو بگردد سیاہ باد چو خال

حسن بصری نے کہا کہ آپ مجھے اپنے ملازمانِ حقیر میں شامل کر لیجیئے کیوں کہ بعض وقت سوئی وہ کام دے جاتی ہے کہ نیزے سے بھی نہیں ہو سکتا اور چاقو تلوار سے بڑھ کر کاٹ کر جاتا ہے۔

من ہمچو خاک وخارم و تو آفتاب وابر ۔۔۔ گل ہا و لالہ ہا ہمہ را تربیت کنی

خانِ خانان نے اِس کو گرویدہ دیکھ کر اپنے ساتھ لے لیا اور کہا کہ اگر مَیں بادشاہ ہو جاؤں گا تو تم کو بڑے رُتبے پر پہُنچاؤں گا۔ اُس دن اِن کا مقام خاناں پور میں ہوا۔ احمد خاں نے یہ مَنّت مانی کہ اگر مَیں بادشاہ ہو جاؤں گا تو اِس گاؤں کا نام رسول آباد رکھ کر ساداتِ مکّہ و مدینہ و کربلائے معلّٰی و نجفِ اشرف کو وقف کروں گا۔ جب ہُشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک خوابِ غفلت سے چُونکے اور احمد خاں کے بھاگ جانے کی خبر سُنی تو بہت پریشان ہوئے اور بادشاہ کو اطّلاع کر کے اُس کے تعاقُب میں تین چار ہزار سوار اور کچھ جنگی ہاتھی لے کر دَوڑے۔ احمد خاں کے پاس تھوڑے سے لوگ تھے اور دشمن بہت تھے اُس نے شہر کو واپس جانے کا ارادہ کیا کہ شہر میں رہ کر اُمرا کو اپنے سے ہموار کر لوں گا۔ خلف حسن بصری نے روکا اور گلبرگہ۔ بیدر اور کلیانی[1] میں لوگوں کو بھیج کر کچھ اوباش اور بے کار لوگوں کو آیندہ کے وعدے دلا کر جمع کر لیا۔ اور احمد خاں حوالیِ گلبرگہ میں مختلف مقامات پر بھٹکتا پھرا اِس اثنار میں عین الملک اور نظام الملک کو فوج کی مدد گلبرگہ سے آگئی تھی اُنھوں نے احمد خاں پر چاروں طرف سے ہجوم کر لیا۔ سُلطانی فوج آٹھ ہزار تھی اور احمد خاں کے پاس صرف ایک ہزار آدمی تھے۔ اُس وقت بنجاروں کا ایک ٹانڈہ کہ جس میں دو ہزار بیل تھے اِس رستے سے گزرا اور لاہور کے سوداگر بھی تین ہزار گھوڑے بیچنے کو لے جا رہے تھے۔ حسن بصری نے چاہا کہ گھوڑے تو ہم خرید لیں اور بنجاروں سے بیل مستعار لے کر ایک فوج بنا لیں اور بادشاہی لشکر کا مُقابلہ کریں۔ احمد خاں نے کہا کہ یہ سب باتیں فضول ڈھکوسلے ہیں اور ہرگز راضی نہ ہوا۔ احمد خاں بہ حالتِ پریشانی ایک درخت کے سایے میں بیٹھ گیا اور وہیں اُس کی آنکھ لگ گئی اُس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص فقیری لباس میں تاجِ شاہی ہاتھ پر رکھے ہوئے اِس کی طرف چلا آ رہا ہے اور اُس نے آتے ہی وہ تاج اِس کو پہنا دیا اور کہا کہ یہ تاجِ شاہی ایک مشائخ گوشہ نشین نے تمھارے لیے بھیجا ہے احمد خاں نے یہ خواب حسن بصری سے بیان کیا اور کہا کہ مجھے یہ بشارت ہوئی ہے تم نے جو تدبیر سوچی تھی وہ اب کرو۔ حسن بصری فوراً کلیانی پہُنچا اور اپنی حکمتِ عملی اور شیریں زبانی سے گھوڑے اور بیل لے کر واپس آیا اور راتوں رات رنگ برنگ کی جھنڈیاں طیّار کر لیں۔

---

[1] کلیانی گلبرگہ سے اٹھارہ کوس ہے ۱۲۔

اور دوسرے دن علی الصباح افواجِ شاہی کے مقابلے کو روانہ ہوا اور یہ خبر پھیلا دی کہ فلاں فلاں بڑے بڑے امیر احمد خاں کی طرف ہو گئے ہیں اور امداد کو چلے آ رہے ہیں اب صرف دو تین کوس کے فاصلے پر ہیں۔ احمد خاں کے لوگوں کی اکثر ہمت بندھ گئی۔ عین الملک اور نظام الملک کو بھی یہ خبر ملی لیکن اُنھوں نے کچھ پروا نہ کی اور میدانِ جنگ میں اپنی فوج لے کر آئے۔ حسن بصری اپنے سوار اور افواج لے کر ایک جانب سے کہ صحرائے مسطح تھا یکایک نکلا عین الملک اور نظام الملک سمجھے کہ یہ مقدمہ ہی اِس کے پیچھے اُمرا کی فوج بھی ہو گی۔ اِس خیال سے وہ گھبرا گئے۔ اِتنے میں دوسری طرف سے احمد خاں ہزار جوانوں کے ساتھ پہونچا اور قلب لشکر پر حملہ کیا جس میں عین الملک اور نظام الملک تھے اُنھوں نے جب دیکھا کہ اُمرائے میمنہ اور میسرہ بھاگ گئے تو یہ بھی بھاگے۔

چو شد رو برو ہر دو قلب سپاہ	کشیدند شمشیر در رزم گاہ
دو لشکر درآمیخت با تیغ و تیر	بہ گردوں بر آمد ز گیتی نفیر
چو فیروز شد خانِ خاناں بہ جنگ	ز شادی بہ رخسارہ آوردہ رنگ

خانِ خاناں کو اِس تھوڑی سی فوج سے محض بخت و اتّفاق سے فتح نصیب ہوئی شاہی بھگوڑے لشکر کا اُس نے پیچھا کیا۔ گھوڑے ہاتھی مال اسباب خوب لوٹ میں ملا۔ احمد خاں گلبرگہ سے چند میل کے فاصلے پر ٹھیر گیا۔ وہاں پونہچنے کے بعد گلبرگہ کا بہت سا لشکر اُس سے آن ملا۔ فیروز شاہ نے باوجود ضعف اور بیماری کے عین الملک اور نظام الملک کے ذریعے سے حسن خاں پر چترِ شاہی لگوایا اور قلعہ معتمدین کے سپرد کر کے خود تین چار ہزار سوار ہاتھی اور توپ خانے لے اور پالکی میں بیٹھ کر خانِ خاناں کے مقابلے کو چلا۔ خانِ خاناں بادشاہ کی تشریف آوری سنتے ہی بڑھا اور گلبرگہ سے تین کوس پرے دونوں لشکروں میں جنگ برپا ہوئی۔ احمد خاں کی تقدیر میں تاجِ شاہی لکھا ہوا تھا عین میدانِ جنگ میں بادشاہ پر ایسا ضعف طاری ہوا کہ بے ہوش ہو گیا اور اُس کے مرنے کی خبر اُڑ گئی۔ اِس خبر کے سنتے ہی چھوٹے بڑے سب لوگ کھلے خزانے جا کر خانِ خاناں سے مِل گئے۔ عین الملک اور نظام الملک نے جب یہ حالت دیکھی تو بادشاہ کی پالکی قلعے کی طرف لے کر بھاگے۔ جب قلعے کے

دروازے پر پہنچے تو بادشاہ کو ہوش آیا اور سمجھا کہ حکمِ الٰہی یوں ہی تھا یہ تو غنیمت ہوا کہ احمد خاں نے رعایۃً تعاقب نہیں کیا ورنہ بادشاہ کو گرفتار کر لینا کون سی بڑی بات تھی۔ الغرض بادشاہ صحیح سلامت قلعے میں داخل ہو گیا۔ پیچھے ہی پیچھے خانِ خاناں بھی قلعے کے گرد آن پہنچا عین الملک اور نظام الملک حسن خاں کو ساتھ لے کر بُرج پر چڑھ گئے اور خانِ خاناں پر توپیں اور بندوقیں مارنے لگے۔ اتفاق سے ایک گولہ احمد خاں کے خیمے پر پڑا جس کے صدمے سے اُس کے کئی مصاحب ضائع ہوئے۔ احمد خاں ذرا اور آگے بڑھ کے قلعے کے عقب میں چلا گیا۔ جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو اُس نے حسن خاں سے کہا کہ "بادشاہت تو فوج اور لشکر کے ساتھ ہی جب عائنۂ خلائق نے تیرے چچا سے اتفاق کر لیا ہے تو ایسی حالت میں مناسب یہ ہے کہ لڑائی نہ کرو جس سے سوا بربادی اور تباہی کے کچھ حاصل نہیں اور بہتر یہ ہے کہ اطاعت قبول کرو۔

دونوں بھائیوں کا میل ملاپ

اِس پر دروازہ قلعے کا کھول دیا گیا اور ایک جماعت معتمدین کی جا کر احمد خاں کو لے آئی وہ سیدھا بادشاہ کے بستر کے پاس گیا۔ احمد خاں بھائی کی یہ حالت دیکھ کر قدموں پر گر پڑا اور زار و قطار روتا جاتا تھا اور یہ دو بیتیں پڑھتا جاتا تھا۔

ازیں سر نوشتہ زسود و زیاں	فلک را بہانہ منم درمیاں
ازینش ستاند بآنش دہد	کُند ہر چہ خواہد بما بر نہد

فیروز شاہ بھائی کو دیکھ کر خوش ہوا اور کہا کہ "الحمد للہ کہ میں نے اپنی زندگی میں تمھیں بادشاہ دیکھ لیا اور فی الواقع بہ لحاظِ قابلیت اور استحقاق تم ہی اِس کے شایاں ہو لیکن شفقتِ پدری سے مجبور تھا کہ حسن کو ولی عہد مقرر کیا۔ اب تمھیں خدا کے سپرد کیا اور حسن کو تمھارے حوالے کیا۔ اُٹھو جاؤ اور اُمورِ سلطنت کو انجام دو۔ مَیں اَور چند دن کا مہمان ہوں میرے حال سے غافل نہ ہونا۔"

فیروز شاہ کا انتقال اور احمد شاہ کی تخت نشینی ۸۲۹ھ م ۱۴۲۲ء

احمد خاں اُسی دن ۱۵ شوال ۸۲۹ھ کو تخت نشین ہوا اور احمد شاہ بہمنی سے ملقب ہوا۔ فیروز شاہ ۱۵ ماہِ مذکور مطابق ۲۴ اپریل ۱۴۲۲ء یوم دوشنبہ کو دنیائے ناپائدار سے

رخصت ہوا۔ جنازہ شاہی تزک و احتشام سے اُٹھایا گیا اور وہیں اپنے آبا و اجداد کے پاس مدفون ہوا۔ اس کی سلطنت پچیس سال سات مہینے پندرہ دن رہی۔ بعض کتب میں یہ بھی لکھا ہے کہ احمد شاہ نے اپنے بھانجے شیر خاں کی صلاح سے فیروز شاہ کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد شاہ اور رائے بیجانگر کی جنگ رودِ تنگ بھدرا پر ۱۴۲۳ء

نئے بادشاہ نے سب سے پہلے تو اپنی رعایا کی دل جوئی اور استمالت کی اور چند ہی مہینوں میں اپنی فوج رائے بیجانگر سے انتقام لینے کے ارادے سے ٹھیک ٹھاک کر لی۔ جب فوج آراستہ و پیراستہ ہو گئی تو پھر چالیس ہزار جرار سوار لے کر رائے بیجانگر پر لشکر کشی کی۔ دیو رائے نے بھی اپنی افواج کو جمع کیا اور ورنگل سے بھی مدد طلب کی اور دریائے تنگ بھدرا کے کنارے دس لاکھ پیادہ توپچی و کمان دار لے کر پہونچ گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکِ دوآبہ کو گو ہندو نے فتح کر لیا تھا مگر اس سے بے دخل ہو گئے تھے۔ دریا کے شمالی کنارے پر ہندوؤں کے لشکر کے مقابل بادشاہ کا لشکر بھی آن پہونچا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ بادشاہ نے اپنے لشکر کے اطراف تمام گاڑیاں۔ بنڈیاں اور چھکڑے بہ طور حصار کے حلقہ کر دیئے تھے (جیسا کہ ترکوں کا دستور ہے) تاکہ فنیم شب خوں نہ مار سکے۔ بادشاہ اس جگہ چالیس روز مقیم رہا۔ ہمارے خیال میں یہ زمانہ اوائل ۱۴۲۳ء کے خشک موسم کا ہوگا کیونکہ اگر دریا طغیانی پر ہوتا تو رات کو دشمن کے پار اُتر آنے کا اندیشہ نہ ہوتا۔ شروع سال عیسوی میں اس دریا میں اکثر کم پانی رہتا ہے۔ لودھی خاں و عالم خاں و دلاور خاں دس ہزار سوار کے ساتھ راتوں رات ایک چکر کے رستے سے دریا پار ہو کر دشمنوں کے لشکر کے قریب پہونچ گئے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ رائے بیجانگر اس وقت معدودے چند آدمیوں کے ساتھ ایک باغ میں سو رہا تھا جس کے پاس ہی نیشکر کا ملا تھا۔ مسلمانوں کے چند لوگ باغ میں لوٹنے کی غرض سے یکایک گھس گئے دیو رائے ایسا گھبرایا کہ ننگے پاؤں نیشکر کے ملے میں جا چھپا لیکن مسلمانوں کے سپاہیوں نے اُسے پکڑ لیا اور چوں کہ وہ سوتے ہوئے ننگا بھاگا تھا ان کو یہ خیال بھی نہ ہوا

لہ گنے کا کھیت ۱۲۔

کہ یہی راجہ ہی بلکہ اس کو ایک عام شخص سمجھ کر اُس کے سر پر ایک گٹھا گنّوں کا لدوا کر آگے آگے دوڑایا۔ دیول رائے اپنے دل میں خوش ہوا کہ ان لوگوں نے اُسے پہچانا نہیں اور بلا عذر گٹھا اپنے سر پر اُٹھا لیا اور خیال کیا کہ یہ اچھا موقع ہی ممکن ہی کہ یہ لوگ آگے چل کر اُسے ایک غریب آدمی سمجھ کر چھوڑ دیں یا موقع مل جائے تو رستے سے وہ خود ہی بھاگ جائے۔ یہ لوگ ابھی تھوڑی دُور گئے تھے کہ یکایک بادشاہ کے دریا پار اُتر آنے اور راے بیجانگر کے گم ہو جانے کا شور و غل پڑ گیا اور ہندو بے محابا بھاگنے لگے۔ بادشاہ ہندوؤں کے کیمپ میں پہنچ گیا۔ دیول رائے کو جو سپاہی گٹھا اُٹھوا کر بطور بیگار[1] کے لے جا رہے تھے وہ اُس کو چھوڑ چھاڑ لُوٹ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی فوج میں جا ملے اور راجہ کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا۔ دیول رائے اپنی فوج کے ساتھ بھاگ گیا اور دوپہر کے قریب پھرتا پھراتا اپنے امرا سے جا ملا جو اُسے پہچان کر بہت خوش ہوئے۔ جب لشکر میں گم شدہ راجہ کے مل جانے کی خبر پھیل گئی تو اُس کا منتشر شدہ لشکر اکٹھا ہونے لگا لیکن چوں کہ راجہ کو بیگار میں پکڑ لیا تھا اس کو اُس نے بدفالی سمجھ کر میدانِ جنگ میں آنے کا ارادہ چھوڑ دیا اور بیجانگر بھاگ[2] گیا۔ اِس وقت احمد شاہ نے بھی شہر بیجانگر کے محاصرے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اُس معاہدے کے خلاف جو محمد شاہ اور رایانِ بیجانگر میں ہوا تھا اطراف کے حصّۂ ملک کو لُوٹنے لگا اور جہاں پہنچا عورت مرد اور بچّوں کو نہایت بے رحمی سے تہ تیغ کیا حتّٰی کہ جب مقتولین کی تعداد بیس ہزار تک پہنچی تھی تو اُس مقام پر تین دن ٹھیر کر اس قتلِ عام کی خوشی میں ایک بڑا جشن کرتا تھا اور بہت سی گایوں کی قربانی کرتا تھا۔ بادشاہ نے چار روئیں بتوں کو اُکھاڑ کر گلبرگہ بھجوا دیا کہ

---

[1] اصل لفظ بے کار ہی لیکن مروج زبان زد بیگار رہی ہی ۱۲۔

[2] مورخ فرشتہ نے جو واقعات لکھے ہیں وہ قابلِ اطمینان نہیں ہیں کیونکہ راجۂ بیجانگر اُس زمانے میں بالکل کم عمر اور لڑکا تھا ممکن ہی کہ فرشتہ نے ان واقعات کو دوسرے مسلمان مورخوں سے نقل کیا ہو اور اُنھوں نے راجہ کے کسی سردار فوج کو راجہ سمجھ لیا ہو۔ کیوں کہ ایسی غلطیاں اکثر مورخین سے ہو گئی ہیں اور مسلمان مورخوں نے ہندو راجاؤں کے ناموں میں بیشتر مغالطہ کھایا ہی لیکن فرشتہ نے تھوڑی دُور آگے چل کر دیول رائے کے بیٹے کا ذکر کیا ہی جس سے راجہ کا جوان ہونا مستنبط ہوتا ہی۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲۔

درگاہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے سامنے گاڑ دیئے جائیں تاکہ لوگ اُنہیں رَوندیں۔ غرض بادشاہ نے علاوہ بے شمار قتل کے بہت سے مندروں اور بُت خانوں کو بھی توڑ پھوڑ کر تباہ کیا۔ جب ہندوؤں نے دیکھا کہ بادشاہ نے قتلِ عام مچا رکھا ہے تو وہ بہت برافروختہ ہوئے کہ ملک کی تباہی کے سوا دیولوں کی بربادی اور بے عزتی بھی کی جا رہی ہے۔ اِس غصّے اور مایوسی کی حالت میں پانچ ہزار ہندو سوار اکٹھے ہوئے اور اُنھوں نے قسم کھائی کہ وہ سب اپنی جانوں سے ہاتھ دھو کر آئے ہیں اور بادشاہ کو جو تمام تر اُن کی بربادی کا اصلی سبب ہے جان سے مار ڈالیں گے۔ اِس مدعا کے حاصل کرنے کے لیے اُنھوں نے جاسوس چھوڑ رکھے تھے تاکہ بادشاہ کی نقل و حرکت کی خبر لائیں اور جب مناسب موقع ملے تو بادشاہ کا کام تمام کیا جائے۔

احمد شاہ کا ہندوؤں کے نرغے میں گھر جانا اور بال بال بچنا

اتفاقاً یہ بات ہوئی کہ ایک دن بادشاہ ہرن کے شکار میں ایسا مصروف ہو گیا کہ وہ اپنے ہمراہیوں سے جُدا ہو کر لشکر سے (۱۲) میل دُور نکل گیا۔ ہندوؤں کے جاسوس اُس کی خبر میں لگے ہی ہوئے تھے اُن کو یہ اچھا موقع ملا اور خبر پاتے ہی جھٹ بادشاہ کی طرف لپکے اور بادشاہ کے قریب ایسے وقت پہونچے کہ اُس کے ساتھ صرف چالیس مُغل تھے اور وہ بھی کچھ دُور تھے۔ بادشاہ گھبرا گیا اور اپنے گھوڑے کو خیز کر کے چاہا کہ ایک چھوٹی سی کچی چار دیواری میں (جو وہیں قریب میدان میں مویشی باندھنے کے واسطے بنی ہوئی تھی) پناہ لے لیکن ہندو ہاتھ دھو کر بادشاہ کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اتفاقاً سامنے ایک نالہ آ گیا بادشاہ گھوڑا دوڑا نہ سکا اور نہ چار دیواری تک پہونچ سکا کہ ہندوؤں نے آ کر گھیر لیا۔ قریب چالیس دکھنیوں کے یہاں زخمی ہوئے اور قریب تھا کہ بادشاہ بھی مارا جائے۔ حُسنِ اتفاق سے کچھ تیر انداز جو ہانکے[1] کو گئے ہوئے تھے عین وقت پر آن پہونچے اور بادشاہ کو اتنا موقع مل گیا کہ وہ گھوڑا دوڑا کر نکل گیا اور بڑی مشکل سے گرتا پڑتا چار دیواری کے اندر پہونچ گیا۔ ہندوؤں نے چاہا کہ چار دیواری میں گھس جائیں کہ اتنے میں بادشاہ کے تیر انداز بھی آن پہونچے اور دونوں

[1] بہت سے لوگ جمع ہو کر باجا گاجا بجاتے ہوئے ہوائیاں چھوڑتے ہوئے شور و غل مچا کر جنگل میں سے شکار کو گھیر کر سامنے لے آتے ہیں اِسے ہانکا کہتے ہیں ۱۲۔

کی خوب لڑائی ہوئی۔ بادشاہ کے ہمراہیوں نے جاں نثاری پر کمر باندھی اور اُن کو بے انتہا جوش آیا اور ہر شخص نے اپنی جان بادشاہ پر قربان کرنے کی قسم کھائی۔ سب نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور مرنے مارنے پر تُل گئے اور کہنے لگے کہ یہ ممکن نہیں کہ جب تک ہماری جان میں جان ہے بادشاہ کو آنچ آسکے۔ جہاں بادشاہ کا پسینہ گرے گا وہاں ہمارا خون بہے گا۔ سید حسن بدخشی۔ میر فرخ بدخشی۔ میر علی سیستانی۔ میر علی کرد۔ عبد اللہ کابلی۔ خسرو اوزبک۔ خواجہ حسین اردستانی۔ خواجہ بیگ قلندر۔ قاسم بیگ صف شکن نے اِس معرکے میں مردانگی کے بڑے جوہر دکھائے۔ ہندوؤں نے بہت سے مسلمانوں کو جو دیواروں پر چڑھے ہوئے تھے۔ بندوق کا نشانہ بنایا بہت سے مارے گئے کتنے ہی زخمی ہوئے آخرکار دیواریں خالی رہ گئیں تب پانچ چھ ہزار ہندو چار دیواری کے قریب آگئے اور کُدال۔ پھاوڑوں اور کُلھاڑیوں سے دیوار ڈھانی شروع کی۔ بادشاہ کے پاس چند تیرانداز باقی رہ گئے تھے یہ حالت دیکھ کر بادشاہ سخت پریشان ہوا اور اُسے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی کہ حسن اتفاق سے عبد القادر سلحدار آن پہونچا۔ جب اُس کو معلوم ہوا کہ بادشاہ شکار میں کہیں کا کہیں نکل گیا ہے اور واپسی میں بہت دیر ہوگئی تو اُس نے خیال کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ سانحہ پیش آیا ہو وہ دو تین ہزار سوار لے کر بادشاہ کی تلاش میں نکلا اور عین ایسے وقت پر آن پہونچا کہ ہنود پانچ چھ گز دیوار گرا چکے تھے اور قریب تھا کہ چار دیواری میں گھُس جائیں کہ عبد القادر مدد کو پہونچ گیا۔ بہت دیر تک لڑنے کے بعد ہندو پسپا ہوئے۔ ہنود کے ایک ہزار آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کے پانچ سو۔ اللہ تعالیٰ نے عبد القادر کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ عین وقت پر جا پہونچا اور بادشاہ کی جان بچ گئی اور گویا از سرِ نو زندگی ہوئی۔

ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

یہ ایک عجیب بات تھی کہ دشمنوں کی اتنی بڑی فوج میں ایسا بے موقع گھر جانے کے بعد بادشاہ صحیح سلامت نکل آیا۔ اُسی دن بادشاہ نے عبد القادر کو برادرِ جاں بخش دیارِ کارگزار اور خانِ جہاں کا خطاب دیا اور منصبِ دو ہزاری کے ساتھ سرلشکر بردار کا مقرر کیا اور جو دوسرے امرا تھے سب کو خطاب و منصب سے سرفراز کیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ راجہ بیجانگر اور بادشاہِ گلبرگہ ہر دو بالذات

اِس جنگ میں موجود تھے اور دونوں ناگہانی آفت میں فوج کی کمی کی وجہ سے پھنس گئے اور دونوں صحیح سلامت بچ گئے۔ اِس واقعے کے بعد احمد شاہ نے ہندوؤں کے ملک کو خوب لوٹا اور بیجانگر پر چڑھائی کی شہر کی رسد بند کردی کہ جس سے باشندگانِ شہر سخت مصیبت میں مبتلا ہوگئے۔ دیول راے نے اپنی رعایا کو بچانے کے لیے بادشاہ کے پاس ایلچیوں کو صلح کا پیغام دے کر بھیجا بادشاہ نے اِس شرط پر صلح منظور کرلی کہ راجہ سنینِ ماضیہ کا خراج جو باقی ہے اپنے بہترین ہاتھیوں پر بار کرکے مع نوبت نقارہ و ماہی مراتب و لوازم لشکر کے اپنے بیٹے کو ساتھ دے کر بھیج دے۔ دیول راے کو انکار کی گنجائش نہ تھی اُس نے ناچار ان شرطوں کو منظور کیا اور اپنے بیٹے کے ساتھ تیس عمدہ ہاتھیوں پر خزانہ اور قیمتی سامان بار کرکے بادشاہ کے لشکر میں بھیج دیا۔ بادشاہ نے اپنے اُمرا رکو ان کی پیشوائی کے لیے بھیجا۔ اور اِس پیش کش کو اپنے لشکر کے بازاروں میں گشت کرا کے اپنی حضوری میں طلب کیا۔ بادشاہ دیول راے کے بیٹے سے بغل گیر ہوا اور پائینِ تخت میں اُسے بیٹھنے کی اجازت دی اور ایک خلعتِ فاخرہ بھی مرحمت فرمایا۔ ایک تلوار جس کے قبضے پر جواہرات جڑے ہوے تھے اور (۲۰) عمدہ تُرکی و بدخشی گھوڑے پانچ ہاتھی نوشکاری کُتّے اور پانچ باز بھی دیئے۔ تب بادشاہ لوٹا بیجانگر سے روانہ ہوا اور دریاے کرشنا کے کنارے پہونچ کر راے بیجانگر کے بیٹے کو رُخصت کرکے گلبرگہ کو مراجعت فرما ہوا۔ پھر فرشتہ لکھتا ہے کہ ۸۲۸ھ میں بادشاہ نے ورنگل پر چڑھائی کی۔ بدیں وجہ ظنِ غالب ہے کہ یہ لڑائی شروع سال ۱۴۲۳ء میں ہوئی تھی کیوں کہ اُس لڑائی میں لامحالہ چند مہینے تو ضرور لگے ہی ہوں گے کیوں کہ بادشاہ نے رسد بند کردی تھی اور رعایا بھوکی مرنے لگی تھی اور یہاں تک سختی ہوئی کہ راجہ مجبوراً صلح پر آمادہ ہوگیا

لہ اِس پیشوائی سے درحقیقت راجہ کی تذلیل مدِّنظر تھی کیوں کہ اُس کی فوج کو لشکرِ شاہی میں گشت کرایا گیا اگر بادشاہ کو اُن کی عزت افزائی منظور ہوتی تو راے بیجانگر کے صاحب زادے کو جو بطور قائم مقام اپنے باپ کے آیا تھا خود جا کر لاتا۔ راے بیجانگر کے بیٹے کو بادشاہ نے تخت کے پائیں میں بٹھایا اور بہت دن تک گویا قیدی کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ لیے لیے پھرا اور جب کرشنا کے کنارے پہونچ گیا تو اُس کو چھوڑ دیا ۱۲۔

ان اسباب سے موسم سرما ۱۴۲۳ء سے پہلے اس لڑائی کا ختم ہونا قرینِ قیاس نہیں ہے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ اس سال جب کہ بادشاہ گلبرگہ واپس آیا ملکِ دکن میں سخت قحط تھا اور سالِ آیندہ بھی بارش نہ ہوئی دو سال متواتر قحط پڑنے سے رعایا کے دل میں باغیانہ خیالات پیدا ہو گئے یہ دونوں سال غالباً ۸۲۶ھ م ۱۵ دسمبر ۱۴۲۲ء و ۲۳ نومبر ۱۴۲۳ء ہوں گے[1]

احمد شاہ بہمنی اور راجہ ورنگل کی لڑائی ۸۲۸ھ م ۱۴۲۴ء

چوں کہ رائے ورنگل و رائے بیجانگر کے باہمی رنجش ہو گئی تھی احمد شاہ ۸۲۸ھ م ۱۴۲۴ء میں ریاستِ ورنگل اور ملکِ تلنگانہ کو فتح کرنے کی غرض سے روانہ ہوا اور گول کنڈہ پونہچ کر خان اعظم عبداللطیف خاں کو مع دیگر امرا و لشکر آگے بھیج دیا تھوڑے دنوں بعد ورنگل کے فتح ہو جانے کی خبر پونہچی چنانچہ بادشاہ ایک مہینے بیس دن کے بعد گول کنڈہ روانہ ہوا۔ خانِ اعظم کے ورنگل کے قریب پونہچتے ہی راجہ نے اطراف و اکناف سے بہت سی فوج جمع کر لی تھی ابھی بادشاہ پونہچنے بھی نہ پایا تھا کہ دونوں لشکروں میں مٹھ بھیڑ ہو گئی ہندوؤں کے سات ہزار سوار و پیدل مارے گئے اور شکست ہوئی۔ ورنگل مسلمانوں کے قبضے میں آگیا بادشاہ جب پہنچا سب ہو ہوا چکا تھا تب پونہچا۔ اس جنگ میں خزانے اور دفینے

---

[1] گلبرگہ میں بوجہ امساکِ باراں ایسا سخت قحط پڑا تھا کہ ملکِ دکن کی باؤلیاں اور نہریں خشک ہو گئی تھیں بہت سے چوپائے پانی نہ ملنے سے سقط ہو گئے بادشاہ نے غلے کا گنج کھول دیا اور غلے کا انبار لگا دیا جس سے غربا اور مساکین کو غلہ ملتا تھا۔ دوسرے سال بھی بارش نہ ہوئی بادشاہ نے علما اور مشائخ اور زہاد کو نمازِ استسقا کے لیے بھیجا مگر بارش نہ ہوئی تب بادشاہ از حد پریشان ہو کر خود نماز کے لیے صحرا میں گیا اور تنہا ایک پہاڑ پر جا کر چند رکعت نماز پڑھی اور درگاہِ ربّ العزت میں بہت تضرع اور زاری کی بہ افضالِ الٰہی اُسی وقت بارش شروع ہو گئی خوب موسلا دھار پانی برسا۔

برآمد یکے میغ از تیغِ کوہ		بغرّید غرّیدنِ با شکوہ	
ببارید باراں و خندید باغ		جہاں گشت از سر چو روشن چراغ	
ہمہ شہر ویرانہ آباد شد		دلِ شاہ از خرمی شاد شد	

اُسی دن سے بادشاہ "احمد شاہ ولی بہمنی" کے نام سے مشہور ہو گیا ۱۲۔

جو راجاؤں کے آباو اجداد نے مدتوں میں جمع کیے تھے بے شمار ہاتھ آئے۔ بادشاہ نے اِس فتح کی خوشی میں خانِ اعظم کو دس بڑے ہاتھی اور بیس چھوٹے اور ایک پدک مرصّع اور چار موتیوں کی تسبیحیں اور چالیس ہزار من نقد عنایت فرما کر دوسرے مقامات کو فتح کرنے کے لیے بھجوا دیا چنانچہ تین چار مہینے میں اکثر مقاماتِ مقبوضۂ تلنگاں کو فتح کر کے خانِ اعظم پھر ورنگل واپس آکر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا اور بادشاہ نے پھر اُس کو سرفراز کیا اور نوازشات فرمائیں۔ اِس لڑائی میں مسلمانوں کو ایسی مستحکم فتح ہوئی کہ ریاستِ ورنگل ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو گئی۔ تاریخ فرشتہ میں اِس کے بعد سلطنت کا کچھ حال احمد شاہ کے بیٹے علاء الدین ثانی کے تخت نشین ہونے تک نہیں لکھا۔

احمد شاہ کا انتقال ۸۳۸ھ علاء الدین حسن ثانی کی تخت نشینی

سلطان احمد شاہ ۲۸ رجب ۸۳۸ھ روز یکشنبہ مطابق ۲۷ فروری ۱۴۳۵ء کو دُنیا سے رُخصت ہوا اور اُسی دن علاء الدین ثانی اُس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔

علاء الدین کے عہد میں راجۂ بیجانگر پر پہلی چڑھائی

راجۂ بیجانگر نے پانچ سال سے خراج نہیں دیا تھا اور بقایا دینے کے لیے صاف انکار کر دیا تھا سلطان علاء الدین نے اپنے بھائی محمد خاں کو ایک جرّار لشکر کے ساتھ بیجانگر

۱؎ ورنگل کی لڑائی کی تاریخ عموماً ۱۴۲۴ء لکھی گئی ہے لیکن یہ غلطی اصل میں اُن مؤرخین سے ہوئی ہے جن سے کہ نقل کی گئی ہے لیکن صحیح سال ۱۴۲۵ء معلوم ہوتا ہے۔ برگز صاحب نے بھی ۸۲۸ھ کو ۱۴۲۴ء ہی کے مطابق لکھا ہے لیکن ۸۲۸ھ عیسوی سال کے آخر ۲۳ نومبر ۱۴۲۴ء کو شروع ہوا ہے یہ لڑائی بہت جلد ختم ہو گئی اور یہ بھی ممکن ہے کہ دسمبر سنہ مذکور میں ختم ہوئی ہو ۱۲۔

۲؎ برہان ماثر نے تاریخ انتقال ۲۲ رجب لکھی ہے۔ اِس بادشاہ نے بارہ برس دو مہینے سلطنت کی۔ اِسی کے عہد میں گلبرگہ سے بیدر پایۂ تخت قرار پایا اور شہر کا نام احمد آباد بیدر رکھا گیا۔ اِس بادشاہ کا عالی شان مقبرہ موضع اشٹور میں ہے جو مضافاتِ بیدر میں ہے اور سالانہ عُرس ہوتا ہے ۱۲

بھیجا۔ اِس لشکر نے ملک کو ایسا لُوٹا کہ راسے بیجانگر نے تھوڑے ہی عرصے میں بیس ہاتھی اور بڑی بھاری رقم اور دو سو رنڈیاں جو ناچ اور گانے میں مشاق تھیں علاوہ اَور قیمتی تحائف کے محمد خاں کو دے کر صلح کرلی۔ محمد خاں اِس فتح سے بالکل جلسے سے باہر ہوگیا ایک جرار لشکر تو اُس کے پاس تھا ہی اپنے بھائی بادشاہ سے باغی ہوگیا اور خیال کیا جاتا ہے کہ اِس بغاوت میں دیول راسے کی بھی اشتعالک تھی۔ محمد خاں نے بادشاہ کے صوبے داروں سے مُدگل۔ رایچور۔ شولاپور۔ بیجاپور۔ نلدرگ چھین لیا۔ آگے چل کر دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی اور محمد خاں نے شکست پائی اور بھاگ گیا۔ چند روز کے بعد نیک دل بادشاہ نے اپنے بھائی کی خطا معاف کردی اور قلعہ رایچور مع علاقہ جات ملحقہ کے اُس کو جاگیر دیا۔ ۱۴۴۲ء کے قریب دیوراسے نے اپنی سرحدی

---

۵۱ جی۔ آئی پی ریلوے کا اسٹیشن ہے مستقر ضلع ہے تجارت کی بہت بڑی منڈی اور بہت گھنی آبادی کا شہر ہے۔ عادل شاہیوں کے زمانے کا بنایا ہوا قلعہ اسٹیشن کے پاس ہے جس کے اطراف خندق ہے۔ یہاں پارچہ بافی کی کئی گھرنیاں ہیں۔ شہر سے تین میل کے فاصلے پر ایک بہت بڑا تالاب ہے سوم بہ ہیپر گرسات میل دُور کا ہے اور بہت عمیق ہے اس کے تحت میں بہت سی زراعت کی جاتی ہے۔ ۱۲

۵۲ نلدرگ میں ایک پُرانا مشہور قلعہ ہے جس کی فصیل اور بہت سے شاہی مکانات اب بھی باقی ہیں من جملہ ان کے پانی محل قابلِ دید ہے۔ پوری ندی کو روک کر ایک بہت بھاری بند ڈالا ہے اُس کے اندر مکانات بنا دیئے ہیں جس پر سے ندی بہ کر چادریں چھوٹتی ہیں۔ عجب لُطف آتا ہے اِس پر قطعۂ ذیل کندہ ہے۔

از حضرت شاہ دیں پناہ منصور		شد میر محمد عماد الدیں مامور	
در بستن ایں مشدہ توفیق الٰہ		سدے شدہ چوں سدِ سکندر مشہور	
از دیدنِ ایں چشمِ محباں روشن		می گردد و چشمِ دشمناں گردد کور	
از ہاتف کرد سوالِ تاریخش گفت		کیں سد بلطف شاہ ماند معمور	

در عہد ابو المنصور و المظفر سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی بادشاہ والیِ بیجاپور تعمیر یافت

کرنل ٹڈ و ٹیلر مدتوں یہاں ڈپٹی کمشنر رہے ہیں اُن کی کتابوں میں یہاں کے بہت سے تاریخی حالات ہیں۔ یہ مقام ضلع عثمان آباد ملکِ سرکارِ عالی نظام میں ہے۔ شولاپور اسٹیشن سے اٹھائیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے ۱۲

سلطنتِ اسلامیہ گلبرگہ اور اپنے حالات پر غور کرنے کے لیئے اُمرا، ورؤسائے معتبر و برہمنان کی ایک مجلسِ شُورائے منعقد کی اور کہا کہ باوجود یے کہ ہمارا مُلک کرناٹک بہ لحاظِ وسعت و آبادی و محاصلِ خاندانِ بہمنیہ سے بہت بڑھا ہوا ہی اور فوج بھی ہمارے پاس اُن سے زیادہ ہی لیکن پھر کیا وجہ ہی کہ مُسلمان ہمیشہ ہم پر فتح یاب ہوتے چلے جاتے ہیں اور ہم کو یہاں تک مغلوب کیا ہی کہ ہم اُن کے خراج گزار بن گئے۔ حاضرین میں سے بعض نے عرض کی کہ مُسلمانوں کی کامیابی کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ ہمارے سوار کرناٹک کے ہیں جن کے گھوڑے دُبلے اور کم زور ہیں اور مُسلمانوں کے گھوڑے قوی اور توانا ہیں اور اِس وجہ سے زیادہ بارکش اور دھاوے کے متحمل ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے لشکر میں ہمیشہ عمدہ تیر اندازوں کی بڑی تعداد رہتی ہی اور ہمارے لشکروں میں ایسے قادر تیر انداز بالکل کم ہیں۔

دیو رائے نے یہ سُن کر اپنے لشکر میں مُسلمانوں کو کثرت سے ملازم رکھا اور اُن کو جاگیریں بھی دیں اور مُسلمانوں کی استمالت کے لیئے شہر بیجانگر میں ایک مسجد بھی بنوا دی اور حکم عام دے دیا کہ مُسلمانوں کے مذہبی اُمور میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جاے۔ راجہ نے اپنے تخت کے سامنے ایک مکلّف رحل پر قرآن بھی رکھوایا کہ مُسلمان جب اُس کے دربار میں آئیں کلام الٰہی کی تعظیم کریں اور اپنی تمام فوج کو بڑے اہتمام سے تیر اندازی سکھلانی شروع کر دی کہ تھوڑے ہی دنوں میں دس ہزار مُسلمان اور سات ہزار ہندو تیر انداز لشکر میں طیار ہو گئے اِس کے علاوہ ستّر ہزار سوار اور تین لاکھ پیدل فوج بھی طیار کر لی جو بھالے اور برچھوں سے مسلّح تھی۔

راجۂ بیجانگر پر قاتلانہ حملہ سنہ ۱۴۴۲ و ۱۴۴۳ء

نومبر سنہ ۱۴۴۲ء یا اپریل سنہ ۱۴۴۳ء کے درمیان ایک دن دیو رائے کی جان پر ایک قاتلانہ حملہ اُس کے ایک قریب کے عزیز نے کیا۔ عبدالرزاق کا بیان ہی کہ راجہ کے بھائی نے حملہ کیا تھا اور نیونز لکھتا ہی کہ وہ اُس کا بھتیجا تھا لیکن اِن دونوں میں سے عبدالرزاق کا بیان زیادہ مستند ہی کیوں کہ وہ خود یہاں موجود تھا۔ عبدالرزاق شاہِ ایران کی طرف سے کالی کوٹ اور بیجانگر میں ایلچی مقرر تھا اور اُس نے اِس واقعے کو حسب ذیل صراحت مع تاریخ بیان کیا ہی۔

نومبر ۱۸۴۲ء و اپریل ۱۸۴۳ء میں جب کہ عبدالرزاق کالی کوٹ میں موجود تھا یہ غیر معمولی واقعہ پیش آیا کہ راجہ کے بھائی نے ایک نیا محل اپنے لیئے طیار کرایا تھا اُس کی خوشی میں اُس نے راجہ اور اُمرائے شہر کو دعوت دی۔ ہنود میں قاعدہ ہی کہ وہ سب یکجا نہیں کھاتے بلکہ ٹکڑی ٹکڑی الگ الگ کھاتے ہیں۔ سارے مہمان ایک بڑے ہال میں جمع تھے اور باری باری سے کھانے کے لیئے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد راجہ کے بھائی نے خود آن کر کہا یا اُس نے اپنی طرف سے کسی سے کہلا بھیجا کہ فلاں فلاں اُمرا بغرض تناوُلِ طعام تشریف لائیں۔ صاحب مکان نے پہلے ہی سے انتظام کر کے نوبت و نقارے۔ ڈھول۔ تاشے۔ تُرئی۔ نفیری تمام شہر کے باجے جمع کر لیئے تھے اِن سب کے ایک ساتھ بجنے سے ایسا شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز نہ سُنائی دیتی تھی۔ ایک ایک کر کے مہمان کھانے کے لیئے اندر مکان میں جانے لگے دروازے کے دونوں طرف دو شخص خنجر لیئے چھپے کھڑے تھے جو آیا آتے ہی اُس کے خنجر بھونک کر ٹکڑے کر ڈالتے اور فوراً اُس کی نعش کو اُٹھوا دینے کے بعد دوسرے مہمان کو بُلاتے تھے الغرض جو اس مکان میں گیا پھر وہ زندہ باہر نہ نکلا اور یہی سلسلہ جاری رہا۔ باجوں اور آدمیوں کے شور و غل سے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ اندر کیا ہو رہا ہی۔ اِس طرح ایک ایک کر کے تمام نامی اور ذی مرتبت قتل کر دیئے گئے۔ راجہ کا بھائی جوشِ انتقام میں بھرا ہوا تھا اور اُس کے سر پر خون سوار تھا اِسی حالت میں وہ راجہ کو بُلانے محل میں گیا۔ وہاں جو لوگ حاضر باش اور نیز پہرے چوکی پر متعین تھے اُن سب سے بہت عاجزی و خوشامد کے لہجے سے کہا کہ وہ بھی کھانے کے لیے چلیں اور سب کو بھجوا کر اُن کا بھی کام تمام کیا۔ اِس حکمتِ عملی سے سارا محل محافظین سے خالی ہو گیا تب یہ بدمعاش راجہ کے حضور میں حاضر ہوا اور ایک تھالی میں پان اور سپیاری رکھ کر لے گیا جس کے نیچے ایک جمبیہ چھُپا ہوا تھا۔ اِس نے راجہ سے عرض کی کہ سب طیاری ہو چکی ہی غریب خانے تک قدم رنجہ فرمایئے اب صرف حضور ہی کی تشریف آوری کا انتظار ہی۔ عام خیال یہ ہی کہ حاکم وقت کا اللہ تعالےٰ خود محافظ و نگہبان رہتا ہی اور اِن کے دل کو پہلے سے خبر ہو جاتی ہی۔ راجہ نے کہا کہ آج میری طبیعت اچھی نہیں ہی۔ جب اِس خوں خوار بھائی کو راجہ کے اپنے مکان تک چلنے سے ناامیدی ہوئی تو اس نے جمبیہ نکال لیا اور کئی کاری

زخم راجہ کو پہنچائے۔ راجہ مجروح ہو کر اپنے تخت کے نیچے گر پڑا۔ اِس نمک حرام نے یہ سمجھا کہ اُس کا کام تمام ہو گیا۔ اُس نے اپنے ایک معتمد کو وہاں چھوڑ دیا کہ راجہ کا سر کاٹ کر لائے اور جلدی اور گھبراہٹ میں خود محل کے باہر نکل کر ایوان محل میں آیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ مَیں نے راجہ اور اُس کے بھائیوں اور فلاں فلاں اُمرا و برہمناں و وزرا کو قتل کر ڈالا ہے اور اب مَیں ریاست کا مالک ہوں۔ اِسی عرصے میں اُس کا خفیہ جاسوس راجہ کے تخت کے پاس اُس کا سر کاٹنے پہنچ گیا لیکن راجہ تخت کے سہارے اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا اُس نے اِس جاسوس کی چھاتی پر ایسا ایک وار کیا کہ وہ اوندھا گرا۔ تب راجہ نے اپنے ایک محافظ کی مدد سے جو یہ خوفناک حالات دیکھ کر وہیں ایک کونے میں چھُپ گیا تھا اِس مردود کو قتل کیا اور آپ زنانے کے رستے سے محل کے باہر نکلا۔ اِس کا بھائی ایوان کی سیڑھیوں پر کھڑا ہوا عامۂ رعایا میں اپنے راجہ ہونے کی منادی کر رہا تھا کہ عین وقت پر راجہ نے پکارا کہ مَیں صحیح وسلامت اور زندہ ہوں اِس بدمعاش کو پکڑو۔ اتنا کہنا تھا کہ ساری خلقت اُس بدمعاش پر ٹوٹ پڑی اور اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اِس قتلِ عام سے صرف ایک وزیر جس کا خطاب دھن نایک تھا اور جو اِس افسوس ناک واقعے کے پہلے سے سراندیپ کی طرف گیا ہوا تھا بچ گیا۔ راجہ نے ایک ہرکارے کے ذریعے سے اِس کُشت وخون کی خبر اُس کو کہلا بھیجی اور واپس بُلوا لیا۔ اِس سازش میں جو جو لوگ شریک تھے اُن کو راجہ نے مروا ڈالا۔ ہزاروں آدمیوں کی کھالیں کھنچوائی گئیں۔ قتل کیے گئے اور زندہ جلا دیئے گئے۔ اُن کے سارے خاندان جڑ سے برباد کر دیئے گئے۔ جو دعوتی رُقعے لے کر آیا تھا وہ بڑی تکلیف سے مارا گیا نیونز نے لکھا ہے کہ اِس واقعے کے چھ مہینے بعد راجہ مر گیا اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا گدی پر بیٹھا لیکن عبدالرزاق یہ بیان کرتا ہے کہ وہ خود دسمبر ۱۴۴۳ء میں دیوراے کے حضور میں حاضر ہوا تھا۔ نیونز نے دیوراے کے بیٹے کا نام نہیں لکھا اور نہ اُس کی مدتِ سلطنت بتلائی اُس نے صرف اِتنا لکھا ہے کہ اِس کے عہد میں کوئی واقعہ قابلِ تحریر نہیں گزرا سوائے اِس کے کہ اُس نے دیولوں کو زرِ کثیر عنایت کیا۔ اِس راجہ کے بعد اُس کا بیٹا دیوا یکش گدی نشین ہوا اور نیونز نے اِسی کے زمانۂ سلطنت میں اُن جھگڑوں کا شروع ہو جانا لکھا ہے

کہ جن سے اس خاندان کی تباہی ہوئی۔

راجۂ بیجانگر اور سلطان علاء الدین کی مُدگل پر پیاپی تین لڑائیاں ۸۴۷ھ م ۱۴۴۳ء

شش ماہی دوم ۱۴۴۳ء میں عبدالرزاق نے لکھا ہے کہ دکھن نایک وزیر نے سلطنتِ گلبرگہ پر لشکر کشی کی۔ وجہ اس حملے کی یہ بیان کی ہے کہ سلطان علاء الدین نے جب اس بات کی خبر سُنی کہ راجۂ بیجانگر کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا گیا تھا اور بہت سے اُمراء اور معزّزین قتل کیے گئے ایسے وقت میں بادشاہ نے ادائی خراج کے مطالبے کا پیغام بھیجا۔ دیوراے راجۂ بیجانگر اس پیغام کے ایسے بے موقع آنے سے بہت جھلّایا اور اُس نے بے باکانہ جواب دیا اور خود بھی لڑائی کے واسطے طیار ہوگیا دونوں طرف سے لشکر چلے اور دونوں عملداریوں میں خوب لُوٹ مار ہوئی۔ دکھن نایک نے سلطنتِ گلبرگہ کے سرحدّی مقامات کو خوب لُوٹا اور بہت سے قیدی گرفتار کرکے پلٹ آیا۔ تاریخ فرشتہ میں اس لڑائی کا حال یوں لکھا ہے کہ ۸۴۷ھ میں دیوراے نے ناعاقبت اندیشی سے سلطنتِ بہمنیہ پر چڑھائی کی یکایک دریاے تُنگ بھدرا کو عبور کرکے قلعۂ مُدگل پر قبضہ کرلیا اور اپنے بیٹوں کو رائچور اور بنکاپور کے محاصرے کے لیے بھیج کر خود دریاے کرشنا کے کنارے ٹھیرا رہا اور اپنی فوج سے اطراف کے مُلک کی لُوٹ مار کرتا رہا تلوار اور آتش زنی سے سگر اور بیجاپور تک تباہ کردیا۔ سلطان علاء الدین کو جب اس حملے کی خبر ہوئی تو وہ اُس کی مُدافعت کو آمادہ ہوا اور مُلکِ تلنگانہ دولت آباد و برار سے لشکر اکٹھا کیا اور حُکم دیا کہ بلا تاخیر سب اُس کی دارالسلطنت احمد آباد بیدر پر جمع ہوجائیں۔ جب فوج اکٹھی ہوگئی اور اُس نے لشکر کا ملاحظہ فرمایا تو پچاس ہزار سوار ساٹھ ہزار پیدل اور بہت سا توپخانہ موجود پایا اس لشکر کے ساتھ وہ غنیم کے مُقابلے کو بڑھا۔ دیوراے کو جب فوج کی آمد آمد کی خبر پہنچی تو اُس نے اپنا مقام بدل دیا اور فصیلِ قلعۂ مُدگل کے پاس آٹھیرا آتے آتے ایک بڑا حصّہ فوج کا سُلطانی فوج کو روکنے کے لیے چھوڑ آیا تھا۔ مُدگل سے (۱۲) میل کے فاصلے پر بادشاہ نے مقام کیا اور خلف حسن بصری مُلک النجّار کے ساتھ دولت آباد کی فوج دے کر دیوراے کے بیٹوں کے مُقابلے کو بھیجا اور خانِ زماں سرلشکر بیجاپور اور خانِ اعظم

سپہ سالار افواج برار و تلنگانہ کو اصل لشکر کے ساتھ غنیم کے مقابلے کے لیئے روانہ کیا۔ ملک التجار سیدھا یا بچور پونہچا اور دیوراے کے بڑے بیٹے سے جنگ شروع ہوئی۔ دیوراے کا بڑا بیٹا اس لڑائی میں زخمی ہوکر بنکاپور کی طرف بھاگا۔ وہ ابھی وہاں نہیں پونہچا تھا کہ راجہ کا چھوٹا بیٹا قلعۂ بنکاپور کا محاصرہ چھوڑ کر باپ کے پاس چلا آیا۔ دو مہینے کے عرصے میں مسلمان اور ہندوؤں کے لشکر میں تین لڑائیاں مُدگل کے قریب ہوئیں جن میں طرفین کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ پہلی لڑائی میں ہندوؤں کے غالب ہونے سے مسلمانوں کو بڑی مصیبتوں کا سامنا ہوا۔ باقی دو لڑائیوں میں مسلمان فتح یاب ہوے۔ آخری لڑائی میں دیوراے کے بڑے بیٹے کو جو خلف حسن بصری سے زخم کھا کر بھاگ گیا تھا خان زماں نے نیزے سے ہلاک کیا۔ اس واقعے سے ہندوؤں کے لشکر میں ایک سراسیمگی پھیل گئی اور بڑی گھبراہٹ سے راے نرادے کی نعش لے کر قلعۂ مُدگل میں گھس گئے۔ بادشاہ کے اُمرا فخر الملک دہلوی اور اُس کا بھائی ہندوؤں کے تعاقب کے لیئے کُشت وخون کرتے ہوے شہر مُدگل میں پونہچے۔ ہنود نے دیکھا کہ یہ دونوں مُسلمان بڑے جری ہیں کہ اس طرح بے باکانہ قلعے میں گھس آے ان کو زندہ گرفتار کرلیا اور دیوراے کے پاس لے گئے۔ راجہ اپنے بیٹے کے رنج والم میں گرفتار تھا اُس نے ان دونوں کو قید کردیا۔ بادشاہ نے دیوراے کو پیغام بھیجا کہ تم نے میرے دو سرداروں کو قید کر لیا ہے میں ان کو ہزار ہزار سوار کے برابر سمجھتا ہوں۔ چوں کہ رایان بیجانگر اور شاہان بہمنیہ میں یہ قرار ہوچکا تھا کہ ایک مسلمان کے بدلے ایک لاکھ ہندو مارے جائیں گے اگر تم ان کو مار ڈالوگے تو یاد رہے کہ ہم ان کے معاوضے میں دو لاکھ ہندوؤں کا قتل کریں گے اور اس ملک سے کبھی نہ ہٹیں گے۔ دیوراے مُسلمانوں کے تعصّب کو خوب جانتا تھا اُس نے ایک جماعت معتبرین کی بادشاہ کے پاس بھیجی کہ اگر آپ اس بات کا عہد کریں کہ آیندہ ہمارے ملک پر لشکر کشی نہ کریں گے تو میں اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ ہر سال پیش کش دیا کروں گا۔ اور آپ کے دونوں سرداروں کو بھی آپ کے سپرد کردوں گا۔ بادشاہ نے اس بات کو قبول کرلیا اور عہد نامہ ہوگیا۔ راجہ نے بھی فخر الملک اور اُس کے بھائی کو چالیس جنگی ہاتھی اور انواع واقسام کے پیش کش اور باقی ماندہ خراج کے ساتھ بھیج دیا۔ بادشاہ نے بھی خلعتِ شاہانہ

اور تازی گھوڑے مع سامانِ مرصّع راجہ کے پاس بھجوائے اور خود اپنے وطن کو واپس ہوا اور جب تک یہ بادشاہ زندہ رہا دیوراے ہر سال پیش کش بھجواتا رہا اور طرفین اپنے اپنے معاہدے پر قائم رہے اور کسی قسم کی لڑائی نہیں ہوئی۔ تاریخ فرشتہ میں صاف طور پر اس لڑائی کے برپا ہونے کی وجہ نہیں لکھی لیکن عبدالرزاق کے بیان کی تصدیق صلح نامے کی شرائط سے ہوتی ہے کہ راے بیجانگر کے ذمہ معہود ادا نہ کرنے سے لڑائی چھڑی۔ یہ لڑائی ۸۴۷ھ میں شروع ہوئی (یکم مئی ۱۴۴۳ء تا ۱۹ اپریل ۱۴۴۴ء) اور دسمبر ۱۴۴۳ء میں جب کہ عبدالرزاق بیجانگر سے روانہ ہوا ختم ہوگئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی تھوڑے ہی دنوں رہی۔

دیوراے دوم کی زمانِ سلطنت کے حالات

ہم بہ لحاظِ واقعات ۱۴۴۳ء کے آخر تک پہنچ گئے ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم آیندہ کے حالات لکھیں ہم چاہتے ہیں کہ دیوراے ثانی کی سلطنت کے کچھ واقعات بیان کریں۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ جب دیوراے ثانی ۱۴۱۹ء میں تخت نشین ہوا تو وہ بہت کم عمر تھا۔ ۱۴۴۳ء تک اُس کی حکم رانی کو چوبیس سال ہو چکے تھے۔ عبدالرزاق نے لکھا ہے کہ اُس نے دیول راے دوم سے ۱۴۴۳ء میں ملاقات کی تھی اور انڈیا آفس میں جو کتبے و کاغذات ہیں اُن سے یہ مزید توضیح ہوتی ہے کہ اس زمانے میں دیوراے دوم بہت ہی کم سن تھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ اس میں کون سی روایت صحیح ہے۔ لیکن اگر ہم کم عمری کو صحیح سمجھ لیں تو اُس کی توجیہ یوں ممکن ہے کہ ایلچی مذکور بہ جاے راجہ کے کسی اور شہزادے کے حضور میں حاضر ہوا ہوگا اور خود راجہ نے عبدالرزاق کی نسبت شُبہہ کیا ہوگا کہ آیا وہ فی الحقیقت شاہِ ایران کا ایلچی ہے یا جھوٹ موٹ بن گیا ہے اور اُس سے ملنے میں پہلو تہی کی۔ اُس کی سلطنت کے بہت سے کتبے موجود ہیں۔ ایک کتبے میں اسی راجہ کے نام سے ایک منادی کندہ ہے۔ جس کا سال سکے ۱۳۴۸ سال وِساواسُو مطابق ۱۴۲۶ء کے ہوتا ہے۔ راجہ نے بیجانگر کے پان سُپیاری بازار میں ایک جینوں کا مندر بنوایا ہے اُس پر بھی ایک کتبہ موجود ہے جس پر سکے ۱۳۴۹ سال پربھاوا ماہ کاتک درج ہے جو مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۴۲۶ء روز چہار شنبہ کے ہے سرکاری نقشے میں جو دیول نمبر ۳ ہے یہ مندر اس کے جنوب مغرب میں راجہ کے محل کے احاطے

کے اندر ہاتھیوں کے اصطبل کے قریب پچھواڑے کی طرف اب تک موجود ہی۔ اِس کتبے میں راجہ کا پورا خطاب "مہاراجہ ادھیراج راجہ پرمیسور" کندہ ہی۔ اِس سے بان سپیاری بازار کے حدود صاف طور پر معلوم ہوتی ہیں کہ یہ بازار اُس سڑک کے دو طرفہ واقع تھا جو راجہ کے محل کے قریب ہزارہ رامانسوامی کے دیول کے پاس سے ہموار خشک میدان پر سے (قلعۂ آنا گنڈی کے دروازۂ جنوبی کے محاذی) گزر کر سیدھی دریائے تنگ بھدرا کے گھاٹ تک چلی گئی ہی۔ یہ سڑک کلّما اور رنگا سوامی کے دیولوں کے شمال سے گزرتی تھی۔ محل شاہی کی بلند دیواروں کے احاطے اور منار۔ دید بان۔ واصطبلِ فیلاں کے بائیں طرف سے مندر جیناں و مندر نمبر (۳۵) کے گرد ہوتی ہوئی بڑی سڑک میں جا ملتی تھی۔ اور یہی سیدھا رستہ آنا گنڈی سے راجہ کے محل کا تھا۔

سکّے ۱۳۵۲ سال سُدھارنا کا تانک پنچمی مطابق ۱۴۳۰ء میں راجہ نے ایک مندر کو جو ضلع تانجور کے جنوب میں واقع ہی ایک عطیہ بخشا۔ عطا کنندہ کا نام ویر پرتاپ دیورائے مہاراجہ مہامنڈلیسور (یعنی چاروں سمندروں کا حکمراں) لکھا ہی۔ اِسی راجہ کی سلطنت کے دو کتبے اور ہیں جو ۱۴۳۳ء و ۱۴۳۴ء و ۱۴۳۵ء کے ہیں جو بمقام پیراویڈو شمال ارکاٹ میں موجود ہیں اِن میں بھی راجہ کا پورا نام اور خطابات حسب صراحتِ بالا کندہ ہی۔ اگر نونز کا بیان صحیح تسلیم کیا جائے کہ دیورائے دوم زخمی ہونے کے چند ماہ بعد مر گیا اور اگر واقعی عبدالرزاق ۱۴۴۳ء میں اُس کے حضور میں باریاب ہوا تھا تو اِس حساب سے راجۂ مذکور کا سنہ وفات ۱۴۴۲ء قرار پاتا ہی تاہم صحیح بات اُس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ اور کتبے اور کنڈے اچھی طرح پڑھے نہ جائیں۔ سراون بلگوں کا ایک کتبہ مطابق سہ شنبہ ۲۴ مئی ۱۴۴۶ء جس میں پرتاپ دیورائے کے انتقال کا ذکر لکھا ہی پروفیسر کیل ہارن نے حسب ذیل نقل کیا ہی۔

"منحوس سال کشایا مہینے ویساکھ بدہ میں ایک مصیبت تک سہ شنبہ کے دن اُس پندھرواڑے[1] میں جو چاندی کے برعکس (یعنی ظلمت) مصیبت کا تھا چودھویں تاریخ طالع

[1] یعنی ماہِ ہلالی کا آخر پندھرواڑہ (کرشن پاکش) ۱۲

وبہادری کا مخزن جس کا کوئی عدیل نہ تھا پرتاب دیوراے کو افسوس کہ موت آن پونہچی"
لیکن اس کتبے میں راجہ کے خطابات درج نہیں ہیں ممکن ہی کہ وہ راجہ کے خاندان کا کوئی
اَور شخص ہو۔ تانجور میں ایک دوسرے کتبے پر بھی[1] ۱۴۴۶ء اور دیوراے کا نام کندہ ہی مگر یہاں
بھی سوائے لفظ برُوڈا جس کے معنی چار سمندروں کا مالک ہیں اَور کوئی خطابات نہیں ہیں۔
کنجیورم میں ایک کتبہ ویر پرتاب پرودھ امادی دیوراے کے عہد کا ہی جو مطابق ۲ر اگست[2]
۱۴۴۹ء یوم شنبہ کے ہوتا ہی۔ بہت تعجب ہی کہ نیونز نے دیوراے دوم کے جانشین کا نام جو
سولھویں صدی میں زبان زدِ خاص وعام ہوگا نہیں بتلایا جس سے ہم کو بہت مدد ملتی۔
بحالت موجودہ ایسا خیال کیا جاسکتا ہی کہ کوئی شخص دیوراے سوم ۱۴۴۲ء سے ۱۴۴۹ء تک
بیجانگر کا حکمراں ہوگزرا ہی لیکن یہ بات یقینی نہیں ہی۔ مسٹر رائس لکھتے ہیں "کہ دیوراے
دوم کا ایک وزیر ناگپا نامی تھا جس کو دھن نایک کا خطاب تھا جس کے معنی سپہ سالارِ
افواج کے ہیں"۔

[1] سکے ۱۸۶۳ سال کشایا یوم چہارشنبہ نکشتر پوروا پھاگن سُدپنچمی ۱۲۔
[2] سکے ۱۳۷۱ سال سکلا۔ یوم شنبہ تاریخ ۱۳ ماہ سہا بروز نکشتر اُتر شادھ ۱۲۔

ساتواں باب

زمانِ سلطنتِ دیوراے میں شہرِ بیجانگر کی حالت

سنہ ۱۴۲۰ء سے سنہ ۱۴۴۳ء تک

ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہی کہ تھوڑی دیر کے لیے تاریخی حالات کو بند کرکے شہرِ بیجانگر کی کیفیت جو اِس زمانے میں تھی بیان کریں۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ سنہ ۱۳۷۰ء میں گلبرگہ کے بادشاہ مجاہد شاہ نے شہرِ بیجانگر کی خوب صورتی کی اِس قدر تعریف سُنی تھی کہ اُسے اِس کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اِس کے بعد یہ شہر دِن بدن بڑھتا اور پھیلتا گیا۔ سنہ ۱۴۲۰ء یا سنہ ۱۴۲۱ء میں شہرِ بیجانگر میں ایک شخص ملک اٹلی کا باشندہ جس کا نام نکولو[1] کانٹی تھا بطور سیاحت آیا تھا ممکن ہی کہ اِس سے پہلے بھی کوئی یوروپین مسافر اِس شہر میں آیا ہو لیکن یہ امر یقینی ہی کہ سب سے پہلی یادداشت اِس شہر کے حالات کی اِسی کی لکھی ہوئی ہی۔ اگرچہ نکولو نے اِس کے متعلق کچھ نہیں لکھا مگر اغلب ہی کہ وہ دیوراے دوم کی سلطنت کے اوائلِ زمانے میں آیا تھا۔ اُس نے یہاں کے حالات بہ زبانِ لاطینی یُورپ اعظم کے لکھے تھے جو سنہ ۱۴۵۳ء میں چھپے۔ ہندوستان پُہنچ کر نکولو سب سے پہلے شہر کیمبے ملکِ گجرات میں گیا وہاں (۲۰) دن رہ کر وہ بیر کو آیا وہاں سے بیجانگر آیا جس کو اُس نے بنرن گا لیا لکھا ہی۔

اِن وقائع میں اِس شہر کا حال یوں لکھا ہی کہ

شہرِ بیجانگر کے حالات حسبِ بیان نکولو کانٹی سیاح سنہ ۱۴۲۱ء

یہ عظیم الشان شہر بیجانگر پہاڑوں میں واقع ہی اُس کا دَور (۶۰) میل

[1] Nicolo conte.

کا ہی اُس کی فصیلیں پہاڑوں سے جاملی ہیں اور جو زمینیں پہاڑوں کے بیچ میں واقع ہیں اُن کو شہر میں ملا لیا ہی۔ اِس شہر میں تخمیناً نوّے ہزار مسلح آدمی ہیں۔" وقائع نگار نے بیجانگر کا جو پہاڑوں میں واقع ہونا لکھا ہی صحیح نہیں ہی البتہ ٹیلے اور پہاڑیاں ہیں جن میں سے بعض بہت بلند بھی ہیں۔ اُونچی اُونچی مضبوط فصیلیں پہاڑوں کی وادیوں پر سے گزرتی تھیں اور چٹیل میدان میں کوسوں تک چلی گئی ہیں۔ پہاڑوں اور دروں میں غریب لوگ رہتے تھے جا بجا اُمرار تُجّار اور معزّزین کے پُختہ مکانات تھے جہاں راجاؤں کی بنائی ہوئی نہریں گزرتی تھیں۔ وہاں عمدہ سرسبز اور شاداب باغات ڈہنمڑی اور نیشکر کے ملتے تھے۔ جا بجا مندر اور دیول اور معابد تھے اور بعض بعض دیولوں کے ساتھ بڑے بڑے برہمنوں کے کالج مدرسے اور تعلیم گاہیں تھیں۔ اِس شہر کے دلچسپ منظر کی نسبت ۱۸۴۵ء میں لفٹنٹ نیو بولڈ مشہور ماہرِ فنِ طبقات الارض نے حسبِ ذیل لکھا ہی۔

شہر بیجانگر کے حالات بیان لفٹنٹ نیو بولڈ ۱۸۴۵ء

"دریائے تُنگ بھدرا کے جنوبی کنارے کا وہ تمام وسیع میدان جس پر بیجانگر کے کھنڈر پھیلے پڑے ہیں اور شمالی کنارے پر آناگُندی (مضافاتِ بیجانگر) آباد ہی۔ یہ کُل حصّہ بڑے بڑے پتھر کے گُنڈوں اور پتھر کے ڈھیروں سے جو گرینیٹ کی قسم کے ہیں بھرا پڑا ہی۔ جا بجا تنگ اور ناہموار درے چوڑی چکلی سپاٹ چٹانیں ہیں اکثر بڑے بڑے نشیبی میدانوں میں دریا سے نکالی ہوئی نہروں سے آبپاشی کی جاتی ہی۔ بیجانگر اور آناگُندی کی پہاڑیوں کی نُکیلی چوٹیاں اور بلند پہاڑیاں اِن دونوں مقامات کے قدیم عمارت کے ٹوٹے پھوٹے حصّوں کے باقی ماندہ بلند دیواروں مناروں اور کھنڈروں کا جمگھٹا آسمان کے اُفق میں بہت ہی بھلا معلوم دیتا ہی اور دُور سے تمیز نہیں کی جاسکتی کہ کون سا حصّہ قدرتی ہی اور کون سا حصّہ حضرتِ انسان کے ہاتھ سے تباہ اور تاراج ہوا ہی" محلّات۔ مندروں۔ فصیلوں۔ دروازوں کے ٹوٹے پھوٹے حصّے صرف شہرِ بیجانگر ہی کے تباہ شدہ

۱؎ دھان کا کھیت ۱۲۔

۲؎ ایک قسم کا بھورا سخت پتھر ۱۲۔

خطّے میں موجود نہیں ہیں بلکہ دریا کے جنوبی کنارے پر شہر آنا گُندی میں بھی جس سے شہر بیجانگر پیدا ہوا ہی پائے جاتے ہیں۔ پہلے زمانے میں بیجانگر اور آنا گُندی دونوں مِل کر ایک ہی شہر تھا اِن کی آبادی بہت بڑی تھی اور اِن کا پھیلاؤ بھی حدّ سے زیادہ تھا۔ شہر بیجانگر کی اخیر جنوبی فصیل سے لے کر قصبۂ ہاؤس پیٹ سے اور آگے آنا گُندی کے آخری شمالی حصّے تک (۱۲) میل کا فاصلہ ہوتا ہی۔ اخیر مغربی فصیل سے مشرق کی طرف درُوجی[1] اور کمپلی کے پہاڑوں تک دس میل کا فاصلہ ہی۔ اب بھی اِس رقبے کے اندر گری پڑی عمارتیں موجود ہیں جس سے صاف ظاہر ہی کہ شہر کی لمبان چوڑان اتنی تھی۔ اب کچّے مکانات تو زمین کے برابر ہوگئے مگر اُن کا مُلبہ گزوں زمین پر چڑھا ہوا ہی لیکن نہریں کچھ ایسی پکّی اور مضبوط بنائی گئی تھیں کہ وہ نہ صرف اب تک درست حالت میں ہیں بلکہ اُن سے آبپاشی کا کام آج تک لیا جا رہا ہی۔ تری کی زراعت اِن ہی سے ہوتی ہی۔ اور جہاں جہاں سے یہ نہریں گزری ہیں علاوہ زراعت کے ہرے بھرے درخت اور شاداب باغات کے قطعات اِن ہی کی بدولت نظر آتے ہیں۔ پہاڑیوں کی چٹانوں پر مکانات اور مندروں کے کھنڈر موجود ہیں بعض بعض جگہ دیواریں بھی قائم ہیں اور بہت سی جگہ چھوٹے چھوٹے مندر بڑے بڑے پتھر کے گنڈوں کے کناروں اور بڑے بڑے کرراڑوں کی چوٹیوں پر ایسے قلب مقامات پر بنائے گئے ہیں کہ سوائے پرندوں اور بندروں کے وہاں کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ بیچ کے احاطے میں بڑی بڑی عمارات کے کچھ حصّے اب بھی باقی ہیں جن کے دیکھنے سے اندازہ کیا جا سکتا ہی کہ کسی زمانے میں یہ کیسی عالی شان عمارتیں ہوں گی۔ یہ سب عمارتیں راجہ کے محلّات کے اطراف میں واقع ہیں لیکن ۱۵۶۵ء میں مسلمانوں نے شہر کو نیست و نابود کر دیا اور صرف اُن ہی عمارتوں کے آج کچھ آثار دکھلائی دیتے ہیں

---

[1] یہ مقام بھی اب سدرن مرہٹہ ریلوے کا اسٹیشن ہی اصل میں "دروازہ" کے نام سے موسوم تھا جو دیہاتیوں کی زبان پر دَرَوَجا اور دَرُوجی ہو کر کثرت استعمال سے دروجی ہو گیا۔ یہ مقام بیجانگر سے (۱۰) میل کے فاصلے پر ہی اور بزمانۂ آبادیِ شہر بیجانگر اُس کا ایک دروازہ تھا۔ کمپلی بھی ایک قصبہ مضافاتِ بیجانگر میں رود ٹنگ بھدرا کے کنارے واقع ہی ۱۲۔

جو بہت ہی بڑی اور مستحکم تھیں۔ راجہ کے محل کی ایک وسیع جگہ اب بھی موجود ہے جہاں صرف چبوترہ ہی چبوترہ رہ گیا ہے اور جا بجا ٹوٹے پھوٹے ڈھگار اور کچلے ہوئے پتھر اینٹوں اور چونے کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ ادھر اُدھر تراشے ہوئے عدہ عدہ پتھر بکھرے پڑے ہیں خلاصہ یہ کہ ایک پتھر بھی اپنی جگہ پر قائم نہیں ہے اور نہ دو پتھر جڑے ہوئے ملیں گے۔ غرض مسلمانوں نے افسوس ہے کہ ان عمارات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ چوں کہ لارڈ کرزن ویسرائے ہند ملاحظے کو تشریف لائے تھے اس لیئے چونے اور پتھروں کے انبار کو ہٹا کر سڑکیں بنا دی گئی ہیں۔ اب بھی دیکھنے کے لائق بہت سے عالی شان مندر ہیں (خدا جانے وہ کیسے بچ رہے) جس میں وٹھل سوامی اور ہمپی اور ہزار راما سوامی کے مندر قابل دید ہیں۔ اس میں صرف ہمپی کا دیول آباد ہے۔ گورنمنٹ نے ان دیولوں کی جا بجا مرمت کرا دی ہے۔ گرتی ہوئی عمارتوں کو پتھر کے ستون لگا کر تھام لیا ہے اور جا بجا ضروری مرمتیں بھی کی ہیں۔ چند عمارتوں کو خاص طور سے محفوظ کیا ہے مثلاً ہاتھیوں کا اصطبل کہ جس میں کئی ہاتھی بلا تکلف رہ سکتے ہیں یہ بہت بڑی عالی شان عمارت ہے ایک کونسل ہال ہے جو بہت خوشنما دو منزلہ عمارت ہے ایک مکان "زنانہ" کہلاتا ہے یہ ایک بڑا بھاری ہال ہے۔ ان عمارتوں کی تو خاطر خواہ مرمت کی گئی ہے اور اچھی حالت میں ہیں۔ علاوہ اس کے ایک بہت بلند دیدبان شکستہ حالت میں ہے لیکن اب بھی اس پر چڑھ کر دُور دُور کی سیر کر سکتے ہیں یہ مینار نما ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی محل کے چاروں کونوں پر ایسے ہی مینار تھے اب ایک رہ گیا ہے۔ باقی کا پتہ نہیں۔ ایک بڑے عظیم الشان محل کی بہت بلند پختہ چار دیواری باقی ہے مگر اندر مکان ندارد۔ کاملا پور کے پاس ایک حمام قابل دید ہے وہ بھی درست حالت میں ہے۔ بیچ میں ایک وسیع حوض ہے۔ مگر اُس کے فوارے وغیرہ ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ چاروں طرف گیلری بنی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ گیلری میں بیٹھ کر رانیوں کے نہانے دھونے کی سیر تماشے دیکھا کرتا تھا۔ چھوٹے موٹے دیولوں اور مورتوں کی تو کچھ گنتی ہی نہیں۔ مسیز فریڈرک سیاح نے لکھا ہے کہ "میں نے بہت سے بادشاہوں کے دربار دیکھے لیکن راجہ بیجانگر کے محل کے برابر میں نے کہیں نہیں دیکھا جس کے (۹) دروازے تھے"۔ اب بیجانگر جانے کے لیئے سدرن مرہٹہ ریلوے

کا اسٹیشن ہاؤس پیٹ ہے جہاں سے بیجانگر میں (۸) میل کا فاصلہ ہے۔ کاملاپور میں ایک نہایت عمدہ مسافر بنگلہ ہے (یہ بھی ایک دیول کو توڑ پھوڑ کر بنا لیا ہے) یہاں سے سب مقامات بہ آسانی دیکھے جا سکتے ہیں کیوں کہ یہیں سے سلسلہ عمارات کا شروع ہوتا ہے۔ اب پھر نیونز کا بیان شروع کیا جاتا ہے۔

سلطنتِ بیجانگر کے مختصر حالات۔ راجہ کی رانیاں۔ ہنود کے تہوار۔ اگادی۔ دوالی۔ مہانومی۔ ہولی وغیرہ حسبِ بیانِ نیونز و عبدالرزاق

اِس مُلک کے لوگ اپنی مرضی کے موافق جتنی بیویاں چاہیں کر سکتے ہیں جو اُن کے شوہر کی وفات کے بعد اُسی کے ساتھ ستی ہو جاتی ہیں۔ اِس مُلک کا راجہ ہندوستان کے تمام بادشاہوں سے زیادہ طاقتور ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں تو راجہ کی رانیاں ہیں جن میں چار ہزار تو اُس کے ساتھ جہاں کہیں وہ جاے جاتی ہیں اور کھانے پکنے کا اہتمام بھی اِن ہی کے سپرد ہے۔ یہ لباس و زیورات سے آراستہ و پیراستہ ہو کر گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلتی ہیں باقی ماندہ پالکی نالکی وغیرہ سواریوں میں بیٹھتی ہیں جن میں سے دو تین ہزار راجہ کی خاص بیویاں کہلاتی ہیں۔ راجہ کی بیوی وہی ہو سکتی ہے جو بخوشی راجہ کے بعد ستی ہونے کا اقرار کرے اور ظاہر ہے کہ اُس زمانے کی عورتوں کے لیے راجہ کی بیوی ہونے سے بڑھ کر کیا عزت ہو سکتی تھی۔ سال کے ایک خاص وقتِ مقرر میں ہنود کا دیو رتھوں کے بیچ میں بٹھلا کر نکالا جاتا ہے۔ رتھوں میں جوان جوان حسین عورتیں زیوروں سے لدی ہوئی جگمگاتے لباس میں بیٹھ کر دیو کے تقدس میں بھجن گاتی ہیں۔ رتھوں کے ساتھ خلقت کا بڑا ہجوم رہتا ہے۔ بہت سے لوگ جوشِ عقیدت میں رتھ کے آگے پڑ جاتے ہیں تاکہ وہ رتھوں کے بھاری پہیوں کے نیچے کچل جائیں اور اِس طرح کی موت کو وہ نجاتِ ابدی کا باعث سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی پسلی میں سوراخ کر کے اُس میں ایک رسّی پرو لیتے ہیں اور رتھوں میں لٹک کر نیم مردہ دم توڑتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ مذہبی عقائد کے لحاظ سے اِس قسم کی موت کو اپنی بخشائش کا ذریعہ خیال کرتے

ہیں - ہر برس میں تین دفعہ بڑے بڑے میلے ہوتے ہیں - ایک میلے میں عورت اور مرد دریا میں اشنان کرکے نئے کپڑے پہنتے ہیں اور برابر تین دن تک ناچ گانے اور عمدہ عمدہ کھانوں میں گزارتے ہیں - ایک دوسرے موقع پر یہ لوگ مندروں میں روشنی کرتے ہیں اور بے شمار چراغ روشن کرتے ہیں جو دن رات جلتے رہتے ہیں - تیسرا میلا نو دن رہتا ہی اس میں یہ لوگ بڑے بڑے رستوں پر بڑے بڑے لکڑی کے گھم جہاز کے ستونوں کی طرح کے کھڑے کرتے ہیں جس کے سرے پر بیش قیمتی زرّیں کپڑے باندھتے ہیں - اِس گھم کے سرے پر روز ایک مقدس آدمی کو بٹھلاتے ہیں جو خدا کے حضور میں دعا کرتا رہتا ہی اِس شخص پر سب لوگ مل کر نارنگیاں لیموں اور دوسرے پھل پھینکتے ہیں جس کی چوٹ کو وہ شخص خوشی سے سہ لیتا ہی - اِس کے علاوہ تین دن کا ایک اور تہوار ہوتا ہی جس میں ہر رستہ چلنے والے پر خواہ وہ راجہ ہو یا رانی ہی کیوں نہ ہو زعفران کا رنگ ڈالتے ہیں جو بہت سا بنا کر پہلے سے طیار کرکے جا بجا رستوں پر رکھتے ہیں - جس شخص پر یہ رنگ ڈالا جاتا ہی وہ بہت ہی خوش ہوتا ہی[1]" - کونٹی نے لکھا ہی کہ بیجانگر کے شمال میں پندرہ دن کے رستے پر پہاڑوں میں (جس کا نام اُس نے البینی گارا س[2] لکھا ہی جواہرات ملتے ہیں - اِس نے بھی الف لیلہ کے سندباد جہازران کا قصّہ دُہرایا ہی کہ جواہرات پہاڑوں کے ایسے مشکل مقامات میں ہیں کہ جہاں انسان کا پہنچنا بہت دشوار ہی - وہاں گوشت کے ٹکڑے پھینک دیتے ہیں جن میں جواہرات چمٹ جاتے ہیں پھر گدھیں گوشت پہاڑوں کی بلندی پر اُڑا لاتی ہیں تب گدھوں کو ہکا دیا جاتا ہی اور جواہرات چُن لیتے ہیں - نیونز نے بیجانگر سے اِس مقام کو شمال میں بتلایا ہی اگر مشرق میں کہتا تو دریاے کرشنا کے اُن معدنوں سے مراد لی جاسکتی تھی جن کو دوسرے سیاحوں نے معدن گولکنڈہ بتلایا ہی ۱۲۹۲ء میں مارکوپولو نے بھی یہی روایت اِن ہی معدنوں کی لکھی ہی - جو نیونز نے

---

[1] پہلا تہوار "اگادی" کنڑی سال کا پہلا دن ہی - دوسرا "دیوالی" تیسرا "مہانومی" اور سہ روزہ تہوار ہولی ہی ۱۲ -

[2] Albeni garas

بیان کی۔ کونٹی نے لکھا ہی کہ ان لوگوں میں سال کی تقسیم بارہ مہینوں پر ہی جن کے نام منطقۃ البروج پر ہیں۔ سالوں کا حساب مختلف طریقوں پر ہوتا ہی اس کے بعد مختلف سکہ جات رائج الوقت کا بیان کیا ہی۔ توپوں میں اکثر گول گول پتھر بجاے گولوں کے ڈالے جاتے تھے اور گولہ مارنے کے لیے غُلیل کی قسم کا ایک آلہ مروّج تھا جس میں رسّی کو خوب بل دینے سے گولہ دُور تک جاتا تھا۔ اُس زمانے میں درختوں کے پتّوں پر لکھا جاتا تھا البتہ کبھی میں کاغذ کا استعمال ہوتا تھا۔ اِن لوگوں کے پاس متعدّد غلام رہا کرتے تھے دائن مدیون کو ہمیشہ اپنی ملک سمجھ کر غلام بنا لیتا تھا۔ اِس ملک میں ہندوؤں کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اِن کا لشکر دس لاکھ سے اوپر تھا۔ عبدالرزاق بھی بیجانگر میں دیورائے دوم ہی کے زمانے میں آیا تھا لیکن کونٹی سے بیس برس بعد۔ شاہِ فارس نے اُس کو اپنا ایلچی بنا کر ۱۳ جنوری ۱۴۴۲ء میں روانہ کیا اوائل نومبر میں وہ کالیکوٹ پُونہچا جہاں وہ شروع اپریل ۱۴۴۳ء تک رہا اِس کے بعد اُس کو راجۂ بیجانگر نے طلب فرمایا جہاں وہ آخر اپریل سے آخر دسمبر تک رہا۔ راجۂ بیجانگر نے عبدالرزاق کو کالیکوٹ کے زمورن (راجہ کالیکٹ اب تک اِسی خطاب سے پُکارا جاتا ہی) کے پاس ایک خریطہ بذریعۂ عبدالرزاق کے روانہ کیا اور اُس کو لکھا کہ میں خاقان شاہِ فارس کے ایلچی کے ذریعے سے بھیجتا ہوں اگرچہ فرماں روائے کالیکوٹ بیجانگر کے ماتحت نہ تھا لیکن راجۂ بیجانگر اُس کا بہت احترام کرتا تھا اور ہمیشہ اُس سے خوف زدہ رہتا تھا کیونکہ اُس کی سلطنت بھی بہت وسیع تھی۔ کالی کوٹ جیسے تین سو بندر اُس کی زیرِ حکومت تھے اور اُس کا علاقہ اِس قدر وسیع تھا کہ تین مہینے کی مسافت اُس کے طے کرنے کو درکار تھی۔ بہ تعمیلِ حکمِ راجۂ بیجانگر عبدالرزاق براہِ سمندر کالی کوٹ روانہ ہوا اور منگلور کی طرف گیا جو سلطنتِ بیجانگر کا سرحدّی مقام تھا تین چار دن وہاں ٹھیر کر آگے بڑھا اور منزل بہ منزل کوچ مقام کرتا ہوا ایک ایسے مقام پر پُونہچا کہ جہاں ایک عجیب وغریب مندر تمام پیتل کا بنا ہوا تھا اِس کے بعد وہ لکھتا ہی کہ مجھے ایک ایسا بلند پہاڑ ملا کہ جس کی چوٹیاں آسمان کو لگ گئی تھیں اِس پہاڑ سے گزر کر وہ شہرِ بدنور میں پُونہچا جس کے

مکانات کو اُس نے لکھا ہی کہ محلّات تھے اور یہاں کی ایک مندر کے عمدہ پتھروں میں نقش و نگار کی تعریف کی ہی۔ آخر ذی حجہ ۸۴۶ھ مطابق آخر اپریل ۱۴۴۳ء کو وہ لکھتا ہی کہ بیجانگر پونہچا راجہ نے اُس کی پیشوائی کے لیئے ایک بڑا جلوس روانہ کیا اور اُس کے رہنے کے لیئے ایک پُرتکلّف مکان مقرر کیا۔ راجہ کی سلطنت سرحدّ سراندیپ سے گلبرگہ تک تھی یعنی راس کماری سے رودِ کرشنا تک۔ ہزاروں ہاتھی بلند قامت مثل پہاڑ کے دیووں کی سی ہیبت ناک شکل کے دکھلائی دیتے تھے گیارہ لاکھ فوج تھی۔ تمام ملکِ ہندوستان میں اِس سے بڑھ کر کوئی سلطنت نہ تھی یہاں کا حکم راں "رایا" کہلاتا تھا۔ شہر بیجانگر ایسا ہی کہ لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ اور۔ اگر فردوس بر روے زمین است ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است روے زمین پر کوئی شہر اس کے برابر نہ ہوگا اِس کی بُنیاد ایسی ہی کہ سات گڑھیاں اور سات فصیلیں ایک کے اندر ایک ہیں پہلی گڑھی کے اطراف قدِ آدم بڑے بڑے لمبے پتھر آدھے زمین کے اندر اور آدھے اوپر نکلے ہوے برابر برابر گڑے ہوے ہیں یہ اِس طرح لگاے گئے ہیں کہ سوار تو سوار پیدل بھی آسانی سے نہیں جاسکتا۔ اب یہ سات فصیلیں اور دروازے موجود نہیں ہیں ایک فصیل البتہ ہی معلوم ہوتا ہی کہ عبدالرزاق جنوب و مغرب کے رُخ سے بیجانگر آیا تھا اور پہلی فصیل اُس کو وہ ملی ہوگی جو ہوس پیٹ کے قریب دو پہاڑوں کے درمیان بنی ہوئی ہی۔ پیز نامی سیّاح نے بھی اِن فصیلوں کا ذکر لکھا ہی۔ عبدالرزاق ہوس پیٹ کے دروازے پر پونہچ کر ڈھلواں میدان میں پونہچا ہوگا جہاں کھیت۔ مکانات اور باغ ہیں یہاں دوسری فصیل شروع ہوتی ہی چوں کہ اُس زمانے میں ہوس پیٹ زیادہ آباد نہ تھا پہلی فصیل اُس کو قصبے کی شمال میں نظر پڑی ہوگی جس کو وہ تیسری فصیل سمجھا اِس کے آگے بڑھ کر آبادی زیادہ گنجان ملی ہوگی اور سڑک کے دو طرفہ جو بیجانگر کو جاتی تھی دکانیں ہوں گی۔ چوتھی فصیل وہ ہی جو متصل موضع ہُنڈینا[۵۲] گڑی کے واقع ہی اور

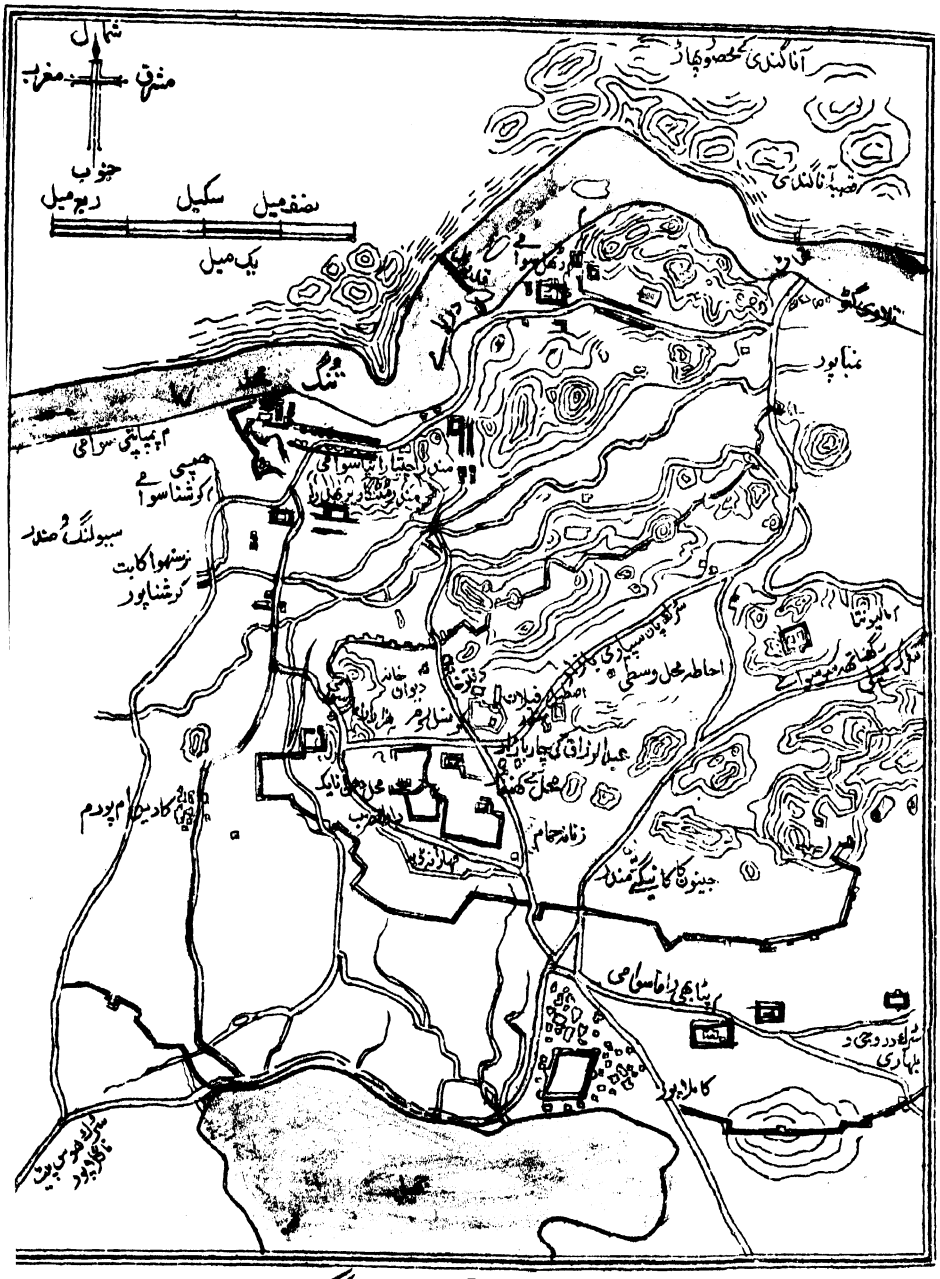
---

[۵۱] یہ آنکھ نے دیکھا اور یہ کان نے سُنا ۱۲۔

[۵۲] ہُنڈینا کسی دیوتا کا نام ہی گڑی چھوٹے مندر کو کہتے ہیں۔ یہ موضع دیوتا کے مندر کے نام سے مشہور ہی ۱۲۔

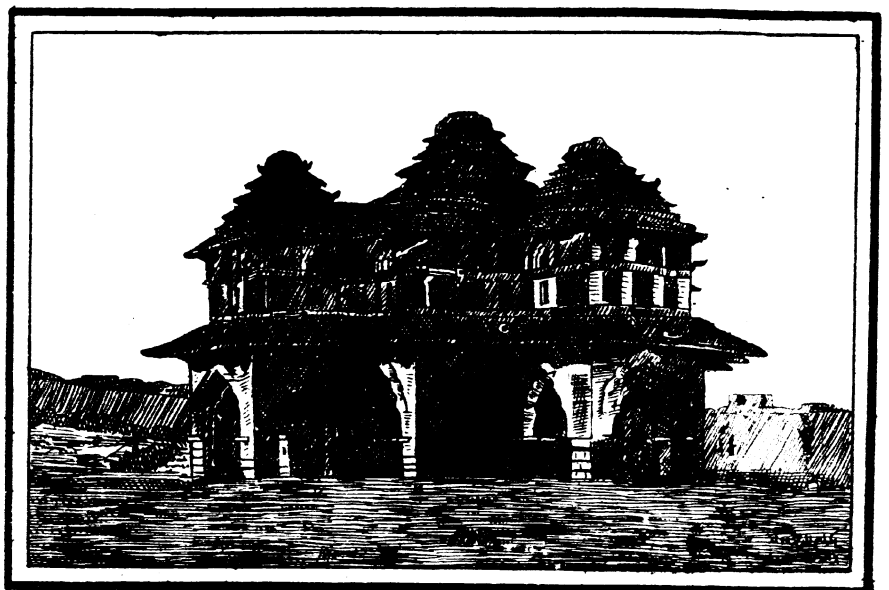
جہاں ایک مضبوط دروازہ اور کچھ پرانی ٹوٹی ہوئی عمارتیں اور ایک خوب صورت سنگ بست باؤلی اب تک موجود ہی جو غالباً اس موضع کے کسی حاکم وقت نے بنوائی ہوں گی پانچویں فصیل موضع مُلپنا گڑھی کے شمال میں ہی جس میں اب تک ایک بڑا دروازہ موجود ہے لیکن یہ فصیل اب جا بجا سے ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہو گئی ہی۔ چھٹی فصیل موضع کاملاپور کے تالاب کے جنوب میں ہی ساتویں یا سب سے اخیر بڑی فصیل اب تک اچھی حالت میں اس موضع کے شمال میں موجود ہی۔ اسی فصیل کے اندر محلات اور بادشاہی عمارتیں واقع ہیں۔ اس فصیل کا فاصلہ شمال سے جنوب تک ایک میل اور مشرق سے مغرب تک ½ ۲ میل ہی۔ عبدالرزاق نے لکھا ہی کہ فصیل میں بڑے بڑے پتھر گڑے ہوے تھے یہ بات ڈومنگو پیز نے بھی ۱۵۲۰ء میں لکھی ہی لیکن اب یہ پتھر موجود نہیں ہیں۔ بیرونی کوٹ کو عبدالرزاق نے گڑھی لکھا ہی جو مدوّر شکل کی چونے اور پتھروں سے ایک بلند پہاڑ کی بلندی پر بنائی گئی تھی اس کے دروازے بہت مستحکم تھے جہاں ہر وقت پہرا رہتا تھا اور جو چیز اندر لائی جاتی تھی وہ احتیاط سے دیکھ بھال لیتے تھے یہ ذکر غالباً اُس بیرونی حصار کا ہی جو قلعے کے باہر ہی وہاں جو پہرا مقرر ہو گا۔ وہ چُنگی کے لیئے ہو گا کیوں کہ شہر کے دروازوں پر اس قسم کے محصولات زمانۂ سابق میں وصول کیئے جاتے تھے۔ ساتویں گڑھی جس کا ذکر عبدالرزاق نے کیا ہی شمال کی جانب واقع ہی اور اسی میں راجہ کا محل ہی۔ اس گڑھی کے آمنے سامنے کے دروازوں کے بیچ میں شمالاً اور جنوباً دو فرسنگ[1] کا فاصلہ ہی اور یہی فصیل مشرق سے مغرب تک چلی گئی ہی۔ پہلی گڑھی اور دوسری گڑھی تک اور دوسری سے تیسری گڑھی تک درمیان میں کھیت باغات اور مکانات واقع ہیں تیسری گڑھی سے ساتویں تک بے شمار آبادی ہی بہت سی دُکانیں اور بازار ہیں۔ راجہ کے محل کے پاس چار بازار ہیں۔ جو مثل

[1] دو فرسنگ قریب (۷) میل کے ہوتا ہی لیکن اگر پہلی فصیل سے جو جنوب میں ہی شمال کی طرف دریا تک ماپا جائے تو یہ فاصلہ (۹) میل ہوتا ہی۔ عبدالرزاق نے غالباً آنا گُنڈی کے حصار کو شامل نہیں کیا جس کی شمالی دیوار اگر دو میل اسی سمت میں آگے بڑھی ہوئی ہی ۱۲۔


شمال
مشرق
مغرب
جنوب
سکیل
نصف میل
ربع میل
یک میل
آنا گندی کا حصہ و پہاڑ
قصبہ آنا گندی
منا پور
تنگ
ہمپی سوامی
ہمپی کا شنا سوامی
سیولنگ دیوتا
نرسنہوا کا بت
کرشنا پور
مندر وٹھل سوامی
مندر وٹھل سوامی
مندر وٹھل سوامی

چوراہے کے چاروں طرف واقع ہیں۔ بجانب شمال راجہ کے محل کی ستون دار دیوڑھی واقع ہے۔ ہر بازار میں بلند محراب دار مکان مع برآمدے کے ہیں لیکن راجہ کا دربار ہال سب مکانوں سے بلند ہے۔ بازار بے انتہا لمبے اور چوڑے ہیں۔ عبدالرزاق نے بازاروں کا حال مجمل بیان کیا ہے لیکن ایک بازار جس کا نام پان سپیاری بازار تھا بہت لمبا تھا جو محل کے دروازے سے دروازۂ آناگندی تک دریا کے کنارے تک برابر چلا گیا تھا۔ ایک دوسری سڑک مثل چوراہے کے کاملاپور دروازے سے ہمپی کے دیول تک جاتی تھی اور ان سڑکوں کے دو رویہ دکانیں تھیں۔ ان سڑکوں کے تقاطع سے چار بازار الگ الگ ہو گئے تھے۔ مکانات اور برآمدے اگرچہ اب موجود نہیں ہیں مگر دیول ہمپی سے جو بجانب مشرق سڑک جاتی ہے وہاں اب بھی بالاخانے اور ان کے نیچے دکانیں موجود ہیں۔ اس سڑک پر جو عمارات اس وقت موجود ہیں ان کا سلسلہ بھی نصف میل لمبا ہے اور موجودہ عمارت سے ان بازاروں کی طرز عمارات کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے بازاروں میں ہر جگہ گلاب کے پھول کثرت سے فروخت ہوتے تھے کیونکہ ان لوگوں کو پوجا پاٹ کے واسطے پھولوں کی کثرت سے ضرورت ہوتی تھی اور پھول ان کے لیے شرط زندگی تھے۔ بازار میں ہر قسم کے بیوپاریوں کی دکانیں سلسلہ وار ایک دوسرے کے برابر برابر تھیں جوہری جواہرات سر بازار فروخت کیا کرتے تھے۔ اس شہر میں عموماً اور محلات میں خصوصاً بہت سی پختہ نہریں واقع تھیں جو ٹوٹی پھوٹی اب بھی زنانے حمام کے پاس موجود ہیں چنانچہ بڑی بڑی پتھر کی نالیاں اب بھی ہیں جن میں پانی بہتا تھا جن کے دونوں سروں پر خوب صورت حوض بنے ہوئے ہیں حوضوں میں پانی اکٹھا ہو کر گھر دار کی ضرورتوں کے کام آتا تھا۔ اس خوش منظر مقام کے علاوہ راجہ کے محل میں بھی بہت سی نہروں کے رواں ہونے کی علامتیں اب تک موجود ہیں اسی طرح جا بجا پتھر کی تراشی ہوئی چکنی سطحی نالیاں دکھلائی دیتی ہیں۔ راجہ کے ایوان کے بائیں طرف ایک بہت بڑا وسیع اور عالی شان دیوان خانہ ہے جو فی نفسہ ایک عظیم الشان محل ہے۔ اس دیوان خانے کے سامنے ایک ہال ہے جس کی بلندی قد آدم سے زیادہ طول تیس گز اور عرض دس گز ہے اس میں دفتر رکھا جاتا تھا اور اہل عملہ بیٹھتے تھے۔ یہ دیوان خانہ اب بھی موجود ہے جو چالیس کھمبہ ہال ہے اب اسے زنان خانہ کہتے ہیں۔ اس کی بلند دیوار جس کی

چاروں طرف بڑے بڑے بلند بُرج بنے ہوئے ہیں اب تک موجود ہی۔ اِس کے سامنے ایک بڑا ہال ہی جسے اب کنسرٹ ہال کہتے ہیں۔ یہ بڑا ہال غالبًا دفتر خانہ تھا جس میں وزرا اجلاس کرتے تھے اور عمّال بھی بیٹھتے تھے۔ عبدالرزاق نے جو عرض وطول لکھا ہی وہ صحیح نہیں ہی بلکہ طول (۲۰) گز اور عرض (۷) گز ہی بلندی بھی قدِ آدم سے زیادہ ہی پس صحیح طور پر نہیں معلوم ہوتا کہ عبدالرزاق نے کس عمارت کا ذکر کیا ہی۔ اِس محل کے وسط میں ایک بلند چبوترے پر ایک مخنّث جس کا نام دُھن نایک دیوان ہی بیٹھتا تھا۔ پائیں میں چوبدار صف بستہ کھڑے رہتے تھے۔ یہی لوگوں کے عرائض سُنتا اور فصلِ خصومات کرتا تھا اِس کے فیصلے قطعی ہوتے تھے جس کی اپیل نہ تھی۔ دربار برخاست کرنے کے بعد دُھن نایک سات دروازے گزر کر راجہ کے محل میں داخل ہوتا تھا اور سب سے آخر دروازے پر پہنچ کر راجہ کے حضور میں تنہا حاضر ہو کر روزانہ کیفیت عرض کیا کرتا تھا۔ راجہ کے محل کے عقب میں دھن نایک کے مکانات اور محل ہیں اور اُس کی بائیں جانب دار الضرب ہی۔ اِس مملکت کی بہت بڑی مردُم شماری ہی جس کی تعداد لکھنے کو تفصیل درکار ہی۔ محلِ شاہی میں بہت سے تہ خانے خزانوں سے بھرے ہوئے تھے۔ دیوان خانے کے محاذی اصطبلِ فیلاں ہی۔ ہر ہاتھی کے لیے ایک اصطبل بنا ہوا ہی جس کی دیواریں بہت مستحکم ہیں اور چھت بہت بلند اور مضبوط لداؤ کی ہی۔ دار الضرب کے مقابل میں وزیر کا محل تھا جس کی حفاظت کے لیے بارہ ہزار سپاہی ہر وقت تعینات رہتے تھے۔ دار الضرب کے عقب میں تین سو گز لمبا اور بیس گز چوڑا ایک بازار تھا (حقیقت میں دو سو گز طول اور پندرہ گز عرض ہی) جس کے دونوں جانب مکانات اور برآمدے تھے جن کے سامنے بلند کرسی کے سنگ بست چبوترے تھے جن پر لوگ عمدہ عمدہ لباس پہن کر بیٹھا کرتے تھے۔ اِس بازار کے دونوں سروں پر شیر اور دوسرے جانوروں کے بُت تھے۔ بُت تو اب موجود نہیں نہ وہ مکانات ہیں لیکن قیاس چاہتا ہی کہ کاملا پور سے جو ہیمی کو سڑک جاتی ہی اُس کے دو طرفہ یہ بازار تھا۔ عبدالرزاق یکم محرم مطابق یکم مئی ۱۴۴۳ء سے بیجانگر میں ایک بلند اور عالی شان مکان میں رہتا تھا۔ بعد بیجانگر پہنچنے کے ایک دن راجہ کا چوبدار اُس کی طلبی میں آیا اور یہ حضوری



کونسل ہال - بیجانگر

میں حاضر ہوا۔ راجہ ایک بڑے ہال میں برآمد تھا۔ دربار کا مکان سب قسم کی آرائشوں سے سجا ہوا تھا۔ اُس کے اطراف میں بہت سے درباری لوگ حلقے کیے کھڑے ہوئے تھے۔ راجہ سبز اطلس کا جُبّہ پہنے ہوئے تھا گلے میں ایک بیش قیمت موتیوں کا کنٹھا اور دوسرے جواہرات تھے۔ راجہ کا رنگ گندمی بدن دُبلا۔ قد لمبا۔ رخساروں پر خط نمودار تھا لیکن ڈاڑھی ابھی نہیں نکلی تھی۔ اُس کا چہرہ نہایت خوش نما تھا۔ عام افواہ ہی کہ رانیاں اور راجہ کی بیبیوں کی تعداد سات سَو تھی۔ عبدالرزاق نے مہانومی کے تہوار کا حال بہت پھڑکتا ہوا لکھا ہی وہ اُن دنوں میں دارالسلطنت میں موجود تھا۔ راجہ بیجانگر نے اپنی ریاست کے تمام اُمرار و رؤسا کے نام دعوت کے شُقّے بھیجے سب لوگ دارالسلطنت میں حاضر ہوگئے۔ اُمرار کے ہاتھیوں کی تعداد ایک ہزار ہوگی ہر امیر اپنے اپنے ہاتھیوں کو عمدہ انباری اور ہودجوں اور جگمگاتے زیورات اور ہتیاروں سے سجا کر لایا تھا۔ میدان جہاں میلا تھا بہت عمدگی سے آراستہ کیا گیا تھا اور تین دن تک برابر بڑی چہل پہل رہی اِس میدان میں یہ بڑے بڑے ہاتھی ایسے معلوم دیتے تھے کہ گویا سمندر کی بڑی بڑی اور کالی کالی موجیں لہرا رہی ہیں اور آدمیوں کی ایسی بھیڑ تھی کہ سوائے میدانِ حشر کے ہونا ناممکن ہی۔ اِس وسیع میدان میں سیکڑوں منڈوے اور منڈپ سہ منزلہ چہار منزلہ اور پانچ منزلہ تک ڈالے گئے تھے۔ اِن منڈوؤں کو اوپر سے نیچے تک مجسّم بتوں سے

لہ انڈیا آفس میں جو کاپی ہی اُس میں اتنا اور لکھا ہوا ہی کہ راجہ بہت کم عمر تھا۔ لیکن اگر یہ صحیح سمجھا جاے تو ایلچی جس راجہ کے دربار میں حاضر ہوا تھا وہ دیوراے دوم تو ہو نہیں سکتا کیوں کہ ۱۴۲۳ء میں اُس کو تخت نشین ہوکر چوبیس ۲۴ برس ہو چکے تھے ۱۲۔

لہ عبدالرزاق نے لکھا ہی کہ یہ تہوار رجب میں ہوا جو من ابتدائے ۲۵ اکتوبر تا ۲۳ نومبر ۱۴۲۲ء ہوتا ہی۔ ہندوؤں کا تہوار مہانومی آسون بدیکم کو شروع ہوتا ہی لیکن ماہِ رجب ۸۲۵ھ غرّہ کا رتک کے مطابق پڑتا ہی پس عبدالرزاق نے جو تہوار دیکھا ہوگا وہ سالِ نو کا ہوگا ورنہ رجب کا مہینا غلط لکھا ہی۔ ہمارے خیال میں اغلب ہی کہ یہ تہوار سالِ نو کا تھا اِس لیے کہ اُس نے تین دن کا میلہ لکھا ہی اور مہانومی جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہی نو دن رہتا ہی۔ اِس میں بھی ایک خرابی ہی کہ مہانومی شروع چاند میں ہوتا ہی اور عبدالرزاق نے اِس تہوار کا بہ حالت بدر ہونا لکھا ہی ممکن ہی کہ یہ کتابت کی غلطی ہو ۱۲۔

آراستہ کیا گیا تھا بعض منڈوے اِس میں اِس ترکیب سے بنائے گئے تھے کہ اُن کا رُخ بدلتا رہتا تھا۔ ہر وقت ایک نیا کمرہ یا برآمدہ چکر کھا کر سامنے آجاتا تھا۔ اِس میدان کے سامنے ایک نیا محل نو عظیم الشان اور آراستہ منڈوؤں کا بنایا گیا تھا۔ نویں منڈوے میں راجہ کا تخت تھا اور ساتویں منڈوے میں خود عبدالرزاق تھا باقی مقامات پر گانے ناچنے اور تماشے والے تھے۔ راجہ کے منڈوے کے مقابل ایک خوب صورت پردے کے پیچھے طوائف معرق لباس پہنے ناچ رہی تھیں۔ گاروڑی اور دوسرے بے شمار تماشے اور کرتب والے اپنا اپنا کمال دِکھلا رہے تھے۔ اِن لوگوں نے ہاتھیوں کو خوب سدھایا تھا جو طرح طرح کے تماشے کرتے تھے۔ طلوعِ آفتاب سے غروب تک تین دن اِسی طرح بڑی شان و شوکت کے تماشے رہے۔ آتش بازی۔ کھیل۔ تماشے ہر قسم کا سامانِ دل چسپی موجود تھا۔ تیسرے دن عبدالرزاق راجہ کے حضور میں باریاب ہوا۔ راجہ ایک بہت بڑے تخت پر برآمد تھا جو سونے کا تھا اور اُس پر بیش بہا جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ تخت کے سامنے ایک مربع گدی رکھی ہوئی تھی جس کے اطراف میں تین قطاریں موتیوں کی ٹکی ہوئی تھیں۔ تین روز تک راجہ اسی گدی پر بیٹھتا تھا۔ جب تہوار ختم ہو گیا مغرب کی نماز کے وقت عبدالرزاق باریاب ہوا۔ یہ چبوترے دس دس گز مربع بنے ہوئے تھے اِن کے سامنے راجہ کا تخت جو خود بھی بہت بڑا تھا بچھا ہوا تھا۔ اِن حالات سے ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ پندرھویں صدی کے نصفِ اوّل میں دارالسلطنتِ ہنود کی شان و شوکت کیسی تھی۔ اِس کے بعد ہم پھر اپنا سلسلۂ سخن شروع کرتے ہیں۔

باب آٹھواں

خاندانِ اوّل کا خاتمہ من ابتدائے ۱۴۴۹ء تا سنہ ۱۴۹۰ء

ملکارجن اور ویر پاکشا کا زمانہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ دیو رائے ثانی کی سلطنت کے بعد کا زمانہ ایسا گڈمڈ ہے کہ قابلِ اطمینان طور پر کسی واقعے کا ٹھیک ٹھیک تعین کرنا سخت مشکل ہے۔ تاریخ بیجانگر میں یہ زمانہ بالکل خلط ملط ہے جیسا کہ نیونز نے اپنے وقائع میں بالتفصیل لکھا ہے۔ آخر کتبہ جس میں دیو رائے کا نام پایا جاتا ہے سنہ ۱۴۴۹ء کا ہے ڈاکٹر ہلش اس زمانے کو دیو رائے دوم کا بتلاتے ہیں ممکن ہے کہ سنہ ۱۴۴۴ء سے سنہ ۱۴۴۹ء تک کوئی راجہ دیو رائے سوم ہو گزرا ہو۔ لیکن ہمارا خیال محتاجِ تصدیق ہے۔ کتبوں سے پایا جاتا ہے کہ دیو رائے ثانی کے دو بیٹے ملکارجن اور ویر پاکشا اوّل تھے ملکارجن کے نام کے کتبے سنہ ۱۴۵۲ء و ۱۴۵۳ء اور سنہ ۱۴۶۴ء و ۱۴۶۵ء کے اور ویر پاکشا کا سنہ ۱۴۶۵ء[1] کا موجود ہیں۔

راجہ سیکھر اور ویر پاکشا دوم کا زمانہ ملکارجن کے دو بیٹے تھے ایک راجہ سیکھر جس کے کتبے سنہ ۱۴۷۹ء و ۱۴۷۹ء اور سنہ ۱۴۸۶ء و ۱۴۸۶ء کے ہیں۔ دوسرا ویر پاکشا ثانی تھا جس کا ذکر سنہ ۱۴۸۳ء و ۱۴۸۳ء کے کتبوں میں ہے جو راجہ سیکھر کے زمانے کے

---

[1] آخری سنہ کا کتبہ کنجیورم کے ایک چھوٹے سے دیول پر ہے جس میں سکّے ۱۳۸۷ سال پار تھیو ادرج ہے ۱۲

[2] سکّے ۱۳۹۲ سال وکرتی کنجیورم کے اُسی چھوٹے دیول پر کندہ ہے جس کا ذکر اوپر کے نوٹ میں ہے ۱۲۔

آخری کتبے سے تین سال پیشتر کے ہیں۔ ڈاکٹر ہُلش نے تیسری جلد اپی گرفیکا انڈیکا کے صفحہ (۳۶) میں یہ سنہ درج کیئے ہیں لیکن اِسی کتاب کی چوتھی جلد صفحہ (۱۸۰) میں ہی کہ راجہ سیکھر کے زمانے کا ایک کتبہ آمبور ضلع شمالی ارکاٹ میں موجود ہی جس پر سکے مطابق ۱۴۶۹ء کندہ ہی۔ موضع پارناپلی ضلع کڑپا میں تانبے کا ایک منقوش پتر نارائن ریڈی ساکن موضع گُدامارہی تعلقہ تاڑپتری ضلع انتناپور کے پاس ہی جس میں سکہ ۱۳۹۸ (۱۴۷۶ء) ہی جس میں راجہ کا نام "پرودھ دیو رایا بیجانگر" کندہ ہی۔ راجہ سیکھر ثانی کے زمانے کا کتبہ غالباً اِس خاندان کے معدوم ہونے سے کچھ پیشتر لکھا گیا ہوگا کیوں کہ ۱۴۹۰ء میں اِس خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور نرسہوا ں نے ملک چھین لیا۔ اِن تاریخوں میں بھی خلطِ مبحث ہی ایک فرماں روا کا زمانہ دوسرے میں شامل ہوجاتا ہی لہذا ہم وقائع نیونز سے جو ۱۵۳۵ء میں لکھے گئے ہیں مدد لیتے ہیں جس میں تاریخیں توصاف اور مسلسل ہیں لیکن دوسرے وقائع سے البتہ اختلاف ہی۔ نیونز کے بیان کے موافق دیورائے ثانی کے ایک لڑکا پنّا راے تھا جو اُس حملۂ قاتلانہ کے چھ مہینے کے بعد (جس کا ذکر ہم اوپر لکھ آے ہیں) مرگیا لیکن عبدالرزاق نے بالوثوق لکھا ہی کہ جس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا وہ دیورائے ثانی خود ہی تھا اور اِس واقعے کا اپریل ۱۴۴۳ء میں ہونا بیان کیا ہی۔ پنّا راے نے ایک لڑکا چھوڑا جس کا نام نہیں بتلایا گیا لیکن اِس کے زمانے میں کوئی قابلِ ذکر بات بھی نہیں ہوئی اور اُس کا جانشین اُس کا دوسرا بیٹا ویر پاکشا ہوا۔ ویرپاکشا کو اُس کے بڑے بیٹے نے مار ڈالا اور ویرپاکشا کا بڑا بیٹا خود اپنے چھوٹے بھائی پیٹیر راؤ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ نرسہوا ں نے اِسی سے سلطنت چھینی تھی۔ اِس میں شک نہیں کہ یہ زمانہ بڑے انقلاب کا تھا اور نرسہوا ں کے سلطنت چھیننے سے چالیس سال پیشتر بدامنی۔ بغاوت۔ اور سازشیں اِس قسم کی تھیں کہ کوئی ٹِک نہ سکا جلد جلد راجاؤں کا پھیر بدل ہوتا رہا۔ نوبت بایں جا رسید کہ کئی راجہ جان سے مارے گئے آخر کار ۱۴۸۶ء سے ۱۴۹۰ء کے درمیان کسی زمانے میں سلطنت کو نرسہوا ں نے غصب کرلیا۔ ہندوؤں اور پرتگالیوں کی روایات کو چھوڑ کر اب دیکھنا یہ ہی کہ راجہ بیجانگر اور اُس کے قدیم دشمن

بادشاہانِ اسلام کی نسبت مسلمان مورخین نے کیا لکھا ہے۔ فرشتہ نے ۱۴۴۳ء سے ۱۴۸۸ء تک کسی لڑائی کا ذکر نہیں لکھا۔

دکن میں پانچ جداگانہ سلطنتوں کی بُنیاد

سلطنتِ گلبرگہ اندرونی بغاوتوں اور بدنظمیوں میں ایسی پھنسی ہوئی تھی اور اندرونی جھگڑے اور لڑائیاں ملک دکن میں ایسی پھیلی ہوئی تھیں اور ملک کے حصے بخرے ہوگئے تھے کہ اُس کو بیرونی جنگ کی مُہلت نہ ملی۔ خاندانِ بہمنی تباہ ہوکر بجائے ایک سلطنت کے پھوٹ پھوٹا کر مسلمانوں کی پانچ سلطنتیں ہوگئیں۔

سلطان علاء الدین بہمنی کا انتقال ۸۶۲ھ

علاء الدین نے ۸۶۲ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۴۵۸ء میں پیرِ کے درد سے انتقال کیا۔ اِس بادشاہ نے تینتیس ۳۳ سال نو مہینے (۲۰) دن سلطنت کی۔ برہانِ مآثر میں بادشاہ کے انتقال کی تاریخ آخر ماہ جمادی الاولیٰ ۸۶۲ھ لکھی ہے جو اپریل ۱۴۵۸ء کے مطابق ہوتی ہے۔

ہمایوں شاہِ ظالم کا حال

علاء الدین کے بعد اُس کا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا جو بڑا بدمزاج اور خوں ریز تھا چنانچہ "شاہِ ظالم" کے نام سے مشہور رہا۔ سلطان علاء الدین نے اپنی زندگی ہی میں ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا لیکن اُس کے مظالم سے لوگ پہلے ہی آگاہ تھے سیف خاں اور ملوخاں بریدیہ و شاہ حبیب اللہ نے جو ایک عالمِ متبحر تھا سدِ راہ ہوکر ہمایوں کے چھوٹے بھائی حسن خاں کو تخت پر بٹھا دیا۔ رعایا بھی ہمایوں سے برگشتہ تھی اور چاہتی تھی کہ اُس کا سر کاٹ لیں اور بہت کچھ بلوہ کیا آخرکار ہمایوں نے رعایا کی بہت کچھ تشفی کی اور اطمینان دلا کر اُن کو ہموار کر لیا۔ حسن خاں اور سیف خاں جس کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں ہمایوں جا پہنچا وہ اِس کی صورت دیکھ کر لرز گئے۔ ہمایوں نے دونوں کو پکڑوا کر ہاتھی کے پاؤں سے بندھوا کر کھنچوایا۔ ہمایوں ۸۶۲ھ میں اٹھارہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اُس نے خواجہ محمد گاواں کو اپنا وزیر مقرر کر کے ملک التجار کا

کا خطاب دیا۔ تلوخاں کرناٹک کی طرف چلا گیا شاہ حبیب اللہ اور حسن دونوں قید کیے گئے لیکن یہ دونوں یوسف خاں (علاء الدین کا ایک ترکی غلام) کے ذریعے سے پہرے والوں کو رشوت دے کر بھاگ گئے۔ ان لوگوں نے ایک ہی ہفتے میں بمقام گلبرگہ[۵۱] نہ فوج جمع کر کے شہر بیدر کا محاصرہ کر لیا لیکن قلعے کو فتح نہ کر سکے اور بیٹر کو بھاگ گئے۔ ہمایوں نے یہ خبر دنگل میں سنی اور ۹۶۴ھ میں بیدر واپس آکر تین ہزار آدمیوں کو جو قلعے کی حفاظت پر مامور تھے قتل کر ڈالا قلعے دار کو ایک حجرے میں بند کر کے لٹکا دیا اور ہر روز اس کا ایک ایک عضو کاٹا جاتا تھا۔ ہمایوں نے ساٹھ ہزار سوار اور بہت سے پیدل اپنے بھائی کی گرفتاری کے لیے بیٹر روانہ کیے حسن خاں سراج خاں جنیدی گورنر بیجاپور کے پاس جا کر چھپا تھا لیکن اس نے حسن خاں اور یوسف خاں اور سات شخصوں کو جو ان کے ہمراہ تھے پناہ دینے کے بہانے سے گرفتار کر کے ہمایوں کے پاس بیدر روانہ کر دیا ہمایوں نے آتے ہی اپنے بھائی کو ایک خونخوار شیر کے سامنے ڈال دیا جس نے فوراً چیر پھاڑ کر بوٹی بوٹی کر ڈالی۔

حسن خاں کے عزیز و قریب سات سو آدمیوں کو بھی ہمایوں نے سخت بے رحمی سے قتل کرایا۔ یہ بادشاہ قہر الٰہی تھا اس کے مظالم میں سے ایک ادنیٰ بات یہ تھی کہ جس کسی کی شادی ہوتی پہلی رات اس کی دلہن کو جبراً اپنے پاس بلا لیتا تھا۔ اہل دربار اور مصاحبین کی یہ حالت تھی کہ اس کے سامنے جاتے روح کانپتی تھی اور جب کبھی بادشاہ کے حضور میں جاتے تھے تو گھر سے کہا سنا معاف کرا کے آتے تھے کیوں کہ کسی کو خبر نہ تھی کہ کب اور کس بات پر بادشاہ ناراض ہو کر قتل کرا دیتا ہے آخر کار اللہ تعالیٰ نے

---

۵۱ بیدر سے چار کوس پر ایک قصبہ ہے ۱۲

۵۲ صوبۂ اورنگ آباد کا ایک ضلع ہے۔ اورنگ آباد سے (۳۵) کوس ہے یہ پہاڑی مقام ہے۔ سلسلۂ بالا گھاٹ مغربی حصے میں پھیلا ہوا ہے ایک سلسلۂ شمال میں اور ایک وسط ضلع میں مشرق سے مغرب تک چلا گیا ہے۔ شمال میں دریائے گوداوری مغرب میں سینا جنوب میں مانجرا ہے ۱۲۔

مظلوموں کی داد فریاد سُن لی ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن اِجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید	

ہمایوں بیمار ہوگیا اور اُس نے جان لیا کہ اب جاں بر نہیں ہوتا اِس لیئے اپنے بڑے بیٹے نظام شاہ کو کہ جس کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی ولی عہد مقرر کیا۔ خواجہ جہاں ترک کو وکیلِ شاہی۔ محمد گاواں کو وزیرِ اعظم مقرر کیا اور کہا کہ کاروبارِ سلطنت جو کچھ کرنا شہزادے کی والدہ کی راے اور مشورت سے کرنا۔ لیکن وصیت مبارک ہوئی اور ہمایوں اِس بیماری سے اچھا ہوگیا مَثَل مشہور ہی خانۂ ظالم خراب لیکن بعد از خرابی خانہ ہاے بسیار۔ ظلم و ستم بدستور جاری رہا۔ کسی شخص سے سوائے سختی اور بدسلوکی کے پیش نہ آتا تھا حتّٰی کہ اُس کے نوکر اور مصاحب بھی تنگ آگئے تھے۔

ہمایوں شاہِ ظالم کا انتقال سنہ ۸۶۵ھ

شہاب خاں خواجہ سرا جو حرم سرا کا داروغہ تھا ایک روز چند حبشی لونڈیوں کو جمع کرکے بادشاہ کے خواب گاہ میں پونہچا دیکھا تو وہ شراب کے نشے میں بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ ایک حبشی لونڈی نے تاک کر ایسا لٹھ بادشاہ کے سر پر رسید کیا کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ واقعہ ۲۸ ذی قعدہ سنہ ۸۶۵ھ مطابق ۵ ستمبر سنہ ۱۴۶۱ء کو ہوا۔ مدتِ سلطنت اِس ظالم بادشاہ کی تین سال چھ مہینے چھ دن تھی۔ مولانا نظیری ملک الشعرا بھی حبیب اللہ شاہ کے ساتھ قید تھا اور یوسف ترک گچل کی کوشش سے خلاصی پاکر ایک کونے میں مُنہ چھپاے زندگی بسر کرتا تھا اُس نے بادشاہ کے حق میں یہ دو بیتیں کہی ہیں۔

اے ظالم از آہِ دلِ شب خیز بترس مژگانِ دم آلودۂ مظلوماں بیں	وز نفسِ ہر شومِ شر انگیز بترس وز خنجرِ آبدارِ خوں ریز بترس

اِسی شاعر نے یہ قطعۂ تاریخ وفات کہا ہے:۔

ہمایوں شاہ مُرد و مُرست عالم جہاں پُر ذوق شد تاریخ فوتش	تعالی اللہ زہے مرگِ ہمایوں ہم از "ذوقِ جہاں" آرید بیروں ۸۶۵ھ

اِس بادشاہ کا مقبرہ متصل بلدۂ محمد آباد بیدر دو میل کے فاصلے پر بہ موضع اشٹور موجود ہی اور مَیں نے خود دیکھا ہی کہ موضع اشٹور میں ایک لین کی لین بادشاہوں کے گنبدوں کی ہی

لہ اس مقام پر بہت سے گنبد ہیں لیکن مفصلۂ ذیل مقابر معروف و مشہور ہیں۔
سلطان احمد ولی البہمنی۔ سلطان علاء الدین۔ سلطان ہمایوں شاہ۔ سلطان نظام شاہ۔ سلطان محمد شاہ لشکری۔ سلطان محمود شاہ۔ سلطان ولی اللہ۔ سلطان کلیم اللہ۔ سلطان حسن فرزند احمد شاہ۔ مخدومۂ جہاں زوجہ سلطان احمد شاہ ترکش بی بی زوجۂ ہمایوں۔ اِن سب میں بڑا اور شان دار مقبرہ سلطان ولی البہمنی کا ہی جس نے ۱۳۴۷ء میں گلبرگہ سے بیدر کو دار السلطنت قرار دیا اِس مقبرے کا چبوترہ (۵۰) فٹ مربع ہی۔ دیواروں کا اُتار بارہ فٹ کا ہی۔ اور ستائیس ستائیس فٹ کی بلندی کی چار کمانیں ہیں۔ گنبد زمین سے ۱۲۰ فٹ بلند ہی۔ تمام دیواروں اور قبے پر میناکاری چینی اور سیپ کا کام اور طلائی نقش و نگار ہیں جو استدادِ زمانے سے ماند پڑ گئے ہیں۔ گنبد کی اندرونی دیواریں تمام نقش و نگار اور کتبوں سے پُر ہیں۔ گنبد کی چھت کا اندرونی حصہ اپنی صناعی میں نظیر نہیں رکھتا۔ مشہور ہی کہ بجائے نقطوں کے چھت میں جا بجا ہیرے جڑے ہوئے ہیں جو اب بھی چمکتے ہیں اب بھی مقبرے کے اندر چاروں طرف یہ کتبے پڑھے جاتے ہیں۔

اندرونِ صدر دروازۂ جنوبی

رَوْضَةٌ شَرِيْفَةٌ لِسُلْطَانِ السَّلَاطِيْنِ ظِلِّ اللّٰهِ وَخَلِيْفَتِهٖ فِي الْعَالَمِيْنَ اَلْوَاثِقُ بِتَاْيِيْدِ اللّٰهِ الْقَوِيِّ الْغَازِيْ شِهَابُ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ اَحْمَدْ شَاهْ وَلِيُّ الْبَهْمَنِيُّ قَدَّسَ اللّٰهُ اَرْوَاحَهٗ وَضَرِيْحُهٗ وَنَوَّرَ مَكَانَهٗ اُفْوِضُ اِلَيْهِ اَمْرَ الْاِمَارَةِ فِيْ سَنَةِ خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ وَثَمَانِمَائَةٍ

اندرونِ دروازۂ شمالی

سُبْحَانَ مَنْ اَعْلٰى مَنْزِلَةَ اَوْلِيَائِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ وَرَفَعَ مَكَانَهُمْ فِيْ اَعْلٰى عِلِّيِّيْنَ وَجَعَلَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ اٰمِنِيْنَ وَفِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ قَادِرِيْنَ فَاِنَّهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُحْبَرُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَرِحُوْنَ۔

اندرونِ دروازۂ شرقی

فَعَاشَ فِيْ دُنْيَاهُ حَمِيْدًا وَرَجَعَ اِلَى اللّٰهِ فِيْ لَيْلَةِ اثْنَيْنِ سَعِيْدًا مُبَارَكًا التَّاسِعَ وَ

ہمایوں سے پہلے بہت سے بادشاہوں کے عظیم الشان گنبد اب تک باوجود مرورِ زمانہ دراز محفوظ و مستحکم موجود ہیں۔ جن میں خصوصاً احمد شاہ ولی البہمنی کا گنبد سب سے بڑا اور شان دار ہی اور ہر سال بڑی دھوم دھام سے اب تک عُرس ہوا کرتا ہی سرکار سے ملازماں اور خدّام کی معاش بھی جاری ہی لیکن ہمایوں شاہ کا گنبد جو بہت زمانے کے بعد کا ہی بالکل کھنڈر ہوگیا ہی ۱۳۰۰ھ میں (جب کہ مَیں بیدر میں موجود تھا) موسم بارش میں قبّے پر رات کے وقت بجلی گری جس کی وجہ سے نصف قبہ گر گیا باقی نصف اُدھر کھڑا ہی اب چار دیواری بھی سلامت نہیں رہی قبر کا نشان تک نہیں ہی اس میں فی الواقع گدھے لوٹا کرتے ہیں اور لوگ بول و براز کرتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

محاصرۂ قلعۂ دیورکنڈہ بعہدِ ہمایوں شاہ

ہمایوں نے تخت نشین ہونے کے دوسرے ہی برس ملک تلنگانہ پر چڑھائی کرکے قلعۂ دیورکنڈہ[1] کا محاصرہ کیا لیکن لوگوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور بادشاہ کے لشکر

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) الْعِشْرِیْنَ مِنْ شَهْرِ اللَّیْلِ الْکَلَامِ سَنَةَ تِسْعٍ وَّثَلٰثِیْنَ وَثَمَانِ مِائَةٍ مِّنْ هِجْرَةِ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ شَفَاعَتَهٗ شَامِلَةً مُّتَمَّةً عُلُوَّ کَرَامَتِهٖ عَلَی الْخَلْقِ فَابْقِهٖ دَائِمَةً بِحَقِّ النَّبِیِّ وَعِتْرَتِهِ الْاَحْسَانِ ط۔

اندرونِ دروازۂ غربی

اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اَمَّا بَعْدُ فَهٰذِهٖ قُبَّةٌ مُّقَدَّسَةٌ وَّبُقْعَةٌ مُّبَارَکَةٌ کَعْبَةُ الْحَاجَاتِ الرَّبَّاتِ هِیَ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ طَابَ اَنْعُمُهَا اَمْرَ رَوْضَةُ الرِّضْوَانِ فَلَاحَ شَمُّهَا مُرَقِّیَةٌ لِلّٰهِ الْبَرَکَاتِ۔

اس کے سوائے چاروں طرف اور بھی کتبے فارسی میں ہیں جن کا چونا جھڑ گیا ہی اور مسلسل نہیں پڑھے جاتے لہٰذا ترک کیے گئے

سلطان احمد شاہ ولی البہمنی سے ملا ہوا سلطان علاء الدین ثانی کا بہت بڑا اور عالی شان گنبد ہی جس کے سامنے کی رُخ کی دیوار پر نہایت اعلیٰ درجے کا چینی کا کام کیا ہوا ہی اور اسی وجہ سے وہ چینی گنبد کہلاتا ہی اس کے بعد ہمایوں شاہ کا گنبد ہی جس پر ۱۳۰۰ھ میں بجلی گری اور تقریباً سہ ربع حصہ برباد ہوگیا اب صرف غربی اور شمالی حصہ باقی ہی۔ اسی لین میں اور باقی گنبد سلسلہ بہ سلسلہ ہیں ۱۲

(نوٹ صفحہ ہذا) [1] ضلع نلگنڈہ میں ایک تحصیل کا مستقر ہی اور یہاں کا قلعہ مشہور ہی ۱۲۔

کو شکست فاش ہوئی۔ اس کے سوائے اور کوئی معرکہ اس کے عہد میں سلطنتِ بیجانگر سے نہیں ہوا۔

نظام شاہ بہمنی کی تخت نشینی اور انتقال

اس زمانے میں سلطنتِ بیجانگر کا راجہ ملکارجن تھا۔ ہمایوں کے مرنے ہی کے دن اُس کا بیٹا نظام شاہ جس کی عمر آٹھ سال کی تھی تخت نشین ہوا یہ بہت نیک مزاج اور رعایا پر مہربان تھا۔ بادشاہ کے صغرسنی کے زمانے میں کاروبارِ سلطنت اُس کی نہایت عقل مند ماں "مخدومۂ جہاں" خواجہ جہاں ترک اور محمد گاواں کرتے تھے اِن لوگوں نے حسنِ انتظام سے ہمایوں کے ناگفتہ مظالم کی حتی الامکان تلافی کی۔ نظام شاہ کی والدہ نے اس کی شادی اپنے قرابت داروں کی لڑکی سے ٹھیرائی تھی بادشاہ کی بیویوں کو "ملکۂ جہاں" کا خطاب ملتا تھا۔ شہر میں بڑی بھاری طیاری شادی کے جشن کی ہوئی لیکن عجیب اتفاق ہوا کہ عین شادی کے دن جب بادشاہ اپنی دُلہن کو وداع کرکے اپنے محل میں لایا آدھی رات کے وقت اُسی دن ۱۳ ذی قعدہ ۸۶۷ھ کو دو سال ایک مہینے سلطنت کرنے کے بعد دفعۃً انتقال کیا ؎

گلے ناشگفت از کیانی درخت	یکایک فرو ریخت از بادِ سخت
خطِ حسن بر گل نانگیختہ	اجل خاک بر وے فرو ریختہ

محمد شاہ لشکری کا حال ۸۶۷ھ

نظام شاہ کے بعد اُس کا بھائی محمد شاہ لشکری نو سال کی عمر میں ۱۳ ذی قعدہ ۸۶۷ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۴۶۳ء کو تخت نشین ہوا ۱۴۶۹ء کے وسط میں بیجانگر پر راجۂ سیکھر یا دیر پاکش اوّل دونوں میں سے کوئی ایک حکمران تھا۔

گوآ اور بلگاؤں کا فتح کرنا ۱۴۷۲ء

محمد شاہ کا وزیر محمود گاواں نے مغرب کی جانب خشکی اور تری دونوں راستوں سے لشکر کشی کی اور بندرِ گوآ جو اُس زمانے میں راجہ گانِ بیجانگر کی سلطنت میں تھا فتح کرلیا چوں کہ ۱۴۶۹ء میں بندر گوآ میں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا تھا اُسی کے انتقام میں یہ لڑائی ہوئی پائی جاتی ہے۔ اس زمانے میں ساحلِ دریا کی تمام تجارت مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی

اور ملک دکن اور بیجانگر کی افواج کے لیئے بڑی تعداد میں گھوڑوں کی درآمد کی جاتی تھی۔ راجہ گانِ بیجانگر اِن وجوہ سے مُسلمانوں کے ہاتھ میں پھنسے ہوئے تھے۔ ۱۴۶۹ء میں مسلمانانِ مقیمِ بھٹکل نے اپنے تمام گھوڑے دکھنی مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کر دیئے راجۂ بیجانگر نے اپنے باج گزار رئیس ہُناور کو حکم دیا کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو مار ڈالیں اور جو باقی رہیں اُن کو منتشر کر دیں۔ اِس حکم کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک دم دس ہزار مُسلمان مارے گئے۔ جو بچ رہے تھے اُنھوں نے گوا پہنچ کر پناہ لی اور اِس طرح شہر گوا کی بُنیاد پڑی جو آگے چل کر ہندوستان میں پرتگالیوں کا دار السّلطنت بنا۔ اِسی لڑائی کے انتقام کے لیئے جس میں ایک بہت بڑی تعداد مُسلمانوں کی قتل ہوئی تھی۔ محمود گاواں نے حملہ کیا۔ چند روز بعد محمد شاہ کا ایک غلام (جس کا نام یوسف عادل شاہ تھا اور جو سلطنتِ بہمنیہ کے زمانے میں بہت مقتدر ہو گیا تھا) نے بغاوت کی اور خود سلطنتِ بیجاپور کا بادشاہ بن بیٹھا اور عادل شاہ کا خطاب لیا۔

راج مندری۔ کنڈہ پلّی اور دوسرے مقاماتِ تلنگانہ پر لڑائی

برہانِ مآثر میں لکھا ہے کہ ۱۴۷۰ء میں عادل شاہ نے راج مندری[1] اور کنڈہ ویڈ کو بادشاہِ اُڑیسہ سے چھین لیا۔ موضع کنڈہ پلّی میں ایک عمدہ اور خوب صورت قلعہ پہاڑ پر بنا ہوا ہے اُس پر اِس واقعے کی تاریخ ۱۴۷۰ء یا ۱۴۷۱ء لکھی ہوئی ہے۔ تاریخِ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ۸۷۷ھ مطابق

[1] دریائے گوداوری کے شمالی کنارے پر واقع ہے اور قدیم شہر ہے مگر یہاں کا کوئی خاص تاریخی واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے۔ بہت سے بڑے بڑے مکانات پُرانے قلعے کی فصیل پر لبِ دریا بنے ہوئے ہیں۔ دریائے گوداوری (۹۰۰) میل لمبا ہے اور وسطِ ہند سے گزرتا ہوا خلیج ناسک بمبئی پریزیڈنسی میں موضع ترمبک سے نکل کر ملک دکن اور سلطنتِ سرکارِ عالی نظام میں گزرتا ہے۔ ریل کے پُل میں (۵۶) کمانیں (۱۲۰) فٹ چوڑی ہیں پونے دو میل پُل کی لمبائی ہے۔ ہندوستان میں یہ دوم نمبر کا پُل ہے اِس سے بڑا پُل سون کا ہے جو ایسٹ انڈین ریلوے کے اسٹیشن ڈھوری پر واقع ہے ۱۲

سنہ ۱۴۱۲ء میں پرگنا[1] راے بلگاؤں راے بیجانگر کی اشتعالک سے گوآ کی طرف بڑھا تاکہ گوآ کو پھر واپس لے۔ محمد شاہ کو جب اِس کی خبر پہونچی تو اُس نے بلگاؤں کے قلعے پر (جو ایک بہت مستحکم قلعہ ہی اور جس کے اطراف میں ایک گہری خندق ہی اور جس میں داخل ہونے کے لیے صرف ایک ہی پُل ہی جو مورچوں سے محفوظ ہی) لشکر کشی کی اِس جنگ میں بادشاہ نے بلگاؤں کو فتح کر لیا اور گلبرگہ پلٹ گیا۔ سنہ ۱۴۱۵ء کے قریب ملکِ دکن اور تلنگان میں دو سال برابر سخت قحط رہا اِسی زمانے میں ہندو باشندگان کنڈہ پلّی نے بغاوت کرکے مسلمان حاکم کو مار ڈالا اور راجہ اُڑیسہ سے مدد طلب کی چنانچہ اُڑیسہ کے راجہ نے راج مندری کو جس کا حاکم نظام الملک تھا محاصرہ کر لیا لیکن جب امداد کے لیے خود بادشاہ کے آنے کی خبر سُنی تو اُڑیسہ کا لشکر پلٹ گیا۔ سنہ ۸۱۸ھ کے اخیر میں جو سنہ ۱۴۱۵ء کے مطابق ہوتا ہی محمد شاہ بادشاہ دار السلطنتِ اُڑیسہ تک جا پہونچا اور ملک کو خوب لُوٹ کر باشندوں کو بے دردی سے قتل کیا۔ ناچار راجہ نے اطاعت قبول کر لی اور کئی عمدہ ہاتھی نذر دیے تاکہ آیندہ ایسی دست بُرد سے محفوظ رہے۔ اِس کے بعد کے واقعات میں تاریخ فرشتہ اور برہانِ مآثر میں بہت اختلافات ہیں تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ اُڑیسہ کے حملے کے بعد محمد شاہ نے کنڈہ پلی فتح کر لی اور وہاں اُس نے ایک مندر کو برباد کر دیا اُس میں جو برہمن پجاری تھے اُن کو قتل کیا اور مندر کی جگہ ایک مسجد بنانے کا حکم دیا۔ بادشاہ نے خود راج مندری میں تین سال رہ کر ملکِ تلنگانہ فتح کر لیا باغی زمینداروں کو شہر بدر کر دیا۔ بالآخر راے بیجانگر کا ملک فتح کرنے کا مصمم قصد کر لیا۔ نرسنگ راے کی نسبت فرشتہ نے لکھا ہی کہ "نرسنگ راے ایک طاقتور راجہ تھا جس کا ملک درمیان کرناٹک (بیجانگر) اور تلنگانہ کے تھا جو سمندر کے کنارے کنارے مچھلی پٹن تک پہونچ گیا تھا اور جس نے بہت سا علاقہ اور مضبوط قلعے بیجانگر کے فتح کرکے اپنی ملکیت میں ملا لیے تھے"

---

[1] برہانِ مآثر میں راے بلگاؤں کا نام پرکٹپا راج لکھا ہی میجر کنگ مترجم کتاب مذکور نے مختلف طور سے پرکٹیا۔ پرکٹپا نام لکھے ہیں۔ برگز نے "برکن" نام بتلایا ہی لیکن اصلی نام "وکرم" تھا ۱۲۔

غالباً یہ وہی طاقتور سردار نرسہواں راے تھا جو بیجانگر کے بادشاہ کا رشتہ دار تھا اور جو بڑے حصۂ ملک کا حاکم تھا لیکن اُس نے ایسی طاقت حاصل کی کہ رفتہ رفتہ خود مختار ہو گیا اور کم زور بادشاہ بیجانگر کا ملک دبا لیا۔ بادشاہ کو کنڈہ پلّی میں معلوم ہوا کہ وہاں سے دس منزل پر مقام کنجی (کنجی ورم جو کنڈہ پلّی سے دو سو پچاس میل کے فاصلے پر ہی) میں ایک مندر ایسا ہی کہ جس کی دیواریں اور چھت سونے کے پتروں سے مڑھی ہوئی ہی اور بیش قیمت جواہرات جڑے ہوے ہیں۔ بادشاہ یہ خبر پاتے ہی یلغار چھ ہزار سوار اپنے ساتھ لے کر وہاں پونہچا اور مندر کو لوٹ ڈالا۔ برہان مآثر میں لکھا ہی کہ بادشاہ جب راج مندری پونہچا تو وہاں نرسہوا راے سات لاکھ پیدلوں کی جرار فوج اور پانسو روئین تن ہاتھی لیے ہوے موجود تھا لیکن باوجود اتنی بڑی فوج اور عظمت و شوکت کے وہ لشکرِ بادشاہِ اسلام کے آنے کی خبر سُن کر ڈر کر بھاگ گیا۔ بادشاہ نے راج مندری جو ہندوؤں کے قبضے میں تھا (نہ کہ مسلمانوں کے جیسا کہ فرشتہ نے لکھا ہی) فتح کر لیا۔ رمضان ۸۸۵ھ مطابق نومبر ۱۴۸۰ء میں بادشاہ راج مندری سے کنڈہ ویڈ پر سے ہوتا ہوا بیجانگر کی طرف روانہ ہوا۔ کنڈہ ویڈ کا قلعہ فتح کر کے بادشاہ مالور پونہچا جو نرسہواں کی حکومت میں تھا۔ نرسہواں بہ لحاظ اپنی بڑی فوج اور وسیع ملک کے تلنگانہ اور بیجانگر والوں سے بھی بڑھا ہوا تھا جس نے اپنی سلطنت کرناٹک اور تلنگانہ کے درمیان قائم کر لی تھی اور اکثر اضلاع جو سمندر کے کنارے پر واقع تھے اور بیجانگر کے اندرونی حصۂ ملک پر بھی قابض ہو گیا تھا۔ بادشاہ کو مالور میں رہتے ہی معلوم ہوا کہ پچاس فرسخ پر ایک مقام کنجی ہی جہاں مندر ہیں بادشاہ اُس مقام پر ۱۱ محرم ۸۸۶ھ مطابق ۱۳ مارچ ۱۴۸۱ء کو پونہچ گیا اور اُس شہر کو لوٹ مار کر واپس آگیا اس کے بعد بادشاہ مچھلی پٹن[1] گیا اور اُس پر قبضہ کر لیا اور پھر کنڈہ پلّی فتح کی ان ہی فتوحات کے سبب سے

[1] ضلع کشنا کا مستقر ہی۔ آبادی ۴۰۰۰۰ ہی ۱۷۵۹ء میں اس شہر پر برٹش گورنمنٹ کا قبضہ ہوا اس سے پہلے پرتگالی۔ ڈچ اور فرنچ کے قبضے میں باری باری سے رہا۔ یہاں کے مندروں پر بہت سے قدیم اور عمدہ کتبے ہیں ۱۸۶۴ء میں دریا کی اس غضب کی طغیانی ہوئی کہ تیس ہزار آدمی ضائع ہوے اس سانحہ کی یادگار میں شہر میں ایک عمارت بنائی گئی ہی۔ اس کے بعد سے یہاں انگریزی فوج تعینات کر دی گئی۔

بادشاہ کو غازی اور لشکری کا لقب ملا۔ اوائلِ زمانۂ سلطنت میں خواجہ جہاں اور بادشاہ کی والدہ مخدومۂ جہاں تمام کاروبار کرتے تھے۔ چودھویں سال بادشاہ کی شادی ہوئی اور بادشاہ خود کام کرنے لگا۔ بادشاہ کی والدہ نے خواجہ جہاں کی شکایت کی کہ وہ خود مختارانہ طور پر عزل و نصب کار پردازوں کا کرتا ہے تو بادشاہ نے خواجہ جہاں ترک کو قتل کروادیا۔

خواجہ محمود گاواں کا حال اور اُس کا قتل ۸۸۶ھ

بادشاہ نے خواجہ محمود گاواں کو خواجہ جہاں کا خطاب دے کر وزارت سے سرفراز کیا۔ محمود گاواں کا رہنے والا تھا جو گیلان ملک فارس میں ہے اِس کا اصلی نام مَلِک شاہ محمدؐ تھا اور چنگیز خاں کی اولاد میں تھا۔ اِس کے باپ دادا گیلان کے وزرار تھے۔ محمود چالیس برس تک دُنیا کے مختلف مقامات میں سیاحت کرتا رہا اور علاء الدین بہمنی کے زمانے میں تاجرانہ حیثیت سے وارد ہوا جس نے اِس کو بیدر کا حاکم مقرر کیا۔ محمود گاواں نے علاء الدین اور محمد شاہ لشکری دونوں بادشاہوں کے زمانے میں ملک کا انتظام کیا یہ شخص بڑا لائق تھا۔ فلسفہ۔ منطق۔ ہیئت۔ ریاضی۔ طب اور جرّاحی سب علوم و فنون میں دستگاہِ کامل رکھتا تھا۔ اِس کے علاوہ وہ صاحب تصنیف اور شاعر[1] بھی تھا۔ خاندانِ بہمنیہ میں اِس سے بہتر اور اِس سے زیادہ بیدار مغز کوئی وزیر نہیں ہوا۔ اِس کے عہد میں سلطنتِ بہمنیہ کو بے انتہا عروج ہوا کثرت سے فتوحات ہوئے اور مُلک کا رقبہ اِس قدر وسیع ہو گیا کہ بجائے چار صوبوں کے آٹھ صوبے ہو گئے دولت آباد۔ جُنیر۔ بیجاپور۔ حسن آباد گلبرگہ۔ مالور۔ کاویل۔ ورنگل۔ راج مندری دارالسلطنت کا نام بھی بجائے احمد آباد بیدر کے محمد آباد بیدر قرار پایا۔ (جو اَب تک قائم ہی) محمود گاواں کے حسنِ انتظام سے خوش ہو کر بادشاہ نے اُسے "خواجہ جہاں"

---

[1] چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے ایک موقع پر اِس کی انشا پردازی کی نہایت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ۔

نظم و نثرش ہیں کہ پندارد دبیر چرخ کرد	عقدِ پروین در ثنائے بے نہایت نقشہا
یا خود افتادست مخزوناتِ گنجِ پر گہر	بر بساطِ ارض بعضے متصل بعضے جُدا

۱۲

کا خطاب دیا۔ جس دن سے خطاب ملا وہ کہا کرتا تھا کہ سب سے پہلے یہ خطاب علاء الدین کے زمانے میں خواجہ مظفر علی استرآبادی کو ملا تھا جس کے چند ہی روز کے بعد محمد شاہ نے اُسے قتل کیا اس کے بعد خواجہ جہاں ترک کا نمبر آیا وہ بھی قتل ہوا اب تیسرا نمبر میرا ہی ہے۔ حیرت کی بات ہی کہ یہ بات سچ ہوئی۔ خواجہ جہاں کو ایک عرصے سے اُمورِ سلطنت میں جز و کل کا اختیار حاصل تھا اُس نے بادشاہی حکومت کو مستحکم کرنے کے خیال سے بہت کچھ اصلاحیں کیں اُمرار کے زور گھٹا دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود غرض اور ناعاقبت اندیش لوگ اس کی جان کے دشمن ہو گئے اور ایک گہری سازش اس کے خلاف قائم ہو گئی جس سے وہ بے خبر نہ تھا لیکن وہ سلطنت کی خیر خواہی میں ایسا منہمک تھا کہ اُس نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ خواجہ جہاں اور یوسف خاں دونوں میں باپ بیٹے کے سے تعلقات تھے اور نہایت اخلاص تھا۔ یوسف ہر طرح کی خبر رکھتا تھا اُس کی موجودگی میں کسی کو کچھ جرأت نہ ہوئی لیکن جب وہ ایک مُہم پر چلا گیا اور میدان خالی ہو گیا تو ظریف الملک دکنی اور مفتاح حبشی نے جو خواجہ کے دست گرفتہ تھے ملک حسن نظام الملک بحری سے مل کر صلاح کی کہ خواجہ کو نکلوانے کے لیئے یہ اچھا موقع ہی اس وقت یوسف بھی یہاں نہیں ہی کہ روک تھام کرے گا۔ ظریف الملک اور مفتاح حبشی اور چند غلامانِ ہندی نے خواجہ کے ایک حبشی غلام سے کہ جس کے پاس اُس کی مُہر رہتی تھی دوستی گانٹھی اور انواع و اقسام کے جواہر گھوڑے اور تحائف اور نقد وغیرہ دے کر اُس کو اپنا گرویدۂ احسان کر لیا۔ ایک دن خواجہ کے غلام کی مجلس میں شراب خوب چل رہی تھی کہ ظریف الملک اور مفتاح حبشی اپنے ہاتھ میں ایک لپٹا ہوا سُفید کاغذ لے کر گئے اور کہا کہ یہ ہمارے فلاں دوست کی برات ہی اس پر اکثر اُمرار کی مُہریں ہو چکی ہیں اگر تم بھی خواجہ کی مُہر لگا دو تو ہم تمھارے بڑے مرہونِ منت ہوں گے۔ غلام نے سخت بے وقوفی کی کہ اِن کے اعتبار پر کاغذ کو کھول کر بھی نہ دیکھا اور نشے کی حالت میں جہاں اُنھوں نے بتلایا مُہر کر دی۔ ظریف الملک اور مفتاح حبشی اُسی وقت رات کو ملکِ حسن نظام الملک بحری کے مکان پر گئے اور ان سب کی رائے سے خواجہ کی طرف سے ایک تحریر رائے اُڑیسہ کے نام اس مضمون

ف۱ اِس مُہر پر "عاقبت محمود باد" کندہ تھا ۱۲

کی لکھی کہ سلطان محمد شاہ کی شراب خواری اور ظلم سے ہم تنگ آگئے ہیں راج مندری کی طرف کوئی حاکم نہیں ہی وہ رُخ خالی ہی تمھاری ادنے توجہ سے ملکِ دکن فتح ہو سکتا ہی ۔ تم بلا روک ٹوک لشکر لا سکتے ہو ۔ یہاں کے اکثر اُمرا رمیرے کہنے میں ہیں میں بھی چاروں طرف سے بغاوت شروع کرتا ہوں اور بادشاہ کا خاتمہ کر دینے کے بعد ہم تم علی السویہ سلطنت کو تقسیم کر لیں گے اِس تحریر کو حسن نظام الملک نے بادشاہ کے سامنے پیش کیا ۔ بادشاہ نے جب اُس پر خواجہ کی مُہر دیکھی تو متحیّر ہو گیا ۔ حسن نظام الملک نے موقع پاکر خوب کان بھرے اور بادشاہ کو ایسا بھڑکایا کہ اُس نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ راے اُڑیسہ کے پاس یہ کون لے جا رہا تھا تمھارے ہاتھ یہ کاغذ کیسے لگا بلکہ خواجہ کو بُلا بھیجا ۔ خواجہ کے ہوا خواہوں نے اُس کو اِس امر کی اطلاع کر دی اور کہا کہ موقع نازک ہی اگر آج کسی بہانے سے آپ نہ جائیں تو اچھا ہی ۔ خواجہ نے یہ بیت پڑھی ۔

چوں شہیدِ عشق در دُنیا و عقبیٰ سرخ روست خوش دے باشد کہ ما را کشتہ زیں میداں بمند	

اور کہنے لگا کہ یہ ڈاڑھی جو کہ ہمایوں بادشاہ کی خدمت گزاری میں سفید ہو گئی ہی اگر اُس کے بیٹے کے ہاتھ سے رنگین ہو جاے تو سُرخ روئی کا باعث ہی بھلا تقدیر کا لکھا کہیں ٹل سکتا ہی اور قضا سے کوئی بچ سکتا ہی ۔ خواجۂ جہاں سے چند اُمراے کبار نے جو اِس کے متوسّلین میں سے تھے یہ خبر وحشت اثر سُن کر کہلا بھیجا کہ ہزار سوار آپ کے خاصے کے موجود ہیں اگر خداوندِ نعمت ایسے وقت گجرات تشریف لے جائیں تو ہم ملازم فدویانہ ہم راہِ رکاب جان و مال سے حاضر ہیں ۔ خواجہ نے جواب دیا کہ مدّت دراز سے اِس سلطنت کا نمک خوار ہوں اور مجھ سے اب تک کوئی تقصیر نہیں ہوئی مجھ کو اُمید نہیں ہی کہ بادشاہ دشمنوں کی مجرّد تہمت پر بلا پُوچھے گچھے یکایک الزام بے وفائی اِس جان نثار پر لگاے گا ۔ ایسے وقت ٹل جانا نمک حرامی ہی ۔ اور اُسی وقت بادشاہ کے حضور میں بلا عذر حاضر ہو گیا بادشاہ نے پُوچھا " کہ اگر کوئی شخص اپنے ولی نعمت کے ساتھ بے وجہ نمک حرامی کرے ۔ اور اُس کی نمک حرامی کا یقین ہو جاے تو اُس کی کیا سزا ہی "؟

خواجۂ جہاں ۔ ایسا بدبخت کہ جو اپنے مالک کے ساتھ نمک حرامی کرے اور اُس کا یقین ہو جاے

تو اُس کی سزا سوائے شمشیر آبدار کے اَور کچھ نہیں ہے۔
بادشاہ نے اُسی وقت وہ خط بتلایا۔ خواجہ نے دیکھ کر یہ آیت پڑھی
"سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ" اور عرض کیا کہ اس پر مُہر تو بے شک میری ہے لیکن خط میرا نہیں ہے اور نہ مجھے اِس کی خبر ہے اور قسمیہ اِس مضمون کو اِس قطعہ میں بیان کیا۔

قطعہ

بہ خدائے کہ جوہرِ امرش		اہلِ معنی بخونِ دل سُفتند	
کہ چو بُہتانِ یوسفِ گرگست		اُنچہ از بندِ دُشمناں گفتند	

ہر چند خواجہ نے عرض معروض کی اور عذر لاعلمی کا کیا لیکن بادشاہ شراب کے نشے میں چُور تھا اور قہر و غضب اُس کے چہرے سے ظاہر تھا ایک نہ سُنی اور خاندانِ بہمنیہ کے زوال کا وقت بھی آگیا تھا کچھ پُوچھ گچھ بھی نہ کی اور برہم ہو کر مجلس سے اُٹھ گیا اور جاتے جاتے جوہر نام حبشی کو خواجہ سہاں کے قتل کا حکم دے گیا۔ خواجہ نے عرض کی کہ مَیں تو بُڈھا ہو گیا اور یوں بھی میری عمر پوری ہو چکی ہے میرا قتل آپ جیسے اولوالعزم بادشاہ کے نزدیک بالکل آسان ہے لیکن اِس سے مُلک کی خرابی اور آپ کی بدنامی البتہ ہو گی۔ بادشاہ غصے میں اندھا ہو رہا تھا اُس نے سُنی کی اَن سُنی کر دی اور کچھ جواب نہ دے کر محل سرا میں چلا گیا۔ جوہر حبشی تلوار کھینچ کر آن پُونہچا۔ خواجہ دوزانو قبلہ رُو بیٹھ گیا اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا اور جب تلوار اُس کی گردن پر پڑی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى نِعْمَةِ الشَّهَادَةِ کہتا ہوا دُنیا سے رُخصت ہوا خواجہ کی عمر ستاسی سال کی تھی۔ اِس نے شہادت سے چند روز پہلے ایک قصیدہ اِسی بادشاہ کی مدح میں کہا تھا جس کی دو بیتیں یہ ہیں۔

ابیات

شد تنگل ضربِ تیغت بر دوشِ جاں حمائل		ہیکل ز حرزِ سیفی وانگہ ہراس ای دل	
تیغِ تو آبِ حیواں مردم ز حسرتِ آن		آرے بہ عہدِ من شد آبِ حیاتِ قاتل	

ف۱ حاشا و کلّا یہ تو بڑا (بھاری) بُہتان ہے ۱۲

ف۲ شہادت کی نعمت پر اللہ کا شکر ہے ۱۲۔

یہ اندوہ ناک واقعہ ۵ رصفر ۸۸۶ھ کو ہوا۔ مُلّا عبدالکریم ہمدانی مصنّفِ تاریخ محمود شاہی نے جو شاگرد اور مُرید خواجہ کا تھا یہ قطعہ تاریخی کہا ہے۔

قطعہ

شہیدِ بے گناہ مخدومِ مطلق		کہ عالم راز جودش بود رونق	
وگر خواہی کہ تاریخِ وفاتش		فرو خواں قصّۂ قتلِ بہ ناحق	

ایک تاریخ کسی اَور نے کہی ہے ؎

سالِ فوتش گر کسے پُرسد بگوی
بے گنہ محمود گاواں شد شہید

مُلّا سامعی جو خواجہ کا ندیم اور نوکر تھا اُس نے یہ قطعہ کہا ہے۔ **قطعہ**

چوں خواجۂ جہاں را ہرگز حرام خواری		در دل نہ بود دمی کرد پیوستہ جاں سپاری	
گشت او شہید مغفور ای سامعی بہ تحقیق		تاریخ کشتنِ او جو از حلال خواری	

اِس واقعے کے تھوڑی دیر بعد بادشاہ کا نشہ اُتر گیا اور ہوش میں آیا اُس وقت اُس کو معلوم ہوا کہ خواجۂ جہاں بالکل بے گناہ تھا اور جن لوگوں نے اُس کے مُقابلے میں یہ سازش کی تھی اُن کو بھی بادشاہ نے اُسی وقت قتل کرا دیا۔ خواجۂ جہاں کا مقبرہ اب تک شہر بیدر سے بجانبِ شمال دو میل کے فاصلے پر شربت باغ کے متّصل ایک ٹیلے پر واقع ہے جہاں اُس کا بنایا ہوا ایک تالاب بھی ہے اِس کے علاوہ اُس کا بنایا ہوا ایک[1] بہت بڑا عالی شان مدرسہ

[1] یہ عمارت نہایت مستحکم اور رفیع الشّان ہے اور ایک طرف مسجد اور اُس سے ملے ہوئے چوطرفہ دو منزلہ وسیع ہال بنے ہوئے ہیں جن میں علماء اور فضلاء وطلبہ رہتے تھے۔ جو طالب العلم مدرسے میں رہتے تھے اُن کو کھانا کپڑا اُمفت ملتا تھا۔ مساکین اور نواردوں کو ہر روز لنگر تقسیم ہوتا تھا۔ اِس عمارت کا طول شرقاً وغرباً (۵۰) گز اور عرض شمالاً وجنوباً (۵۵) گز ہے۔ اِس مدرسے کے سامنے دو بلند مینار تھے جن میں سے ایک اب تک قائم ہے اِن کی بلندی سو فٹ ہے اور اندر چکّر دار سیڑھیاں اوپر چڑھنے کے لیئے بنی ہوئی ہیں۔ اگرچہ یہ عمارت بے انتہا مضبوط تھی۔ لیکن سو اتّفاق سے طیّار ہونے کے سوا دو سو سال بعد بجلی گرنے سے ایک مینار اور نصف حصّہ مدرسے کا اُڑ گیا یہ واقعہ ۱۱ رمضان ۱۱۰۶ھ میں ہوا جب کہ کئی سو آدمی نمازِ تراویح میں مصروف تھے۔ (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

بلدۂ بیدر میں اب تک موجود ہی جس کی عمارت عجائبات روزگار سے ہی۔ قطعہ تاریخی یہ ہی۔

ایں مدرسۂ رفیع محمود بنا	چوں کعبہ شد شش قبلۂ اہل صفا
آثارِ قبول ہیں کہ شد تاریخش	از آیتِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا

۸۸۷ھ م ۱۴۸۲ء

محمد شاہ لشکری کا انتقال ۱۴۸۲ء

اِس واقعے سے اُمرائے سلطنت ایسے بدّل ہوگئے کہ سب نے بغاوت شروع کی سلطنت میں انحطاط شروع ہو گیا بادشاہ کو بھی اپنے جاں نثار وزیر کے قتل کرواڈالنے کا ایسا صدمہ ہوا کہ اُسی دن سے وہ بیمار پڑگیا اور بوجہ کثرتِ شراب خواری غرۂ صفر ۸۸۷ھ م ۲۱ مارچ ۱۴۸۲ء کو بیس سال سلطنت کرنے کے بعد انتقال کیا۔ قطعۂ تاریخ وفات یہ ہی۔

شہنشاہِ جہاں شاہِ محمد	کہ در بحرِ فنا ناگہ فروشد
دکن چوں شد خراب از رفتنِ او	خرابیِ دکن تاریخ اوشد ۸۸۷ھ

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) یہ بے چارے بھی سب اُڑ گئے چنانچہ اِس مدرسے کے احاطے میں گنج شہیداں موجود ہی۔ اِس واقعے کی تاریخ "خراب شد" ۱۱ ہجری ہی چوں کہ جلال الدین خاں قلعدار بیدر نے مدرسے کے ایک حصّے میں باروت کا ذخیرہ رکھا تھا اِس سبب سے یہ افسوس ناک واقعہ بہت سخت ہوا۔ مدرسے کے پیش میں دیوار شرق رویہ کے بلند مقام پر نیلی چینی کی زمین پر سفید چینی کے نہایت جلی حروف میں کلام مجید کے چوبیسویں پارے کے چوتھے رکوع کی یہ آیت منقوش ہی وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ۝ جو منار گر گیا ہی اُس کے گرے ہوئے ڈھگار اب تک پڑے ہوئے ہیں جو کسی کے پھوڑے پھوٹ نہیں سکتے۔ تمام مدرسے میں گنبدوں کے اندر اِسی طرح مینا کاری کے کام سے سارا کلام مجید لکھا ہوا تھا۔ بہت سی جگہ کھپّر کے کھپّر گر گئے ہیں کچھ کچھ اب بھی باقی ہی۔ مینار پر لاجوردی اور سنہری کام کہکشاں کے مختلف رنگوں کا اِس غضب کا کیا تھا کہ آج تک جب آفتاب محاذی آتا ہی تو چمکتا ہی۔ اِس مکان میں اب بھی اِس قدر گنجائش ہی کہ سالہا سال ضلع کا انجینیر مع عملہ و دفتر اِسی میں رہتا تھا اور اب تک بھی ضلع کا مدرسہ اِسی میں تھا اب چند روز سے جدید مدرسہ بن جانے سے یہ عمارت خالی پڑی ہی۔ کہا جاتا ہی کہ کسی نے اِس مدرسے کے تاریخی قصلے میں "اِس عمارت تا قیامت پائدار" لکھا تھا۔ اسی وجہ سے یہ نتیجہ ہوا ۱۲۔

اِس کے بعد خاندانِ بہمنیہ تباہ ہو کر پانچ خود مختار سلطنتیں قائم ہو گئیں سے اپنے مرنے سے چند دن پیشتر بادشاہ نے اِرادہ کیا تھا کہ بندرِ گوا کو بجانگر کے راجہ رسیورائے سے چھین لے لیکن بادشاہ کے انتقال کی وجہ سے یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ سلطان محمد شاہ کی سلطنتِ گلبرگہ کے حالات ایک روسی سیّاح اتھناسیس نکیٹین نے لکھے ہیں جو ہندوستان میں ۱۴۶۹ء سے ۱۴۷۴ء تک رہا ہے۔ یہ سیّاح اوّل چال کو گیا وہاں سے براہِ خشکی جُنیر پہونچا وہ لکھتا ہے کہ "جُنیر میں ایک شخص اسد خاں نامی باج گزار ملک التجّار کی طرف سے رہتا ہے جو کفّار سے بیس سال سے جنگ کر رہا ہے بعض وقت وہ مغلوب ہوا ہے لیکن اکثر تو غالب ہی رہتا ہے"، ملک التجّار سے غالباً محمود گاواں وزیر مراد ہے جس کو ۱۴۵۷ء میں ملک التجار کا خطاب دربارِ سلاطینِ بہمنیہ سے ملا تھا کفّار سے مراد ہندو ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ۱۴۶۹ء میں ملک التجار و رایانِ سون گیر۔ کھلنا و باغیانِ کوکن سے لڑائی ہوئی تھی اِس لڑائی میں ملک التجار کی سرکردگی میں جُنیر کی افواج تھیں اِسی لڑائی میں ملک التجّار نے گوا فتح کر لیا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور نیز راج مندری۔ ونیو کنڈہ اور دوسرے مقامات پر ہندوؤں سے لڑائیاں ہوئی ہیں اور ایک لڑائی بلگاؤں پر بھی ۱۴۷۲ء میں ہوئی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ دولت آباد اور جُنیر کی افواج راجہ نرسہواں کے مُقابلے کے لیے مشرقی ساحل پر روانہ کی گئی تھیں۔ گلبرگہ کے حالات رُوسی مسافر نے حسبِ ذیل لکھے ہیں +

گلبرگہ کا حال ایک روسی سیّاح کی زبانی

"اقوامِ ہنود تمام ننگے اور برہنہ پا رہتے ہیں اُن کے ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے میں تلوار رہتی ہے بعض ملازمین تیر کمان سے مسلح رہتے ہیں۔ جنگ میں اکثر ہاتھیوں سے کام لیا جاتا ہے۔ ہاتھیوں کی سُونڈوں اور دانتوں میں بڑی بڑی درانتیاں باندھ دیتے ہیں اور ہاتھیوں پر خوش نما بڑی بڑی فولادی ڈھالیں لگاتے ہیں۔ ہاتھیوں پر انباری ہوتی ہے جس میں بارہ مسلح آدمی بندوقیں اور تیر لے کر بیٹھتے ہیں

Athanasius Nikitin

ملک میں آبادی کثرت سے ہی لیکن عام دیہاتی لوگ بہت تباہ حال ہیں اُن کے برخلاف اُمرار بہت مالدار اور عیش و آرام میں بسر کرتے ہیں جو چاندی کی پالکیوں میں نکلتے ہیں اُن کے آگے بیس گھوڑے سنہری ساز و سامان سے سجے سجائے رہتے ہیں - اور پیچھے تین سو سوار اور پانسو پیدل سینگ نواز دس مشعلچی اور دس گویئے ہوتے ہیں - بادشاہ کے جلوس میں ہزار گھوڑے طلائی ساز و سامان سے آراستہ سو اونٹ جن پر لوگ مشعلیں لے کر بیٹھتے ہیں تین سو بنجنتری اور تین سو ناچنے گانے والے رہتے ہیں - بادشاہ طلائی زین پر سوار ہوتا ہی اُس کے لباس پر جواہرات ٹکے رہتے ہیں اور سر پیچ میں ایک بڑا ہیرا لگا رہتا ہی وہ سنہری زرہ جس میں جواہرات جڑے ہوے ہوتے ہیں زیب تن کرتا ہی اور تین تلواریں جن کے قبضے سنہری ہوتے ہیں لگاتا ہی - بادشاہ کا بھائی طلائی پالکی میں (جس کے اوپر مخمل کا شامیانہ جس میں جواہرات ٹکے ہوے رہتے ہیں لگا رہتا ہی) نکلتا ہی - سلطان محمود بھی سونے کی پالکی میں برآمد ہوتا ہی اُس پر بھی ریشمی سنہری شامیانہ رہتا ہی جس کو چار گھوڑے سنہری ساز کے کھینچتے ہیں - بادشاہ کے اطراف میں جمِ غفیر آدمیوں کا رہتا ہی اور آگے گانے والوں اور ناچنے والوں کی تعدادِ کثیر جمع رہتی ہی ملک التجار نے دو قصبوں کو فتح کر لیا جن کے جہاز سمندر میں چلا کرتے تھے اور سات شہزادوں کو بھی مع خزانہ گرفتار کر لیا - اِن شہروں[1] کا محاصرہ دو لاکھ فوج سو ہاتھی تین سو اونٹوں سے دو برس تک کیا گیا - مرزا ملک میخ خاں اور فرحت خاں نے بھی تین شہر فتح کیے اور بے انتہا دولت و جواہرات لوٹ کر ملک التجار کے پاس بہ مقام بیدر تخت نشینی کے روز لائے - بادشاہ کا بھائی جب جنگ میں جاتا تھا تو اُس کے ساتھ اُس کی والدہ اور ہمشیرہ سنہری پالکیوں میں اور دو ہزار عورتیں گھوڑوں پر سوار رہتی تھیں - اِس کے علاوہ جلوس میں تین سو سوار جن کے ساز و سامان طلائی ہوتے تھے رہتے تھے ملک التجار بیدر سے پچاس ہزار فوج لے کر نکلا اور پچاس ہزار فوج بادشاہ نے بھیجی - یہ فوج لے کر وہ بیجانگر کو روانہ ہوا - راجہ بیجانگر کے پاس تین سو ہاتھی ایک لاکھ فوج اور

[1] ان شہروں سے غالباً ایک بندرگاہ تھا جس کو ۱۴۶۹ء میں فتح کیا ۱۲

پچاس ہزار سوار تھے" رُوسی مسافر نے سلطان محمد شاہ کے جملہ افواج کی تعداد نو لاکھ پیدل ایک لاکھ نوّے ہزار سوار پانسو پچھتر ہاتھی لکھے ہیں۔ "بادشاہ گلبرگہ ملک التجار پر لشکر لے کر روانہ ہوا لیکن اس لڑائی میں کچھ زیادہ کام یابی نہیں ہوئی ہزاروں آدمی اور مال واسباب کا نقصان ہوا جب کہیں صرف ایک قلعہ بلگاؤں کا فتح ہوا۔

بیجانگر کا حال ایک رُوسی سیّاح کی زبانی

ہندو بادشاہ "قدم" ایک بہت بڑا طاقتور رئیس ہے اُس کے پاس بے انتہا فوج ہے وہ ایک پہاڑ پر بمقام بیجانگر رہتا ہے اس عظیم الشان شہر میں تین قلعے ہیں شہر کے بیچ میں سے ایک دریا[1] رواں ہے شہر کی ایک جانب خطرناک جنگل ہے اور دوسری طرف وادی ہے یہ مقام عجیب و غریب اور بہت بکار آمد ہے۔ ایک جانب سے شہر بالکل محفوظ ہے (یعنی اُدھر سے حملہ نہیں ہو سکتا) شہر کے بیچوں بیچ سے ایک سڑک گزرتی ہے اور چوں کہ بلند پہاڑ اور گھاٹیاں اور درے واقع ہیں شہر قدرتی طور پر دشمنوں کی دست برد سے بالکل محفوظ ہے۔ بادشاہ نے اِس شہر کا محاصرہ ایک مہینے تک کیا لیکن سامانِ رسد اور پانی کے بند ہونے سے بہت لوگ ضائع ہوئے۔ اگرچہ سامنے ہی وافر پانی موجود تھا لیکن وہاں تک پہنچنا ناممکن تھا آخر کار اِس قلعے کو ملک خانِ خدا نے شبانہ روز جنگ کے بعد فتح کیا۔ فوج کا یہ حال تھا کہ بھاری بھاری توپوں سے گولہ اندازی کرتی تھی۔ اور بیس دن تک اِن لوگوں نے نہ کھانا کھایا اور نہ پانی پیا۔ بادشاہ کی فوج کے پانچ ہزار بہترین اشخاص مارے گئے۔ جب شہر فتح ہو گیا تو بیس ہزار باشندگاں عورت و مرد کے سر کاٹ لیے گئے اور بیس ہزار معمر اور جوان باشندوں کو قید کر لیا۔ اتنی جاں کاہی کے بعد خزانہ جو دیکھا تو خالی تھا اِس واسطے شہر کو چھوڑ دیا"۔ اوپر کا حال جو رُوسی مسافر نے محاصرے اور جنگ کا لکھا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کون سی لڑائی تھی کیوں کہ اِس زمانے

---

[1] یہ دریائے تنگ بھدرا ہے جو شہر بیجانگر اور شہر آناگندی کے درمیان رواں ہے۔ پہلے زمانے میں دریا اِس پار اور اُس پار آبادی تھی اور دونوں ٹکڑوں کو شہر بیجانگر سے تعبیر کیا جاتا تھا اِسی وجہ سے ستیاج نے شہر کے بیچ سے دریا کا رواں ہونا لکھا ہے ۱۲۔

میں راے بیجانگر اور مسلمانوں سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ ممکن ہے کہ سیّاح نے ناواقفیت سے شہر کے نام میں غلطی کی ہو اور بجاے راج مندری یا ملک تلنگانہ کے کسی مشرقی شہر کے بیجانگر لکھ دیا ہو۔

محمود شاہِ ثانی بہمنی کا حال

۸۸۷ھ مطابق ۱۴۸۲ء میں محمود شاہِ ثانی بہمنی خاندانِ بہمنیہ کا چھٹا بادشاہ تھا بارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اِس کے زمانے میں جھگڑے ہی جھگڑے ہوتے رہے اور سلطنت کا زوال ہوگیا تمام اُمراے مُلک باغی ہوگئے اور ہر شخص نے سرکشی شروع کی اپنی اپنی جگہ سب خود مختار بن گئے سلطنت کے کیل پُرزے ڈھیلے ہوگئے اور ہر جگہ طوائف الملوکی ہوگئی۔ گورنر گوا بھی خود مختار ہوگیا اور کئی مقامات ساحلِ سمندر پر قبضہ کرلیا دارالسلطنت میں خود آپس میں لڑائیاں پڑگئیں ۸۹۲ھ میں محمود شاہ کے مارڈالنے کے لیے ایک گہری سازش کی گئی جس میں حبشی اور دکھنی لوگ شریک تھے۔ یہ لوگ قلعے میں گھس گئے اور قلعے کے دروازے بند کرلیے۔ بادشاہ رات کے وقت شاہ برج نامی محل میں آرام کر رہا تھا دوسرے دن صبح کو ایک بہت بڑی لڑائی ہوئی تُرک اور مغل ایک طرف تھے اور حبشی اور دکھنی دوسری طرف دونوں فریق تین دن تک لڑتے رہے۔ لڑائی صرف اِس بات پر ہوئی کہ بادشاہ نے تُرکوں اور مُغلوں کی جنبہ داری کی تھی بادشاہ نے دونوں فریقوں کو سمجھا بُجھا کر رفع دفع کردیا لیکن اِس کے بعد سب صوبے دار بدل گئے اور جو جہاں تھا مالک بن بیٹھا۔ بادشاہ کے پاس صرف شہر بیدر اور قریب قریب کے مقامات اور ملکِ تلنگانہ باقی رہ گیا۔ اب تک جو بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا ۸۹۵ھ سے وہ بھی موقوف ہوکر قاسم بریدؔ (ایلچی) کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا قاسم بریدؔ

لہ قاسم برید گرجی قوم کا تھا اِس کو ایامِ طفولیت میں شہاب الدین نیروی ہرات ملکِ فارس سے خرید کرلایا اور محمد شاہ لشکری کے ہاتھ فروخت کیا بادشاہ نے اِس کی بہت اچھی تربیت کی قاسم برید بہت لائق اور دانش مند تھا۔ سلطان محمود نے اِس کو پہلے پہل بلدۂ بیدر کا کوتوال مقرر کیا رفتہ رفتہ اپنی عمدہ کارگزاری سے (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۴)

بریدنے ۸۹۷ھ میں پورا عمل دخل کرلیا۔ اور اپنی سپہ سالاری کا اعلان کردیا۔ بادشاہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۳) ۸۹۵ھ میں منصب وزارت سے سرفراز ہوا۔ وہ روز بروز سلطنت بہمنیہ کی کمزوری دیکھ کر اپنے استحکام و استقلال کی فکر میں لگا رہتا تھا دوسرے اُمرا نے اس کا غیر معمولی عروج دیکھ کر معزول کرانے کی فکر کی وہ وزارت چھوڑ کر اپنی جاگیرات اُودگیر و اُدسہ و قندھار و کلیانی کو چلا گیا اُودگیر ضلع بیدر کی ایک تحصیل ہے یہ مقام سڑک حیدرآباد و جالنہ پر واقع ہے بیدر سے تیس کوس کا فصل ہے۔ یہاں کا قلعہ مشہور ہے جس کا حصار اور اندرونی کچھ مکانات قدیم باقی ہیں۔ قلعے کے فتح برج پر یہ کتبہ موجود ہے۔ "در عہد حضرت سلیمان الزمانی صاحبقران ثانی شاہ جہاں بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ عمدۃ الملک خاندوران بہادر نصرت جنگ بتاریخ ہفتم شہر جمادی الاول ۱۰۴۲ھ فتح برج قلعہ اُودگیر را نقب سرائیدہ"۔ اورنگ زیب کے عہد میں یہاں کا قلعدار حاتم خاں تھا جس کے متعلق یہ کتبہ موجود ہے:۔

یافت در عہد شاہِ عالمگیر		قلعہ داریِ قلعہ اُودگیر	
کمترینِ خانہ زاد حاتم خاں		کہ پُر از اعتقاد داشت ضمیر	
در سنہ الف و اربع و تسعین		کرد ایں قصرِ دل کشا تعمیر	
ولدِ دوست بیگ قوم مُغل		شدہ طیار ایں خجستہ مکان	

ساختہ مرشد قلی خاں ابن دیانت خاں غرۃ محرم الحرام ۱۰۹۴ھ

قلعے کے علاوہ حسام باغ بھی ایک عمدہ جگہ ہے جہاں اب تک عمارات و کتبے موجود ہیں اور ذیل کے کتبے ہیں۔

عَلَی اللّٰہِ فِی کُلِّ اُمُورِہٖ تَوَکُّلِی		وَبِالْخَمْسِ اَصْحَابِ الْعَبَاءِ تَوَسُّلِی	
فَمِنَ الْمَبْعُوثِ وَابْنَیْہِ بَعْدَہٗ		وَفَاطِمَۃَ الزَّہْرَاءِ وَالْمُرْتَضٰی عَلِی	

صاحب قران ثانی

در زمانِ سشہِ آفاق ستاں		باعثِ امن و اماں شاہ جہاں	
بادِ گیتی ز سحابِ فضلش		تا ابد تازہ تر از باغِ جناں	
ساخت باغے بفرح بخشیِ خلد		مظہرِ فیضِ حسام الدین خاں	
بہرِ تاریخ دے از ہاتفِ غیب		باغِ نو آمدہ در گوشِ رواں	
		۱۰۵۹ھ	

کی رہی سہی طاقت بھی سلب ہوگئی اور وہ صرف نام کا بادشاہ رہ گیا۔ بدنصیب بادشاہ

ابن نظام الدین خاں + ابن غیاث الدین علی آصف خاں

ابن آقا ملا بدیع الزماں + ابن بدرالدین حسن القزوینی

بحساب جمل باغ نو یک ہزار و پنجاہ و نہ ہجری نبوی می شود و مطابق جلوس ہمایوں سنہ بست و یک

ساختم ایں خانہ را تا دوستے منزل کند ورنہ عاقل عمر خود کی صرف آب و گل کند

تواں کردہ تمام عمر خود مصروف آب و گل
کہ شاید یکدمے صاحب دلے در وے کند منزل

اوسہ ضلع عثمان آباد عرف تلدرگ کی تحصیل ہے۔

قندھار۔ ضلع ناندیڑ میں ہے یہاں کا قلعہ بہت مشہور ہے اور تاریخی مقام ہے چنانچہ اس کی علیٰحدہ تاریخ مولوی امیر حمزہ صاحب کرشتہ دار دفتر پوسٹ ماسٹر جنرل حیدرآباد نے لکھی ہے۔ کلیانی ضلع گلبرگہ میں ایک مشہور تاریخی مقام ہے اب بھی یہاں ایک نواب جاگیردار ہیں۔ خواجہ یہاں محمود گاواں کا قتل بھی قاسم بریدہی کی سازش سے ہوا جس کے بعد پھر یہ خود وزیر ہوگیا ۹۸۸ھ میں جب خاندان بہمنیہ اسی کی بدولت ختم ہوگیا تو یہ خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اس سلسلے میں حسب ذیل سات بادشاہ ہوئے۔

نشان سلسلہ	نام	سال تخت نشینی	مدت سلطنت	سال انتقال
۱	قاسم برید	۸۹۵ھ میں وزیر اعظم ہوا	۱۵ سال	۹۱۰ھ
۲	امیر برید	۹۱۰ھ	۳۹ سال	۹۴۹ھ بمقام ہالا گھاٹ متصل دولت آباد (۹۰) سال کی عمر میں انتقال کیا۔
۳	علی برید	۹۴۹ھ	۳۸ سال	۹۸۷ھ میں بمقام رنگین محل بیدر انتقال کیا
۴	ابراہیم برید	۹۸۷ھ	۷ سال	۹۹۴ھ
۵	قاسم برید ثانی	۹۹۴ھ	۴ سال	۹۹۸ھ
۶	علی برید ثانی	۹۹۸ھ	۱۲ سال	۱۰۱۰ھ
۷	امیر برید ثانی	۱۰۱۰ھ	۹ سال	۱۰۲۰ھ اس کے بعد مرزا علی نے ۱۲ سال ۱۰۳۲ھ تک بطور نائب سلطنت کام کیا۔
		جملہ ۱۲۴ سال		

محمود شاہ ثانی عالمِ گم نامی میں زندہ رہا اور سینتیس ۳۷ سال بیس ۲۰ روز سلطنت کرنے کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۵) بیدر سے ایک میل کے فاصلے پر بہ جانبِ مغرب بریدیوں کے گنبد ہیں ان میں نہایت عالی شان اور قابلِ دید گنبد علی برید شاہ کا ہے اِس گنبد کے چاروں رُخ کھلے ہوئے ہیں ہوا سے کوڑا کرکٹ اُڑ جاتا ہے۔ علی برید کی قبر پر ایک نہایت عمدہ سنگِ موسیٰ کے نہایت صاف پتھر کا تعویذ ہے جس کے سرہانے بہ خطِ عزی کلمہ مُنبّت ہے۔ گنبد کے اندر چینی حروف میں اشعارِ ذیل نہایت خوش خط کُندہ ہیں

ای ہم نفساں تا اجل آمد بسرِ من
از پائے درافتادم و خوں شد جگرِ من

وے تازہ گلے بودم اندر چمنِ باغ
امروز فروریخت ہمہ بال و پرِ من

یاراں و عزیزاں سرِ خاکِ من آیند
از خاک بپرسند نشان و خبرِ من

گر خاکِ جہاں جملہ بہ غربال بہ بیزند
حقا کہ نیابند نشان و اثرِ من

رفتم بہ چناں جاے کہ باز آمدنم نیست
ہم نیست اُمیدے کہ کس آید بہ سرِ من

عطار لے دارم ز درد بہ خوں غرق
حقا کہ نیاید دو جہاں در نظرِ من

دریغا کہ بے ما بسے روزگار
بروید گل و بشگفد نو بہار

کسانیکہ از ما بہ غیب اندر اند
بیایند و بر خاکِ ما بگذرند

تفرّج کناں در ہواؤ ہوس
گذشتیم بر خاک بسیار کس

کرا جاوداں ماندن امید ماند
چو کس را نہ بینی کہ جاوید ماند

دامن کشاں کہ می رود امروز بر زمیں
فردا غبار گاہ کشد بر رخِ وی

خاکت دماستخواں رود ای نفس خیرہ چشم
مانندِ سرمہ داں کہ درد تو تیا رود

بانیِ ایں گنبدِ گردوں مثال
شاہ فرخندہ برید نیک خو

مصرعۂ آخر کہ تاریخش بناست
نامِ گنبد قبّۃ الانوار گو

کتبہ خواجگی شیرازی

بعد کثرتِ شراب خواری وعیاشی کی وجہ سے ۴ ذیحجہ ۹۲۴ھ م ۲۰ دسمبر ۱۵۱۷ء کو دُنیا سے

شاہِ سریر مملکت دین علی برید		چوں تنگ نائے فانی دنیا دون ہشت	
آسودہ در بہشت شد آمد ندائے غیب		تاریخ فوتش آمدہ آسودہ در بہشت	
		۹۸۰ھ	

خاندانِ بریدیہ کا آخر بادشاہ "امیر برید ثانی" تھا۔ اِس زمانے میں ابراہیم نظام شاہ والیِ احمد نگر کی مملکت میں انواع واقسام کی خانہ جنگیاں اور بلوے ہو رہے تھے۔ اِن کے فرو کرنے کے لیے اُس نے امیر برید ثانی سے مدد چاہی۔ اِس کی مدد سے چند چھوٹی موٹی لڑائیوں کے بعد باغی راجہ وغیرہ دب دبا گئے اور آتشِ فتنہ وفساد فرو ہوگئی۔ اِس کے بعد امیر برید عیش وعشرت میں ایسا محو ہوگیا کہ سلطنت کے کاروبار بالکل درہم برہم ہوگئے ارکان واعیانِ دولت نے اِس کی حرکات سے ناراض ہوکر مرزا علی نامی ایک امیر کو تخت پر بٹھا دیا امیر برید بھاگ کر بھاگ نگر میں پناہ گزیں ہوا اور آخر کار ۱۰۲۰ھ میں مرگیا۔ یہی سال خاندانِ بریدیہ کے خاتمے کا سمجھنا چاہیئے۔ مرزا علی بارہ برس تک کاروبارِ سلطنت عمدگی سے چلاتا رہا ۱۰۲۵ھ میں مرزا علی نے اپنی لڑکی بڈھی صاحبہ کو بغرضِ استحکامِ محبت علی عادل شاہ پسرِ محمد عادل شاہِ بادشاہِ بیجاپور کے عقد میں دیا چنانچہ شادی بڑی دھوم دھام سے شہر بیدر میں ہوئی مگر حسبِ قرارداد ضلع چنگلو پہ لڑکی کے جہیز میں نہ دینے سے دونوں میں نفاق آگیا (چنگلو پہ علاقۂ پایگاہ بیدر سے قریب ہی) محمد عادل شاہ نے بیدر پر فوج کشی کی اور بہ مقام گلبرگہ معرکۂ عظیم ہوا جس میں مرزا علی اور اُس کا دوست ولی برید گرفتار ہوگئے اور بقیۃ العمر بیجاپور میں قید رہے۔ مرزا علی نے بارہ برس حکومت کی اور ۱۰۳۲ھ میں مرگیا پس خاندانِ بریدیہ کی سلطنت ۱۲۴ سال رہی اور اگر مرزا علی کا زمانہ ملا لیا جاوے تو ۱۳۶ برس ہوتے ہیں ۱۰۳۲ھ کے بعد سلطنتِ بیدر خاندانِ عادل شاہیہ کے قبضے میں آگئی اور محمد عادل شاہ نے ۱۰۳۶ھ میں "سیدی مَلِک مرجان" کو بیدر کا صوبہ دار مقرر کیا تیس برس یہ بھی حاکم رہا ۱۰۶۶ھ میں اِس نے شاہزادۂ اورنگ زیب سے دو لڑائیاں لڑیں مگر دونوں میں شکست کھائی۔ اِسی سال ایک تیسری لڑائی بھی اورنگ زیب سے ہوئی۔ لیکن جس بُرج پر مَلِک مرجان اُس کے بیٹے اور دوسرے عہدہ دار تھے وہ بارود سے اُڑا دیا گیا اِس میں مَلِک مرجان نے بھی جان دی۔ یہ بُرج اِس فتح کے بعد سے "فتح بُرج" کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ اِس طرح ۱۰۶۶ھ میں بعہد شاہِ جہاں بادشاہِ دہلی بیدر کو اورنگ زیب نے فتح کیا۔ اُس وقت سے اب تک یہ شہر مسلمانوں کے قبضے میں مسلسل چلا آتا ہے۔ (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۸)

رخصت ہوا یہ بیت اُسی کی ہے۔

در بحرِ غم فتادم و امواج بے عدد
تا چند دست و پا بزنم یا علی مدد

خاندانِ بہمنیہ کے آخری بادشاہوں کا حال اور خاندان کا خاتمہ

امیر بریدنے محمود شاہ کے بیٹے احمد شاہ ثانی کو ۹۲۴ھ میں تخت پر بٹھایا۔ یہ بڑا پست ہمت۔ عیش پسند اور خفیف العقل تھا۔ اگر کچھ بھی اس میں لیاقت ہوتی تو اس کو بہت سے ایسے مواقع حاصل تھے کہ اپنے باپ دادا کی سلطنت کو سنبھال لیتا۔ اُس وقت امیر برید کے قبضے میں صرف دو تین اضلاع اور تین چار ہزار فوج تھی۔ امیر برید نے جو غلام تھا سوچا کہ اگر میں خود بادشاہ بن جاؤں تو دوسرے ہم سر حد بادشاہ و امرا شاید گوارا نہ کریں اور کچھ شر و فساد کھڑا ہو اس لیے اُس نے حکمتِ عملی سے بادشاہانِ بہمنیہ کا نام قائم رکھا اور خود بہ تدریج بڑھتا گیا۔ جب برید نے دیکھا کہ بادشاہ شراب میں چُور رہتا ہے اور عیش پسند ہے تو اُس نے ایک محل اور باغ اُس کے رہنے کو دے دیا اور شراب نوشی کا عمدہ سامان کر دیا۔ اِس کے ساتھ ہی یہ بھی اہتمام کیا کہ کوئی بادشاہ کے پاس پھٹکنے نہ پائے۔ بادشاہ کے اخراجات کے لیے جو کچھ وہ ہاتھ اُٹھا کر دیتا تھا کافی نہ ہوا اس لیے بادشاہ نے تاجِ بہمنیہ کو جو چار لاکھ ہُن کا تھا ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیچ کھایا اور اسی بدحالی میں دو سال ایک ماہ سلطنت کر کے ۹۲۶ھ میں زہر کھا کر یا خدا معلوم اپنی موت سے مر گیا۔ اِس کے بعد امیر برید نے اِس کے بیٹے علاء الدین سوم کو تخت پر برائے نام بٹھا کر قید میں رکھا۔ امیر برید کی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۷) اِس کے بعد یکے بعد دیگرے (۲۵) قلعے دار مامور رہے سب سے پہلا قلعے دار افتخار خاں تھا اور سب سے آخر عبد اللہ بن علی تھا جو راجہ چندو لال بہادر وزیر اعظم کے عہد میں ۱۲۵۴ھ میں مامور رہا۔ راجہ چندو لال بہادر نے ۱۲۶۲ھ میں انتقال کیا اسی سال راجہ رام بخش فرزند راجہ چندو لال بہادر نے قلعے داری کی خدمت کو تخفیف کر دیا۔ بیدر ایک عرصے تک صوبے دار یعنی کمشنر کا مستقر رہا اور اب صرف ضلع کی حیثیت رکھتا ہے اور مملکتِ سرکارِ عالی نظام میں صوبے دار گلبرگہ کے تحت میں ہے ۱۲۔

سخت گیری سے بادشاہ نے تنگ آکر اُس کے مروا ڈالنے کا ارادہ کیا اور اپنے چند خدام اور سپاہیوں کو اس کام کے لیئے دیوان خانہ میں چھپا رکھا۔ امیر برید حسب معمول ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بادشاہ کے سلام کے لیئے حاضر ہوا کرتا تھا اُس روز بھی اپنے بیٹوں اور چند ہمراہیوں جملہ تین چار آدمیوں کو لے کر دربارِ شاہی میں حاضر ہوا۔ اتفاقاً اِن لوگوں میں سے جو کہ پوشیدہ اِس کی تاک میں بیٹھے تھے ایک شخص کو چھینک آئی ہر چند اُس نے چھینک کے دبانے کی کوشش کی لیکن رُک نہ سکی امیر برید نے پہچان لیا کہ چھینک کس اجنبی کی ہے۔ فوراً مکان سے باہر نکل آیا اور ایک بڑھیا عورت کو جو وہیں تھی بُلا کر پوچھا کہ سچ بتا محل کے اندر کون ہے چھینک کی جو آواز آئی تھی وہ بادشاہ کی نہ تھی۔ بڑھیا نے کہا کہ مجھے کیا خبر امیر برید نے خواجہ سراؤں کو محل کے اندر گھسا دیا اور سب پوشیدہ حال معلوم ہو گیا اور جتنے لوگ اندر چھپے بیٹھے تھے اُن کو باہر کھینچ کر سخت تکلیفیں دے کر مروا ڈالا۔ اُسی وقت سے سلطان علاء الدین پر اور زیادہ سختی کرنے لگا اور دو سال تین مہینے کی بادشاہت کے بعد معزول بھی کر دیا جو آخر کار ۹۲۹ھ میں انتقال کر گیا۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ بے چارے کی تقدیر ہی پلٹ گئی تھی جو ذرا سی بات میں بساط اُلٹ گئی ؎

جہاں بہ گشتم و در دا کہ ہیچ شہر و دیار
نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

اُس کے بعد سلطان ولی اللہ بہمنی بن سلطان محمود شاہ کو برائے نام بادشاہ بنایا اِس بے چارے نے تین سال تک جو امیر برید نے دیا اُسی پر قناعت کی لیکن اپنے بھائی کی طرح اِس نے بھی امیر برید کے مروا ڈالنے کا ارادہ کیا مگر راز فاش ہو گیا اور اِس کی خبر امیر کو پہنچ گئی اُس نے فوراً بادشاہ کو قید کر دیا اور بادشاہ کی منکوحہ سے سازش کر کے آخر کار اُس کا کام تمام کرا دیا اور پھر اُس عورت کو بھی اپنے پاس رکھ لیا۔

رباعی

گُل صبح دمے بخود برآشفت و بریخت	ما بادِ صبا حکایتے گفت و بریخت
بد عہدیِ دہر بیں کہ گل در ہر روز	سر بر زد و غنچہ کرد و شگفت و بریخت

اِس کے بعد شاہ ولی اللہ کے چھوٹے بھائی کلیم اللہ بہمنی کو جو یوسف عادل شاہ کا بھانجا تھا ۹۳۰ھ میں تخت پر بٹھا دیا۔ یہ آخری بادشاہ خاندانِ بہمنیہ کا تھا اِس کو بھی امیر بریدنے قید میں رکھا۔ شاہ کلیم اللہ نے اِس سختی سے تنگ آکر ۹۳۲ھ میں اپنی داستانِ مُصیبت خُفیہ طور پر بذریعۂ عرضی ظہیر الدین بابر بادشاہِ دہلی کی خدمت میں بھیج کر استمداد چاہی

۵۱ بابر شاہنشاہ نے ۱۵۲۶ء سے ۱۵۳۰ء تک سلطنت کی ہے۔ بابر کی عمر چالیس سال کی تھی اور اُس کی فوج کی تعداد تیرہ ہزار تھی مگر اِس میں ہر ایک سپاہی صدہا لڑائیاں لڑ چکا تھا اور اپنے سردار کا ساتھ دینے کے لیے مرتے دم تک طیار تھا۔ بابر نے بڑی بہادری سے پنجاب کی طرف کوچ کیا اور وہاں سے ہوا اور بجلی کی طرح بڑھتا ہوا دہلی کے قریب جا پہونچا۔ ابراہیم لودھی دہلی سے ایک لاکھ سپاہ لے کر اُس کے مقابلے کو نکلا اور بہ مقام پانی پت ۱۵۲۶ء میں بڑی بھاری لڑائی ہوئی جس میں ابراہیم خود اور اُس کی فوج کے بیس ہزار سوار میدانِ جنگ میں کام آئے۔ اِس لڑائی کے بعد بابر دہلی کا بادشاہ ہو گیا۔ اُس وقت ہند میں مُسلمانوں کی پانچ سلطنتوں کے علاوہ راجپوتوں کی سلطنتیں بھی بڑے زور پر تھیں جن کا سردار راجہ سنگا نامی تھا راجپوتوں نے بابر پر حملہ کیا مگر بابر نے بڑی بھاری شکست دی حتّٰی کہ تین سال کے اندر ہی اندر بابر اور اُس کے بیٹے ہمایوں نے تمام شمالی ہندوستان کو فتح کر لیا۔ اب تک جتنے مسلمان بادشاہوں نے ہند پر حکومت کی تھی اُن سب سے بابر اچھا بادشاہ تھا۔ لفظ بابر کے معنی شیر کے ہیں اور درحقیقت بابر شیر کے مانند بہادر اور مضبوط بھی تھا۔ وہ دو لمبے لمبے آدمیوں کو بغلوں میں داب کر ایک بڑی دیوار کے اوپر دوڑتا ہوا چل سکتا تھا وہ ہر ایک دریا کو جو رستے میں ملتا تیر کر عبور کرتا تھا اور اکثر گھوڑے پر سوار سو سو میل روزانہ چلا جاتا تھا گو وہ جنگ کو پسند کرتا تھا مگر بے رحم نہیں تھا اور اُن آدمیوں کو جو لڑنا نہیں چاہتے یا لڑ نہیں سکتے تھے نہیں مارتا تھا۔ وہ ہندوستان میں لوگوں کو قتل کرنے مندروں کو مسمار کرنے اور ملک کو لُوٹنے نہیں آیا تھا بلکہ ایک دانش مند بادشاہ کی طرح حکومت کرنے آیا تھا۔ وہ قول کا بڑا سچا تھا اُس نے کبھی کوئی رذیل کام نہیں کیا تھا۔ وہ ہمیشہ خوش دل رہتا تھا۔ اپنی سوانح عمری میں جو اُس نے اپنی قلم سے لکھی ہے یہ لکھتا ہے کہ شکست کھا کر میں نے کبھی کامیابی کی اُمید نہیں چھوڑی اور کبھی بے کار نہیں رہا وہ ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ انسان وہ کام کیوں کر کر سکتا ہے جو اُس کی موت کے بعد اُس کو بدنام کرنے والا ہو۔ بابر ہند میں بہت سال زندہ نہیں رہا (بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

لیکن وہاں سے کچھ جواب نہ ملا اور یہ راز بھی کھل گیا۔ بادشاہ سمجھا کہ اب جان کی خیر نہیں ہے مجبوراً ۹۳۲ھ میں بیجاپور بھاگ گیا وہاں بادشاہ کے ماموں اسمٰعیل عادل شاہ نے اس کو کچھ مدد نہ دی ناچار برہان نظام شاہ بحری کے پاس احمد نگر پونہچا وہ اعزاز و اکرام سے پیش آیا اور ارادہ کیا کہ اس کو امداد دے کر سلطنت بیدر پر پھر قابض کرا دے۔ جب کبھی شاہ کلیم اللہ بادشاہِ احمد نگر کی مجلس میں جاتا تو ادب سے اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا رہتا تھا۔ اسی مجلس میں ایک بزرگ شاہ طاہر تھے انھوں نے جب یہ حال دیکھا تو شاہ کلیم اللہ کو سرزنش و ملامت کی اور کہا کہ دنیا کی چند روزہ حکومت کے لیئے تم نے ایسی ذلت اختیار کی ع ہر کسے پنج روزہ نوبتِ اوست۔ ابھی چند روز ہوے کہ تم خود بادشاہ تھے اور تمھارے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ نہایت افسوس اور شرم کی بات ہے کہ اب تم ایک دوسرے بادشاہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہو جو حمیت سے بہت بعید ہے۔ یہ بات سُن کر احمد نگر کے بادشاہ نے پھر کلیم اللہ کو اپنی مجلس میں نہیں بُلوایا اور کلیم اللہ کچھ ایسا بحرِ خجالت میں غرق ہوا کہ زہر کھا لیا یا اجلِ طبعی آگئی اور احمد نگر ہی میں انتقال کیا اس کا تابوت بیدر میں لاکر دفن کیا گیا۔ اور ۹۸۸ھ میں خاندانِ بہمنیہ کا خاتمہ ہوا۔

قطعہ

بہ ہست دنیست مرنجاں ضمیر دل خوش دار	کہ نیستی ست سرانجام ہر کمال کہ ہست
ازیں رباطِ دو در چوں ضرورت است رحیل	رواقِ طاقِ معیشت چہ سر بلند و چہ پست

خاندانِ بہمنیہ ٹوٹ کر ملکِ دکن میں پانچ سلطنتیں جُدا جُدا حسب ذیل قائم ہوگئیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) جب وہ دہلی پر چار سال سلطنت کر چکا تو اس کو بیماری شروع ہوئی اور اپنے بیٹے ہمایوں پر جو بہت بیمار تھا صدقے ہو کر چار باغ (متصل آگرہ) میں ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو دنیا سے رخصت ہوا۔ بحساب ہجری ۵ جمادی الثانیہ ۹۳۷ھ یوم دوشنبہ کو اس نے انتقال کیا اور حسبِ وصیت خود شہر کابل سے بہ فاصلہ ایک میل قدم گاہِ رسول میں مدفون ہے "بہشت و زیبا" تاریخ

(۱) عادل شاہی ملک کرناٹک میں جس کا دارالسلطنت بیجاپور تھا۔

۱۴۹۰ء سے ۱۶۸۶ء تک ملکِ دکن میں سب سے بڑا شہر بیجاپور تھا بادشاہانِ عادل شاہی کا پایۂ تخت تھا۔ اِس خاندان میں بہ لحاظِ عمارات موجودہ یوسف عادل شاہ (۱۴۸۹ء تا ۱۵۱۰ء) ابراہیم عادل شاہ ثانی و محمد عادل شاہ (۱۶۲۶ء تا ۱۶۵۶ء) ہی تین بڑے نامور اور مشہور بادشاہ ہو گزرے ہیں۔ محمد عادل شاہ کا بڑا بھاری گنبد جو بول گنبد کے نام سے مشہور ہی قابلِ دید عمارت ہی۔ اِس کا قُبّہ دُنیا کے تمام قبّوں سے زیادہ بڑا ہی جس کے اندر ۱۸۱-۹/۳۵ مربع فٹ کا خلا ہی۔ قبّے کا اندرونی قطر ۱۲۴ فٹ (۵) انچ ہی۔ قبّے کا آغاز دس فٹ اور قبّے کی چندیا کا آثار (۹) فٹ ہی۔ قبّے کی بلندی ۱۹۸ فٹ چھ انچ ہی اور چبوترہ ملاکر ۲۰۶ فٹ چھ انچ۔ اِس گنبد میں سب سے انوکھی بات یہ ہی کہ قبّے کے اندر چاروں طرف برآمدہ بنا ہوا ہی اور وہاں آواز اِس قدر گونجتی ہی کہ ایک تالی بجاؤ تو دس مرتبہ ٹکرا کر دس تالیوں کی آواز آتی ہی۔ کیسے بھی آہستہ بات کرو تو قبّے کے دوسرے سرے پر صاف سُنائی دیتی ہی۔ اِس واسطے اِسے Whispering galary کہتے ہیں اور گنبد کو بھی بول گنبد اور بعض گول گنبد بھی کہتے ہیں۔ وفات کی تاریخ ۱۰۶۶ھ م ۱۶۵۶ء ہی جو اُن فقروں سے نکلتی ہی جو مقبرے کے دروازے کے اندرونی رُخ پر کندہ ہیں۔

عاقبت محمد محمود شد + سلطان محمد جنت آشیانی + محمد شہِ دارالسلام شد

محمد عادل شاہ ہی نے آثار محل بنوایا جس میں موئے مبارک حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہیں جو محمد صالح ہمدانی لائے تھے اور اِن ہی کی برکت سے یہ محل مسمار ہونے سے محفوظ رہا۔ اِسی میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جو امتدادِ زمانہ سے تلف ہوا بچی کھچی مذہبی کتابیں ۱۸۴۳ء میں انڈیا آفس کو بھیج دی گئیں۔ شرزہ بُرج پر مشہور توپ ملکِ میدان ہی جس کا ذکر ہم کسی دوسری جگہ کر چکے ہیں۔ فصیل کا دَور ۷ ½ میل ہی اور متعدد دروازے اور بُرج ہیں جو سب قابلِ دید ہیں۔ عادل شاہ اوّل نے جو آب رسانی کے حوض اور نل وغیرہ بنوائے ہیں وہ اب تک موجود ہیں اور اُس زمانے کے اعلےٰ درجے کی انجینیری کو ثابت کرتے ہیں۔ اِس بڑی بھاری اسکیم کا خزانہ موضع تاروی میں ہی جو بیجاپور سے (۳) میل کے فاصلے پر ہی۔ مہتر محل بھی قابلِ دید ہی کہ اِس کے دروازے میں پتھر کی گل کاری کی ایسی صنّاعی کی ہی کہ پتھر کو موم بنا دیا ہی مہتر محل کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہی کہ ابراہیم عادل شاہ کو برس کا مرض ہو گیا تھا منجّموں نے بادشاہ سے کہا کہ آپ علی الصباح شہر کے دروازے کے باہر جائیں اور جو شخص پہلے ملے اُسے بہت بڑی رقم بطور خیرات دیں (بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

(۲) نظام شاہی۔ ملکِ مرہٹواڑی میں جن کا دارالسلطنت احمد نگر تھا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۷۲) تو آپ کو آرام ہو جاوے گا اتفاق سے کوئی بہتر ملا اُسے اِس قدر زرِ خطیر یکایک مل جانے سے اُس نے محل اور ایک مسجد بنوا دی۔ بیجاپور کی جامع مسجد بھی ایک بڑی بھاری بے نظیر عمارت ہے۔ ملکِ دکن میں اتنی بڑی اور ایسی خوش نما کوئی مسجد نہیں ہے۔ مسجد کی وسعت ۱۱۶۳۰۰ مربع فٹ ہے۔ اِس کا قبہ نہایت خوش نما اور سڈول اور باقاعدہ بنا ہوا ہے۔ ۲۲۵۰ جا نمازیں خاص مسجد کے قبّوں کے اندر ہیں۔ برآمدے اور مسجد کے دونوں جانب کے مکانات اِس کے سوا ہیں۔ اِس مسجد کی تعمیر علی عادل شاہ اوّل کے زمانے میں ۱۵۳۵ء میں شروع ہوئی محراب کی آراستگی اور سنہری کام وغیرہ سب سلطان محمد کے زمانے میں ہوا ہے یہ محراب منبر کے پاس ہے اور اُس کے سامنے ایک بڑا بھاری پردہ پڑا رہتا ہے جب وہ ہٹایا جاتا ہے تو خدا کی قدرت نظر آتی ہے کہ کیسی صناعی کی گئی ہے۔ کلمہ۔ احادیث۔ اسمائے حسنیٰ۔ آیاتِ قرآنی نہایت خوش خطی سے مُنبّت لکھے ہوئے ہیں اور سُنہری کام بڑی لطافت سے کیا گیا ہے۔ مَلِک یعقوب نے ۸۴۵ھ م ۱۴۳۶ء میں اِس بے نظیر محراب کو طیار کیا۔ یوں تو بہت سی عبارت اِس عالی شان محراب پر لکھی ہوئی ہے مگر دو شعر قابلِ ملاحظہ ہیں ؎

بر قصرِ عمر تکیہ مکن استوار نیست		در دارِ بے قرار کسے را قرار نیست	
خوش منزلیست رونقِ دنیا بچشمِ ما		خوش دولت ست عمرِ ولے پائدار نیست	

سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کا روضہ شہر کے مغرب میں بیرونِ مکّہ دروازہ قابلِ دید ہے اُس کی بے نظیر عمارت کے علاوہ جو بہت خوش نما ہے جا بجا آیاتِ قرآنی کلمہ احادیث اشعار آبدار بہ کثرت لکھے ہوئے ہیں اِس میں اِس ترتیب سے مشرق سے مغرب کی طرف چھ قبریں ہیں۔

(۱) تاج سلطانہ۔ بیگم ابراہیم بادشاہ — (۲) حاجی بڑی صاحبہ۔ والدہ ابراہیم بادشاہ

(۳) ابراہیم جگت گیر۔ خود بادشاہ — (۴) زہرہ سلطانہ۔ دخترِ بادشاہ

(۵) درویش بادشاہ۔ صاحبزادۂ بادشاہ — (۶) سلطان سلیمان۔ صاحبزادۂ بادشاہ

تہ خانہ جس میں اصلی قبریں ہیں ۳۹ فٹ ۱۰ انچ مربع ہے۔ اِس عمارت پر ڈیڑھ لاکھ مَن جو قریب ساڑھے دس لاکھ روپے کے ہوتے ہیں صرف ہوا ہے۔ چنانچہ صرف دو کتبے ہم نقل کرتے ہیں۔ ؎

در عجب ماند آسماں از ارتفاعِ ایں بنا		سر بر آورد از زمیں گوید مگر چرخے جدا	
روضۂ فردوس ازیں روضہ طراوت بردہ وام		ہر ستونش در لطافت سروے از باغِ صفا	

(۳) قطب شاہی ۔ ملکِ تلنگانہ میں جن کا بانی محمود قلی قطب شاہ تھا۔ اور دارالسلطنت گول کنڈہ تھا +

(۴) عادشاہی ۔ ملکِ برار میں جن کا دارالسلطنت ایلچ پور تھا ۔

(۵) بریدشاہی ۔ جن کا دارالسلطنت احمد آباد بیدر تھا ۔

خاندانِ عادل شاہیہ بیجاپور کا سب سے پہلا بادشاہ یوسف عادل شاہ تھا جس نے ۱۴۸۹ء میں علٰحدہ سلطنت قائم کی ۔

اِس زمانے میں بیجانگر میں بھی میدان خالی تھا نرسہواں راے نے تخت پر بیٹھ کر ایک نئے اور طاقتور خاندان کی بُنیاد ڈالی ۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۷۳)	بہر تاریخش صلا دادہ ملک زاوجِ فلک		یادگارِ تاج سلطاں ایں بناے دل فزا ۱۰۳۶ھ م ۲۷ ۱۶ ۶
	بنا فرمودہ روضہ تاج سلطاں		کہ خلد اندر صفاتش ماند حیراں
	نمودہ خرج آں یک نیم لک ہوں		ولے نہ صد دگر خم گشتہ با آں
	بحسن اہتمام ایں کار روضہ		ملک صندل رسانیدہ بپایاں

اِس کے علاوہ اَور بہت سی عمارات ۔ مقابر ۔ مساجد قابلِ دید ہیں خصوصاً چینی محل ۔ آئینہ محل ۔ گگن محل ۔ عدالت محل آرائش محل ۔ سات منزلی ۔ مساجد میں مکّہ مسجد ۔ آنڈو مسجد ۔ زنجیری مسجد ۔ ملکہ جہاں کی مسجد ۔ بخارا مسجد ۔ زمرد مسجد ۔ ملک صندل کی مسجد ۔ یاقوت دابکی کی مسجد ۔ ملک کریم الدین کی مسجد ۔ علی شاہ پیر کی مسجد چیچ وڈی مسجد ۔ تاج باولی ۔ چاند باولی ۔ حیدر برج ۔ شمزہ برج ۔ ٹنڈا قصاب کا بُرج اور توپ ۔ بڑی کمان ۔ دکھنی عیدگاہ ۔ فضل خاں کا مقبرہ ۔ مقبرہ شاہ نوازخاں عین الملک کا مقبرہ ۔ مقبرۂ جہاں بیگم وغیرہ اور بہت سی درگاہیں اور بزرگانِ دین کے مقابر مثلاً مقبرہ شاہ کریم الدین محمد قادری ۔ مقبرۂ پیر شیخ حمید قادری ۔ درگاہ حضرت خواجہ امین الدین پسر شاہ برہان الدین ۔ بیگم تالاب ۔ نورس پور ٹیکری ۔ سرائے محمد مصطفےٰ خاں لاری غرض بیسیوں مقامات قابلِ دید ہیں ۔ اولیاے کرام کی گنتی نہیں ۔ ؎

گر اکسیرِ سرور و سور سازند — زخاکِ پاک بیجاپور سازند

بیجاپور کے حالات لکھنے کے لیے ایک جداگانہ کتاب درکار ہے یہاں مختصراً ایک خاکہ کھینچ دیا ہے :-

از نقش و نگارِ در و دیوارِ شکستہ — آثار پدید است صنادیدِ عجم را

نواں باب

راجگانِ خاندانِ ثانی

من ابتدائے سنہ ۱۴۹۰ء تا سنہ ۱۵۰۹ء

نرسہنواں کا سلطنت پر غاصبانہ قبضہ کرنا

سیول صاحب نے اپنی کتاب "حالات[1] خاندانِ ہائے جنوبی حصۂ ہند" کے صفحہ (۱۰۶) میں لکھا ہے کہ "یہاں سے بیجانگر کے خاندانِ دوم یا خاندانِ نرسہنواں کا زمانہ شروع ہوگیا۔ اِس خاندان کے فرماں روا جنوبی حصۂ ملکِ ہند کے سب راجاؤں اور بادشاہوں سے جو اِس وقت تک گزرے تھے طاقت ور تھے"۔ ڈاکٹر برنل نے نرسہنواں کی سلطنت کا آغاز سنہ ۱۴۹۰ء سے بتلایا ہے۔ اب تک جو کتبے معلوم ہوئے ہیں اُن سے بھی اِس کی تصدیق ہوتی ہے لیکن بشپ کالڈول اپنی کتاب "تاریخ تناولی" کے صفحے (۴۸) میں اِس سلطنت کے آغاز کا زمانہ سنہ ۱۴۸۶ء لکھتے ہیں۔ اِن دونوں میں سے کوئی بات محقق طور پر معلوم نہیں ہوتی اِن وجوہ سے اِس خاندان کے ابتدائی حالات بالکل تاریکی میں ہیں"۔ اگرچہ نیونز نے ابتدائی سولھویں صدی کے حالات واقعات کے پچاس ساٹھ سال کے بعد قلم بند کیے ہیں لیکن اُن کی صحت پر بھی بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ نیونز نے

---

[1] Sketch of the dynesties of Southern India

لکھا ہے کہ "ویر پاکش راے کم زور اور نا اہل راجہ تھا جس کے عہد میں بڑے بڑے مقامات مثل بندرگو آوچال و دابُل مسلمانوں نے فتح کر لیے" یہ بات بلحاظ تاریخ کے بھی صحیح ہے "ویر پاکش راے مطلق العنان سنگ دل اور مختل الحواس تھا اُس کو سواے عورتوں کی صحبت اور شراب خواری کے کچھ کام نہ تھا" اِس کی اِن حرکاتِ ناشائستہ سے تمام مُلک میں شورش اور بغاوت پھیل گئی آخر وہ اپنے بڑے بیٹے کے ہاتھ سے مارا گیا اور پھر اُس کے بڑے بیٹے کو اُسی کے بھائی پڑیا راؤ نے مار ڈالا۔ پڑیا راؤ بھی اپنے متوفی باپ کی ناعاقبت اندیشی اور حماقتوں کا ایک نمونہ تھا۔ اِن وجوہ سے اِس خاندان کے بادشاہوں سے عام ناراضی پھیل گئی نتیجہ یہ ہوا کہ اُمرا نے بغاوت کی اور راجہ کو معزول کیا اور اپنے لوگوں میں سے نرسہواں راؤ کو منتخب کر کے تخت پر بٹھایا۔ نیونز نے اِن آخری واقعات کو واضح طور پر لکھا ہے کہ نرسہواں کا سردارِ فوج جب شہر کے پاس پہنچا تو دروازوں کو محافظوں سے خالی پاکر بلا روک ٹوک محلات میں گھسا۔ حتّٰی کہ زنانے میں گھس کر بعض عورتوں کو قتل کیا اُس وقت ڈرپوک راجہ بھاگ نکلا۔ "اِس کے بعد نرسہواں راجہ بنایا گیا اور چوں کہ وہ بہت طاقتور اور رعایا کو عزیز تھا اِس واسطے سلطنتِ بسنگا کا نام آیندہ سے سلطنت نرسنگا رکھا گیا۔" خاندانِ معزول سے یہ بات اب تک پورے طور پر نہیں کھُلی کہ نرسہواں کا کیا رشتہ تھا۔ نرسہواں "سالو" خاندان کا ایک شخص تھا کتبوں اور اُس زمانے کی کتابوں میں اِس خاندان کے طاقتور اور نامور لوگوں کے نام موجود ہیں۔ کشن دیو راے کے وزیر کا نام "سالو تمّا" تھا جو اِسی خاندان کا تھا اور جس کا ذکر آگے چل کر جا بجا آئے گا۔ سکے ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۴۷۲ء میں نرسہواں کو ایک بڑا حاکمِ وقت لکھا ہے[1] اور ایک دوسرے کتبے ۱۴۸۳ء میں بھی ایسا ہی لکھا ہے البتہ ۱۴۹۶ء کے ایک کتبے میں اِس کو مہاراجہ لکھا ہے۔ اگرچہ صحیح

---

[1] نرسہواں کے خطابات یہ کندہ ہیں "مہامنڈلیسورنڈینسو رگنڈن کتاری سالو دھرنی وَر ہا نرسہواں رایا اودے یار" لیکن یہ راجاؤں کے خطابات نہیں ہیں ۱۲

تاریخ نرسہواں کے غاصبانہ قبضے کی اور یہ امر کہ خاندانِ معزول سے اُس کا ٹھیک ٹھیک رشتہ کیا تھا معلوم ہونا ایک مشکل امر ہی تاہم یہ بات بالکل متحقق ہی کہ اِسی زمانے میں نرسہواں راجہ ہوا اور اُس نے اپنی اور اپنی فوج کی قوت سے مسلمانوں کی مداخلت کو روکا اور سلطنتِ بیجانگر ایک مرتبہ پھر اِس کی عہد حکومت میں مستحکم ہو گئی۔ تاریخ فرشتہ میں اِس زمانے کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں وہ نیونز کے بیان سے بالکل مغائر ہیں اِس وجہ سے معاملات خلط ملط ہو کر اور ایک مشکل کا سامنا ہو گیا ہی۔ اِس خاندان کے راجگان نرساؤ نرسہواں۔ کشن دیورائے۔ اچوتیا۔ اور سداسیو کے متعلق جو کتبے ہیں وہ بھی باہمی مختلف ہیں اِن سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اِن لوگوں کے بایکدیگرے کیا قرابت تھی لیکن اِس خاندانِ ثانی کے جو واقعاتِ تاریخی صحیح و متفق علیہ پائے گئے ہیں وہ مختصراً بیان کیے جاتے ہیں خاندان معزول کی حکومت سنہ ۱۴۹۰ء کے قریب تک رہی۔ کشن دیورائے سنہ ۱۵۰۹ء میں تخت نشین ہوا اُس وقت تک نرسہواں اور ویر نرسہواں مالکِ سلطنت رہے کشن دیورائے کے بعد سنہ ۱۵۳۰ء میں اچوتیا اور پھر سنہ ۱۵۴۲ء میں سداسیو تخت پر بیٹھے۔ راجہ اچوتیا اپنے بھائی رام راج کے ہاتھ میں (جو اپنے تینوں بھائیوں میں سب سے بڑا تھا) بالکل قید تھا۔ رام راج شروع شروع تو اچوتیا کا وزیر بن کر رہا لیکن بعد میں خود مختار ہو گیا۔ دوسرے بھائیوں کے نام ترمل راج اور وینکٹا دری تھے یہ تینوں بھائی اِس سلطنت پر سنہ ۱۵۶۵ء تک حکمراں رہے۔ اِس کے بعد دکن کے پانچوں مسلمان بادشاہوں نے مل کر تالی کوٹہ پر جنگ کی اور دارالسلطنتِ بیجانگر کو جڑ سے صاف کر دیا۔ اِس نئے خاندان کے قیام میں نیونز اور فرشتہ دونوں کے بیانات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی بات ٹھیک سمجھ میں نہیں آتی لیکن بہ نسبت فرشتہ کے نیونز کا بیان ہم کو زیادہ صحیح معلوم دیتا ہی کیوں کہ اُس نے سنہ ۱۵۳۵ء زمانۂ سلطنتِ اچتیا رائے میں اپنے وقائع لکھے تھے جب کہ وہ خود دارالسلطنتِ بیجانگر میں رہتا تھا اور اُس کا ذریعۂ اطلاع خود اہلِ ہنود تھے جن سے زمانہ قریب میں اُس نے واقعات نقل کیے ہیں برخلاف اِس کے فرشتہ نے ایک زمانے کے بعد سنہ ۱۶۰۷ء میں جو حالات قلم بند کیے ہیں وہ خود

اُس کے چشم دید نہیں ہیں نہ وہ بیجانگر میں رہتا تھا بلکہ وہ اِس زمانے میں نظام شاہ بادشاہِ احمد نگر کے دربار میں تھا۔ نیونز نے جو مختلف سلطنتوں کی مدت بتلائی ہے وہ البتہ درست نہیں ہے اور نہ اُس کی مطابقت کسی دوسرے ذرائع سے جو زیادہ معتبر ہیں ہوتی ہے۔

پچھلے راجہ کا فرار ہونا

نیونز نے لکھا ہے کہ ویر پاکش راؤ کا بیٹا پُرٹ یا راؤ جو پرانے خاندان کا آخری شخص تھا نرسہواں راؤ کے تخت پر قابض ہونے کے بعد دار السلطنت چھوڑ کر بھاگ گیا۔ نرسہواں راؤ نے (۴۴) سال سلطنت کی اور دو لڑکے چھوڑ کر مر گیا یہ دونوں لڑکے بوجہ کم عمری کے سلطنت کے لائق نہ تھے ناچار نرسہواں راؤ نے اپنی سلطنت نرسا نایک وزیر کے سپرد کی جس نے دونوں بچوں کو مروا ڈالا۔ نرسا نایک اپنی زندگی تک سلطنت پر قابض رہا۔ لیکن کتنے دنوں اِس نے سلطنت کی کچھ پتا نہیں چلتا۔ نرسا نایک کا بیٹا ببل راؤ جانشین ہوا اور اُس نے چھ برس سلطنت کی اس کی جگہ اس کا بھائی شہو کشن دیو راے تخت نشین ہوا یہ تو ہم کو معلوم ہے کہ کشن دیو راے نے سنہ ۱۵۰۹ء میں سلطنت شروع کی اِس حساب سے ببل راؤ کا زمانہ تخت نشینی سنہ ۱۵۰۳ء قرار پاتا ہے۔ اگر نرسا نایک کی حکومت کا زمانہ محض بطور اندازہ (۵) سال ٹھیرایا جائے تو سنہ ۱۴۹۸ء میں اُس کا تخت نشین ہونا ٹھیرتا ہے اور نرسہواں راے کی چوالیس سالہ سلطنت کی ابتدا سنہ ۱۴۵۴ء میں ہوگی لیکن یہ زمانہ دیو راے دوم کے بیٹے ملکارجن کی سلطنت کا ہوتا ہے۔ شاید ایسا ہوا ہو کہ نرسہواں راے کی سلطنت کی مدت میں اُس کی وزارت کا زمانہ بھی شامل کر لیا گیا ہو اور حقیقی زمانہ اُس کی بادشاہت کا الگ نہ بتلایا گیا ہو مگر یہ سب قیاس ہی قیاس ہے۔ بقولِ فرشتہ سنہ ۱۴۸۲ء میں چند روز قبل انتقال محمد شاہ بہمنی کے بیجانگر کا راجہ سیوراے نامی کوئی شخص تھا۔ نئے بادشاہِ بیجاپور عادل شاہِ اوّل کے ذکر میں فرشتہ نے لکھا ہے

کہ عادل شاہ کے مدِ مقابل قاسم برید نے سنہ ۱۴۸۹ء میں وزیرِ مملکتِ بیجانگر سے امداد طلب کی تاکہ عادل شاہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کی روک تھام کرے۔ راے بیجانگر تو بچہ تھا اِس لیے ہیم راج وزیر نے سنہ ۸۹۵ھ م سنہ ۱۴۸۹-۹۰ء میں لشکر

بھیج کر مدگل اور رایچور تک دبا لیا۔ غالباً ہیم راج نرسہواں راجہ یا نرساعرف ویر نرسہواں کا ہی نام تھا۔ اِن ہی واقعات کو مورخ فرشتہ نے دوسرے پیرائے میں بھی لکھا ہے کہ عادل شاہ کو جب ہندوؤں کے باہمی اختلافات کا حال جو دارالسلطنت میں ہوئے تھے معلوم ہوا تو اُس نے ۹۳۷ھ میں رایچور پر چڑھائی کی۔ ہیم راج بھی دارالسلطنت کے جھگڑے رفع دفع کرکے کم عمر راجہ کو لے کر رایچور پہونچا۔ دونوں میں لڑائی ہوئی۔ لیکن ہیم راج کو شکست ہوئی اور بے چارہ نوجوان راجہ مہلک طور پر زخمی ہوا اور وہ گھر بھی نہ پہونچنے پایا تھا کہ رستے ہی میں مرگیا۔ ہیم راج کو موقع ملا اُس نے سلطنت پر خود قبضہ کرلیا۔ تاریخ فرشتہ میں اور دو جگہ پچھلے خاندان کے خاتمے اور ہیم راج کی جانشینی کی نسبت لکھا ہے۔ پہلی روایت یہ ہے کہ "سب سے پہلا غاصب ہیم راج ہی تھا اُس نے کم عمر راجہ بیجانگر کو جو سیو رائے کا بیٹا تھا زہر دے کر مار ڈالا اور اُس کے صغیرسن بھائی کو برائے نام راجہ مقرر کیا جس کو کٹ پتلی کی طرح نچاتا تھا اور بہ تدریج اُس کی طاقت کو گھٹاتے گھٹاتے آپ خود مختار اور مالک بن بیٹھا"۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ "ریاست بیجانگر ایک ہی خاندان میں سات سو برس مسلسل چلی آئی تھی سیو رائے کے مرنے کے وقت اِس کا نابالغ بیٹا جانشین ہوا وہ بہت دن زندہ نہ رہا اور اپنے چھوٹے بھائی کے لیے تخت خالی کردیا۔ اِس بے چارے نے بھی باغِ زندگی کی سیر نہ کی اور چرخِ ستمگار نے بادشاہت کا حظ نہ اُٹھانے دیا کہ یہ بھی چل بسا[1]۔ اِس کے بعد صرف تین مہینے کا بچہ جانشین ہوا۔ ہیم راج اِس خاندان کا قدیم وزیرِ اعظم تھا جو دانائی اور فراست و تجربے میں مشہورِ خلائق تھا یہی حقیقی فرماں روا بنا اور چالیس سال تک اِسی کا دور دورہ رہا سب رعایا برایا نے بخوشی اِس کی اطاعت قبول کی۔ جب راجہ جوان ہوا تو اُسے زہر دے کر اِسی نے اُس کا خاتمہ کردیا اور راجہ کے خاندان کے ایک شیرخوار بچے کو بہلے نام تخت پر بٹھا کر پھر اپنی حکومت کو برقرار رکھا[2]۔ ہیم راج کے مرنے کے بعد اُس کا

---

[1] اِس سے نیونز کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے جس نے ویر پاکشائے دو کم سن بچوں کا ذکر کیا ہے ۱۲

[2] یہ بھی نیونز کے بیان کے مطابق ہے جہاں اُس نے نرسہا وزیر اور دو کم سن راجہ زادوں کا ذکر کیا ہے ۱۲

بیٹا رام راج جانشین ہوا جو سیورلے کا داماد تھا اور اِس وجہ سے اُسے اَور بھی زیادہ عروج ہوا"۔ ۱۵۳۰ء کے واقعات میں فرشتہ نے لکھا ہے کہ "ہیم راج ایک دیرینہ اور تجربے کار وزیر کے انتقال اور رام راج کے جدید العہد ہونے سے بیجانگر کے انتظامات میں ایک انقلابِ عظیم پیدا ہو گیا" اِس جُملے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مؤرخ نے ہیم راج یا تیم راج ہی کو بزمانۂ سلطنت نرسہواں - نرسایا ویر نرسہواں یا کشن دیورائے کے (آخر الذکر راجہ نے ۱۵۳۰ء میں انتقال کیا) اصلی راجہ و حاکمِ وقت سمجھا ہے۔ ہمارے خیال میں مؤرخ کو ہندوانی ناموں میں مغالطہ ہوا ہے سالوتما (جو نرسا اور کشن دیورائے کا طاقت ور وزیر تھا) کو اور نرسہواں اور نرسا تینوں شخصوں کو ایک ہی سمجھ لیا ہے۔ فرشتہ نے ۱۵۳۰ء سے (جو اچیتا کی تخت نشینی کا سال ہے) ۱۵۶۵ء تک بیجانگر کے راجہ کا نام رام راج ہی لکھا ہے۔ اگرچہ نیونز اور فرشتہ کے بیانات میں ناموں اور تفصیل میں جزئی اختلاف ہے لیکن اہم واقعات یکساں بیان کیے گئے ہیں۔ دونوں نے دو چھوٹے چھوٹے راجاؤں کی موت کا حال لکھا ہے جو دونوں بھائی بھائی تھے اور اِس کے بعد دو جانشینوں کے قتل کیے جانے کا حال ہے اور آخر کار وزیر کے تخت پر غاصبانہ قبضہ کرنے کا ذکر ہے۔ اب ہم تاریخ فرشتہ سے واقعاتِ ذیل کا جو زیادہ مستند ہیں اقتباس کرتے ہیں:-

یوسف عادل شاہ نے ۱۴۸۹ء میں بیجاپور میں خود مختار بادشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ چند دنوں کے بعد قاسم برید نے جو آخر کار احمد آباد (بیدر) کا بادشاہ ہو گیا تھا اور عادل شاہ کا مدِّ مقابل تھا اُس کے بادشاہ ہونے کا اِسے بڑا قلق تھا اِسی جلن میں قاسم برید نے راجۂ بیجانگر سے بیجاپور پر چڑھائی کرنے کے لیئے مدد چاہی اور اِس کے صلے میں ملک دوآبہ رایچور اور مُدگل دے دینے کا وعدہ کر لیا۔ نرسہواں فوج جمع کر کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ دریائے تُنگ بھدرا کے پار اُتر آیا اور تمام مُلک کو تباہ اور برباد کرتا ہوا مُدگل اور رایچور پر قبضہ کر لیا اور پھر یہ دونوں مقامات مُسلمانوں کے قبضے سے نکل کر ہندوؤں کے تحتِ حکومت میں چلے گئے۔

یوسف عادل شاہ اور رائے بیجانگر کی جنگ رائچور پر ۸۹۸ھ

اس کے چند دنوں بعد غالباً ۱۴۹۳ء میں سلطان یوسف عادل شاہ نے جو ملک نکل گیا تھا اس کے واپس لینے کے لیے پھر چڑھائی کی اور رود کشنا تک آن پہنچا لیکن بوجہ بیماری کے دو مہینے تک پڑا رہا بعد کے واقعات جس کا تذکرہ ہم اوپر مجملاً کر چکے ہیں فرشتہ نے اس کی تفصیل یوں لکھی ہے کہ "اس عرصے میں ہیم راج دار السلطنت کے بدامنی کو رفع کر کے نوجوان راجہ کی سرکردگی میں ایک بہت بڑا لشکر لے کر رائچور پر چڑھ آیا جس سے عادل شاہ کی فوج کے حواس باختہ ہو گئے بادشاہ بیمار تھا اس کی صحت کے لیے دعائیں مانگی گئیں اور دعا قبول ہوئی کہ بادشاہ کو بہ افضال الٰہی صحت ہو گئی۔ جب بادشاہ کو خبر ہوئی کہ ہیم راج دریائے تنگ بھدرا عبور کر کے یلغار چلا آ رہا ہے تو بادشاہ نے اپنی فوج کا داخلہ دیکھا۔

شہنشاہِ دیں دار صاحب قراں		ضریبِ فلک قدر گیتی ستاں	
بفرمود تا برنشیند سپاہ		درآید بآئیں سوے عرصہ گاہ	
برآراستہ یکسر اسپ و سوار		ہمہ با سلاح آنچہ آید بکار	

اور آگے بڑھ کر ہندوؤں کے لشکر کے مقابل ہی تھوڑے فاصلے سے اپنا لشکر بھی ڈال دیا۔ کئی دن تک دونوں طرف سکوت رہا کچھ ہل چل نہ ہوئی آخر کار ماہ رجب ۸۹۸ھ یوم شنبہ مطابق اپریل ۱۴۹۳ء دونوں لشکر میدانِ جنگ میں آئے اور اوائل جنگ میں عادل شاہ کی فوج کے پانسو آدمی مارے گئے جو پیچھے ان کے قدم اکھڑ گئے اور بدنظمی پھیل گئی تھی کہ بادشاہ نے پھر للکارا اور سب کو جمع کیا۔ بادشاہ کی طرف کا ایک[1] سالدار جو دشمنوں میں گھر گیا تھا اتفاق سے بھاگ نکلا اور آن کر خبر دی کہ دشمن لوٹ میں مصروف ہیں یہ موقع ان پر دھاوا مارنے کا اچھا ہے۔ بادشاہ کو یہ صلاح پسند آئی اور اسی وقت نکل کھڑا ہوا۔

---

[1] سویچک بہادر اد ذیک نام تھا ۱۲

رواں شد سوے لشکر کینہ خواہ
بہ نیروے اقبال دعوٰنِ دعا

بادشاہی فوج ایسی دفعۃً آن گری کہ ہیم راج کو اپنے سب لشکر کے اکھٹا کرنے کا موقع نہ ملا تاہم وہ سات ہزار سوار اور کثیر التعداد پیدل اور تین سو ہاتھی لے کر مقابلے کو بڑھا۔ یوسف عادل شاہ نے قلب لشکر پر اس زور کا حملہ کیا کہ ہیم راج کے چھکے چھڑا دیے۔

برچرخ برد بادِ فنا خاکِ معرکہ	برآب دادہ آبِ حیات آتش ستاں
پیکاں چو عشق در حرمِ دل گرفتہ جا	حربہ چو عقلِ قبۂ سر ساختہ مکاں
گہ تیر ہم چو غمزۂ دل دارِ دل ربا	گہ نیزہ ہم چو قامتِ جاناں روان ستاں
برکشتگانِ معرکہ بر رسمِ تعزیت	چشمِ زدہ چو دیدۂ عشاق جاں فشاں

مسلمانوں کی فتح ہوئی اور ہندو چالیس ہاتھی ایک ہزار گھوڑے اور ساٹھ لاکھ ہُن[1] اور بہت سے جواہرات اور مال و متاع چھوڑ کر بھاگے ؎

چہ جائے تو ست کہ اقبال در جہاں افگند	چہ غلغل ست کہ دولت بر آسماں افگند
چہ منت ست کہ در گردنِ زمیں و زماں	طلوعِ رایتِ شاہنشۂ جہاں افگند

ہیم راج اور نوجوان راجہ بیجانگر بھاگ گئے۔ راجہ کو اس جنگ میں تیر کا ایک کاری زخم لگا تھا کہ جس سے وہ جاں بر نہ ہو سکا اور رستے ہی میں مر گیا۔ ہیم راج کو موقع ملا خود مالک بن بیٹھا لیکن بعض امرا و رؤسا نے اس غاصبانہ کارروائی کی مخالفت کی اور وہ لوگ آپس میں لڑنے بھڑنے میں ایسے لگے کہ عادل شاہ کو کچھ عرصے تک جنگ سے فرصت مل گئی۔ اس طرح ملکِ دوآبہ پھر مسلمانوں کے قبضے میں آگیا اور بندرِ گوا بھی بادشاہِ بیجاپور کے قبضے میں رہا آخری واقعہ یوسف عادل شاہ کے

---

[1] برگز صاحب نے اس کا تخمینہ اٹھارہ لاکھ پونڈ لکھا ہے جس کے دو کروڑ ستر ہزار روپے ہوئے لیکن تاریخ فرشتہ نے سی صد لک ہُن لکھا ہے ۱۲۔

زمانۂ سلطنت کا فرشتہ نے حسبِ ذیل لکھا ہے۔

یوسف عادل شاہ کی چڑھائی گوا پر ۹۱۵ھ ہجری۔

"۹۱۵ھ مطابق یکم مارچ ۱۵۱۰ء میں پرتگالی عیسائیوں نے یکایک گوا پر حملہ کیا اور والیِ گوا اور بہت سے مسلمانوں کو مار ڈالا۔ جوں ہی اس کی خبر یوسف عادل شاہ کو پہنچی وہ تین ہزار منتخب دکھنیوں اور غیر ملکیوں کی فوج لے کر اچانک پرتگیزیوں پر آن پہنچا اور قلعہ فتح کر کے جہتوں کو تہ تیغ کیا اور کچھ بچ کر جہازوں میں بیٹھ کر سمندر کی راہ سے بھاگ گئے"

فرماں روایانِ دکن میں انقلاب

اِس زمانے میں ملکِ دکن کے فرماں رواؤں میں بڑا انقلاب ہوا احمد نظام شاہ نے جو ۱۴۹۰ء میں احمد نگر کا خود مختار بادشاہ بن گیا تھا ۹۱۴ھ م ۱۵۰۸ء میں اُنتیس سال سلطنت کر کے انتقال کیا اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا برہان شاہ جس کی عمر (۷) سال تھی تخت نشین ہوا۔ یوسف عادل شاہ نے ۱۵۱۰ء میں بیس سال دو مہینے کی سلطنت کے بعد انتقال کیا اُس کی جگہ اُس کا بیٹا اسمٰعیل شاہ بیجاپور میں تخت نشین ہوا۔ ۱۵۰۹ء میں بیجانگر پر کشن دیو راے مسلّط ہوا۔ اسمٰعیل شاہ اور کشن دیو راے میں اکثر لڑائی رہی اور ہندوؤں کی فتح رہی چنانچہ تاریخ فرشتہ میں بھی لکھا ہے کہ "رایچور پر ایک بہت بڑی لڑائی ہوئی جس میں اسمٰعیل شاہ کو شکست فاش ہوئی" جس کا بیان نیونز نے بالتفصیل لکھا ہے۔

ہندوستان میں پرتگالیوں کی آمد ۱۴۹۸ء

قبل اس کے کہ ہم کشن دیو راے کے سلطنت کے زمانے کے حالات لکھیں

ع بچھتر سال کی عمر میں مرضِ سوء القنیہ سے ۹۱۲ھ میں بہ مقام بیجاپور انتقال کیا قصبۂ گوگی میں شیخ جلال المعروف شیخ چندا صاحب کی درگاہ کے پاس جس سے بادشاہ کو بڑی عقیدت تھی مدفون ہے۔ مادۂ تاریخ وفات یہ ہے ع بگفتا نہ ماند شہنشاہ عادل۔ قصبہ گوگی تعلقہ شاہ پور ضلع گلبرگہ میں ہے چندا صاحب کے وصال کی تاریخ "رخ چندا" ہے آپ حضرت بندہ نواز حسینی رحمۃ اللہ علیہ کے خالہ زاد بھائی تھے ۱۲۔

ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ پرتگالی عیسائیوں نے کیوں کر ہندوستان میں آکر گوا پر قبضہ کرلیا حتیٰ کہ اُن میں سے بعض لوگوں نے دارالسلطنتِ ہنود میں سکونت بھی اختیار کی۔ ۱۴۸۴ء میں جان نامی بادشاہِ پرتگال نے ہندوستان کے کچھ حالات سُنے اور اُس نے اِس مُلک کا حال دریافت کرانے کے بعد تین جہازوں کا ایک بیڑا ہندوستان روانہ کرنے کے لیے طیّار کیا لیکن یہ ارادہ پورا نہ ہونے پایا تھا کہ وہ مرگیا۔ اُس کے جانشین ڈام مینول نے اِس ارادے کی تکمیل سرگرمی سے کی اور واسکو ڈاگاما اور اُس کے بھائی پالو کو جہاز دے کر ۸ر جولائی ۱۴۹۷ء کو ہندوستان روانہ کیا چنانچہ یہ لوگ ۱۷ر اگست ۱۴۹۸ء کو بندر کالی کوٹ پر پہنچے کالی کوٹ کے راجہ ساموری[1] نے ان سے شروع شروع دوستانہ برتاؤ کیا لیکن پرتگالیوں کو کچھ غلط فہمی واقع ہوگئی اور اِس وجہ سے اُنھوں نے نہ تجارت میں ترقی کی اور نہ اُن کے تعلّقات ہندوؤں سے اچھے رہے۔ چند روز کے بعد ڈاگاما پرتگال کو واپس چلا گیا۔

اوائل ۱۵۰۰ء میں کبرال نامی ایک دوسرا شخص جہازوں کا ایک بڑا بیڑا لے کر ۱۳ر ستمبر کو کالی کوٹ پہنچا اور آتے ہی بجائے اِس کے کہ ساموری کالی کوٹ سے مِل کر ان چین سے سوداگری کرتا لڑائی شروع کردی اور طرفین سے ایک دوسرے پر حملے ہونے لگے جس سے مُلکی لوگ پرتگالیوں سے بالکل کھٹک گئے۔ پرتگالیوں میں سے چند لوگ البتہ اِس مُلک میں رہ پڑے اور اُسی میں مشہور وقائع نگار باربوسا بھی تھا۔ ۱۵۰۲ء میں ڈاگاما نے دوبارہ ہندوستان میں آکر بادشاہِ پرتگال کی حکومت کا اعلان کیا اور محض شرارت سے ایک بڑے جہاز کو مع کئی سو آدمیوں کے ساحلِ ہند پر ڈبو دیا۔ ڈاگاما ۲۹ر اکتوبر کو کالی کوٹ پہنچا اور فوراً شہر پر گولہ باری شروع کردی۔ بندر میں جو بے گناہ مچھلی والے تھے اُن کو پکڑ لیا اور اُن میں سے آٹھ سو آدمیوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کرڈالا اور بندر کوچین میں ایک تجارت گاہ قائم کرکے وہ پھر ۱۵۰۳ء میں یورپ چلا گیا۔ اِس کی ظالمانہ کارروائی کے سبب سے کوچین اور کالی کوٹ میں جنگ چھڑ گئی

---

[1] کالی کوٹ کا راجہ اب تک Samorin کہلاتا ہے ۱۲

۱۵۰۴ء میں لوپو سورس نامی ایک شخص چودہ کشتیوں کا بیڑا لے کر آیا اور باوجودیکہ راجۂ کوچین ہمیشہ پرتگالیوں سے مہربانی اور مہمان نوازی کرتا رہا مگر پرتگالیوں نے بندرِ کوچین کا رستہ روک لیا۔ بادشاہِ پرتگال کی طرف سے ساحلِ ہند پر آل میڈا ویسرائے مقرر ہوا وہ ایک بہت بڑا بیڑا اور پندرہ سو سولجر (گورے سپاہی) لے کر آیا۔ آتے ہی بندرِ ہنا ور پر جنگ چھڑی۔ آل میڈا نے خیال کیا کہ ہماری تجارت کو صلح و امن سے استحکام اور ترقی ہوگی نہ یہ کہ اِس ملک کے لوگوں سے ہم سختی سے پیش آئیں اور اُلٹا اُنھیں پر حملہ کریں اور لڑائی بھڑائی میں روپیہ برباد کریں۔ اِسی زمانے میں آلمیڈا کو خبر لگی کہ اِس نواح میں ایک بہت بڑی سلطنت بیجانگر کی واقع ہی جہاں ایک بڑا بھاری راجہ نرسہواں ہی۔ ویسرائے کے بیٹے لارنکو کو ۱۵۰۶ء میں ایک اٹلی کے مسافر ورتھما کی زبانی کنانور مقام پر اِس ملک کے اَور حالات بھی معلوم ہوئے یہ سُن کر آلمیڈا نے راجۂ بیجانگر سے بھٹکل مقام پر ایک گڑھی بنانے کی اجازت طلب کی لیکن وہاں سے کچھ جواب نہ ملا۔ اٹلی کے سیاح نے ہندوستان کے حالات اِس زمانے کے قلم بند کیے ہیں وہ لکھتا ہی کہ بندرِ گوا اُس زمانے میں سلطانِ عادل شاہ بیجاپور کے والی سبایو[۵۲] کے ماتحت تھا اُن دنوں سبایو اور بیجانگر کے نرسہواں میں جنگ ہو رہی تھی"۔

ورتھما سیاح اٹلی کا بیان بیجانگر کے متعلق ۱۵۰۶ء

اِس نے لکھا ہی کہ "بیجانگر ایک بہت بڑا شہر تھا جس کے اطراف میں مستحکم فصیل تھی وہ ایک پہاڑ پر واقع ہی اور اُس کا دَور سات میل کا ہی شہر کی

Lopo Soares ۵۱

۵۲ "سبایو" کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ بیروس نے لکھا ہی کہ جب ہم ہندوستان پہنچے تو بندرِ گوا پر بادشاہِ دکن کی طرف سے ایک والی مقرر تھا جس کا نام "سوائی" تھا۔ لیکن ہم پرتگالی لوگ اُسے عموماً "سبایو" کہا کرتے تھے۔ لیکن ہندوستانی ناموں کی صحت کے متعلق بیروس کا بیان قابلِ استناد نہیں ہی۔ اِس نے سبایو صبایا سوا فارسی الفاظ سے مشتق بتلایا ہی اور یہ بھی لکھا ہی کہ سبایو عادل شاہ کا بیٹا تھا۔ گرشیا ڈی آرٹا نے لفظ صاحب سے مشتق بتلایا ہی برٹن کہتا ہی کہ سپہدار (افسرِ فوج) سے بگاڑ لیا ہی۔ ہمارے خیال میں جتنی توجیہیں انگریزوں نے کی ہیں ایک بھی صحیح نہیں سب سے آسان لفظ "صوبہ" ہی جس کی طرف غالباً انگریز مورخین کا ذہن منتقل نہیں ہوا ۱۲ منہ المصنف

تہری فصیلیں ہیں - یہ شہر بہت دولت مند ہی اور ہر قسم کا سامان یہاں مہیّا رہتا ہی - اِس شہر کا منظر نہایت خوب صورت ہی اور آب وہوا بھی بہت نفیس ہی یہاں کے راجہ کے پاس ہمیشہ چالیس ہزار سوار اور چار سو ہاتھی رہتے ہیں - ہاتھیوں کے اوپر چھ آدمی سوار ہوتے ہیں جنگ کے وقت ہاتھیوں کی سونڈوں پر تلواریں باندھی جاتی ہیں - عام لوگ بالکل برہنہ صرف ایک لنگوٹی لگائے پھرتے ہیں - راجہ کی ٹوپی سنہری کمخواب کی دو بالشت اونچی ہوتی ہی - اُس کی سواری کا گھوڑا زیورات اور جواہرات سے اِس قدر آراستہ رہتا ہی کہ اُس کی مالیت ہمارے بعض بعض شہروں کی دولت سے بھی زیادہ ہی"

پرتگالیوں کے بقیّہ حالات

اِس سیّاح نے یہ بھی لکھا ہی کہ کالی کوٹ پرتگالیوں کی جنگ کی وجہ سے تباہ ہوگیا کالی کوٹ میں (۴۸) پرتگالی تاجروں کو مسلمانوں نے قتل کر ڈالا اور تھا ڈر گیا اِن روز کی خانہ جنگیوں سے شہر کی حالت خطرناک تھی اِس سبب سے یہ سیّاح بیجانگر سے چلا گیا - ۱۵۰۶ء میں پرتگالیوں کے بیڑے نے راجہ کالی کوٹ کے ایک بڑے بیڑے کو تباہ کر دیا جس میں بہت سے آدمی مارے گئے اِس کے بعد ہی دوسرے سال پھر پرتگالیوں نے حملہ کیا اِن کے آے دِن کی لُوٹ مار سے عاجز آکر باشندگانِ کالی کوٹ نے اُن کے کارخانے واقع کنانور کا محاصرہ کر لیا لیکن عین وقت پر ٹرستان ڈاکنہا ایک بیڑا لے کر مدد کو پہنچ گیا جس کی وجہ سے خیر گزری اور محاصرہ اُٹھا لیا گیا - ۱۵۰۵ء کے آخر میں آلمیڈا اور ڈاکنہا دونوں کی افواج نے مِل کر کالی کوٹ پر حملہ کیا جس میں ایک حد تک اُن کو کامیابی بھی ہوئی -

البوکرک کا گورنر ہو کر گوا میں آنا

اِس زمانے میں آل فونسو - ڈی آل بوکرک بحرِ فارس میں مسلمانوں سے جنگ کر رہا تھا ۱۵۰۹ء کے آخر میں وہ ہندوستان میں بجاے آلمیڈا کے پرتگالیوں کا گورنر ہو کر آیا - ۱۵۱۰ء میں زمانہ تخت نشینی کشن دیو رائے سے اِس ملک کے

تاریخی حالات ایسے مبہم نہیں ہیں جیسے کہ پہلے تھے بلکہ صاف صاف ہیں اور بدون کسی اشکال کے ہم واقعات کا ایک منتظم سلسلہ قائم کرسکتے ہیں۔ تاریخ وبجانگر میں یہی زمانہ سب سے عروج اور اقبال کا تھا کہ ہر جگہ ان کے لشکروں کو فتح ہوتی تھی اور شہر بھی بہت مالامال تھا۔

دسواں باب

حالاتِ سلطنت کشن دیورائے من ابتدائے ۱۵۰۹ء تا ۱۵۳۰ء

کشن دیورائے کا طرزِ روش اور شکل و شمائل

پمپاپتی دیول واقع موضع ہمپی میں ایک کتبہ ہے جس میں منقوش ہے کہ کشن دیورائے نے اپنی تاج پوشی کی یادگار میں ایک دیوانِ عام اور ایک بُرج اس مقام پر بنوایا جس کی تعمیر کی تاریخ ۱۴ ماگ سُدھ سکے ۱۴۳۰ء لکھی ہے سال کا نام "وسکلا"[1] درج ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ "وسکلا" سکے ۱۴۳۰ء کے مطابق نہیں پڑتا بلکہ سکے ۱۴۳۱ء ہوتا ہے اور اس غلطی کے سبب سے اِس عظیم الشان واقعے کی صحیح تاریخ میں شک پڑ جاتا ہے۔ اگر ہم یہ خیال کریں کہ سال کے نام میں غلطی نہیں ہوئی کیوں کہ وہ زبانِ زدِ خاص و عام رہتا ہے بلکہ سکے کے ہندسوں میں غلطی ہوئی ہے تو اس واقعے کی تاریخ ۲۳ یا ۲۴ جنوری سنہ ۱۵۰۹ء قرار پاتی ہے۔ لیکن اگر ہندسہ سکے کا صحیح سمجھا جائے تو تاریخ ۴ فروری سنہ ۱۵۰۹ء ہوگی اور سال کا صحیح نام "دبھاؤ" ہوگا۔ تب بھی یہ بات متحقق نہیں ہوتی کہ یہ جشن عین تاج پوشی ہی کے دن ہوا یا تاج پوشی کی سالگرہ پر ہوا۔ راجہ کی تخت نشینی اور رسمِ تاج پوشی میں ممکن ہے کہ کچھ وقفہ ہو گیا ہو کیوں کہ کشن دیورائے سنہ ۱۵۰۹ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ سنہ ۱۵۱۰ء میں پنیر نامی سیّاح نے راجہ کشن دیورائے

---

[1] ملکِ دکن کے ہندو میں ساٹھ سال کی ایک شمار ہوتی ہے اور ہر سال کا نام جداگانہ ہوتا ہے جو پربھوا سے شروع ہو کر کشٹی نامی سال پر ختم ہوتی ہے۔ وسکلا اور دبھاؤ بھی دو سالوں کے نام ہیں ۱۲۔

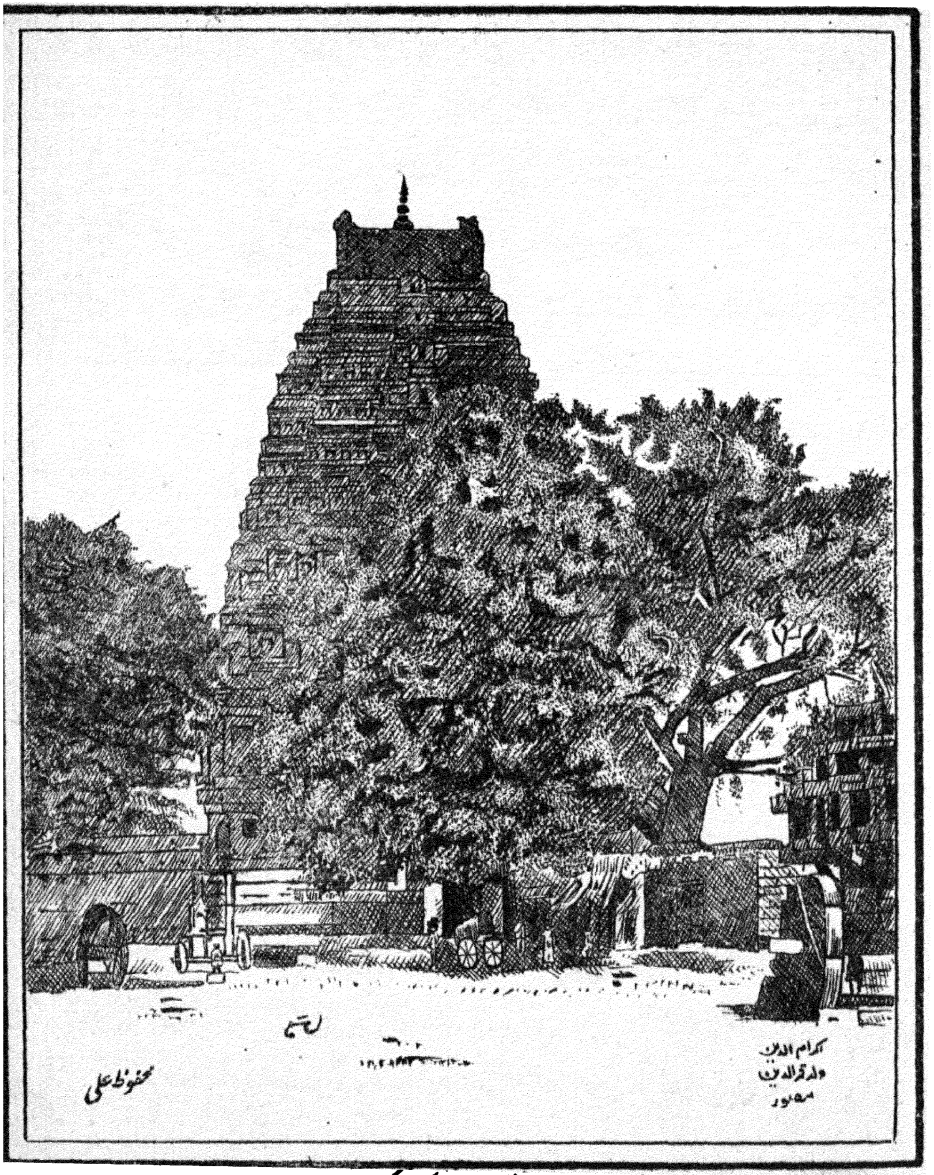


شبیہ کشن دیورائے راجہ بیجانگر

کو دیکھا ہی اُس کے بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ راجہ بہت وجیہ اور اُس کی شکل و صورت رعب داب کی تھی۔ وقائع پیئر میں بہت دل چسپ اور قیمتی حالات لکھے ہیں۔ چوں کہ فرشتہ نے بجز راجۂ بیجانگر کے کشن رائے کا نام کہیں نہیں لکھا اس لیئے اگر پیئر کے وقائع ہمارے سامنے نہ ہوتے تو ہم کو اس میں بھی شک رہتا کہ بیجانگر میں کوئی حقیقی راجہ تھا بھی یا نہیں اور اگر تھا تو وہ وزرار کے ہاتھوں میں گرفتار رہ کر بہ طور گڑیلی کے ناچتا تھا یا خود ایک مقتدر اور مختار راجہ تھا۔ اس کے علاوہ کتبوں اور اِس زمانے کی فتوحات کے حالات سے بھی سوائے اِس کے کہ لڑائیوں کا ہونا پایا جاتا ہی اَور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ اُس زمانے میں حقیقی راجہ کون تھا بلکہ گمان ہو سکتا ہی کہ حکومت صرف اُمرار کے ہاتھ میں تھی لیکن جو حالات پیئر نے لکھے ہیں اُن سے شک و شُبہہ بالکل رفع ہو جاتا ہی۔ کشن دیو رائے نہ صرف سچ مچ خود مختار اور مقتدر راجہ تھا بلکہ فی الحقیقت اُس کے اختیارات بہت وسیع تھے اور وہ خود بڑا ذاتی اقتدار رکھتا تھا۔ اصل میں وہی حاکم وقت تھا اور سب کچھ اپنی ذات سے کرتا دھرتا تھا۔ وہ بہت توانا اور قوی ہیکل تھا اور ورزش سے ہمیشہ اُس کی صحت اور قُوائے جسمانی اعلےٰ درجے پر رہتے تھے وہ صُبح سویرے اُٹھ کر مُگدروں کی جوڑی ہلاتا تھا اور تلوار کی پھینک کرتا تھا جس سے اُس کا سارا جسم بن گیا تھا۔ وہ ایک مشّاق سوار تھا اُس کے چہرے سے آثارِ شرافت ٹپکتے تھے اور ایسا کچھ رعب داب تھا کہ جو سامنے گیا اُس پر فوراً اثر پڑتا تھا۔ وہ اپنی بڑی بھاری فوج کی سرکردگی خود کرتا تھا۔ وہ قابل بہادر اور بڑا مُدبّر تھا۔ باوجود اِس کے بہت نیک مزاج اور فیّاض بھی تھا۔ تمام رعایا اُس کا ادب کرتی تھی اور اُس کو بہت عزیز رکھتی تھی۔ پیئر لکھتا ہی کہ "وہ بڑا جواں مرد دلیر ہمّت اور ہر اعتبار سے ایک کامل شخص تھا" اُس کی مجسّم تصویر پر ایک ہی بڑا دھبّا تھا کہ وہ مُسلمان بادشاہوں کے مُقابلے میں فتح پاکر بہت مغرور اور اپنے مطالبات میں شوخ اور گستاخ ہو گیا تھا۔ کوئی بادشاہ خصوصاً عادل شاہ کبھی ایک لمحے کے لیئے ایسی ذلّت کو قبول نہ کرے گا۔ کہ ایک مرتبہ صُلح کے شرائط میں راجہ نے یہ شرط کی کہ عادل شاہ اُس کے

پاؤں چومے۔ اِس میں شک نہیں کہ یہ اور اِسی قسم کی اَور حقارت آمیز غرور و تکبر کی باتیں دیو راے اور دوسرے ہندو حکم رانوں سے ایسی سرزد ہوئیں کہ یہی چالیس سال بعد آخرکار سلطنتِ ہنود کے زوال کا باعث ہوئیں۔ تمام حصّہ جنوبی ہند کشن راے کے تحتِ حکومت تھا اور بہت سے برائے نام خود مختار رؤسا اُس کے باج گزار تھے نیونز نے لکھا ہے کہ والیانِ سرنگاپٹن۔ بنکاپور۔ گارسوپا۔ کالی کوٹ۔ بھٹکل اور برکور

سلہ میسور سے نو میل میسور بنگلور سکشن سدرن مرہٹہ ریلوے کا اسٹیشن ہے جو دریاے کاوری کے کنارے واقع ہے۔ یہ مقام پہلے میسور کا دارالسلطنت تھا اور ایک بہت بڑا تاریخی مقام ہے۔ سرنگاپٹن اور اُس کے اطراف میں انگریزوں اور ٹیپو سلطان سے بہت سی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ یہاں کا قلعہ۔ محلات اور دیگر عمارات قابلِ دید ہیں۔ لارڈ کارنوالس نے ۱۷۹۲ء میں صلح کا اعلان کیا تھا۔ قلعے کے جنوب و مشرقی کونے میں وہ شگاف ہے جو دیوار میں ۱۷۹۹ء میں کیا گیا تھا جب کہ جنرل ہیرس نے گولہ باری کی تھی اور ٹیپو سلطان پر کامل فتح حاصل ہوئی اُس جگہ جہاں سے حملہ آور فوج دریا کے دوسرے کنارے پر سے نکلتی تھی دو توپیں قینچی کی طرح بطور نشان کے لگا دی گئی ہیں۔ ٹیپو سلطان جہاں گرفتار ہوا وہ جگہ شمال میں ہے۔ جس کمان میں بادشاہ زخمی ہوا تھا وہ اب موجود نہیں ہے لیکن ایک چوبی دروازہ باغ میں جانے کا موجود ہے جہاں وہ مارا گیا تھا قلعے کے باہر جزیرے کے اندر "دریا دولت باغ" ہے جو ٹیپو سلطان کے گرمیوں میں رہنے کا محل تھا جس میں بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن رہتا تھا۔ عمارت نہایت خوش نما ہے جس کی دیواروں کے رنگین نقش و نگار قابلِ دید ہیں۔ مشرق کی جانب گنبام کے مضافات میں لال باغ ہے جس میں وہ مقبرہ ہے جو ٹیپو سلطان نے اپنے باپ حیدر سلطان کے لیے بنوایا تھا اور خود بھی اِسی میں مدفون ہے یہ ایک مربع عمارت ہے جس پر ایک بڑا بھاری گنبد اور مینارے ہیں اطراف میں نہایت نفیس سیاہ پتھر کے ستونوں کا برآمدہ ہے۔ اس کے دروازے آبنوس کے ہیں جن پر ہاتھی دانت کا کام تھا اور جن کی ترمیم لارڈ ڈیلہوزی نے کرائی تھی۔ ریلوے اسٹیشن سے یہ مقبرہ (۳) میل ہے۔ جامع مسجد۔ رنگا کا دیول۔ ولزلی کا پل یہ مقامات بھی قابلِ دیکھنے کے ہیں۔ دریا دولت باغ کے جنوب میں ایک بلند مقام پر ایک چھوٹی سی یادگار اُن لوگوں کی بنی ہوئی ہے جو انگریزی فوج کے ٹیپو سلطان کی لڑائی میں مارے گئے تھے اور آگے بڑھ کر مغرب کی طرف دریا کے کنارے سکاٹ صاحب کا بنگلہ ہے جو توپ خانے کا سردار تھا یہ بنگلہ راجہ نے بنوا دیا تھا (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۹۱)



ہمپی کا مندر تعمیر کرڈہ کشن دیورائے

سب اس کے ماتحت تھے۔ پرتگالی ان چھوٹے چھوٹے راجاؤں کو بھی خودمختار سمجھتے تھے اور اُن کے پاس ایلچی بھیجا کرتے تھے جس سے وہ لوگ خوش ہوتے تھے۔ ہمپی کے مشہور دیول کے مہنت نے بیان کیا کہ اس دیول میں جو ایک بلند مخروطی قُبّہ دیول میں گھستے ہی نظر پڑتا ہی وہ دیو راے نے اپنی تخت نشینی کے جلوس کی یادگار میں بنوایا تھا اور دوسرا ایک اَور سب سے بڑا قُبّہ اُس کے بعد بنوایا۔ نیونز نے لکھا ہی۔ کہ کشن دیوراے نے تخت نشین ہوتے ہی سالوتما کو اپنا وزیر مقرر کیا اور اپنے بھتیجے کو جو پہلے راجہ کا بیٹا تھا اور اپنے تین بھائیوں کو اُس نے بہ فاصلۂ دوسو پچاس میل قلعۂ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۹۰) ۱۸۱۶ء میں ایک دم اُس کے بیوی بچے ہیضے سے مَر گئے سکاٹ صاحب بنگلہ چھوڑ چھاڑ چلے گئے جب سے یہ بنگلہ مع سامان و فرنیچر اُسی حالت میں اب تک موجود ہی گو سامان گل سڑ گیا ہی لیکن پھر بھی یہ افسوس ناک یادگار اپنی حالت پر اب تک قائم ہی ۱۲

۵۲ اِس زمانے میں جو ۱۵۱۲ء کے قریب ہوتا ہی بنکاپور کا ایک مرہٹہ حکمراں تھا اور یہ مقام بہت سرسبز اور شاداب تھا۔ ملکِ کرناٹک میں یہ بہت بڑا مشہور قلعہ تھا جو دھارواڑ کے جنوب میں ہُناور اور بیجانگر کے شارعِ عام پر واقع ہی۔ بھٹکل سے جو ساحل مغربی ہند پر ایک خوش نُما مقام ہی ایک سڑک جانبِ شمال ہُناور سے ہوتی ہوئی بنکاپور کو جاتی ہی اور وہاں سے بنوا سی رانی بنّور اور ہنّوس ہیٹ ہوکر بیجانگر پہونچ جاتی ہی۔ قلعۂ بنکاپور کے حالات ۱۸۴۹ء سے معلوم ہوے ہیں اور ۱۵۷۳ء تک اس پر ہندوؤں کا قبضہ رہا اس کے بعد علی عادل شاہ نے اِس کو فتح کرکے اِس کے خوب صورت مندر کو برباد کر ڈالا۔ تاریخ فرشتہ نے اِس مقام کو بنکاپور لکھا ہی ممکن ہی کہ کتابت میں نقطوں کی غلطی ہوئی ہو۔ کیسٹن ہیڈا نے اِس مقام کو ونگاپور لکھا ہی کہ گوا کے گورنر جنرل ایلبوکرک نے دو ایلچی روانہ کیے تھے ایک بیجانگر کو دوسرا ونگاپور کو اِس سے معلوم ہوتا ہی کہ ونگاپور کا راجہ خودمختار تھا۔ یہ مقام نرسنگا جانے کے لیے سیدھا رستہ ہی اور یہاں ہر قسم کی ضروریات کا سامان بکثرت موجود رہتا تھا۔ بیرا نے اِس مقام کا نام بنگاپور لکھا ہی اور کہتا ہی کہ یہاں کا راجہ بیجانگر کے راجہ کے ماتحت تھا اور یہ مقام شاہ راہ بیجانگر پر واقع تھا بنکاپور کے قریب اور دو حکمرانوں کے نام کو موجی اور اپاجی لکھے ہیں معلوم نہیں وہ کون تھے اور کہاں کے راجہ تھے ۱۲

چندر گری[1] میں بھیج دیا تاکہ وہ بے کھٹکے رہے اور آپ دارالسلطنت میں رہنے لگا۔

پرتگالیوں کا مشن بیجانگر میں

پرتگالیوں کی طرف سے دو مرتبہ کالی کوٹ اور گوا سے گوئی اور چنو کانے ایلچی بھجوائے تھے جو دیوراے کے حضور میں بہ مقام بیجانگر باریاب ہوئے۔ اوائل زمانۂ سلطنت کشن راے میں پرتگالیوں کا ویسراے آلبڈا تھا لیکن آخر ۱۵۰۹ء میں ایلبوکرک گورنر مقرر ہوا اس کو کالی کٹ کے زیمورن کے مقابلے میں ایک سخت شکست ہوئی تب گورنر گوا نے گوئی کو اپنا ایلچی مقرر کرکے بیجانگر روانہ کیا جو براہ کوچین اور بھٹکل بیجانگر پہونچا۔ گورنر نے راے کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ آپ تو براہ خشکی کالی کوٹ پر چڑھائی کریں اور میں تری کے رستے سے آتا ہوں۔ گورنر نے یہ بھی لکھا کہ ہمارے بادشاہ نے ہم کو مسلمانوں سے لڑنے کی اجازت دی ہے نہ کہ ہندوؤں سے۔ کالی کوٹ کو اس کے والی نے برباد کر دیا ہے اور راجہ بھی اندرونی حصۂ ملک میں بھاگ گیا ہے میں آپ کو بحری قوت سے مدد دوں گا اور کالی کوٹ فتح ہوتے ہی مسلمان وہاں سے نکال دیئے جائیں گے اور اس کے بعد بھی پرتگالی فوج آپ کے دشمن مسلمانانِ دکن کے مقابلے کے لیئے ہر طرح سے مدد دے گی اور یہ بھی اقرار کیا کہ آج تک ہم عربی اور ایرانی گھوڑے بیجاپور کی سلطنت میں دیا کرتے تھے آیندہ سے ہم اُن کی مدد قطعاً بند کر دیں گے اور آپ ہی کو دیا کریں گے۔ لیکن راجہ نے بالکل سکوت اختیار کیا اور جواب تک نہ دیا۔ اس کے بعد ایلبوکرک نے گوا پر حملہ کیا جو اُس زمانے میں عادل

---

[1] ریلوے اسٹیشن سے دو میل کے فاصلے پر ایک محل ہے جو راجگانِ تلنگانہ نے بنایا تھا جس کا نام راج محل ہے۔ یہ سارے کا سارا محل پتھر کا ہے لکڑی کا اس میں کہیں نام نہیں ہے۔ اس کے پاس ہی ایک دوسرا مگر ذرا چھوٹا محل ہے جس کو "راج محل" کہتے ہیں۔ ان دونوں محلات سے اوپر وار کو پہاڑ پر ایک قدیم قلعہ ہے جس کو نرسنگ راجہ وزیانگرم نے بنایا تھا۔ لیکن اب یہ عمارتیں خراب خستہ حالت میں ہیں تاہم جس قدر حصے کی گورنمنٹ نے مرمت کرادی ہے دیکھنے کے قابل ہے ۱۲۔

شاہ کے قبضے میں تھا اور فتح کرکے یکم مارچ ۱۵۱۰ء کو مسلط ہوگیا۔ جس طرح کہ آلمیڈا نے بھٹکل میں کاروبار کے لیے ایک قلعہ بنانے کی درخواست پہلے کی تھی پھر دوبارہ گیسپر چنو کا ایلچی کے ذریعے سے اس کی تجدید کی گئی۔ بیروس لکھتا ہے کہ چنو کا نے اطلاع دی کہ کشن دیو رائے کے حضور میں حاضر ہوا وہ اچھی طرح ملا اور ظاہر خلاف پیش بھی آیا لیکن چوں کہ عادل شاہ سے وہ مصالحت کرچکا تھا اس لیے صاف طور پر قلعہ بنانے کی اجازت نہیں دی غالباً بیجانگر نے یہ صلح عادل شاہ سے اس غرض سے کی تھی کہ مسلمانوں کو پھر گوا آکے فتح کرنے میں آسانی ہو لیکن بطور زمانہ سازی رائے بیجانگر نے ایلبوکرک کو گوا کی فتح پر مبارک باد کہلا بھیجی اور عادل شاہ کے مقابلے میں مدد دینے کا وعدہ بھی کیا لیکن یہ سب باتیں جمع خرچ تھا عمل کچھ بھی نہ ہوا ماہِ مئی میں مسلمانوں نے گوا پر حملہ کیا اور ایک سخت جنگ کے بعد فتح کرلیا۔ ایلبوکرک نے ڈیڑھ سو مسلمان عائد اور اُن کے بال بچوں کو قتل کرڈالنے کے بعد گوا کو خالی کردیا تھوڑے ہی دنوں کے بعد اسی سال ماہِ نومبر میں جب کہ اسمٰعیل عادل شاہ سلطنتِ بیجاپور کے اندرونی جھگڑوں میں پھنسا ہوا تھا ایلبوکرک نے رسول خاں والیِ گوا پر آٹھ ہزار فوج کے ساتھ حملہ کیا اور مسلمانوں کو شکست دے کر پھر یکم دسمبر ۱۵۱۰ء کو گوا پر قابض ہوگیا اس لڑائی میں پرتگالیوں نے مسلمانوں کے چھ ہزار مرد عورت اور بچوں کو قتل کیا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ کمال خاں وزیرِ سلطانِ بیجاپور نے پرتگالیوں سے مصالحت کرلی اور گوا کو پرتگالیوں کے قبضے میں چھوڑ دیا لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیوں کہ ۱۵۱۲ء میں رسول خاں نے ایک بہت بڑا حملہ گوا کو واپس لینے کے واسطے کیا لیکن ایک سخت لڑائی کے بعد شکست کھائی۔ جب پرتگالیوں کی کامیابی کی خبر بیجانگر میں پہونچی۔ تو کشن دیو رائے نے اپنے ایلچی گوا کو روانہ کیے۔ انھیں کے ساتھ پرتگالیوں کے ایلچی لوئی نے ایک خط بھی ایلبوکرک کو بھیجا جس میں اُس نے اپنی کیفیت یہ لکھی تھی کہ "یہاں پہونچنے کے بعد سب لوگ سوائے راجہ کے اچھی طرح پیش آئے لیکن بالآخر ہمہ راجہ نے بھٹکل میں قلعہ بنانے کی اجازت دے دی ہے"۔ لیکن لوئی بیجانگر واپس ہی نہیں آیا تاریخ اس بات سے ساکت ہے کہ اُس پر کیا گزری البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دن بیجانگر میں قتل کرڈالا گیا۔ لوئی کا مراسلہ اس وجہ سے دلچسپ ہے کہ اُس میں بیجانگر اور بیجاپور

دونوں جگہ کے حالات لکھے ہیں ایک حصہ تو اُس کا بالکل صحیح ہی لیکن جس حصے میں کہ کشن دیوراے کی اُس زمانے کی کارروائیوں کا حال لکھا ہی اُن کا پتہ ہم کو کہیں اَور سے نہیں ملا۔ لُوئی نے ایلبوکرک کو لکھا کہ عادل شاہ نے مع اَور چار مالکانِ ریاست کے بیجاپور کو دو مہینے کے محاصرے کے بعد فتح کرلیا اور بادشاہِ دکن کو قید کرلیا۔ بادشاہِ دکن سے مراد بادشاہِ بہمنی تھا اور عادل شاہ کے ساتھ اَور چار رؤسا روسرے اُمرا ہوں گے۔ لُوئی نے یہ بھی لکھا کہ بلگاؤں کے لوگ عادل شاہ سے بغاوت کرکے ہندو راجہ سے جاملے ہیں۔ بیجانگر کی بابت یہ لکھا کہ راجہ کے ایک بلج گزار نے بغاوت کرکے شہر پرگنڈا (پنّاکنڈہ) پر اِس بہانے سے قبضہ کرلیا ہی کہ وہ اُس کا مالکِ جائز ہی۔ اِس لیئے راجہ نے اِس مہم کے لیئے سات ہزار کی فوج طیار کی ہی۔ اِس مرحلے کے بعد راجہ سمندر کے ساحل کے چند مقامات کی طرف جانے والا ہی لیکن ٹھیک طور پر یہ نہیں معلوم کہ کدھر جاے گا تاہم ایلبوکرک کو جتلا دیا کہ تم اپنی جگہ ہوشیار رہو راجۂ بیجانگر سے دوستانہ تعلقات بڑھاتے رہو لیکن تموجی (تمّاراج) جس کے دُھوکے میں بہت سے لوگ آگئے ہیں پرتگالیوں سے اُس نے دوستی گانٹھ لی ہی اِس وجہ سے وہ بھی اِس کے دام میں آکر اعتماد کرنے لگے ہیں مگر تم اِس شخص پر ہرگز بھروسا نہ کرنا یہ شخص تمھارا سخت مخالف ہی اور اِس نے اورگارسیا کے راجہ دونوں نے مِل کر کشن دیوراے سے وعدہ کیا ہی کہ اگر وہ ایک مسلح لشکر بھیج کر گوآ کا محاصرہ کرے تو ابھی پرتگالی وہاں اپنے پاؤں جماکر قلعہ بندی وغیرہ بھی نہیں کرنے پاے ہیں تو ایسے موقع پر ہم تمھارا قبضہ کرادیں گے۔ گوآ پر جب دوبارہ ایلبوکرک نے قبضہ کرلیا تو والیِ بنکاپور نے بھی اُس کو مبارک باد کا پیغام بھیجا اور درخواست کی کہ سالانہ تین سو گھوڑے اُس کو بھی ملا کریں۔ چوں کہ بنکاپور بیجانگر کی سڑک پر واقع تھا اِس لیئے پرتگالیوں کو نہایت ضرور تھا کہ وہاں کے حاکم سے اتّفاق رکھیں اور چوں کہ بنکاپور میں بہت سے اعلےٰ درجے کے سوار رہتے تھے اِس لیئے اِس درخواست کو منظور کرلیا۔ کشن دیوراے ہمیشہ اِسی فکر میں لگا رہتا تھا کہ کسی طرح عمدہ گھوڑے ملیں۔ گوآ بہ مقابلۂ بیجانگر کے بہ اعتبار سلطنت کے تو کچھ باوقعت نہ تھا کہ کشن دیوراے اُس کی پروا کرتا مگر گھوڑوں کا

معدن تھا اور یہاں آئے دن عادل شاہ سے مُقابلہ رہا کرتا تھا جس کی وجہ سے گھوڑوں کی سخت ضرورت رہتی تھی۔ ایلبوکرک نے چند دنوں تو مُسلمانوں کو جُل دیا لیکن آخرِ کار راجۂ بیجانگر سے معاہدہ ہوگیا کہ آیندہ سے ہم مُسلمان بادشاہوں کو گھوڑوں کی مدد نہ دیں گے بلکہ آپ ہی کی فوج کے لیئے گھوڑے فراہم کریں گے۔ تاریخ فرشتہ میں یہ لکھا ہی کہ راجۂ بیجانگر کو اچھا موقع ہاتھ لگا اُس نے قریب ۱۵۱۲ء کے اسمٰعیل عادل شاہ کی سلطنت میں قلعۂ رایچور پر حملہ کردیا۔ اسمٰعیل عادل شاہ اپنے مُلک کے اندرونی جھگڑوں میں ایسا پھنسا ہوا تھا کہ وقت پر مدد کو پُونہچ نہ سکا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلعۂ رایچور کو راے بیجانگر نے فتح کرلیا۔ لیکن نیونز نے اِس واقعے کا کچھ ذکر نہیں کیا بلکہ وہ یوں لکھتا ہی کہ راے بیجانگر کی پہلی لڑائی عادل شاہ کے مُقابلے میں ۱۵۲۰ء میں ہوئی۔ اُس زمانے میں قلعۂ رایچور مسلمانوں کے قبضے میں تھا اور راجۂ بیجانگر نے چڑھائی کی۔ بس نیونز اور فرشتہ دونوں کے بیانات میں بڑا فرق ہی۔ فرشتہ نے ۱۵۱۲ء کی لڑائی کے متعلق یہ لکھا ہی کہ "اسمٰعیل عادل شاہ نے قلعہ جاتِ مُدگل و رایچور راے بیجانگر سے واپس لینے کے اِرادے سے جنگ کی طیاری کی" راے بیجانگر نے اِن مقامات پر ۱۵۱۲ء میں قبضہ کرلیا تھا۔ اِن دونوں روایتوں میں سے کون سی صحیح ہی اِس کا تصفیہ نہیں ہوسکتا ۱۵۱۲ء میں کشن دیو راے نے گورنر پرتگال کو تین لاکھ روپے اِس شرط سے دینے چاہے کہ سوائے بیجانگر کے اور کہیں گھوڑے نہ دیئے جائیں۔ لیکن ایلبوکرک ایک جہاں دیدہ آدمی تھا اُس نے انکار کردیا۔ چند روز بعد راجہ نے دوبارہ یہی پیغام بھیجا اور کہا کہ اُس کا اِرادہ عادل شاہ سے جنگ کرنے کا ہی۔ عادل شاہ کو بھی اِس کی خبر لگ گئی اُس نے بھی اپنے ایلچی کو گوے روانہ کیا۔ گورنر پرتگال کے لیئے یہ ایک بڑا نازک موقع تھا اُس نے دورُخی چال چلی راے بیجانگر کو تو یہ لکھا اگر آپ سالانہ تیس ہزار کروزیڈ دیا کریں اور اپنے مُلازمین کو گوا بھیجکر گھوڑے خود منگوالیں تو میں امداد

لہ پرتگالیوں کا ایک سکہ ہی جس پر صلیب کی شکل بنی رہتی ہی ۱۲۔

کو موجود ہوں اور اگر آپ فوج کے اخراجات کی ذمہ داری لیں تو مَیں فوج سے مدد دینے کو بھی آمادہ ہوں اور اُدھر بیجاپور کو لکھ بھیجا کہ ہم تمام گھوڑے آپ کو اِس شرط پر دینے کو موجود ہیں کہ آپ بادشاہِ پرتگال کو خاص وہ حصّہ مُلک کا جو جزیرۂ گوا کے مُقابلے میں ہی سپرد کریں۔ لیکن ابھی یہ معاملہ طے نہیں ہونے پایا تھا کہ البوکرک مرگیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ رایچور کی جنگ سے پانچ سال پہلے ہی کشن دیو راے مُسلمانوں پر ایک بڑی بھاری جنگ کرنے کے اِرادے سے تیاری کر رہا تھا بلکہ اُودے گری پر حملہ کرنے سے بھی ایک سال پیشتر سے وُہ اِسی دُھن میں تھا۔ جس کا ذکر ہم اوپر لکھ آے ہیں

بیجانگر کے حالات سیّاح باربوسہ کی زبانی ۱۵۱۴ء

سیّاح باربوسہ نے ۱۵۱۴ء[1] میں بیجانگر کے حالات لکھے ہیں کہ "سلطنتِ نرسنگا (پرتگالی ریاستِ بیجانگر کو ہمیشہ اِسی نام سے پُکارتے رہے ہیں) بہت زرخیز اور متموّل ہی اور ہر قسم کی اشیا کی افراط ہی اِس میں بہت سے بڑے بڑے شہر اور قصبے واقع ہیں۔ مغربی ساحلِ ہند پر بھٹکل ایک بڑی تجارت گاہ کی منڈی ہی جہاں سے لوہا مصالحے ادویہ اور رنگ کی چھالیں وغیرہ باہر ملکوں میں بھیجی جاتی ہیں اور گھوڑے اور موتیوں کی درآمد کی جاتی ہی۔ لیکن اُسی زمانے میں گھوڑوں اور موتیوں کا بیوپار پرتگالیوں کی وجہ سے زیادہ تر گوے میں ہونے لگا۔ بھٹکل کا حاکم راجۂ بیجانگر کا بھتیجا تھا اور وہ خود راجہ کہلاتا تھا لیکن اپنے چچا کے ماتحت تھا" ساحلِ سمندر سے چل کر باربوسہ اوپر وار گھاٹوں پر سے گزرا اور لکھتا ہی کہ "اِن پہاڑوں سے (۴۵) لیگ (۱۳۵) میل کے فاصلے پر ایک بہت آباد شہر ہی جس کا نام بیجانگر ہی جو ایک طرف ایک بہت عمدہ فصیل سے محفوظ ہی اور دوسری طرف پہاڑوں سے گھرا ہوا ہی۔ یہ شہر ہموار سطحِ زمین پر آباد ہی اور نرسنگا کا راجہ ہمیشہ یہاں رہتا ہی

---

[1] باربوسہ ۱۵۰۱ء میں جہاز پر روانہ ہوا۔ اِس نے اپنی واقعہ نگاری کی کوئی تاریخ نہیں لکھی البتہ اِس نے اپنے وقائع ہندوستان میں ایک عرصۂ دراز تک بحری سیاحت کرنے کے بعد لکھے اور خاتمے پر ۱۵۱۶ء درج ہی یہ بات البتہ یقینی ہی کہ وُہ ۱۵۰۸ء میں بحرِ ہند میں تھا پس اِس سے ظن غالب ہوتا ہی کہ وقائع ۱۵۱۴ء کے لگ بھگ لکھے گئے ہوں گے ۱۲

وہ غیر مذہب والا ہی اور راہنی[1] کہلاتا ہی۔ اِس شہر میں راجہ کے بہت سے بڑے بڑے اور خوب صورت محلّات ہیں جن میں متعدد دیوان خانے ہیں راجہ کے علاوہ اَور بہت سے بڑے بڑے اُمرا اور رؤسا کے بہت سے محلّات ہیں جن میں وہ رہا کرتے ہیں باقی مکانات چھپّر کے ہیں۔ یہاں کی گلیاں اور سڑکیں بہت چوڑی ہیں بازاروں اور گلیوں میں ہمیشہ بے شمار بھیڑ ہر قوم و مذہب کے لوگوں کی لگی رہتی ہی۔ اِس شہر میں بے انتہا تجارتی کاروبار رہوتا ہی بہت سے جواہرات پیگو اور سراندیپ سے لاکر فروخت کیے جاتے ہیں اور اِس مُلک میں بھی جو اہرات پائے جاتے ہیں کیوں کہ اِسی سلطنت میں جواہرات کی ایک کان موجود ہی اور ایک دوسری کان سلطنتِ دکن میں بھی ہی۔ ہُرمُز اور رکیل سے بہت سے موتی اور مخمل۔ کمخواب اور مونگا لاکر فروخت کیا جاتا ہی۔ راجہ ہمیشہ اپنے محلّات میں رہتا ہی شاذ و نادر کہیں باہر جاتا ہی۔ محلوں کے اندر راجہ کی خدمت گزاری میں تمام تر عورتیں رہتی ہیں اور ہر قسم کی خدمات گھر کے اندر رہ کر وہی انجام دیتی ہیں۔ محلّات کے متعلق تمام عہدے اِن عورتوں ہی کے سپرد ہیں جو سب کی سب اِن ہی محلّات میں رہتی ہیں اُن کے رہنے کے لیئے الگ الگ مکانات بنے ہوے ہیں۔ راجہ[2] کا ایک محل ہی جس میں وہ گورنروں اور عہدے داروں سے ملتا ہی اور مملکت کے معاملات طے کرتا ہی۔ لوگ قیمتی پالکیوں میں بیٹھتے ہیں جن کو آدمی کندھوں پر اُٹھاتے ہیں۔ بہت سی پالکیاں اور بہت سے سوار ہمیشہ اِس محل کے پھاٹک پر موجود رہتے ہیں۔ راجہ کے ہاں نو سو ہاتھی بیس ہزار سے زائد گھوڑے ہر وقت موجود رہتے ہیں جو راجہ نے اپنے ذاتی روپے سے خرید کیے ہیں

---

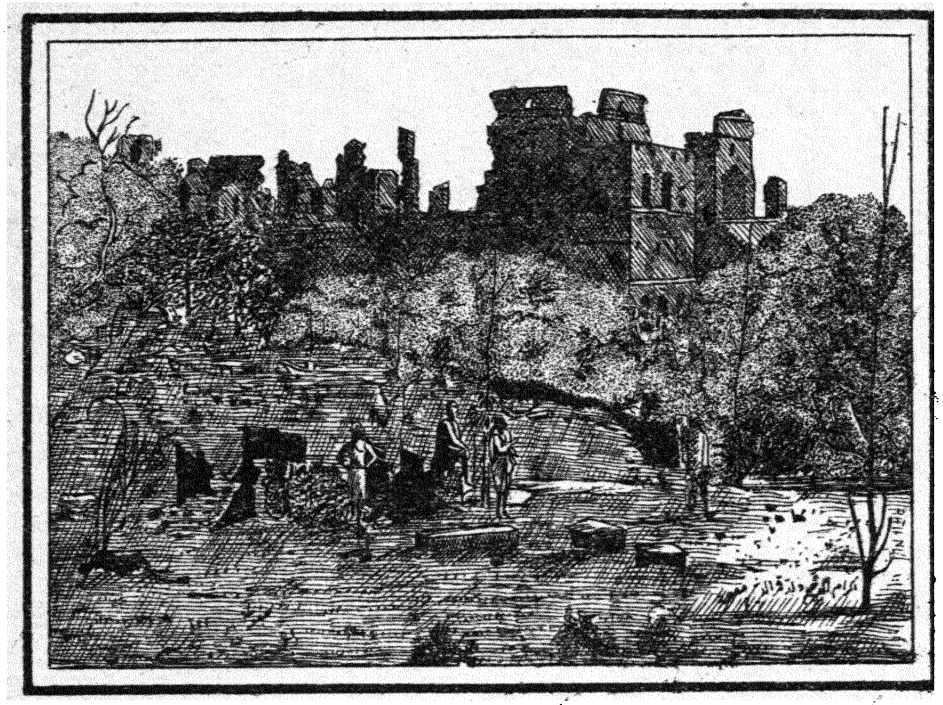
[1] اِس لفظ کا مفہوم و معنے معلوم نہیں ہوتا ۱۲

[2] غالباً اِس سے وہ نہایت آراستہ عمارت مراد ہی جس کے اندر کسی زمانے میں سرکاری دفاتر رکھے جاتے تھے جس کے اطراف میں بلند دیواریں اور چاروں طرف دیدبان کے بُرج بنے ہوے ہیں۔ یہ مکان اب "زنانہ" کے نام سے مشہور ہی اور اصطبلِ فیلاں کے شرق میں واقع ہی یہ عمارت سرکاری نقشے میں اب نمبر (۲۹) کونسل روم ہی ۱۲۔

سوار اور پیدل ملا کر ایک لاکھ آدمی ایسے ہیں جن کو راجہ اپنی جیبِ خاص سے تنخواہ دیتا ہے جب راجہ مرجاتا ہے تو اُس کے ساتھ چار پانسو عورتیں ستی ہو جاتی ہیں۔ راجہ نرسنگا اور بادشاہ دکن کے درمیان جس نے راجہ کا بہت سا ملک دبا لیا ہے ہمیشہ لڑائی رہتی ہے۔ علیٰ ہذا اُڑیسہ کے راجہ سے بھی جنگ رہتی ہے۔"

راجہ کی لڑائیاں کنڈاپلی۔ راج مندری کنڈاویڑ اُدی گیری پر ۱۵-۱۵۱۳ء

اسی زمانے میں ملکِ میسور میں اُمّاتور کے راجہ گنگا راجہ نے بغاوت کی کشن دیو رائے نے اُس پر حملہ کیا اور کامل فتح پائی علیٰ ہذا سیوسمدر اور سرنگاپٹن کو بھی فتح کر کے اُس تمام ملک کو اپنے قبضے میں کر لیا ۱۵۱۳ء میں راجہ نے اُدی گیری پر (جو فی الحال ضلع نلور میں واقع ہے) جہاں ایک بہت بڑا مستحکم پہاڑی قلعہ ہے اور جو اُس زمانے میں راجہ اُڑیسہ کے قبضے میں تھا حملہ کیا اور فتح یاب ہونے کے بعد کرشنا دیوتا کی ایک مورت جو ایک پہاڑ پر مندر میں رکھی ہوئی تھی اُٹھا لا کر بیجانگر میں رکھی اور اُس کے لیئے بہت سی زمینیں انعام دیں چنانچہ اِس کی یادگار میں ایک بڑا لمبا کتبہ پتھر پر کندہ شدہ اب تک بیجانگر میں موجود ہے اِس کے بعد راجہ نے ایک بہت بڑا مندر جس کا نام کرشنا سوامی ہے بنوایا۔ یہ مندر اگرچہ اب خستہ حالت میں ہے تاہم اِس شہر میں ایک نہایت قابلِ دید مقام ہے اِس پر بھی پتھر کا ایک بڑا کتبہ اب تک موجود ہے۔ اُسی زمانے میں راجہ نے ایک اور مندر اپنے محل کے احاطے کے اندر بنوایا جس کا نام ہزارا راما سوامی کا مندر ہے نیونز نے لکھا ہے کہ اُدی گیری میں کشن دیو رائے نے راجہ اُڑیسہ کی بچی کو گرفتار کر لیا اور اُس کو قید کر کے بیجانگر لے آیا اودی گیری کے بعد راجہ نے کنڈاویڑ پر چڑھائی کی۔ جو ایک دوسرا مستحکم پہاڑی قلعہ راجہ اُڑیسہ کے مقبوضات میں تھا یہاں ایک گھمسان لڑائی ہوئی جس میں راجہ اُڑیسہ خود موجود تھا اور دو مہینے کے محاصرے کے بعد فتح ہو گیا۔ راجہ نے سالوتما کو کنڈاویڑ کا حاکم مقرر کر کے وہیں چھوڑ دیا



محل کنڈاپی کا کھنڈر

اور خود دشمن کے پیچھے شمال کی طرف چلا گیا۔ نیونز لکھتا ہے کہ سالو تما نے اپنے حقیقی بھائی کو کنڈا ویڈ پر مقرر کیا لیکن اِس مقام پر جو کتبہ ہے اُس میں یہاں کے حاکم کا نام نارِنڈلہ گوپا مُشتری سالو تما کا بھتیجا لکھا ہوا ہے۔ کنڈا ویڈ ۱۴۵۴ء سے راجہ گانِ اُڑیسہ کے قبضے میں تھا کشن رائے نے ۱۵۱۵ء میں اُسے فتح کیا۔ ایک کتبہ میں جو کنڈا ویڈ میں ہے سالو تما کی بہت تعریف لکھی ہے اور لکھا ہے کہ اساڑھ سکلا۔ ہری واسر سارا سکے ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۳ جون ۱۵۱۵ء یوم شنبہ کو اُس نے اِس قلعے کو فتح کیا۔ کنڈا ویڈ کی فتح کے بعد راجہ کا شمال کی طرف جانا لکھا ہے جس کی تصدیق اِس سے ہوتی ہے کہ قصبۂ مدرلہ[۵۱] جو شہر بجواڑہ[۵۲] سے (جو رودِ کرشنا پر ہے) ۲۲ میل جنوب و مشرق میں واقع ہے یہاں ایک کتبہ موجود ہے جس سے ۱۵۱۶ء میں کشن دیو رائے اور کسی غنیم سے جنگ ہونا پایا جاتا ہے لیکن غنیم کا نام مٹ گیا ہے اِس میں بھی کشن دیو رائے کو فتح ہوئی پھر راجۂ بیجانگر نے تین مہینے کے محاصرے کے بعد کنڈہ پلی کو فتح کر لیا اور راجۂ اُڑیسہ کی بی بی اور بیٹے کو جو یہیں تھے گرفتار کر لیا۔ یہاں سے راجہ راج مندری گیا اور وہاں چھ مہینے مقام کیا اِس کے تھوڑے دنوں بعد آپس میں صلح ہو گئی اور کشن دیو رائے نے راجۂ اڑیسہ کی بیٹی سے شادی کر لی اِن تمام بیانات کی تصدیق اُس مطوّل کنڈے سے ہوتی ہے جو بہ مقام کنجیورم در دراج سوامی کے دیول میں موجود ہے۔ اُس میں

---

۵۱ اب مدھرہ کہلاتا ہے تحصیل ضلع ورنگل ہے جو بجواڑہ سکشن نظام سٹیٹ ریلوے پر واقع ہے ۱۲

۵۲ دریائے کرشنا کے شمالی کنارے پر واقع ہے یہاں سے بڑی بڑی نہریں مدراس۔ ایلور۔ مچھلی پٹن۔ کلگنا ڈا اور راج مندری کو نکالی گئی ہیں۔ بڑی تجارت کی منڈی ہے۔ یہاں بودھ کے زمانے کے پتھروں میں تراشے ہوئے بہت سے مندر ہیں جن میں سے بعض دیول تو بہت قدیم زمانے کے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک قلعہ ۱۷۶۰ء میں بنایا تھا جو ۱۸۲۲ء میں ڈھا دیا گیا۔ رود کرشنا میں جو بند لاکھوں روپیہ خرچ کر کے گورنمنٹ نے باندھا ہے وہ عجیب و غریب انجینری کی کاریگری کا نمونہ ہے ریل کا آہنی پُل بھی بہت بڑا اور مضبوط مستحکم ہے اُوپر سے ریل جاتی ہے نیچے سے آدمی چلتے ہیں ۱۲

لکھا ہی کہ راجۂ بیجانگر نے اودی گری۔ بالم کنڈہ۔ وین کنڈہ۔ کنڈا ویڈ اور دوسرے مقامات کو فتح کیا اور پھر بجواڑہ اور کنڈہ پلی کو گیا اور آخر کار راج مندری پر پہنچ گیا۔ نیونز نے لکھا ہی کہ اس شادی کے بعد راجۂ بیجانگر نے مشرق کی جانب مقام کتور پر جو ساحل کارومنڈل پر واقع ہی حملہ کیا اور کانچیور کو فتح کر لیا لیکن مقام آخر الذکر کا اب کہیں پتہ نہیں لگتا۔ ان فتوحات سے تمام حصۂ مشرقی ملک راجۂ بیجانگر کے قبضے میں آگیا۔ نیونز نے لکھا ہی کہ اودی گری۔ کنڈا ویڈ اور کتور کی لڑائیوں کے بعد ہی رایچور کی لڑائی شروع ہوگئی لیکن کتبوں سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ان مقامات پر ۱۵۱۵ء کے اخیر میں جنگ ہوئی ہی اور رایچور کی لڑائی اس سے کم سے کم پانچ سال کے بعد ہوئی ہی۔

قطب شاہِ گولکنڈہ کی لڑائیاں ملکِ تلنگانہ میں

دکن کے جنوب و مشرقی حصّے میں سلطان قلی قطب شاہ بادشاہ گولکنڈہ اور اُس کے ملحقہ ہندو اور مسلمان والیانِ وقت سے جو لڑائیاں ہوئی ہیں اُس کا حال تاریخ فرشتہ کی جلد سوم میں ایک دوسرے مورّخ سے نقل کیا گیا ہی اور چوں کہ یہ واقعات کشن دیوراے کے زمانے میں ہوے ہیں اِس لیئے اُن کا مختصراً بیان کرنا مناسب ہی۔ مسلمان مورّخین نے جو تاریخیں ان واقعات کی لکھی ہیں اُن میں اور ہندو اور پرتگالیوں کی روایات میں (جن کی تائید میں کتبے موجود ہیں) اختلافات ہیں۔ سلطان قلی قطب شاہ نے ۱۵۱۲ء میں خود مختارانہ سلطنت کا اعلان کیا اُس نے اپنی تخت نشینی کے بعد راز کنڈہ اور دیور کنڈہ کے دو قلعوں پر جو حیدر آباد کے جنوب و مشرق ملکِ تلنگانہ میں واقع ہیں فتح کیا۔ جب بادشاہ نے دیور کنڈہ فتح کیا تو کشن دیوراے نے ایک بڑا لشکر لے کر مسلمانوں پر ۱۵۱۳ء میں چڑھائی کی۔ ہندوؤں کا لشکر پانگل میں جاکر ٹھیرا جو رایچور سے مشرق میں رود کرشنا کے کونے پر واقع ہی۔ اس جنگ میں قطب شاہ کو

لہ بجواڑہ سے ۸ میل پر بھی نظام سٹیٹ ریلوے کا اسٹیشن ہی یہاں ایک پرانا قلعہ ہی ۱۲

فتح ہوئی۔ اِس کے بعد مسلمانوں کا لشکر گھن پورے کو گیا جو بہ فاصلہ (۲۰) میل جانبِ شمال واقع ہے بہت سے لوگ مارے جانے کے بعد اِس قلعے کو بھی بادشاہ نے فتح کیا اور پھر کوہلہ[1] کنڈہ (جو (۲۰) میل جانبِ شمال و مغرب سرحدِ سلطنتِ بیدر پر واقع ہے اور علاء الدین عماد شاہ کا مقبوضہ تھا) فتح کر لیا۔ اِس مقام پر عماد شاہ اور سلطان قطب شاہ کی جنگ ہوئی۔ اور قطب شاہیوں کی فتح ہوئی۔ تھوڑے دنوں بعد گول کنڈہ کے مشرقی علاقے میں بغاوت ہوئی۔ سیتاپتی کھمم مٹ[2] کے راجہ کا علاقہ وسیع تھا جس میں قلعہ جاتِ ورنگل اور بالم کنڈہ جو کرشنا کے جنوب میں واقع ہیں شامل تھے وہ بھی باغی ہو گیا۔ بادشاہ نے بالم کنڈہ پر چڑھائی کی جس کو ایک عرصے تک محاصرہ کرنے کے بعد فتح کیا اِس پر سیتاپتی نے بادشاہ کے مقابلے میں جنگ کی اور شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اِس کے بعد بادشاہ گول گنڈہ کو واپس چلا آیا۔ پھر راجہ نے اپنے ہم سرحد بہت سے والیانِ ملک کو برانگیختہ کر کے ایک بڑا لشکر کھمم پر اکھٹا کیا اِس کی خبر بادشاہ سُن کر گول کنڈہ سے فوج لے کر بڑھا اور جنگ میں کامل فتح پائی۔ راجہ سیتاپتی نے بھاگ کر رام چندر دیو پسر گجپتی راجۂ اُڑیسہ کے پاس کنڈہ پلی میں پناہ لی۔ بادشاہ نے کھمم پہنچ کر قلعے پر قبضہ کر لیا اور شہر کے سب مرد عورتوں اور بچوں کو قتل کر ڈالا اور راجہ سیتاپتی کی تمام عورتوں کو پکڑ کر اپنے حرم سرا میں داخل کر لیا۔ اِسی اثنار میں ہندوؤں نے اطراف واکناف سے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا اور بسرکردگی راجۂ اُڑیسہ ایک لڑائی دریائے پالنچور کے قریب میں ہوئی اِس میں بھی ہندوؤں نے شکست پائی۔ بادشاہ نے کنڈہ پلی ایلور۔ اور راج مندری پر قبضہ کر لیا اِس کے بعد راجۂ اُڑیسہ سے صلح ہو گئی اور سلطنت گولکنڈہ کی مشرقی سرحد دریائے گوداوری قرار پائی۔ اِس سے سلطان کی وسیع مملکت میں

---

[1] ضلع محبوب نگر عرف پالمور کی تحصیل ہے۔ یہ مقام پہاڑی قلعے کے لیے مشہور ہے ۱۲

[2] حیدرآباد سے (۱۲۰) میل ہے ضلع ورنگل کی تحصیل ہے۔ نظام اسٹیٹ ریلوے بجواڑہ سکشن کا اسٹیشن ہے کرشنا ندی پر واقع ہے۔ یہاں کا قلعہ بھی مشہور ہے ۱۲۔

اضلاعِ ایلورا اور بجواڑہ بھی شامل ہوگئے۔ کشن دیوراے نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے مقبوضات بڑھتے چلے جاتے ہیں تو وہ بھی نکل کر کھڑا ہوا بادشاہ بھی کنڈاویڑ کی طرف بڑھا اور کنڈہ ویڑ پر قابض ہوگیا تھا مگر راجہ گاں بالم کنڈہ و دین کنڈہ کے حملوں سے پس پا ہونا پڑا لیکن پھر بھی بادشاہ بالم کنڈے کے قلعے کو بہت نقصان کے بعد فتح کرکے کنڈہ پلی کو چلا گیا۔ کشن دیوراے نے بالم کنڈہ پر جو مسلمانوں کے قبضے میں آگیا تھا چڑھائی کی بادشاہ بھی ہندوؤں کے پیچھے ہی پیچھے پونہچ گیا دونوں میں لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ اس کے بعد بادشاہ کنڈہ ویڑ پونہچا اور فتح کرلیا۔ جب دیوراے کو کنڈہ ویڑ کی فتح کا حال معلوم ہوا تو اُس نے اپنے داماد سیوراے[1] کو ایک لاکھ پیدل اور آٹھ ہزار سوار دے کر مسلمانوں کے مقابلے کو بھیجا۔ بادشاہ کنڈہ ویڑ چھوڑ کر رود کرشنا کے کنارے پڑا ہوا تھا بیجانگر کے لشکر میں آتے ہی کنڈہ ویڑ پر قبضہ کرلیا[2] اور بادشاہ کا تعاقب کیا لیکن اس مقابلے میں ہندوؤں نے شکست پائی اور پس پا ہوئے۔ کنڈہ ویڑ کے مسلمانوں نے اب اُن کا پیچھا کیا اور دوبارہ کنڈہ ویڑ چھین لیا۔ ہندوؤں نے مغلوب ہوکر اطاعت قبول کرلی اور خراج دینے کا بھی اقرار کرلیا۔ بادشاہ نے اپنی دارالسلطنت کو واپس آکر سنا کہ اسمٰعیل عادل شاہ بادشاہ بیجاپور نے راجۂ بیجانگر کے اشتعالک سے کویل کنڈہ کا محاصرہ کرلیا[3] ہے قلی قطب شاہ ان کے مقابلے کو بڑھا اور بادشاہ دگل کنڈہ سے لشکر کشی کی اور برابر گیارہ مہینے تک دونوں میں لڑائیاں

---

[1] ۱۵۱۵ء میں کشن دیوراے کی عمر صرف (۲۰) سال کی تھی لیکن اہلِ ہنود میں لڑکیوں کی شادی عموماً بہت کم سنی میں کردی جاتی ہے اس لیئے سیوراے کا داماد ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے ۱۲

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشن دیوراے نے قلعۂ کنڈہ ویڑ پر ۱۵۱۵ء میں قبضہ کرلیا لیکن نیونز نے لکھا ہے کہ کشن دیوراے نے قلعۂ مذکور کو مسلمانوں کے قبضے سے نہیں لیا بلکہ راجۂ اڑیسہ سے لیا ۱۲

[3] تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ اسمٰعیل عادل اور امیر برید دونوں نے مل کر کویل کنڈہ کا محاصرہ کیا تھا راجۂ بیجانگر کی اس میں کوئی سازش نہ تھی ۱۲

ہوتی رہیں آخرکار اسمٰعیل عادل شاہ بیجاپور سے مرگیا[1] اور اُس کی جاے اُس کا بیٹا ملو تخت نشین ہوا۔ اُنھیں لڑائیوں میں سے ایک لڑائی میں سُلطان قُلی کے چہرے پر تلوار کا ایک سخت زخم آیا جس سے وہ ہمیشہ کے لیے بدشکل ہوگیا[2]۔ ہم نے اِن سب حالات کو یہاں یکجا بیان کردیا ہے کیوں کہ مسلمان مورخین نے بھی اِن واقعات کو مسلسل بیان کیا ہے اور اس میں اکیس سال کا زمانہ گزر گیا اِس لیے کہ یہ واقعات سلطان قُلی خاں کے عہد کے تھوڑے ہی دن بعد ۱۵۱۲ء سے شروع ہوے ہیں اور اسمٰعیل شاہ کی موت تک ۱۵۳۴ء میں ختم ہوے لیکن ہر واقعے کا سال علٰحدہ علٰحدہ نہیں بتلایا تاہم بعض واقعات متفق علیہ ہیں۔ مثلاً کشن دیو راے نے ۱۵۱۵ء میں کنڈہ ویڈ پر قبضہ کیا اور اِس کے دوسرے ہی برس اِسی کے

---

[1] اِس نواح کی آب و ہوا کی روارت سے اسمٰعیل عادل شاہ کو تپ آنے لگی جس سے وہ نہایت کم زور ہو گیا۔ بادشاہ نے اسدخاں لاری اور امیر قاسم بدید ترک کو بُلا کر کہا کہ یہاں کی آب و ہوا مجھے ناموافق ہے میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ یہیں رہ کر ملکِ تلنگانہ کے قلعوں کو فتح کرو میں گلبرگہ جاتا ہوں بعد صحت واپس آجاؤں گا۔ دوسرے دن علی الصباح بسواریِ پالکی جانے کا ارادہ تھا لیکن صبح چہارشنبہ ۱۷ صفر ۹۴۱ھ کو انتقال کیا اسدخاں لاری نے اِس بات کو چھپایا اور پالکی پر پردہ ڈال کر راتوں رات قصبۂ گوگی کو روانہ کیا جہاں وہ اپنے باپ کے جوار میں مدفون ہے ۱۲

[2] تاریخ فرشتہ میں یہ حادثہ جمشید قطب شاہ پر جو سلطان قلی کا جانشین تھا (۱۵۴۳-۵۰ء) میں ہونا لکھا ہے بادشاہ کے سر اور ناک اور چہرے کا ایک رُخ ہونٹ تک کٹ گیا تھا جس سے مدۃ العمر کھانے اور پینے میں ازحد تکلیف رہی اور کبھی کسی کے سامنے نہ کھاتا تھا۔ اِس واقعے کی خبر سفر سے پیشتر ہی مُلّا محمود نے دے دی تھی جس کو سُن کر بادشاہ غضب ناک ہوا اور مُلّا محمود کی ناک کٹوا کر اپنے قلمرو سے خارج کروا دیا لیکن جو کچھ مُلّا محمود نے کہا تھا وہ آخرکار پیش آیا۔ جنگ سے واپس آنے کے بعد بادشاہ نے جُنیر سے مُلّا محمود کو گوگی کُنڈہ بلوایا لیکن مُلّا صاحب نے جواب دیا کہ "ہنوز بینی دیگر بہم نرسانیدہ ام ان شاء اللہ تعالےٰ وقتے کہ بہم رسد قدم از سر ساختہ بملازمت اقدس مشرف خواہم شد و بینی را تصدق افسر مبارک خواہم نمود" بادشاہ دو برس برابر بیمار رہا اور روز بروز کم زور ہوتا گیا اور آخرکار تپ دق سے ۹۵۵ھ میں سات سال سلطنت کرنے کے بعد مرگیا ۱۲۔

اطرف وأکناف میں دوسری لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اگرچہ نیونز نے لکھا ہے کہ راجۂ بیجانگر نے کنڈہ ویڑ کو راجۂ اُڑیسہ کے قبضے سے لیا تاہم اُس لڑائی میں ہندوؤں کے مُقابلے پر مُسلمانوں کی مسلح فوج کا بھی اُسی نواح میں موجود ہونا ذکر کیا ہے۔ اَب ہم بیجانگر کے حالات بیان کرتے ہیں۔ ۱۵۱۶ء سے ۱۵۲۰ء تک دارالسلطنتِ بیجانگر کے حالات ہندوؤں کی روایات سے کچھ معلوم نہیں ہوتے۔ اِس زمانے میں پرتگالی مقامات ساحلِ سمندر پر سوداگری کرتے تھے اور قریب کے ہندو راجاؤں سے کچھ لڑائیاں بھی ہوئی تھیں لیکن اُس کا اثر بیجانگر تک نہیں پُہنچا کیوں کہ پرتگالی راجۂ بیجانگر سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ اور اِن تعلقات کی وجہ سے اطمینان سے اُن کی سوداگری خوب چل رہی تھی اور اُن کے قدم جمتے جاتے تھے۔ راجۂ بیجانگر بھی اُن کے نام کو نہ جانتا تھا کیوں کہ پرتگالیوں سے گھوڑے اور دوسری ما یحتاج اشیاء کی امداد ملتی رہتی تھی باقی تمام راجہ کے حصۂ مُلک میں امن تھا اور رعایا اُس کی حکومت کی مطیع تھی۔ نیونز نے لکھا ہے کہ سلطنت کی تقسیم صوبوں میں کردی گئی تھی۔ ہر صوبے کے سردار کو اپنے علاقے میں کامل اختیارات حاصل تھے بشرطیکہ وہ حسبِ قرار دادِ مقررہ تعداد میں سواروں اور پیدل اور ہاتھی کو موجود رکھے۔ صوبے داروں کا فرض تھا کہ فوج کو بالکل مکمل اور اچھی حالت میں رکھیں تاکہ لڑائی کے وقت کام آئے صوبے دار وقت مقررہ پر اپنا اپنا خراج بھی برابر دیئے چلے جاتے تھے۔ اِس امن کے زمانے میں بھی ملکِ دوآبہ پر چڑھائی کرنے کے لیئے راجہ ایک بڑی فوج طیار کر رہا تھا کیوں کہ یہ مُلک دو صدیوں سے ہندو اور مُسلمانوں میں مابہ النزاع تھا راجہ کا ارادہ رائچور پر جو مُسلمانوں[1] کے قبضے میں تھا چڑھائی کرنے کا تھا اور

[1] یہ روایت نیونز کی ہے لیکن فرشتہ کا بیان اس کے برخلاف ہے۔ ہماری رائے میں نیونز کا بیان مرجح ہے کیوں کہ اُس نے نہایت خوبی اور تفصیل سے واقعات لکھے ہیں جن کے پڑھنے سے کسی قسم کا شُبہہ اُن کی صحت کے متعلق باقی نہیں رہتا (بقیہ صفحہ ۲۰۵)

جب سب طیّاری ہو چکی تو اُس نے رایچور پر حملہ کر دیا۔ اِن واقعات کو ہم دوسرے باب میں بیان کریں گے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰۷) فرشتہ نے سالہا سال کے بعد ان واقعات کو قلم بند کیا ہے اور اِس سبب سے ممکن ہے کہ مغالطہ ہو گیا ہو۔ اِس جنگ میں بہت سے پرتگالی موجود تھے اور غالباً خود نیونز بھی تھا یا کم سے کم اُس نے اُن لوگوں سے سُن کر لکھا ہے۔ جو خود اِس معرکے میں موجود تھے۔ نیونز کے طرزِ بیان سے تو یہی پایا جاتا ہے کہ وہ چشم دید واقعات لکھ رہا ہے ۱۲۔

گیارھواں باب

محاصرہ و جنگِ رائچور اور کشن رائے کی سلطنت کا خاتمہ

زمن ابتدا سنہ ۱۵۲۰ء لغایۃ سنہ ۱۵۳۰ء

رائچور پر ایک عظیم الشان لڑائی سنہ ۱۵۲۰ء

رائچور[1] پر جو لڑائی ہوئی اُس کے واقعات نیونز نے بہت شرح وبسط سے لکھے ہیں۔ اُسی کا خُلاصہ ہم یہاں لکھ دیتے ہیں۔ کشن دیو رائے عادل شاہ سے

[1] کتبہ ہائے سنگی و دیگر عمارات قدیم و نیز بعض کُتُب سے معلوم ہوتا ہے کہ رائچور ایک قدیم شہر ہے جس کے قلعے کا استحکام اور حیرت خیز دست کاریوں سے اِس کے ابتدائی فرماں روایانِ راجگانِ ویجانگر کی اعلےٰ قوت و شوکت اور اُن کے خزانے کی بے حد وسعت کا ثبوت ملتا ہے۔ اِس قلعے کی اُستواری اور اِس کے موجودہ اسباب سے ظاہر ہے کہ یہ قلعہ اُس زمانے کے بہادر فرماں رواؤں کی پُرزور حکومت و سلطنت اور اُن کے خوں ریز معرکوں کا استوار مرکز تھا۔ یہ ایک بہت پُرانا قلعہ ہے جس زمانے میں مشہور و نامی گرامی بہادر راجہ گوڑ گنگیا ریڈی والی وردھمان پور کے وزیر راجہ وٹھل نے اِس نواح کے قلعوں کو فتح کرکے رائچور کی طرف عنانِ حکومت پھیری تو اِس مقام کا نام (راکٹور) رکھا۔ ایک دوسری وجہ تسمیہ یہ مروی ہے کہ قریب آٹھ سو برس کے ہوئے کہ بوس ریڈی نامی ایک شخص (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

رودخانه سیمو

جنگ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔ اُس نے ٹھان لیا تھا کہ جس طرح بن پڑے۔ قلعۂ رایچور کو فتح

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰۸) ملیا باد کا قلعہ بنوا رہا تھا جو رایچور سے جانبِ جنوب تین میل کے فاصلے پر ہے۔ ایک دن وہ شکار کو نکلا اور ایک خرگوش پر اپنے کُتّے کو چھوڑا اور اُس سرزمین پر پہونچا جہاں اب رایچور آباد ہے۔ وہ دونوں گتھ گئے۔ خرگوش تو کُتّے نے مار لیا لیکن کُتّا بھی زخمی ہوا۔ بوس ریڈی نے خرگوش کی جرأت پر تعجب کیا اور ملیا باد کے قلعے کی تعمیر کو ناتمام چھوڑ کر یہاں قلعہ بنوایا اور نائی چور نام رکھا (نائی کنڑی میں کُتّے کو کہتے ہیں) جو کثرتِ استعمال سے رایچور ہوگیا۔ راجہ دُھل نے اپنی رعایا اور سپاہ کی حفاظت کی غرض سے بماہِ ماگھ سُدھ دسویں یوم یکشنبہ آخر شاکھ ۱۲۱۶ھ جیٹھ نام سمچھری مطابق ۶۹۴ھ مطابق ۱۲۹۴ء کو اس قلعے کی تعمیر شروع کی اور ماہ کارتک سُدھ دسمی یوم دوشنبہ ۱۲۲۳ھ وجہ نام سمچھری مطابق ۷۰۱ھ موافق ۱۳۰۱ء سات سال میں اس کی تعمیر ختم ہوئی۔ اِس قلعے کے اندرونی و بیرونی دو حصار ہیں۔ تین طرف خندق ہے اور جنوبی جانب ایک چھوٹا سا پہاڑ گھیرے ہوئے ہے۔ فصیلوں کی بندش نہایت حیرت خیز و نادر ہے یعنی اندرونی فصیل کی دیواروں میں بڑی بڑی سلیں جو اکثر بارہ بارہ فٹ طول اور ڈھائی فٹ عرض اور تخمیناً دس دس ٹن وزن کی ہوں گی (۲۸ من کا ایک ٹن ہوتا ہے) بلا آمیزش کسی چیز کے ایک پر ایک جمائی گئی ہیں اور بعض پتھر عرض و طول میں اِس سے بھی دُوگنے ہیں۔ کسی مقام پر آٹھ اور کسی مقام پر صرف پانچ پتھروں کے جمانے سے فصیل مکمل ہوگئی ہے۔ اِن فصیلوں کی تعمیر میں چونا مٹی یا گچ کا بالکل استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ بڑی ہنرمندی کے ساتھ پتھروں کو اِس خوبی سے گھڑا گیا ہے کہ ذرا درز باقی نہیں ہے اور ایک دوسرے سے پیوستہ ہوگئے ہیں۔ اِس قلعے کی بیرونی فصیل اور دروازے سلطان ابراہیم عادل شاہ نے ۹۵۷ھ میں بنوائے تھے۔ اندرونی حصار میں دو مستحکم دروازے ہیں ایک بجانبِ مشرق شاہ پیر پٹلا کا دروازہ مشہور ہے دوسرا مغرب کی طرف سیلانی دروازہ کہلاتا ہے۔ بیرونی فصیل کے تین عالی شان دروازے ہیں۔ دروازہ شمالی موسوم بہ نورنگ دروازے کی عمدہ صنعت اور دل فریب دست کاری سے قدیم فنِ تعمیر کی صناعی کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ یہ دروازہ قابلِ دید ہے اس پر اکثر نقش تصاویر منقش ہیں۔ مشرقی دروازے کا نام کاٹی دروازہ ہے جس کی پیشانی پر کلماتِ طیبات اور نصرٌ من اللہ وفتح قریب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ فاللہ خیرٌ حافظا وھو ارحم الراحمین ۹۴۷ھ اور اسمائے شریف دوازدہ امام (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

کرکے چھوڑوں گا کیوں کہ یہی مقام ہنود اور مسلمانوں کی سلطنت میں ہمیشہ مابہ النزاع

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰۷) و دیگر آیات قرآنی کندہ ہیں اور یہ بھی کہ یہ دروازہ شیر الملک نے بعہد ابراہیم عادل شاہ یکم رمضان ۹۵۷ھ میں طیار کرایا ہے۔ بجانب مغرب مکی دروازہ ہے لیکن یہ دروازہ قدیم نہیں معلوم دیتا غالباً عہد کشنری یا اُس سے پہلے کا ہوگا کیوں کہ اِس دروازے کے پاس زمانہ سلف میں بادشاہی فیل خانہ تھا اور علامات مکانات اِس وقت تک موجود ہیں۔ کتبہ ذیل بخط نسخ نہایت درجہ خوش خط ایک لمبے چوڑے سیاہ پتھر پر منبّت کندہ ہے اور مکانی دروازے کے اندر جو شاہی عمارات ہیں اِن عمارتوں پر ایک بلند کوشک ہے جو بُرج قادریہ سے ملی ہوئی ہے وہاں ایک علیٰحدہ مقام پر طاق بنوا کر کھڑا کیا گیا ہے۔

"ابتدار بُرج قادریہ اَربعہ عشر شہر جمادی الاولیٰ ختم اللہ عزّ وجلّ فی عصرھما یومِ الاعظم خاقانِ المعظم مالکِ رقابِ الامم خلیل اللہ المسمّٰی بسلطان ابراھیم عادل شاہ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ در سنۃ الف وسبعم عشرین تمامہ وفی العھد صاحب قرانی کشور ستانی بادشاہ جوان بخت ابوالمظفر سلطان محمد عادل شاہ لازال ناصر الملۃ اللہ وحافظاً لبلاد اللہ وبانی مقبول جہاں بانی مخصص درگاہ منان عبد الوھاب ابن ریحان۔ نوّر اللہ مرقدہ وغفر ذنوبہ راقم سید حسین بن فضل اللہ سنہ ۱۰۲۹ھ"

سیلانی دروازے سے چند گز کے فاصلے پر جنوبی دیوار میں ایک بہت بڑا مستطیل پتھر نصب ہے جو اکتالیس فٹ پانچ انچ لمبا اور تین فٹ چوڑا ہے جس پر پرانی کنڑی میں حسب ذیل کندہ ہے ۱۲

"مرحبا ایسے شخص کو جو جامع ہے تمام نیک خصلتوں کا۔ معدن جواہرات سچائی کا۔ ممتاز شوکت اور فیاضی میں۔ غضب ناک بہادران قدیم میں۔ تُند خو مردانگی میں۔ خاوند شہر کا کتیا جس کی دیری تسلیم کی گئی ہے۔ لڑائی میں والیِ عمدہ شہر کڑپا سرو کا۔ خاص ہم جلیس و متبرک بہادر نی دیوتائی کا۔ کرنوں کا آفتاب ہنسلو خاندان کا۔ غضب ناک سید ان جنگ میں۔ نہایت جواں مرد و معزز گرامی سردار دونوں فوج میں (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

رہا ہی اسی ارادے سے وہ بہت بڑا لشکر جمع کر کے بیجانگر سے بہ ماہ فروری یا مارچ جب کہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰۸) دیروں میں ایک دیر۔ غیر منقوح مثل گنڈا بھرنڈا۔ افضل سردار اپنے دشمنوں پر اُس نے فتح کیا تیروں کو داہنے بیر میں شکست یافتہ افسروں کے تصاویر بنے ہوئے توڑے پہنتا ہی۔ وہ تمام عالم میں ایک بے نظیر جواں مرد ہی۔ وہ پہنتا ہی ایک خوب صورت چمک دار تاج۔ وہ ہمیشہ جلال میں رہتا ہی۔ اُس کی اصلی گاڑی ہانکنے والا وہ ہی جو اپنی کلغی مانند چاند کے رکھتا ہی۔ وہ تعلیم دیتا ہی خراب اور معذور گھوڑوں کو۔ وہ اوتار ہی ایسے بہادروں کا جو نہیں ہٹتے ہیں میدانِ جنگ سے۔ ایسا بہادر جس نے سر کاٹے بہادروں کے۔ جس نے کاٹا سر کاسی نایک پتے پٹی کا۔ بہادر جس نے کاٹا سر کپسی نایک کندرد کا۔ وہ بے نظیر ہی اپنے قہرِ لازوال اور جلال میں۔ وہ بے دور ہیں جنگ میں رام کے مانند ہی۔ وہ شب کے وقت لے گیا ہی خزانہ سیرابی راگ نایک زمیندار شہر گیون تونڈا کا جو واقع ہی جانب ملک نیرو والا کدور کے وہ مشہور ہی اپنی فطرتی تیزی وذکاوت میں۔ وہ کوٹا یم ماڈی ریا کی گردن کی گھنٹیاں تقسیم کرتا ہی۔ وہ پہنتا ہی زردار کوٹ اور ہانکتا ہی گھوڑوں کو ریشمی کوڑوں سے۔ وہ نیک افعال اور رودرا کے سیدھے ہاتھ کی چھڑی ہی۔ اُس کی شہرت ایسی ہی جیسے کہ برہما کے انڈے کا چھلکا۔ بھرا ہوا ہی جواہرات کے صندوق کے مانند۔ وہ نازاں ہی اپنی قوت پر۔ وہ پرستش کرتا ہی پاک وچمک دار قدم سوسناتہ دیوتا کی۔ وہ فتح کرتا ہی دشمن کی فوج کو۔ وہ واقف ہی تمامی مہم اور معاملاتِ پولیٹکل سے مثلاً دوستی وغیرہ کے۔ جس زمانے میں کہ مشہور نامی گوڈ گنگیا ریڈی بہ مقام بوزنپاپورہ اپنی سلطنت میں امن وامان کے ساتھ حکم رانی رکھتا تھا اسی زمانے میں راجہ وٹھل ناتھ نے جو زینت دیا گیا ہی ستودہ صفات اور خوبیوں سے اور پرستش کرتا ہی متبرک چمک دار قدم سری نارائن دیوتا کی اور فتح کرتا ہی غنیم کی فوج کو اپنی سلطنت خطرہ خاص اور ضیم سے بچانے اور اپنی رعایا کو محفوظ رکھنے کی غرض سے۔ ادھونی نشکا روگلا ہوا قلعوں کو فتح کر کے راکٹور (رائچور) کی طرف عنانِ عزیمت پھیری اور جب امن وامان سے حکم رانی کرنے لگا تب اپنی رعایا کی حفاظت کے واسطے ماگھ سُدھ دسویں (بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

بارش کا موسم نہیں ہوتا شمالی و مشرقی جانب روانہ ہوا۔ اُس زمانے میں گرمی پڑ رہی تھی

(باقی صفحہ ۲۱۱)

یوم یکشنبہ آخر شاکہ ۱۲۱۶ سنہ جیٹھ نام سمجھرے ۱۲۱۶ھ (مطابق ۱۲۹۴ء) چٹانی قلعہ تعمیر کیا مبارک مبارک۔ مبارک۔"

اسی پتھر کے پہلو میں کسی قدر چھوٹا پتھر ہے اُس پر ایک تصویر کندہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنا بڑا پتھر کس طرح لایا گیا۔ ایک چوپہیہ گاڑی بنائی گئی ہے اُس میں بھینسے جُتے ہوئے کھینچ رہے ہیں اور گاڑی پر پتھر آرہا دھرا ہوا ہے اور اس پتھر پر تین شخص بیٹھے ہوئے ہیں ایک ایک دونوں سروں پر ایک بیچ میں جو بھینسوں کو ہنکا رہے ہیں اور آدمیوں کو ہمت دلا رہے ہیں۔

اِس کتبے کی رُو سے صاف ظاہر ہے کہ اِس قلعے کی تعمیر کو چھ سو سال سے زائد کا عرصہ ہوا مگر افسوس ہے کہ اِس قلعے کی حالت امتدادِ زمانے سے دن بدن بدتر اور عمارات قریب الانہدام ہوگئی ہیں۔

ایک مینار کی مسجد قلعے کے شرقی دروازے کے باہر بیس قدم کے فاصلے پر لبِ سڑک ایک شاہی مسجد واقع ہے جسے ایک مینار کی مسجد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ مینار (۸۰) گز بلند اور دَور دس گز ہے۔ اس مینار کی مرمت بہ صرف صماہ ۵۴۵ سنہ ۱۲۹۱ھ میں سرکارِ عالی کی طرف سے کی گئی ہے۔ مسجد کے دروازے کی پیشانی پر بہ خطِ واضح طغرائے عربی بسم اللہ اور کلمہ شریف اور اشعارِ ذیل کندہ ہیں۔

بعہدِ سلطنتِ شاہ بہمنی محمود		چنیں عمارتِ خوب و لطیف شد موجود
بہ دولتِ ملک الملک عادلِ ثانی		دریں خجستہ مکاں ایں چنیں عمارت بود
بنا نہاد یکے صاحبِ سخا و کرم		کہ اسم عنبر و خلقش مثالِ عنبر بود
ہراں کسے کہ بدنیا بنائے مسجد کرد		غرض ز خلدِ بریں شش مقام خواہد بود
بسال نوزدہ و نہ صد از مہِ ہجرت		تمام گشت عمارت ز طالعِ مسعود
۹۱۹ھ		

جامع مسجد اندرونِ قلعہ مجلس کے محاذی واقع ہے اور علی عادل شاہ کے زمانے کی بنی ہوئی ہے۔ بہت بڑی اور وسیع مسجد ہے کلمہ طیبہ و آیات کے سوا اسمائے دوازدہ امام۔ آیۃ الکرسی اور سورۂ اِنّا انزلنا وغیرہ مع تاریخ بنا کندہ ہے۔

چراغ و مسجد و محراب و منبر ✣ ابوبکر و عمر عثمان و حیدر

(باقی صفحہ آئندہ)

اور ریگڑ کی زمینیں جو رستے میں واقع تھیں سب خشک تھیں اس وجہ سے افواج توپیں اور

بنا گشتہ مسجد بہ لطفِ الٰہ
بدورِ ابراہیم عادل شاہ

زہجرۃ ہزار و سی و دو دریں
نشانی عبدالمحمد ہمیں

چہ خوش کردہ بنائے مسجدِ جامع
بدورِ شاہِ ابراہیم عادل

بود بانی غلامِ شاہ عبدالمحمد
بتوفیقِ خدائے سعیِ کامل

مرتب ساخت جامع را بہ دو سال
ثوابش جاری و حسنات حاصل

زہجرت یک ہزار و دیگرش سی
ازاں روگشتہ تاریخ آں مل

ساخت راجہ کار مسجد را تمام
تا نبا شد جاے او جنت مقام

ملک عبدالمحمد ابن ریحاں
بدورِ شاہِ ابراہیم عادل

ساخت جامع تا ابد باشد نشاں
کہ بلغ بود سالِ تاریخ آں

نَزَلْنَاهُنَا ثُمَّ ارْتَحَلْنَا
كَذَا الدُّنْيَا نُزُولٌ وَارْتِحَالٌ

يَظُنُّ الْمَرْءُ فِي الدُّنْيَا خُلُودٌ
خُلُوْدُ الْمَرْءِ فِي الدُّنْيَا مُحَالٌ

۱۲۸۶ھ میں سرکار سے مرمت ہوئی ہے۔ پہلے دیول تھا اُسے مسجد بنایا ہے۔ اور بُت کو اوندھا کر کے فرشِ مسجد میں گاڑ دیا ہے۔ اِس مسجد کا منبر سیاہ پتھر کا ایسا چکنا اور مصفا بنایا گیا ہے کہ نظر پھسلتی ہے اور جس کی صناعی لاجواب ہے

جامع مسجد بیرونِ قلعہ وسطِ آبادی میں ایک عالی شان اور وسیع جامع مسجد شاہی واقع ہے۔ اِس مسجد کی تعمیر بھی بزمانۂ عادل شاہ ۱۰۸۶ھ میں ہوئی ہے۔ اِس مسجد میں بڑی بڑی گیارہ کمانیں ہیں اور عمدہ سنگ بستہ گچکاری کی عمارت ہے۔ صحن نہایت وسیع ہے۔ ایک بادلی اور چھوٹا سا حوض بھی ہے۔ سرکار سے ۱۲۹۳ھ میں مرمت ہوئی ہے۔ اِس کے تحت میں ۲۸ دُکانیں ہیں جن کا کرایہ ساٹھ روپے ماہانہ اِسی مسجد میں صرف ہوتا ہے۔ پیشانیِ مسجد پر سنگ سیاہ سے بسم اللہ اور کلمہ اور ذیل کے اشعار کندہ ہیں۔

بنا شد مسجدے بر دینِ احمد
شدہ بانیِ او عبدالمحمد

بدورِ شاہِ ابراہیم عادل
رواں شد کارِ او بے حصر و بے حد

سامانِ حرب کے لیے طے مسافت میں آسانی تھی - ہمراہیانِ لشکر اور فوج ملا کر دس لاکھ آدمی تھے

زہجرت یک ہزار و سی و ہشت است زہر موسمان اثواب بے عدّ

شاہی مکان قلعے کے درمیانی حصے میں شاہی مکانات اور خانہ باغ تھا اب صرف ایک بادلی اور حمام موجود ہی ۱۲

کوٹھ عل کشمزی میں خانہ باغ کی حدود میں ایک باروت کا کوٹھ تعمیر کیا گیا تھا جس میں اب جیل ہی۔

بالاحصار اِس کا ارتفاع ۲۰۹ فٹ ہی۔ بالاحصار پر ایک وسیع دالان ہی جس کے پاس ہی ایک چھوٹی مسجد بھی ہی۔

مزارِ پنج بیبیاں بالاحصار پر جہاں پہلے دیول تھا اور اب ایک پتھر کے بیل کا سر ٹوٹا پڑا ہی پانچ بیبیوں کی قبریں ہیں جو پانچوں بہنیں خاندانِ سادات سے تھیں - بیان کیا جاتا ہی کہ جو درخت نیم کا قبور پر سایہ کیے ہوے ہی اُس کا پتہ بہ مقابلے دوسرے نیم کے شیریں ہی۔ ان کا عُرس ۱۲ رجب کو ہوتا ہی۔

توپ بالاحصار پر ایک توپ ہی جس کا دُنبالہ ٹوٹ گیا ہی بیس فٹ چار انچ لمبی ہی اُس کی ساخت اِس طرز کی ہی کہ بارہ فولادی پٹیاں جما کر اوپر سے فولادی پیچ کس دیئے ہیں۔

خاص باولی بالاحصار کی پہاڑی کے پائیں میں اِس نام کی باولی ہی جس میں تالاب بیرونِ فصیل کا پانی آتا ہی۔ اِس باولی کے وسط میں ایک خوش نما چبوترہ ہی جو اپنی زبانِ حال سے کہہ رہا ہی کہ وہ کسی زمانے میں بادشاہانِ سلف کا پُر فضا سیرگاہ تھا۔

پتھر کا ہاتھی بیرونِ کاٹی دروازہ ایک ہاتھی پتھر کا تراشا ہوا کھڑا ہی جس سے زمانۂ قدیم کی سنگ تراشی کی حالت معلوم دیتی ہی۔

آثارِ شریف اندرونِ قلعہ زیرِ دامن کوہ بالاے حصار جانبِ شمال ایک حجرہ و دالان قدیم شاہی عمارت ہی جس کو آثارِ شریف کہتے ہیں۔ اِس میں تصویر حضرت رسول اللہ صلعم اور موے مبارک موجود ہونا بیان کیا جاتا ہی جس کی زیارت دوازدہم محرم شریف کو ہوتی ہی۔

حسینی علم اِسی آثار شریف کے قریب اِس نام کا ایک عاشور خانہ ہی اور اِسی کے قریب بارہ امام کا عاشور خانہ ہی۔

(بقیہ بر صفحۂ آیندہ)

خالص فوج سات لاکھ چھتیس ۳۶ ہزار تھی اور بانسو پچاس ہاتی تھے۔ راجہ فوج کو گیارہ حصّوں پر

بی بی کا آثار (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۲) بیرونِ قلعہ حضرت بی بی فاطمہ علیہا السلام کے تبرکات ہیں۔

درگاہِ حضرت شمس عالم حسینی اسلامی حکومت کے زمانے میں رایچور میں بہت سے بزرگانِ دین تشریف لائے اور قلعے کے اطراف کے دروازوں اور مختلف دل فریب مقامات پر مدفون ہیں چنانچہ اُن کے مزار اس وقت قلعے کے ہر ایک دروازے اور فصیلوں پر موجود ہیں۔ ان نامی بزرگانِ دین میں حضرت شمس عالم صاحب حسینی بہت بڑے بزرگ صاحبِ کشف و کرامات مانے جاتے ہیں۔ آپ کی درگاہ رایچور سے ایک میل کے فاصلے پر جانبِ شمال واقع ہے۔ آپ حضرت سید جلال الدین عرف حضرت شاہ چند حسینی رحمۃ اللہ علیہ (جن کا مزار قصبہ گوگی تعلقہ شاہ پور میں ہے) کے فرزند ہیں۔ حضرت چند حسینی صاحب حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے خالہ زاد بھائی تھے۔ آپ کی وفات ۱۵ صفر ۸۹۲ھ یوم جمعہ کو ہوئی ہے۔ سالانہ عُرس ہوتا ہے۔ مادۂ تاریخ "بے شک شمسِ عالم بود او" ہے۔

انبار خانہ ابراہیم عادل شاہ نے ۱۰۱۶ھ میں یہ عمارت بنوائی تھی جو ایک بہت بڑا وسیع ہال ہے مگر شکستہ حالت میں تھا ۱۳۱۶ف میں نواب فرامرز جنگ بہادر اول تعلقہ دار نے بہ یادگارِ جوبلی اعلیٰ حضرت حضورِ پُرنور اس کی ترمیم کرا کے ٹون ہال بنا دیا۔ اس انبار خانے کا قدیم کتبہ اب بھی دروازے پر نصب ہے لیکن اُس کے اشعار غیر موزوں یہ ہیں۔

زمینِ ہمت توفیقِ عالی کردگار		بستہ شد از اعتقاد پاک سلطان نجار	(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
عجب بنیاد سنگیں محکم دستوار		بسے سالہا و قرن ہا ماند علم پائدار	
در زمانِ شاہِ ابراہیم عادل شاہِ سلطاں		نبا شد در کار کرد ملک ریحاں	
بگردم فی التاریخ و تو الید سیوہیاں		از ہجریہ بود یک ہزار و ہفتاد و سہ ۱۰۷۳ھ	

دیول ونکٹ ماروتی ایک مشہور اور بہت بڑا دیول ہے جس کو ہنومان کا دیول بھی کہتے ہیں۔ قصبہ رایچور کے شرق میں بہ محلّہ گاگا جگا رپیٹ ہے جس کی عمارت قدیم پختہ اور سنگ بست ہے۔ اس کی جاترا بھی سالانہ ہوتی ہے اور رتھ کشی ہوتی ہے اور ہزارہا ہنود جمع ہوتے ہیں۔ اِسی کے قریب ایک اور دیول مگر ذرا اس سے چھوٹا قدیم زمانے کا ہے جسے نکوٹ ہنومان کہتے ہیں۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

تقسیم کرکے روانہ ہوا اور باقی فوج رایچور پہونچتے پہونچتے رستے میں آن ملی۔ راجہ نے قلعۂ

باغ دارا جاہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۳) نواب ذوالفقار الدولہ دارا جاہ فرزند نواب بصالت جنگ نے جن کو میر نظام علی خاں مغفرت مکاں سے رشتۂ دامادی کا فخر بھی حاصل تھا اپنی عہد حکومت میں یہ باغ بنایا تھا جس کے اب صرف آثار باقی ہیں اور دو باؤلیاں سنگ بست اور کچھ ٹوٹے مکانات ہیں۔

عیسائی مشن یہاں دو مشن ہاؤس ہیں ایک متصل ریلوے اسٹیشن رومن کیتھولک کا ہے جہاں ایک پختہ گرجا اور کانونٹ (خانقاہ) ہے جس میں لاوارث لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ دوسرا امریکن میتھوڈسٹ کا ہے اس کے متعلق بھی ایک لاوارث لڑکوں کا مدرسہ ہے۔

رایچور کنٹونمنٹ رایچور سے (۵) میل کے فاصلے پر کنٹنجنٹ فوج انگریزی کی چھاؤنی بمقام موضع یرمرس تھی یہ چھاؤنی ۱۲۵۸ھ میں لنگسگور سے اٹھ کر یہاں آئی تھی ۱۳۱۲ فصلی میں ملک امانی برائے سرکار انگریزی کے تحویل کر دینے سے یہ چھاؤنی ٹوٹ گئی۔ متعدد بنگلے خالی پڑے ہیں اب رایچور ضلع کا سوپرنٹنڈنٹ پولیس یہاں رہتا ہے اور سرکار عالی کے رزاڈ پولیس کا کوارٹر ہے۔

اس کے علاوہ محبوب گنج جس کی بنیاد مولوی سید احمد حسن صاحب اول تعلقہ دار دقت نے ڈالی تھی اور راجہ رائے للتا پرشاد صاحب کے عہد میں تکمیل ہوا۔ خوش نما گنج ہے جس کے وسط میں دو منزلہ تھانہ پولیس کا بنایا گیا ہے اور دائرے کی شکل پر اطراف میں مکانین ہیں ۱۳۱۹ف میں نواب یار جنگ بہادر صوبے دار نے عمل کشمنری کے باغ کو از سر نو رونق دی اور بہت وسعت دے کر محبوب چمن نام رکھا اس میں ایک بنگلہ خوش نما بنا ہوا ہے اور دل کش مقام ہے۔ یہاں کی کچہری ضلع بہت خوش نما بلند مقام پر بہت وسیع بہ صرف زر خطیر طیار کرائی گئی ہے جس کی تعمیر راجہ للتا پرشاد صاحب کے زمانے میں شروع ہوئی اور تکمیل نواب لیاقت جنگ بہادر کے عہد میں ہوئی اس میں ضلع کی سب کچہریاں ہیں۔ **راقم** رایچور کی آبادی کو تیس سال سے دیکھ رہا ہے یہاں کی بہت بڑی ترقی تعمیر بنگلجات وغیرہ سب راجہ للتا پرشاد صاحب کی بیدار مغزی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد نواب لیاقت جنگ بہادر نے جن کو آراستگی شہر و توسیع آبادی و تعمیر امکنہ کا خاص مذاق ہے اس کی تکمیل ہوئی اور اب اس جگہ متعدد بنگلے اور وسیع سڑکیں اور روشنی کی قندیلیں ایسی نصب ہیں کہ ایک زمانہ حال کا شہر معلوم دیتا ہے۔ روئی کا بیوپار کثرت سے ہوتا ہے متعدد پریس روئی صاف کرنے اور گٹھے باندھنے کے ہیں۔ جی آئی پی اور مدراس ریلوے کا جنکشن ہونے کی وجہ سے بہت بڑا اسٹیشن ہے ۱۳۱۱ف کی رو سے خانہ شماری ۴۳۹۶ اور مردم شماری ۲۰۹۲۷ ہے۔ آبادی اور تعمیر مکانات روز افزوں ہے ۱۲

رایچور کے مشرقی جانب فوج ڈال دی اور محاصرہ کرلیا۔ چند روز کے بعد خبر ملی کہ عادل شاہ بیجاپور سے ایک لاکھ چالیس ہزار سوار اور پیدل لے کر جنوبی ساحل رودِ کرشنا پر آن پہنچا ہے۔ دریا پر پہنچ کر بادشاہ نے اپنی فوج کو چند دن آرام دیا اور پھر عبور کرکے رایچور سے (۹) میل پرے اور دریا سے (۵) میل آگے بڑھ کر ٹھیر گیا اور وہاں اپنی کیمپ کے اطراف میں ایک خندق کھدوائی[1]۔ ۱۹ مئی ۱۵۲۰ء روز شنبہ کو جنگ شروع ہوگئی۔ کشن دیو رائے نے اپنی ساری فوج کو آگے بڑھا کر حملہ کیا۔ یہ حملہ اس زور و شور کا تھا کہ مسلمان ایسے پس پا ہوئے کہ پیچھے ہٹ کر خندق میں پناہ گزیں ہوئے۔ بادشاہ نے اپنے لشکر کو ایک وسیع میدان میں دُور تک پھیلا دیا تھا اور سمجھا تھا کہ راجہ کی فوج بھی پھیلی پڑی ہوگی بادشاہ کو معلوم تھا کہ قلبِ لشکر کم زور ہے اس لیے توپوں سے جو پہلے ہی سے اکھٹی کر رکھی تھیں گولہ باری شروع کردی۔ ہندوؤں کا لشکر ایک ہی جگہ اکھٹا تھا توپوں کی مار سے ایسا تھرا ہوا کہ ہنود کا لشکر تاب نہ لاکر پیچھے ہٹنے لگا ان کے ہٹتے ہی مسلمانوں کے لشکر نے دھاوا کیا۔ پیچھے ہٹنا ہی تھا کہ لشکر میں ایک بھاگڑ پڑ گئی ڈیڑھ میل تک ہندوؤں کا لشکر آگے آگے بھاگ رہا تھا اور مسلمانوں کی فوج اُن کا پیچھا کیے ہوئے بڑھتی چلی جارہی تھی۔ راجہ خود دوسرے حصے کی کمان پر تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اُس کو بالکل ناامیدی ہوگئی اُس نے اپنی فوج کو ہمت دلائی اپنے اُمرا کو اکھٹا کیا اور چوں کہ راجہ بڑا بہادر اور مستقل مزاج تھا اُس نے جواں مردی سے موت کا سامنا کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا راجہ خود گھوڑے پر سوار ہوگیا اور باقی ماندہ فوج کو اکھٹا کرکے بڑھایا اور اس زور کا حملہ کیا اور قتل عام شروع کیا کہ مسلمانوں کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور ایسا دبایا کہ وہ ہٹتے ہٹتے دریا کے اندر پہنچ گئے۔ اس مقام پر ایک خوف ناک قتلِ عام ہوا

---

[1] آرڈیننس نقشہ میں رایچور سے (۱۳) میل کے فاصلے پر جانب شمال و مشرق دریا کے کنارے کنارے اس خندق کی علامتیں بتلائی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں لشکر ٹھیرا ہوگا۔ کیمپ کا خط دریا کے طول کے متوازی واقع ہے۔ باقی مغربی۔ جنوبی اور مشرقی رُخ قریب ایک ایک میل کے لمبے ہیں یہ مقام رودہائے بھیما اور کرشنا کے سنگم سے ذرا ہی نیچے ہیں اور اسٹیشن ریلوے کرشنا سے دو میل جانب مغرب ہے ۱۲۔

اور مسلمانوں کا سارا لشکر بھاگ نکلا اور ہندوؤں کی ایسی فتح ہوئی کہ راجہ نے دریا کے پار پونہچ کر شاہی کیمپ کو گھیر لیا۔ بادشاہ اسد خاں کی اِمداد سے ایک ہاتھی پر سوار ہو کر اپنی جان بچا کر بھاگا۔ اِدھر تو مسلمانوں کا لشکر بیں پا ہو کر دریا کے پیٹے میں آگیا اُدھر صلابت خاں جو شاہی فوج کا ایک سردار تھا اُس نے ہندوؤں پر حملہ کر دیا۔ اُس کے پاس پانسو پرتگالی بہ طور باڈی گارڈ کے تھے اِن کو لے کر وہ ہندوؤں کی فوج میں جو بڑھتی چلی جا رہی تھی جا گھسا اور بہت کچھ کرشمے اپنی بہادری کے دکھلائے کہ جس کی یادگار ہمیشہ قائم رہے گی صلابت خاں بڑھتے بڑھتے راجہ کے خیمے گاہ کے پاس پونہچ گیا اور قریب تھا کہ راجہ تک پونہچ جاے۔ سوءِ اتفاق سے صلابت خاں کا گھوڑا مارا گیا مگر وہ اُسی وقت دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا لیکن اِس چھوٹے سے لشکر کو ہندوؤں کی فوج نے گھیر کر نیست و نابود کر دیا۔ صلابت خاں دوبارہ گھوڑے پر سے گرا اور پکڑ لیا گیا۔ اِس لڑائی میں لُوٹ کا مال بے حد ملا اور ہندوؤں کو ایسی فتح ہوئی کہ سالہا سال تک مسلمانوں کے دلوں میں راجہ کشن دیو راے اور اُس کی بہادر فوج کی دہشت بیٹھی رہی اور سلطان کو ایسا دہاکا بیٹھا کہ پھر کشن دیو راے کی زندگی بھر بیجانگر کی طرف رُخ کرنے کی ہمت نہ پڑی کشن راے اپنی اِس فتح یابی سے پھول گیا اور فوراً رایچور پونہچا اور تھوڑے ہی عرصے میں بہ سرکردگی کرسٹو داؤ ڈی فگریڈو پرتگالیوں کی مدد سے قلعے کو فتح کر لیا۔ پرتگالیوں نے توڑے دار بندوقوں سے چُن چُن کر قلعے والوں کو مارا اور قلعے کے حصار کے پتھروں کو گرا دیا۔ قلعے کا گورنر قتل ہو جانے سے مسلمان گھبرا گئے اور اطاعت قبول کر لی۔

جنگ کی صحیح تاریخ

اگرچہ نیونز نے جنگِ رایچور ماہِ مئی ۱۵۲۲ء کی چاندرات کو ہونا لکھا ہے لیکن سال میں اُس سے غلطی ہوئی ہے صحیح سال ۱۵۲۰ء ہے۔ وقائع نگار نے لکھا ہے کہ کشن راے جمعہ کے دن جنگ شروع کرنے والا تھا لیکن چوں کہ وہ دن منحوس تھا اس لیے حسبِ مشورت اپنے صلاح کاروں کے ہفتہ کے دن جنگ شروع ہوئی اور وہی ماہِ ہلالی کا غرہ تھا۔ قبل اِس کے کہ ہم ماہ و تاریخ سے بحث کریں پہلے ہم کو لڑائی کا صحیح صحیح سال معلوم کرنا چاہیے بتاچ پنیر

نے بیان کیا ہے کہ اُس کی موجودگی میں بیجانگر میں دو بڑے تہوار ہوئے جن کو اُس نے خود دیکھا ہے اور اُن میں کرسٹوواؤڈی نگا ریڈو بھی موجود تھا۔ اُس نے اِن تہواروں کی تاریخ بالکل صاف لکھی ہے اِس میں پہلا تہوار مہانومی (۹) دِن کا تھا اور دوسرا تہوار نئے سال کا شروع دِن تھا۔ پیئرز نے لکھا ہے کہ مہانومی ۱۲ ستمبر کو شروع ہوئی اور دوسرا تہوار[۱] ۱۲ اکتوبر کو ہوا۔ پیئرز نے رایچور کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ شہر راجۂ بیجانگر کے قبضے میں تھا اور اِس پر بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور راجہ نے رایچور کو عادل شاہ سے لے لیا اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ وقائع نگار ان تہواروں میں جو رایچور کی فتح کے بعد ہوئے ہیں موجود تھا۔ مہانومی کا تہوار اِس ملک میں آسوین کی پہلی کو ہوتا ہے اور سال اُس زمانے میں کاتک کی پہلی کو ہوا اور دونوں تہوار اوائل ماہِ نو میں ہونا بیان کیے جاتے ہیں۔ حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ کشن راے کے عہد میں پہلی آسوین اور پہلی کارتک ۱۲ ستمبر اور ۱۲ اکتوبر کے مطابق پڑی۔ ہم نے کشن راے کی سلطنت کے زمانے کا حساب کیا تو سوائے سنہ ۱۵۲۰ء کے اَور کوئی سال اِس سے مطابقت نہیں رکھتا۔ سنہ ۱۵۲۱ء میں مہانومی ۲ ستمبر کو اور سالِ نو پہلی اکتوبر کو ہوا ہے اور سنہ ۱۵۲۲ء میں یہ تہوار ۲۰ ستمبر اور ۲۰ اکتوبر کو ہوئے ہیں اِس سے ظاہر ہے کہ پیئرز سنہ ۱۵۲۰ء کے تہواروں میں موجود تھا اور اِس لیے جنگِ رایچور کا اُسی سال میں ماہِ ستمبر کے پیشتر ہونا ضروری امر ہے۔ واقعۂ ذیل سے اَور زیادہ توضیح ہمارے خیال کی ہوتی ہے۔ راجۂ بیجانگر نے اِن تہواروں کے دیکھنے کے لیے کرسٹوواؤ کو بلوایا تھا اور بہت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ راجہ نے اپنے پاس ایک بلند چبوترے پر اُس کو اور اُس کے ہمراہیوں کو بٹھلایا تاکہ وہ تماشہ اچھی طرح سے دیکھ سکیں۔ کرسٹوواؤ

---

[۱] "یہ تہوار ۱۲ ستمبر کو شروع ہوتا ہے اور نو دن تک رہتا ہے" وقائع پیئرز صفحہ ۲۷۳ - ۱۲

[۲] "شروع ماہِ اکتوبر میں اِس مہینے کے گیارہ دن گزر جانے کے بعد ان لوگوں کا سال شروع ہوتا ہے اور یہی سالِ نو کا دن ہوتا ہے۔ ہندو اِس مہینے کے نئے چاند کے دن سال شروع کرتے ہیں اور ان کے مہینوں کا حساب چاند سے چاند کا ہوتا ہے" وقائع پیئرز صفحہ ۲۰۱ - ۱۲۔

نے چوں کہ محاصرۂ رائچور میں راجہ کی بے انتہا مدد کی تھی اور اسی کی امداد سے جلد کامیابی ہوگئی ورنہ یہ لڑائی مہینوں طول کھینچتی اس وجہ سے راجہ اُس کا ازحد ممنون تھا اور انھیں تعلقات سے اُسے مدعو بھی کیا تھا۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ دوسرے پرتگالی مورخین نے رائچور کی لڑائی کا کس سال میں ہونا لکھا ہے اور وہ نیونز کے بیان سے مطابق ہے یا نہیں۔ اِس سوال کا تصفیہ اُس تاریخ پر منحصر ہے جب کہ پرتگالیوں نے بندرِ گوآ کے محاذی برّ اعظم سالسٹ پانڈا اور باڑس کے خطّوں پر قبضہ کیا تھا۔ یہ یقینی بات ہے کہ خشکی کے مقامات پر پرتگالیوں کا قبضہ کشن راے کے اشارے سے فتح رائچور کے چند دنوں بعد اُس زمانے میں ہوا جب کہ سیکویرا گورنر جنرل بحرِ احمر کی طرف چلا گیا تھا اور ڈی ملو گوآ کا گورنر تھا۔ سیکویرا بحرِ احمر کو ۱۳ر فروری ۱۵۲۰ء میں روانہ ہوا اور ۹ر فروری ۱۵۲۱ء کو واپس آیا۔ کیسٹن ہیڈا سیاح ۱۵۲۹ء میں ہندوستان میں تھا اور اِس لیئے اُس کا بیان زیادہ تر اعتبار کے قابل ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ سکویرا بحرِ احمر کو گیا ہوا تھا اُس کے غیاب میں راجۂ بیجانگر اور عادل شاہ سے لڑائی ہوئی جس میں بادشاہ شکست پاکر بھاگا اور ہندوؤں نے رائچور اور دوسرے مقامات فتح کرلیئے" اِس وجہ سے گوآ کے قریب خشکی میں متعدد تھانہ[1] داریاں عدم نگرانی کی حالت میں پڑی تھیں۔ راجۂ بیجانگر کی سلطنت خود وسیع تھی اُس کو اِن کی پروا نہ تھی وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ گوآ میں جو گھوڑے درآمد کیئے جاتے ہیں وہ سب اُسی کو ملیں اور عادل شاہ کو ایک بھی نہ دیا جاے۔ اُس نے ڈی ملو کو کہلا بھیجا کہ عادل شاہ سے اُس نے بلگاؤں اور اُس کے ساتھ سمندر تک کا علاقہ چھین لیا ہے جس میں متعدد تھانہ داریاں واقع ہیں جن کا محاصل پانچ لاکھ طلائی پرڈاؤ (ایک سکّہ ہے) سے زیادہ ہے۔ ہم وہ بادشاہ پرتگال کو صرف اِس شرط پر دیتے ہیں کہ تمام گھوڑے جو گوآ میں آتے ہیں ہم کو دیئے جائیں" اِس بنا پر دس دن کے اندر اِن تھانہ داریوں

---

[1] اُس زمانے میں سلطنت کے چھوٹے حصّے تھانہ داریوں پر منقسم تھے۔ جیسے فی زمانہ تعلقات اور پرگنجات ہیں ۱۲۔

پر مع جزیرۂ سالسٹ کے پرتگالیوں کا قبضہ ہوگیا۔ سیاح کوریا جو ہندوستان میں ۱۵۱۲ء یا ۱۵۱۳ء میں آیا تھا بیان کرتا ہے کہ سکویرا گوآ سے بحرِ احمر کو جنوری ۱۵۲۰ء میں گیا اور اُس زمانے میں بیجانگر اور بیجاپور کے درمیان لڑائی چھڑی ہوئی تھی جس کے ختم کے بعد راجۂ بیجانگر نے ڈی ملو کو (جو گورنر جنرل کے چلے جانے سے گورنری کے عہدے پر مامور تھا) مقاماتِ خشکی محاذِ گوآ کے متعلق پیغام بھیجا تھا۔ کوریا نے صاف طور پر اس واقعے کا سال نہیں بتلایا لیکن اُس کے وقائع جو ۱۸۶۰ء میں چھپے ہیں اُن پر ۱۵۲۱ء لکھا ہے۔ لیکن یہ سال صریح غلط ہے کیوں کہ مئی ۱۵۲۱ء میں سکویرا کہیں نہیں گیا تھا اس لیے یہ سال غلط ہے۔ مئی ۱۵۲۲ء میں سکویرا گورنر جنرل ہی نہ تھا بلکہ منیزس تھا جس نے ویسرائے کی خدمت کا جائزہ سکویرا سے ۲۲ جنوری ۱۵۲۳ء کو لیا ہے اور اسی دن سکویرا پرتگال کو روانہ ہوا۔ بیروس نے سکویرا کی روانگی ۱۳ فروری ۱۵۲۰ء کو لکھی ہے۔ اور یہ کہ اُس کے غیاب میں ڈی ملو گوآ کا گورنر تھا۔ ڈی ملو نے برِ اعظم گوآ پر جنگ رایچور کے بعد قبضہ کیا اور اُس زمانے میں سکویرا بحرِ احمر میں تھا۔ اُس نے جنگِ رایچور کے حالات کو نیونز ہی سے نقل کیا ہے اس لیے اُس سے بحث فضول ہے۔ البتہ بیروس نے بہ طورِ خود کچھ واقعات بتلائے ہیں اُن میں ٹھیک ٹھیک زمانہ بھی بتلایا ہے "رایچور کی جنگ کے بعد عادل شاہ اور راجہ کی ناچاقی لامحالہ بڑھ گئی تھی اور اسی وجہ سے ڈی ملو نے برِ اعظم پر قبضہ کر لیا" دو کی لڑائی میں تیسرے کا فائدہ۔ سکویرا ان دنوں بحرِ احمر میں تھا۔ بیروس لکھتا ہے کہ سکویرا نے بحرِ احمر سے واپس آتے ہی پہلے ملک کا انتظام کیا خصوصاً برِ اعظم کا جس پر ڈی ملو نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد وہ کوچین چلا گیا" اور وہاں سے ڈیو گیا جہاں وہ ۹ فروری ۱۵۲۱ء کو پہنچا۔ اور ایک دوسری جگہ بھی بیروس نے لکھا ہے کہ سکویرا کے غیاب میں ڈی ملو نے برِ اعظم پر قبضہ کیا۔ فاریا ایک فرانسیسی مورخ نے جس کی کتاب ان واقعات کے ایک صدی بعد چھپی تھی لکھا ہے کہ سکویرا فروری ۱۵۲۰ء سے فروری ۱۵۲۱ء تک گوآ سے غیر حاضر تھا اس زمانے میں راجۂ بیجانگر نے پینتیس ہزار سوار سات

لاکھ تینتیس ہزار پیدل اور پانسو چھیاسی ہاتھیوں کا لشکر میدان اور پہاڑوں میں پھیلا دیا۔ ہر ہاتھی پر عماری میں چار چار آدمی سوار ہوتے تھے۔ بارہ ہزار تو صرف ستے ستے اور سامان اِس قدر کثرت سے تھا کہ بیس ہزار سے زیادہ تو ضرور طوائف ہی تھیں۔ ڈمی سوز نے لکھا ہے کہ جب عادل شاہ کو شکست ہوئی تو کشن راے نے اِس شرط پر صلح کرنی منظور کی کہ عادل شاہ آکر اُس کے قدمبوس ہو۔ اِن دونوں کے جھگڑوں میں پرتگالیوں کو اچھا موقع ملا اور اُنھوں نے مختلف بڑی مقامات پر قبضہ کرلیا۔ یہی حال اُسوریو اور فیئیا سیاحوں نے بھی لکھا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ جنگِ رایچور ۹۲۷ھ م ۱۲ دسمبر ۱۵۲۰ء بغایت یکم دسمبر ۱۵۲۱ء میں ہوئی۔ فرشتہ نے بھی وہی واقعات لکھے ہیں جو ہم اوپر لکھ آے ہیں البتہ اِس امر میں اختلاف ہے کہ دوسرے مورخین نے تو یہ لکھا ہے کہ رایچور مسلمانوں کے قبضے میں تھا لیکن فرشتہ لڑائی چھڑنے کا سبب یہ لکھتا ہے کہ عادل شاہ نے یہ لڑائی مُدگل اور رایچور راجۂ بیجانگر کے قبضے سے نکالنے کے واسطے کی تھی۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقامات اُس زمانے میں ہندوؤں کے قبضے میں تھے لیکن یہ روایت اِس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ فرشتہ نے سالہا سال کے بعد اِن واقعات کو لکھا ہے۔ جنگِ رایچور کی صحیح تاریخ میں نیونز کو مغالطہ ہوا ہے کیوں کہ وہ منجم نہ تھا۔ اِس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ نیونز نے جو سال جنگِ رایچور کا بیان کیا ہے اُس میں دو برس کی غلطی ہوئی ہے اور صحیح تاریخ میں بھی اختلاف ہے۔ ماہِ مئی میں غرہ کو ہفتے کے دن جنگ کا ہونا پایا جاتا ہے۔ کشن راے تو جمعہ کے روز طیار تھا لیکن وہ دن منحوس ہونے سے ہفتہ قرار پایا ۱۷ مئی ۱۵۲۰ء کو جمادی الاخریٰ کا غرہ پنجشنبہ کی صبح ہونا بیان کیا ہے لیکن حقیقت میں ہفتے کے دن ہوا ہے اِس حساب سے صحیح تاریخ اِس جنگ کی ۱۹ مئی ۱۵۲۰ء قرار پاتی ہے۔

تعدادِ افواجِ جنگِ رایچور

فوج کی تعداد حسبِ بیان نیونز سات لاکھ تین ہزار پیدل بتیس ہزار چھ سو سوار پانسو اکیاون ہاتھی تھے۔ ہمراہیانِ لشکر سوداگر اور بہت سے آدمی جو رایچور کے قریب پہنچتے

پورہنچتے ہل گئے اِس کے سوا تھے۔ یہ تعداد ایسی خطیر ہی کہ ہم کو اِس کی صداقت میں پس و پیش ہوتا ہی۔ ہر شخص کو اختیار ہی کہ اِس بارے میں اپنی راے قائم کرلے اتنا کہنا البتہ ضرور ہی کہ اُس زمانے میں بادشاہاں اور راجہ گانِ ہند کا دستور تھا کہ ہمیشہ بہت بڑی فوج رکھتے تھے اور اِس میں شک نہیں کہ کشن راے کی طاقت ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ بہت بڑا لشکر فراہم کرسکتا تھا چنانچہ پیئر لکھتا ہی کہ وقتِ ضرورت وہ بیس لاکھ فوج جمع کرسکتا تھا لیکن یہ دوسری بات ہی کہ رایچور کی لڑائی میں فی الحقیقت کتنی فوج تھی۔ اُس زمانے کی حکومت کا طرز اَور تھا تمام مملکت صوبوں میں منقسم تھی ہر صوبے دار کا فرض تھا کہ وہ ایک مقررہ تعداد فوج کی موجود رکھے۔ اِس میں شک نہیں کہ یہ لڑائی اہم تھی اور راجہ نے اپنی تمام قوت اِس میں صرف کردی ہوگی۔ اِس بات کا ثبوت کہ بادشاہاں و راجہ گانِ ہند اتنی بڑی فوج رکھتے تھے مختلف ذرائع سے ہوتا ہی۔ بیئرس لکھتا ہی کہ راجۂ بیجانگر کا تموّل بے انتہا تھا۔ اِسکاٹ صاحب نے اپنی "تاریخ دکن" کی جلد دوم میں اورنگ زیب کے زمانے کے بُندیلہ سردار دلپت راے کے روزنامچے سنہ ۱۶۶۹ء کے حوالے سے لکھا ہی کہ راجۂ بیجانگر کی فوج کی تعداد تیس ہزار سوار اور دس لاکھ پیدل اور دولت بے شمار تھی۔ کانٹی جو ہندوستان میں اِس لڑائی سے ایک صدی پیشتر آیا تھا لکھتا ہی کہ بیجانگر کا لشکر دس لاکھ سے اوپر تھا۔ عبدالرزاق نے سنہ ۱۴۴۲ء میں لکھا ہی کہ یہاں کے لشکر کی تعداد گیارہ لاکھ اور ایک ہزار ہاتھی تھے۔ نکیٹین نے اِس کے بیس برس بعد لکھا ہی کہ گلبرگہ سے جو فوج ہندوؤں پر چڑھ کر آئی تھی اُس کی تعداد نو لاکھ پیدل ایک لاکھ نوّے ہزار سوار اور پانسو پچھتر ہاتھی تھے علاوہ اُمراو کی فوج کے بادشاہ کی وہ فوج جو ہر وقت جنگ کے لیے طیار رہتی تھی تین لاکھ تھی۔ بادشاہ جب کبھی شکار کو نکلتا تھا تو اُس کے ساتھ دس ہزار سوار پانچ لاکھ پیدل اور دو سو ہاتھی رہتے تھے۔ صرف مَلِک التجار کے پاس دو لاکھ فوج تھی۔ پچھلے زمانۂ سکندرِ اعظم میں جو سنہ ۳۲۰ء قبل مسیح تھا مگدھ کے لشکر کی تعداد یونانیوں نے چھ لاکھ پیدل تیس ہزار سوار اور نو ہزار ہاتھی لکھی ہی۔ لارڈ اِجرٹن نے لکھا ہی کہ سنہ ۱۱۹۲ء میں ہندوؤں کی جو

فوج شمالی ہند میں مسلمان حملہ کرنے والوں کے مقابلے کے لیئے اکھٹی کی گئی تھی کم سے کم اُس کی تعداد تین لاکھ سوار تین ہزار ہاتھی اور ایک بڑی تعداد پیدلوں کی تھی ۱۵۵۹ء میں ایک مغل ایلچی کی پیشوائی کو پچاس ہزار سوار بھیجے گئے اور دو لاکھ پیدل فوج اُس کے ملاحظے میں آئی تھی - فرشتہ کی روایت کے حوالے سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ۱۳۹۸ء میں محمد تغلق بادشاہِ دہلی نے تین لاکھ ستر ہزار فوج فارس پر چڑھائی کرنے کے لیئے جمع کی تھی اور جب کبھی بادشاہ کا ارادہ کسی مُلک کو تاخت و تاراج کرنے کا ہوتا تھا تو اِس آسانی سے فوراً لشکر اکھٹا ہو جاتا تھا گویا کہ کہیں شکار کو جا رہے ہیں - لشکر جمع کرنے کے بعد بادشاہ اُس علاقے میں پہونچ کر تمام باشندوں کا قتلِ عام کر دیتا تھا - یہ وجہ تھی کہ جب کبھی شکار کو بھی نکلتے تھے تو اِس قدر جمِ غفیر لشکر کا ساتھ رہتا تھا - شہاب الدین نے بیان کیا ہے کہ محمد تغلق کے لشکر میں نو لاکھ سوار تھے اور نیونز نے لکھا ہے کہ بادشاہ نے جب بالا گھاٹ پر چڑھائی کی تو اُس کے ساتھ آٹھ لاکھ سوار تھے - سترھویں صدی میں فاریا سوزا نے لکھا ہے کہ بہادر بادشاہِ کمبایت کے پاس ۱۵۳۴ء میں ایک لاکھ سوار چار لاکھ پندرہ ہزار پیدل اور چھ سو ہاتھی تھے - حال کے زمانے میں بھی ۱۷۶۲ء میں مرہٹوں کے پاس ایک لاکھ سواروں کا لشکر تھا - نیونز نے بیجانگر کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ سلطنت دو سو حصّوں میں اُمرا پر منقسم تھی اُن میں سے گیارہ فرماں رواؤں کو لشکر رکھنا لازمی تھا اور اُن کی افواج کی تعداد اُنیس ہزار سوار ایک لاکھ اکہتر ہزار سات سو پیدل اور چھ سو تیس ہاتھی تھے - کیپٹن ہیڈ (جو کشن رائے کی سلطنت کے اختتام سے تھوڑے ہی دن پہلے ہندوستان میں آیا تھا) بھی اِن باتوں کی تصدیق کرتا ہے کہ سلطنت بیجانگر میں پیدلوں کی تعداد بے شمار تھی مُلک بہت وسیع اور آبادی گنجان تھی راجہ دس لاکھ سے بیس لاکھ تک فوج اکھٹی کر سکتا تھا - راجہ اپنے ذاتی صرفے سے ایک لاکھ سوار اور چار ہزار ہاتھی رکھتا تھا - اِن تمام روایات پر غور کرنے کے بعد اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ راجہ بیجانگر کے پاس کثیر التعداد فوج تھی اور وقتِ ضرورت وہ اِس سے بھی زیادہ اکھٹی کر سکتا تھا غالباً اتنی بڑی فوج

سب کی سب باقاعدہ یا مسلح نہ ہوگی بلکہ اِس میں عام دیہاتی بھی شریک ہوں گے۔ اِس باقیات الصالحات کی یادگار اب بھی حیدرآباد دکن دارالسلطنتِ سرکارِ عالی نظام میں ہر سال محرّم میں لنگر کے دن دیکھی جاسکتی ہے جہاں باقاعدہ اور بے قاعدہ فوج کی

سلہ ہر سال ۵ محرم کو بلدۂ حیدرآباد میں اعلیٰ حضرت حضور نظام دام اقبالہم کا لنگر نکلا کرتا ہے اُس کی مختصر کیفیت لکھی جاتی ہے۔ ۱۸۱۸ء میں سلطان قلی قطب شاہ کا صاحب زادہ شہزادہ عبداللہ حیدرآباد سے گول کنڈہ گیا۔ شہزادے کے ساتھ بہت سے اُمرا اور ہمراہیاں تھے۔ شہر کے دروازے سے نکل کر ابھی تھوڑی ہی دُور گئے تھے کہ شہزادہ جس ہاتھی پر سوار تھا وہ بدل گیا اور لوگوں پر حملہ کرنے لگا۔ اُمرا اور دوسرے لوگ جان بچاکر بھاگے اور ہاتھی ایک دم جنگل کی طرف چلا اور آناً فاناً شہزادہ اور ہاتھی دونوں نظر سے غائب ہوگئے۔ جب یہ خبر وحشت اثر محلات میں پُہنچی تو کہرام مچ گیا۔ شہزادے کی والدہ ازحد پریشان ہوئیں اور اُنھوں نے اُسی وقت مَنّت مانی کہ اگر شہزادہ صحیح وسلامت واپس آجائے گا تو میں ایک سونے کی زنجیر (اتنی موٹی کہ جس سے ہاتھی کو باندھتے ہیں اور اُس کو سنگر کہتے ہیں) چڑھاؤں گی۔ بہ اِفضالِ الٰہی شہزادہ اُسی ہاتھی پر سوار بہ خیریت تمام آگیا۔ بیگم صاحبہ نے اُسی وقت تمام شہر کے سُناروں کو جمع کرایا اور اپنی مَنّت کی زنجیر بنوائی اور چوں کہ اللہ تعالےٰ نے شہزادے کو ایسی بڑی مُصیبت سے ہاں ہاں بچالیا تھا جلوس کے ساتھ درگاہ حسینی عَلَم پر جاکر چڑھادی۔ اِس کے بعد وہ زنجیر ٹکڑے ٹکڑے کرکے غُربا میں تقسیم کردی گئی۔ اُس وقت سے اب تک یہی طریقہ جاری ہے اور ہر سال رئیسِ وقت کی سلامتی کے لیئے لنگر نکالا جاتا ہے۔ یہ تقریب اب ایک قسم کی شاہی دعوت ہوگئی ہے کہ مِن جانب مدار المہام بہادر سرکارِ عالی رزیڈنٹ صاحب بہادر اور تمامی صاحبان انگریز حیدرآباد و فوجی سرداران (مع لیڈیاں) حیدرآباد سکندرآباد۔ یلارم والوں و ترملگیری مدعو کیئے جاتے ہیں اور ریاست کے بڑے بڑے یورپین اور ہندوستانی عہدے دار بھی شریک ہوتے ہیں۔ اِن سب کو ایک بڑا بھاری بریکفسٹ اور فرشمنٹ دیا جاتا ہے۔ یہ سب مہمان مدار المہام سرکارِ عالی کی بارہ دری میں جمع ہوتے ہیں اِس دن عام تعطیل ہوتی ہے اور تمامی باشندگانِ شہر عورت و مرد مثل عید کے لباسِ فاخرہ پہن کر نکلتے ہیں۔ دُکانوں اور بالاخانوں پر آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے رہتے ہیں۔ صرف اِس ایک دن کے لیئے کوٹھے اور بنگلجات جو سرِ راہ واقع ہیں پچاس پچاس اور سو سو روپے کرایہ پر (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

ایک بہت بڑی تعداد سرِ راہ گزرتی ہے۔ سوار پیدل عرب۔ روہل۔ حبشی۔ راٹھور۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۳) تماشہ دیکھنے کو دیئے جاتے ہیں۔ آدمیوں کی وہ کثرت ہوتی ہے کہ الاماں۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں رہتی کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ سویرے سے لوگ اپنی اپنی جگہ سنبھال لیتے ہیں ورنہ دوپہر کے بعد تو پھر رستہ بھی نہیں مل سکتا۔ دن ڈھلے فوج نکلنی شروع ہوتی ہے اور سب مدار المہام سرکارِ عالی کے ملاحظے سے آہستہ آہستہ گزرتی ہے جس کا سلسلہ مغرب تک تمام ہوتا ہے سب سے اوّل کوتوالِ شہر ہاتھی پر عماری میں سوار ہو کر اپنی جمعیت پولیس و روہل سواراں و پیدل لے کر نکلتا ہے اُس کے بعد اطراف بلدہ کی پولیس ہوتی ہے پھر مختلف علاقوں کی پیدل اور سوار جمعیتِ بے قاعدہ و باقاعدہ سوارانِ مندوزئی وقائم خانی۔ عروب۔ روہل۔ سندھی۔ بلوچ۔ راٹھور۔ سکھ۔ جمعیتِ لین۔ جمعیتِ میسرم و رسالہ جموش باڈی گارڈ اعلیٰحضرت۔ افواجِ باقاعدہ گوں گنڈہ بریگیڈ سوار و پیدل۔ امپیریل سروس ٹروپس۔ جمعیتِ صرف خاص و علاقۂ پائگاہ امیر کبیر سرخورشید جاہ بہادر و نواب سر آسمان جاہ بہادر و نواب سر وقار الامرا بہادر و پیشکاری و سانڈنی سواراں و بائیسکل سواران۔ خچروں۔ گھوڑوں اور بیلوں کے توپ خانے۔ افواجِ علاقۂ نواب غالب جنگ بہادر۔ عروب علاقۂ نواب سلطان نواز جنگ بہادر و برق جنگ بہادر و مسلم جنگ بہادر وغیرہ۔ اس کے بعد اعلیٰحضرت کی سواری کے خاصے کے گھوڑے جو نہایت عمدگی سے سجے ہوئے ہوتے ہیں جن پر مغرق زین پوش زربافت کے رہتے ہیں اور انواع و اقسام کے طلائی و نقرئی سازو سامان اور زیورات سے آراستہ ہوتے ہیں جب ایک علاقے کی جمعیت ختم ہو جاتی ہے تو دوسرے علاقے کا جمعدار یا افسر با سرکردہ ہاتھی یا گھوڑے پر جیسا اُس کا مرتبہ ہو سوار ہو کر آتا ہے اور ہر ہر علاقے کے نشانات جُدا جُدا ہیں اور بان چھوٹتے جاتے ہیں۔ بینڈ بجتے جاتے ہیں۔ میسرم جمعیت کا بینڈ بہت مشہور اور دل کش ہے وہ لوگ الغوزہ اور مشک نما ایک باجہ بین اور پونگی کی طرح کا بجاتے ہیں جسے Bagpipe کہتے ہیں تمام فوج چوک سے شمس الامرا کا بازار۔ خاص سپیشکار صاحب کی بارہ دری پر سے گزر کر چوگلہ مبارک کے سامنے اعلیٰحضرت کے ملاحظے کے بعد چار مینارے پر جا کر متفرق ہو جاتی ہے۔ یہ سلسلہ برابر پانچ سات گھنٹے جاری رہتا ہے اور اس کا بیس پچیس ہزار فوج سے کم کا اندازہ ۴۴

۴۴ نہیں کہا جا سکتا اس سے پہلے زمانے کی شان و شوکت اور کثرتِ افواج کا اندازہ ہو سکتا ہے اور نہیں کی فوج ایسی ہے کہ جو قدیم زمانے کے لباس ہتیاروں اور وضع قطع کا ایک نمونہ ہے

سکھ اور مختلف اقوام کے لوگ بہت سے ملازم ہیں ہر ہر علاقے کی فوج اپنے اپنے جمعداروں اور سرکردوں کے ساتھ آتی ہے۔ پایگاہ اور جاگیرات کی افواج اس کے علاوہ ہیں۔ جن کے سررشتہ اور آوردہ جدا جدا ہیں یہی طریقہ افواج فراہم کرنے کا پہلے جاری تھا۔

جنگ رایچور کا حال تاریخ فرشتہ سے

تاریخ مذکور میں جو حال رایچور کی لڑائی کا لکھا ہے وہ نہایت دل چسپ ہے۔ کیوں کہ مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا شروع ہونا لکھا ہے۔ جب سلطان اسمٰعیل عادل شاہ کو راجۂ بیجانگر کی طیاریوں کی خبر مل گئی تو وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر مدگل اور رایچور کو رائے بیجانگر کے قبضے سے لینے کے لیے سات ہزار سوار لے کر بڑھا اور دریائے کشنا کے کنارے پر مقیم ہوا وہاں پہنچتے پہنچتے دوسرے بہت سے امرا کی افواج بھی آن ملیں۔ کل تعداد فوج کی کم سے کم پچاس ہزار سوار چھ لاکھ پیدل سے متجاوز تھی۔ بادشاہ ابھی چند روز توقف کرتا کیوں کہ دریا کی سب کشتیاں رائے کے علاقے میں تھیں لیکن اب جب کہ بادشاہ آن پہنچا تھا اور اس کے خیام لگ چکے تھے تامل کرنا یا واپس چلا جانا بڑی سبکی کا باعث تھا اس لیے کشتیوں کی طیاری شروع کر دی گئی۔ بادشاہ کے پہنچنے کے چند دنوں بعد بادشاہ اپنے خیمے میں آرام فرما رہا تھا کہ اس نے قنات کے باہر اپنے ندیموں میں سے ایک شخص کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا۔ ؎

خیز در کاسۂ زر آبِ طرب ناک انداز　　پیش ازاں دم کہ شود کاسہ بسر خاک انداز

بادشاہ اس شعر کے سنتے ہی جوش میں آگیا اور اپنے مصاحبین کو بلا کر ایک جشن میں مصروف ہوا جب بہت دیر تک محفل رقص و سرود اور بادہ نوشی کی برپا رہی تو بادشاہ نے بہ حالتِ سرشاری ارکانِ دولت سے پوچھا کہ توکروں کے طیار ہو جانے میں کیا دیر ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ تین سو توکرے طیار ہو چکے ہیں باقی چند روز میں طیار ہو جائیں گے۔ بادشاہ نے ارادہ کیا کہ دریا کے پار ہو کر حملہ کریں۔ شراب کے نشے میں

بادشاہ نے دریا سے فوراً عبور کرنے کی دل میں ٹھان لی اور ایک ہاتھی پر سوار ہو کر دریا کے کنارے پونہچا لیکن کسی کو کانوں کان بادشاہ کے ارادے کی خبر نہ ہوئی لوگ سمجھے کہ بادشاہ سیر و تفریح کو برآمد ہوا ہے لیکن یکایک حکم دیا کہ فوراً لوگ ہاتھیوں پر سوار ہو جائیں اور گھوڑوں کو ٹوکروں میں جو طیار ہیں پار کریں۔ امرا نے بادشاہ کی بے سوچے سمجھے جلد بازی کی حرکت سے پس و پیش کیا اور عرض و معروض کی لیکن بادشاہ نے کچھ جواب نہ دیا اور اپنا ہاتھی ایک دم آب قہار میں ڈال دیا۔ لوگ حیران ہو گئے کہ بادشاہ نے یہ کیا کیا۔ بادشاہ دیکھتے دیکھتے پار ہو گیا پھر کیا تھا جاں نثارانِ سلطنت بھی چالیس ہاتھیوں پر سوار ہو کر آناً فاناً پار ہو گئے اور ٹوکروں پر جتنی فوج اور گھوڑے چڑھ سکتے تھے دو پھیروں میں وہ بھی اتار دیئے۔ چوں کہ بادشاہ کو جنگ کرنے پر اصرار تھا مغل ایک دل ہو کر تازی گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور صفحۂ جدال آراستہ کرنے لگے۔ سب ملا کر اسلام کا لشکر صرف دس ہزار تھا ادھر طیاری ہی ہو رہی تھی کہ سامنے سے ہندوؤں کی فوج جس میں اسی ہزار سوار اور دو لاکھ پیدل سے کم نہ تھے آن پونہچی۔ اب بادشاہ کی سلامتی کے لالے پڑ گئے موقع بہت ٹیڑھا تھا لیکن بادشاہ کو اصرار تھا کہ لڑائی ہو پر ہونا چار بادشاہ کے بہادروں نے ایک جان ہو کر کچھ ایسی دلیری اور بہادری سے مقابلہ کیا کہ دشمن کے ایک ہزار آدمی قتل کر ڈالے جس میں سنگٹ سپہ سالارِ فوجِ بیجانگر مارا گیا لیکن آخر کہاں تک۔ تابِ مقاومت نہ لا سکے گو باری بندوقوں کی بوچھاڑ۔ تیر اور ہوائی بانوں نے گھبرا دیا۔ بادشاہ کے لشکر میں بھی پندرہ سو آدمی مارے گئے اور لشکر اُدھیا گیا جو بچے تھے وہ جان بچا کر بھاگے اور دریا میں بے محابا گھوڑے ڈال دیئے۔ بادشاہ کے ساتھ ہاتھی پر خواصی میں ترسوں بہادر اور ابراہیم بیگ تھے اُنھوں نے بھی ہاتھی دریا میں ڈال دیا مگر دریا اس قدر طغیانی پر تھا کہ سوائے بادشاہ کے ہاتھی اور سات سواروں کے سب کے سب ڈوب گئے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ بادشاہ کی مستعجلانہ حرکت کا یہ خمیازہ تھا کہ ساری فوج غارت ہوئی بادشاہ کی جان بچ گئی وہ بھی غنیمت۔ بادشاہ کو سخت ندامت ہوئی اُس نے قسم کھالی کہ جب تک

اِس شکست کا انتقام نہ لے لوں گا شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا لیکن اب پچتانے سے کیا ہو سکتا تھا بادشاہ نے پھر کمرِ ہمت باندھی اور دوبارہ فوج کی تیاری میں مصروف ہوا مرزا جہاں گیر بھی اِس لڑائی میں مارا گیا۔ بادشاہ نے اسدخاں لاری سے مشورہ کیا کہ بہ حالتِ موجودہ کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو کامیابی ہو۔ اسدخاں نے عرض کیا کہ چوں کہ ہماری فوج کا بے انتہا نقصان ہوا ہے اور لشکر میں دل شکستگی پھیل گئی ہے فی الحال بیجاپور کو پلٹ چلنا ہی ٹھیک ہے۔ بادشاہ نے بھی اِس رائے کو مان لیا اور واپس چلا گیا۔ اسدخاں کو بادشاہ نے سپہ سالاری کی معزز خدمت اور بہت سی جاگیریں عطا کیں اور اُسے اپنا بڑا مشیر و صلاح کار مقرر کیا۔

واقعات کا مقابلہ

نیونز اور فرشتہ دونوں کے حالات کو مقابلہ کرنے سے اِس امر میں کوئی شک نہیں رہتا کہ دونوں ایک ہی واقعے کو بیان کرتے ہیں۔ لڑائی کی ابتدا کس کی طرف سے ہوئی اِس بارے میں مختلف بیانات ہیں۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ جب بادشاہ دریا کے کنارے پہنچ گیا تو اُس نے دیکھا کہ دوسرے کنارے پر ہندوؤں کا لشکر پڑا ہوا ہے۔ چند دن توقف کر کے بادشاہ تھوڑی سی فوج کے ساتھ دریا پار اُتر گیا لیکن شکست کھا کر واپس آیا۔ نیونز لکھتا ہے کہ کشن راے کو جب بادشاہ کے دریاے کرشنا تک آجانے کی خبر ملی تو وہ رایچور میں تھا جو دریا سے (۱۵) میل کے فاصلے پر ہے۔ وہ وہاں سے بڑھا اور دریا ابھی (۹) میل باقی تھا کہ وہاں لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں کا لشکر پس پا ہوا۔ تاہم دونوں بیانوں کو اجمالاً دیکھا جاے تو بہت سی باتوں میں متفق ہیں جس سے یہ نتیجہ بہ آسانی نکلتا ہے کہ ان میں سے کسی کی روایت صحیح اور قابلِ اعتبار ہے لیکن جب اِس بات کو مدِ نظر رکھا جاے کہ نیونز نے تو لڑائی کے (۱۵) برس بعد واقعات قلم بند کیئے ہیں اور لڑائی میں پرتگالی بھی موجود تھے اور ممکن ہے کہ نیونز نے اُن میں سے بعض لوگوں کی زبان سے لڑائی کے واقعات سُنے ہوں تو اِن وجوہ سے بہ مقابلۂ فرشتہ کے نیونز کے بیان پر زیادہ بھروسا کیا جا سکتا ہے کیوں کہ فرشتہ نے اِس واقعے کے ساٹھ برس بعد اپنی

تاریخ لکھی ہی اور پھر اُس میں باتیں خلافِ قیاس بھی ہیں۔ نیونز نے ایسے واقعات لکھے ہیں کہ جن کے دیکھنے سے ضرور یہ خیال ہوتا ہی کہ یا تو وہ خود جنگ میں موجود تھا اور چشم دید حالات لکھ رہا ہی یا کم سے کم اُس نے ایسے لوگوں سے سُن کر لکھا ہی جو وہاں موجود تھے۔ چنانچہ نیونز نے قلعۂ رایچور اور لشکر کے حالات میں لکھا ہی کہ لشکر میں اس کثرت سے سامان تھا کہ جس چیز کی ضرورت ہو بے تکلف ملتی تھی۔ لشکر میں سُنار اور ہر قسم کے پیشہ ور اور دستکار اس طرح اطمینان سے اپنا اپنا کام کرتے تھے جیسے کوئی اپنے شہر میں بیٹھ کر کرتا ہی حتیٰ کہ جوہریوں کی دُکانیں بھی تھیں جن میں ہر قسم کے جواہرات فروخت کے لیئے موجود تھے۔ یہ حالات دیکھ کر اوپری آدمی کبھی یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ یہ اُس لشکر کا کیمپ تھا جو جنگ پر جا رہا تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک آباد اور خوش حال شہر بسا ہوا ہی۔ تماشوں۔ باجوں۔ نرسنگوں اور لوگوں کا ایسا شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سُنائی دیتی تھی لوگ اشاروں سے باتیں کرتے تھے اس بلا کے شور و غل سے چڑیاں گھبرا کر آدمیوں کے سروں پر گر گر پڑتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب آسمان پھٹ پڑے گا۔ یہ ایسے واقعات ہیں جو دیکھنے والا ہی لکھ سکتا ہی۔ راجۂ بیجانگر نے جب رایچور کو فتح کر لیا تو راجہ نے کرسٹوواؤ کی طرف دیکھ کر سر کو جُھکایا اور کہا کہ "دیکھو! ایک خیر خواہ متنفس سے بھی کیسے کیسے بڑے بڑے کام ہو سکتے ہیں" اور جب قلعے والوں نے شکست کھائی اور کشن راو راے فتح پا کر شہر میں داخل ہوا اُس کے واقعات لکھے ہیں اور جنگ ختم ہونے کے بعد بادشاہ کے ایلچی سے راجہ کی ملاقات کی کیفیت لکھی ہی۔ دوسرا وقائع نگار ڈومنگو پیس کرسٹوواؤ کے ساتھ اس جنگ کے چند مہینے بعد بیجانگر میں موجود تھا اگرچہ وہ رایچور کی لڑائی میں خود نہ تھا لیکن سوائے نیونز کے اور دوسرے وقائع نگاروں نے رایچور کی لڑائی کا حال سرسری طور پر لکھا ہی اور پرتگالی مورخین نے اِس لڑائی کو (کیوں کہ اُس سے متعلق نہ تھی) اہم نہیں سمجھا اور اِس واسطے مُجمل ذکر کیا ہی۔

انتظامِ مملکت پر جنگِ رایچور کا اثر

رایچور کی لڑائی سے اسمٰعیل عادل شاہ

کی طاقت اور شہرت کو ایسا بٹہ لگا کہ اُس نے اِس طرف کو رُخ نہ کیا اور دوسرے مُسلمان بادشاہوں سے اپنے تعلقات بڑھانے لگا۔ اِس فتح کے بعد سے دکن کے سب مُسلمان بادشاہ چوکنا ہو گئے اور اِس کے سوائے علاج نہ تھا کہ سب مِل کر سلطنت بیجانگر کو آخر تباہ کر دیا۔ ہندوؤں پر اِس لڑائی کا یہ اثر ہوا کہ وہ بہت مغرور اور خود پسند ہو گئے گویا ایندھن میں کسی نے آگ لگا دی اور اپنی ہم سر سلطنتوں کو ستانے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس قدر جلد اتنی بڑی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

رُباعی

جس سر پہ غرور آج ہے یاں تاجوری کا	گل اُس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت	اسباب لُٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

اِس لڑائی کا اثر پرتگالیوں پر بھی ہوا۔ پرتگالیوں کی حکومت کا دارومدار ہندوؤں کی سلطنت پر تھا اِس لیئے کہ بادشاہِ پرتگال کے تعلقات ہمیشہ سے مُسلمانوں سے اچھے نہ تھے ہندوؤں ہی سے اِن کو مدد ملتی تھی اور اُنھیں سے اِن کی سوداگری چمکی ہوئی تھی۔ پرتگالی مورخین نے اِن واقعات سے گریز کیا ہے لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ بحری تجارت کا دارومدار اُس سلطنت کی فارغ البالی پر منحصر تھا کہ جہاں اُن کے مال کی کھپت تھی جب بیجانگر کی سلطنت عروج پر تھی اور وہاں عیش و آرام کے سامان بہم تھے اور دولت اُمڈی پڑتی تھی اور بے انتہا افواج جمع تھیں تو سوداگری بھی پنپ رہی تھی برخلاف اِس کے جب سلطنت کا زوال ہوا اور شہر ویران ہو کر اُجڑ گیا تو اُن کے مال کو کون پُوچھتا تھا۔ لامحالہ اِن کی تجارت بھی بیٹھ گئی اِن وجوہ سے پرتگالیوں کو رائچور کی جیسی اہم لڑائی اور عظیم الشان واقعے کو اِس بے پروائی سے چھوڑ دینا ضرور تعجب کی بات ہے۔

جنگِ رائچور کے بعد کے واقعات

جنگِ رائچور کے بعد کیا واقعات پیش آئے تاریخ فرشتہ میں تو اِس کا کچھ ذکر نہیں ہے البتہ نیونز نے لکھا ہے کہ رائچور کی فتح کے بعد راجہ بیجانگر بڑی دھوم

دھام سے رائچور میں داخل ہوا قلعے کے لوگوں سے وہ نرمی اور مہربانی سے پیش آیا اُس کی فتح کا حال سُن کر دوسرے سلمان بادشاہوں نے مبارک باد کے لیئے ایلچیوں کو بھیجا لیکن کشن دیوراے نے اپنے غرور میں اُن کی کچھ پروانہ کی اور برافروختگی اور جلے کٹے جوابات دیئے۔ اِس کے بعد کشن راے بیجانگر کو واپس آیا اور یہاں ایک بڑا جشن کیا۔ تھوڑے دنوں بعد اسمٰعیل عادل شاہ کی طرف سے ایک ایلچی آیا اور ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک پڑا رہا کسی نے خبر تک نہ لی آخرکار راجہ کی حضوری میں طلب کیا گیا اور راجہ نے کہلا بھیجا کہ اگر عادل شاہ خود آئے اور آکر آداب بجالائے اور اُس کے قدم بوس ہو تو البتہ قلعۂ رائچور اور دوسرے مقامات واپس دے دیئے جائیں گے۔ اسمٰعیل عادل شاہ کی طرف سے اِس کا کچھ جواب نہ ملا تب راجۂ بیجانگر بادشاہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور سمجھا کہ بادشاہ جب یہ سُنے گا تو عاجز ہوکر اُس کی شرائط کو قبول کرلے گا لیکن راجہ کو یہ خیال نہ آیا کہ اُس کے اِس بے انتہا گستاخانہ جواب کا اثر دوسرے مسلمان بادشاہانِ دکن کے دلوں پر کیا ہوا ہوگا کہ راجۂ بیجانگر نے مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت کے ساتھ ایسا گستاخانہ برتاؤ کیا۔ اسمٰعیل عادل شاہ نے تو کبھی اِن شرائط کو منظور نہیں کیا لیکن کشن راے اپنی فوج لے کر جانبِ شمال بڑھتے بڑھتے دارالسلطنت بیجاپور تک پہنچ گیا۔ جس کا محاصرہ کیئے کچھ دن تک پڑا رہا مگر آخر نقصان اُٹھا کر ناکام واپس آیا۔ اسدخاں نے جو بادشاہ کا مُنہ چڑھا تھا راے بیجانگر سے مِل کر اُسے اُبھارا اور اپنے دشمن صلابت خاں کو قتل کروادیا اور اپنی خودغرضی کے سامنے اپنے بادشاہ کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ کشن راے نے بیجاپور میں خاندانِ بہمنیہ کے بادشاہِ سابق کے تین بیٹوں کو جن کو پہلے سے عادل شاہ نے قید کر رکھا تھا پکڑ لیا اور اُن میں سب سے جو بڑا تھا اُسے بادشاہ[1] بنایا۔ مقصود اِس سے یہ تھا کہ دکن کی ایک سلطنت

---

[1] تاریخ فرشتہ میں اِس کا کچھ ذکر نہیں لکھا لیکن ہم کو تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود دوم بہمنی نے ۹۲۴ھ میں وفات پائی اِس بادشاہ کے تین بیٹے تھے۔ احمد۔ علاؤالدین۔ ولی اللہ۔ اوّل الذکر دسمبر ۱۵۱۸ء میں دوسرا ۱۵۲۱ء میں اور تیسرا بھی اُسی سال بادشاہ ہوا مگر سب برائے نام۔

ٹوٹ کر پانچ بادشاہ ہو گئے ہیں ان سب کے زور کو توڑ دے لیکن نتیجہ برعکس ہوا اُن کا تو کچھ بھی نہ ہوا اُلٹی آنتیں گلے پڑیں کہ راے بیجانگر کی اِس حرکت سے سب کے سب اَور زیادہ کشیدہ ہو گئے۔ اِس کے چند دنوں بعد کشن راے کا جوان بیٹا جسے وہ اپنا جانشین کرنے والا تھا اور یہاں تک اِرادہ کر لیا تھا کہ اپنی زندگی میں تخت پر اُسے بٹھا دے اور خود کنارہ کش ہو جاے وہ بدنصیبی سے زہر سے ہلاک ہوا اور خود بھی قریب المرگ تھا۔ اُن دنوں دربار میں چند پرتگالی بھی تھے اُن کی صلاح و مشورے سے راجہ نے اپنے وزیر سالوتما اور اُس کے سارے خاندان کو قید کر دیا۔ سالوتما کا بیٹا یہ حالت دیکھ کر سنڈور کی طرف پہاڑوں میں جان بچا کر بھاگ گیا جہاں اب تک پہاڑ پر ایک مضبوط قلعہ بنا ہوا ہے جسے قلعۂ رام دُرگ کہتے ہیں۔ راجہ نے سالوتما اور اُس کے بھائی اور بیٹے کو اپنے سامنے بُلوایا اور سب کی آنکھیں نکلوا ڈالیں۔ اِسی زمانے میں اسمٰعیل عادل شاہ پھر بیجانگر کی طرف بڑھا کہ اپنی شکستِ سابقہ کا بدلا لے لیکن جوں ہی اُس نے سُنا کہ اُدھر سے خود کشن راے اُس کے مقابلے کو چلا آ رہا ہے تو بدحواس ہو کر پلٹا۔ اگرچہ کشن راے بہت بیمار تھا لیکن تاہم وہ مسلمانوں سے مُقابلے کے اِرادے سے نکل چکا تھا چنانچہ نیونز نے لکھا ہے کہ اُس نے چلتے چلتے چھ سو گھوڑے پرتگالیوں سے خریدے۔ کشن راے کا اِرادہ قلعۂ بنگاؤں پر حملہ کرنے کا تھا جو عادل شاہ کے قبضے میں تھا چنانچہ پرتگالیوں کے پاس راجہ نے ایک ایلچی کو بہ طلبِ امداد بھی بھیجا تھا لیکن وہ خود ایسا سخت بیمار پڑ گیا کہ یہ اِرادہ دل کے دل ہی میں رہا اور پورا نہ ہونے پایا کہ کشن دیو راے نے ۴۲ یا ۴۵ سال کی عمر میں ۱۵۳۰ء میں انتقال کیا اُس کا جانشین اچیتا ہوا۔ یہ حالات تو ہم نے نیونز سے نقل کیے ہیں مگر اِس کے سوا اَور کچھ واقعات دوسرے وقائع نگاروں سے بھی معلوم ہوے ہیں۔ بیروس لکھتا ہے کہ ۱۵۲۳ء میں سالوتما وزیر بیجانگر نے گوا کے قریب کے مقامات پر اعظم خنکی پر حملہ کیا جن کو حال ہی میں ڈی ملو نے فتح کیا تھا۔ وزیر مذکور نے مقام پونڈا پر تھوڑی فوج کے ساتھ چڑھائی کی لیکن شکست کھا کر واپس آیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد اپریل ۱۵۲۴ء میں مسلمانانِ بیجاپور نے اِن ہی مقامات پر بزعمِ خود سراپیٹی مینز چڑھائی کی اور فتح پائی۔

چنانچہ اسی سال اکتوبر کے مہینے میں گوآ سے بادشاہِ پرتگال کو اس واقعے کی رپورٹ کی گئی "برِ اعظم جس کو ڈی ہلو نے فتح کر لیا تھا اُس پر مسلمانوں نے جن کے قبضے میں وہ حصہ پہلے سے تھا اپریل ۱۵۲۲ء میں حملہ کر کے تابعض ہو گئے ہیں اور سب سے اوّل تھانہ دار پٹرنا کے ضلع پر جو ساحلِ سمندر پر واقع ہے قبضہ کر لیا اور دو پرتگالیوں کو جن میں ایک تھانہ دار ہی قید کر کے قلعۂ بلگاؤں لے گئے جہاں کا گورنر اسد خاں ہے" اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے پرتگالیوں پر فتح پائی لیکن تعجب ہے کہ کسی دوسرے مورخ نے حتےٰ کہ فرشتہ نے بھی اس کا تذکرہ نہیں لکھا اس سے قیاس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر شاہی لشکر نہ تھا نہ بادشاہ کے حکم سے یہ لڑائی کی گئی بلکہ اسد خاں حاکمِ قلعۂ بلگاؤں کی فوج ہوگی جس نے بطورِ خود چڑھائی کی ہوگی۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ رایچور کی شکست کے بعد اسمٰعیل عادل شاہ نے اپنی بہن کو نظام شاہ بادشاہ احمد نگر کے ساتھ بیاہ دیا جس سے اُس کی دو لڑکیاں ۱۵۲۳ء و ۱۵۲۸ء میں ہوئی تھیں اور دوسری بہن کی شادی علاء الدین عماد بادشاہِ برار سے کر دی اور بیدر کے بادشاہ سلطان امیر برید سے جو معمر شخص تھا جنگ کر کے اُسے گرفتار کر لیا۔ کشن راے کے مرتے ہی ہندوؤں کی سلطنت میں ایک تلاطم پڑ گیا اور یہ موقع اسمٰعیل عادل شاہ کو اچھا ملا کہ اُس نے پھر قلعۂ رایچور اور مُدگل پر قبضہ کر لیا۔ تاریخ فرشتہ میں ان واقعات کی تاریخ درج نہیں ہے لیکن امیر برید پر جو عادل شاہ نے فتح پائی وہ حسبِ بیان بیروس ۱۵۲۹ء میں ہوئی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ تاریخ بیجانگر سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اتنا معلوم رہنا چاہیئے کہ ۱۵۲۶ء میں سلطان بابر تختِ دہلی پر بیٹھا اور خاندانِ مغلیہ کا پہلا بادشاہ ہوا۔

لہ بابر بادشاہ کی مدتِ سلطنت ۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء ہے یہ بادشاہ ۱۴۸۳ء میں قتلغ نگار خانم کے بطن سے پیدا ہوا تاریخِ ولادت یہ ہے۔

اندر ششش محرم زاد آں شہِ مکرم　　تاریخ مولدش ہم آمد ششش محرم

بابر ہند میں بہت سال زندہ نہ رہا۔ جب وہ دہلی پر چار سال سلطنت کر چکا تو اُس کو بیماری شروع ہوئی (بقیہ صفحہ ۲۳۳)

۱۵۳۰ء میں ہمایوں[۱] اُس کا جانشین ہوا ۱۳۵۶ء میں ہمایوں کی وفات کے بعد بڑا نامی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۳) اُس کا بیٹا ہمایوں سخت بیمار ہوا جس کے جینے کی امید باقی نہ رہی تھی۔ ابو البقاء ایک ذی علم مقدس بزرگ نے بابر کو سب سے زیادہ قیمتی چیز خدا کے نام پر صدقہ دینے کے لیے صلاح دی اور کہا کہ آگرے میں جو لعل ملا ہے وہ صدقے میں دیا جاوے۔ بابر نے کہا کہ میرے نزدیک میری جان اُس لعل سے زیادہ قیمتی ہے اور میں اُس کو خدا کی نذر کروں گا اسی غرض سے وہ تین مرتبہ اپنے بیٹے کے پلنگ کے اطراف پھر کر صدقے ہوا۔ اور دُعا کی کہ اُس کے بیٹے کے عوض وہ مر جاوے۔ تب وہ پکار اُٹھا کہ میں اس امتحان میں کامیاب نکلا اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اُس کی دُعا قبول کی۔ کیوں کہ ہمایوں دن بدن تن درست ہونے لگا اور بابر دن بدن نحیف اور ناتوان ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ روز دوشنبہ ۵ جمادی الاول ۹۳۷ھ ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو انتقال کیا اور حسب وصیت خود کابل میں قدم گاہ حضرت رسولِ مقبول میں مدفون ہوا" بہشت روزی باد" تاریخ وفات ہے۔

(نوٹ صفحہ ہذا) [۱] ہمایوں بادشاہ ۴ ذی قعدہ ۹۱۳ھ ۶ اپریل ۱۵۰۸ء شب سہ شنبہ کو ماہم امکہ کے بطن سے بمقام کابل پیدا ہوا۔ تاریخ ولادت ع شاہ فیروز بخت شد تاریخ" ہے ۱۵۳۰ء سے ۱۵۵۶ء تک سلطنت کی وہ بائیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ ۷ ربیع الاوّل ۹۶۳ھ کو قریب غروب آفتاب کتب خانے کے کوٹھے پر برآمد ہو کر ایک لحظہ بیٹھ کر سیڑھیوں پر سے نیچے اُتر رہا تھا کہ قریب کی مسجد سے اذان نماز مغرب کی آواز آئی۔ ہمایوں بہ تعظیم جواب اذان دوسری سیڑھی پر بیٹھ گیا بعد اذان جب عصا کے سہارے سے کھڑا ہونے لگا لکڑی سنگ مرمر کی سیڑھی پر سے پھسل گئی اور بادشاہ زینے کے نیچے گر پڑا اُسی وقت محل میں اُٹھا کر لے گئے اور ہر چند علاج معالجہ کیا گیا مگر اڑتالیس سال کی عمر میں (۴۶) سال سلطنت کر کے ۱۱ ماہ مذکور مطابق ۲۴ جنوری ۱۵۵۶ء کو بوقت غروب آفتاب ہمایوں کی زندگی کا آفتاب بھی غروب ہوا۔ تاریخ وفات یہ ہے

چو گشت از رحمتِ حق ساکن اندر روضۂ رضواں "بہشت آمد مقام پاکِ او" تاریخ ازاں باشد

مولانا قاسم صاحب نے یہ تاریخ لکھی ہے۔

	ہمایوں بادشاہِ ملکِ معنی		مدار و کس چو او شاہنشہی باد	
	زبامِ قصر خود افتاد ناگہ		وزاں اجرِ عزیزش رفت برباد	
	پئے تاریخ او کاہی قلم زد		"ہمایوں بادشہ از بام اُفتاد"	(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

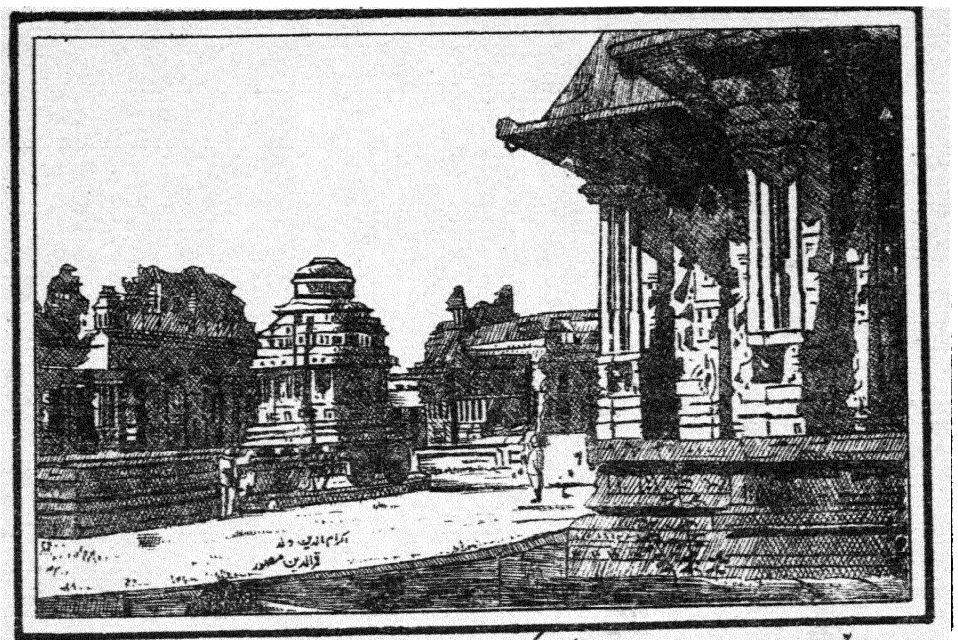
کے جنگل میں ہوس پیٹ سے جانبِ جنوب و مغرب پہاڑوں کی گھاٹیوں میں واقع ہے۔ اب اُس کے کٹے پر سے ہوس پیٹ کی سڑک جو جنوبی تعلقات میں جاتی ہے گزرتی ہے۔ یہ تالاب دو وجہ سے بنایا گیا تھا ایک تو یہ کہ آبپاشی کے کام آئے گا دوسرے اِس وجہ سے کہ راجہ نے جو ناگلاپور (جسے اب ہوس پیٹ کہتے ہیں) آباد کیا تھا وہاں کے باشندگان کے آبنوشی کے کام آئے۔ ناگلاپور کے شہر میں فصیل اور بڑے بڑے دروازے اور بُرج بنائے گئے تھے اور گوا کی طرف سے جو مسافر وجیانگر کو جاتے تھے یہیں سے گزرتے تھے یہ تالاب دو پہاڑوں کے درمیان ایک تیسرے پہاڑ کو تڑوا کر بنایا گیا ہے جس پر بے شمار آدمی کام کرتے تھے اور ساٹھ آدمی اُس کے کٹہ (بند) کی حفاظت کے لیئے قربانی چڑھائے گئے تھے۔

ایک نئے شہر ناگلاپور کا آباد کرنا

۱۵۲۰ء کے قبل مضافاتِ شہر وجیانگر میں راجہ نے ناگلاپور ایک نیا شہر آباد کیا تھا۔ یہ شہر راجہ نے اپنی بیوی ناگلا دیوی کے نام پر بنایا تھا اور خود بھی وہیں رہا کرتا تھا۔ راجہ نے دریا کے کنارے وٹھل سوامی کی دیول کی تعمیر بھی شروع کر دی تھی جو نہایت عمارت میں سب سے زیادہ خوب صورت اور طرح طرح کی صناعیوں سے آراستہ ہے اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک نے صناعی میں کس قدر ترقی کی تھی۔ اِس دیول کی تعمیر کا کام نہ صرف کشن رائے کی زمانۂ سلطنت میں جاری رہا بلکہ اچیتا اور سدا سیو کے دورِ حکومت میں بھی چلتا رہا اور غالباً ۱۵۶۵ء میں جب کہ شہر وجیانگر تباہ ہوا ہے جب ہی بند ہوا۔ ایک پتھر پر کندہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵۶۱ء میں اِس مندر کے تحت کچھ عطیات دیئے گئے تھے۔

اُگر نرسہواں کے بڑے بھاری بُت کا بنانا

۱۵۲۶ء میں وشنو کا عجیب و غریب اور عظیم الشان بُت اوتار نرسہواں کی شکل میں وجیانگر میں بنایا گیا تھا۔ یہ بُت ایک ہی پتھر کے بڑے گنڈ میں سے تراشا گیا تھا جو کشنا سوامی دیول کے جنوب و مغرب گوشے میں موجود تھا۔ راجہ نے اِس



وٹھل سوامی کے مندر کا اندرونی حصہ جس کی تعمیر کرشن دیوراے کے عہد میں شروع ہوئی تھی

دیوی کی مورت کے لیے بھی انعامات دیئے تھے۔ اِس مورت کو غالباً کسی بُت شکن مُسلمان نے ۱۵۶۹ء میں یا اُس کے بعد بہت صدمہ پُہنچایا ہی۔ تاہم اب بھی یہ مورت ایک عجائبات میں سے ہی اور قابلِ دید ہی۔ کشن رائے نے اپنی تاج پوشی کی تقریب میں جو عطیات و پرکاش کے دیول موقوعہ موضع ہمپی کو عطا کیئے تھے اُن کا ذکر ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

کشن دیو رائے کے زمانے کے کتبات

دیول موقوعہ موضع ورچاپور کے پہلے قُبّے کے نیچے اندر کے رُخ پر ایک کتبہ اِسی سلطنت کے زمانے کا موجود ہی جس پر ۱۵۱۴ء درج ہی اور ایک دوسرے کتبے پر جو وجیانگر کے قریب موضع سنکاپور میں ہی اُس پر ۲۰ ستمبر ۱۵۱۳ء یوم سہ شنبہ کُندہ ہی۔ اِس میں گنپتی کے دیول کے لیے جو احاطۂ محل میں واقع ہی موضع مذکور میں زمینات عطا کرنے کا ذکر ہی اور دوسرے کتبے بھی کشن رائے کی سلطنت کے ہیں جن میں ۱۵۱۰ء و ۱۵۱۳ء و ۱۵۱۴ء و ۱۵۱۵ء و ۲۲ و ۲۳ و ۲۷ و ۲۸ء درج ہیں کشن رائے کی سلطنت کے زمانے کا آخری کتبہ ۲۳ اپریل ۱۵۲۹ء کے مطابق کا ہی جو اگرانرسہواں کے بڑے بُت کے سامنے لگا ہوا ہی۔

تیرھواں باب

سلطنتِ اچیتا راے

اچیتا راے کے حالات

اچیتا راے کشن راے کا بھائی[1] تھا۔ کشن راے نے اچیتا اور دوسرے دو بھائیوں اور بھتیجے کو قلعۂ چندر گیری میں اِس غرض سے قید رکھا تھا تاکہ ریاست میں شر و فساد نہ پھیلا سکیں۔ اچیتا راے کا انتخاب خود کشن راے نے ہی کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ یہ انتخاب بہت بُرا نکلا کیوں کہ اچیتا بڑا پست ہمت شخص تھا اور اِسی کے زمانے میں سلطنتِ بیجانگر کا زوال شروع ہو گیا۔ اِس کا وزیر "سالوانے" نامی اُسی مشہور خاندان سالوا کا ایک شخص تھا کہ جس خاندان کا تمّا وزیر کشن دیو راے تھا۔ اچیتا کی سلطنت کے زمانے کا سب سے پہلے کتبے میں ۵ اگست سنہ ۱۵۳۰ء یوم دوشنبہ تاریخ درج ہے۔ سلطنت کے شروع ہی زمانے میں یہ بدشگونی ہوئی کہ قلعہ جات مُدگل و رایچور ان کے قبضے سے نکل گئے۔ تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان عادل شاہ کشن راے کی وفات کے پہلے ہی سے اِن مُلکوں کے واپس لینے کی طیاری کر رہا تھا۔ "بادشاہ نے اپنا لشکر جمع کر لیا اور عادشاہ اور برید شاہ بھی اپنی فوج لے کر آن ملے اور بوجہ ہیم راج کے انتقال کے جس کا جانشین حال ہی میں رام[2] راج

---

[1] یہ رضتہ نیونز کا بیان کیا ہوا ہے اور اسی کا بیان زیادہ تر مستند ہے کیوں کہ وہ اس زمانے میں بیجانگر میں موجود تھا اور نہ دوسرے کتبوں اور بیانِ مورخین میں آیندہ زمانے کے حکمرانانِ بیجانگر اور اُن کے نسب ناموں میں اختلافات ہیں ۱۲

[2] اِن ناموں کی صحت کے متعلق آگے ذکر آے گا ۱۲۔

ہوا تھا سلطنت بیجانگر میں گویا بڑ مچی ہوئی تھی چھوٹے چھوٹے رایوں نے بغاوت شروع کر دی تھی اور ادھر سے ان کی کچھ روک تھام نہ ہو سکی۔

رایچور اور مُدگل پر مسلمانوں کا قبضہ

نتیجہ یہ ہوا کہ رایچور اور مُدگل جو سترہ[1] سال سے ہنود کے قبضے میں تھے تین مہینے کے محاصرے کے بعد پھر مسلمانوں نے فتح کر لیے" اس میں شک نہیں کہ ان مقامات کی فتح سے عادل شاہ کے دل کا کانٹا نکل گیا اور اپنے جانی دشمن کشن راے کی وفات سے بھی اُسے بڑا اطمینان حاصل ہوا ہوگا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ "بادشاہ نے قسم کھائی تھی کہ جب تک ان قلعوں کو ہندوؤں سے نہ چھڑا لوں گا شراب کے پاس نہ پھٹکوں گا ان فتوح کے بعد اُمرا کی خواہش پر بادشاہ نے ایک بڑا جشن آراستہ کیا (ع کلید مے کدہ گم گشتہ بود پیدا شد) اور خوب ناچ رنگ اور سامان عیش و طرب رہا" اس کے بعد رایچور اور مُدگل کے قلعوں پر پھر کبھی ہندوؤں کا قبضہ نہیں ہوا۔ اچیتا راے نے اپنے طرز عمل اور سخت گیری اور خود مختاری سے اپنے جاں نثاروں کو دشمن بنا لیا اور تمام سلطنت میں راجہ کی پست ہمتی اور کم زوری مشہور ہو گئی۔ اس کے چال چلن اور طرز حکومت نے ہندوؤں کی سطوت اور جبروت کو ملک دکن میں برباد کر دیا اور چاروں طرف سے ملک دشمنوں کے لیے کھل گیا۔ گو کہ راجہ اتنے دنوں زندہ نہ رہا کہ وہ اپنی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ خود دیکھتا۔ رایچور دوآبہ کی فتح کے بعد ۱۵۳۱ء میں اسمٰعیل عادل شاہ اور احمد نگر کے بادشاہ میں ایک اور جنگ ہوئی جس میں احمد نگر کی افواج کو شکست ہوئی اور آخر کار دونوں سالے بہنوئیوں میں صلح ہو گئی۔

اسمٰعیل عادل شاہ کا انتقال اور ملّو شاہ کی تخت نشینی ۱۵۳۴ء

تین سال کے بعد اسمٰعیل عادل شاہ نے تپ سے ۱۶ صفر ۹۴۱ھ م ۱۳ اگست ۱۵۳۴ء یوم پنجشنبہ کو انتقال کیا اُس کا جانشین اُس کا

---

[1] صحیح مدت (۱۰) سال ہے۔

بیٹا ملّو ہوا اور اسد خاں لاری ریجنٹ[1] مقرر ہوا لیکن تخت پر بیٹھتے ہی بادشاہ نے اپنے جاں نثار سردار اسد خاں کو آزردہ کر دیا کہ وہ کاروبار چھوڑ کر اپنی جاگیر بلگاؤں کو چلا گیا۔ سلطان ملّو کو میدان خالی ملا وہ لہو و لعب عیش و طرب و حرکات ناشائستہ میں ایسا منہمک ہو گیا کہ بجز اُس کے معزول کرنے کے کوئی علاج نہ تھا۔ ناچار خود اُس کی دادی پونجی خاتون نے یوسف ترک کو توالِ شہر سے کہا کہ یہ ہرگز بادشاہت کے قابل نہیں ہے اسے معزول کر کے شاہزادہ ابراہیم کو تخت پر بٹھانا چاہیئے۔ یوسف نے فوراً اپنے ایک محرم راز کو اسد خاں کے پاس بلگاؤں بھیج کر اُس کی صلاح پچھوائی۔ اسد خاں نے سب حال سُن کر کہا کہ مَیں نے تو ان ہی اسباب سے خود بیجاپور کا رہنا چھوڑ دیا اور یہاں مُنہ کالا کیے پڑا ہوں مناسب یہ ہے کہ بادشاہ کی دادی نے جو کچھ فرمایا ہے اُس پر عمل کرو۔

ملّو شاہ کا مکحول کیا جانا

یوسف کو جب اسد خاں کی راے سے اطمینان ہو گیا تو چالیس سوار تاج پوش لے کر قلعے دار کو جو مانع و مزاحم ہوا تھا قتل کر کے قلعے میں گھس گیا اور ملّو شاہ کو قید کر کے حسبِ فرمان پونجی خاتون اُس کی اور اُس کے سوتیلے بھائی آلو خاں دونوں کی آنکھیں نکلوا ڈالیں۔

ابراہیم عادل شاہِ اوّل کی تخت نشینی ۱۵۳۵ء

ملّو شاہ کے چھوٹے بھائی ابراہیم عادل شاہ کو ۱۵۳۵ء میں تخت پر بٹھایا گیا

چو دھر افگند افسری از سرے نہد آسماں بر سرِ دیگرے

اسد خاں کی پرتگالیوں سے لڑائیاں

اِن جھگڑوں میں پرتگالیوں کو موقع ملا اُنھوں نے جزیرہ ڈیو میں ایک قلعہ بنا لیا اور اوائل ۱۵۳۶ء میں بڑی مقامات جن پر دس سال سے اسد خاں کا قبضہ تھا وہ بھی لے لیے۔ جو علاقہ جات پرتگالیوں نے لے لیے تھے۔ اُن سے واپس چھین لینے کے لیے اسد خاں نے ایک لشکر روانہ کیا اور ماہِ فروری میں لڑائی ہوئی مگر پرتگالیوں

---

[1] Regent - کسی رئیس کے زمانِ صغر سنی میں جو کوئی دوسرا شخص نیابۃً سلطنت کا کاروبار کرے وہ ریجنٹ کہلاتا ہے ۱۲۔

کی فتح رہی - پھر دوبارہ چڑھائی کی لیکن پھر بھی مسلمانوں نے شکست پائی آخرکار جولائی میں تیسری دفعہ چڑھائی کی مگر اُس میں بھی شکست ہوئی اِن متواتر شکستوں کے بعد اسد خاں نے پھر کمرِ ہمت باندھ کر ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا اور پرتگالی قلعہ چھوڑ کر بھاگے مگر جاتے جاتے قلعے کو اُڑا گئے۔

قلی قطب شاہ نے اِسی زمانے میں کنڈہ ویڑ پر چڑھائی کی کیوں کہ وہاں سے خراج نہیں پہونچا تھا اور فتح کر کے اِس فتح کی یادگار میں قلعے میں ایک مینار بھی بنوا دیا - کنجیورم میں دو کتبے ۹۳۲ و ۹۳۳ھ کے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اچیتا راے نے تِنا وَلی کے قریب کے ملک فتح کر لیے تھے - لیکن غالباً اِس لڑائی میں خود راجہ شریک نہ تھا کیوں کہ پھر اِس مہم کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا - اِس کے بعد کے تاریخی حالات میں مختلف مورخین کی مختلف روایات سے خلط مبحث ہو گیا ہے اور اُن میں سے صحیح واقعات کو چُن لینا ایک مشکل کام ہے

ابراہیم عادل شاہ بیجانگر میں اور وہاں کے واقعات ۱۵۳۶ء

بہ قولِ فرشتہ اچیتا کی تخت نشینی کے ایک سال بعد ۱۵۳۶ء میں راجہ کے حسب الطلب ابراہیم عادل شاہ اپنا لشکر لے کر بیجاپور پہونچا لیکن نہیں معلوم ہوتا کہ یہ اُلٹی گنگا کیسے بہنے لگی کیا یہ ممکن تھا کہ راجہ اِس درجے مجبور ہو گیا ہو کہ اُس نے اپنے خاندانی دشمنِ جانی سے امداد طلب کی ؟ نیونز نے لشکر کا آنا تو لکھا ہے لیکن کس وجہ سے آیا کچھ نہیں لکھا حال آں کہ اِن دنوں وہ خود بیجانگر میں موجود تھا - لیکن فرشتہ نے جو یہ بات لکھی ہے کہ عوام النّاس کو راجہ کی نسبت ایک طرح کی بے اعتباری ہو گئی تھی اور خود راجہ کے ایما سے مُسلمانوں کی فوج وہاں پہونچی درست معلوم ہوتی ہے کیوں کہ راجہ اچیتا نے نہ صرف لشکرِ اسلام کو بلا مزاحمت اپنی دارالسلطنت میں آنے دیا بلکہ بادشاہ کو بڑے تپاک سے لیا اور واپسی سے پہلے بہت سے تحفے تحائف بھی دیئے نیونز کو راجہ کی اِس حرکت پر بالکل اچنبھا معلوم ہوتا ہے اور سوائے راجہ کی پست ہمتی اور بُزدلی کے دوسرا کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا - نیونز نے یہ بھی لکھا ہے کہ بادشاہ بیجاپور ناگلا پور میں داخل ہوا اور اِس شہر کو بالکل مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا - ناظرین کو یاد ہوگا کہ

کشن دیو راے نے بیجاپور کی کیا گت بنائی تھی یہ اُسی کا بدلہ تھا لیکن یہ بات کچھ سمجھ میں آنے کی نہیں ہے کہ سلطانی لشکر نے صرف ایندھن کے لیے ناگلاپور کے مکانات کو گرادیا اور توڑ پھوڑ ڈالا ہو۔ بہرحال اصلی سبب جو کچھ بھی ہو ہم نے صرف نیونز کی روایت کی نقل کردی ہے

رام راج اور اُس کے بھائیوں کا عروج

فرشتہ نے اِن واقعات کو یوں لکھا ہے کہ ہیم راج جسے فرشتہ ہمیشہ تیم راج لکھتا ہے جس کو عموماً تیما کہتے تھے اِس سے لامحالہ کشن دیو راے کا وزیر اعظم "سالو تیما" مراد ہے جو سیو راے راجۂ بیجانگر کے دونوں لڑکوں کے انتقال کے بعد سے حقیقی حکمراں ہوگیا تھا اور یوں پہلے سے بھی وہ دخیلِ کار تھا اور اِس طرح پورے چالیس برس اُس نے حکومت کی۔ سیو راے کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا جانشین ہوا جس نے عالمِ جوانی ہی میں انتقال کیا اِس کا ایک چھوٹا بھائی اَور تھا وہ بھی جوانی ہی میں مرگیا تب اُس کے ایک لڑکے کو جس کی عمر صرف تین مہینے کی تھی برائے نام راجہ مقرر کیا لیکن سب کاروبار ہیم راج ہی کے ہاتھ میں رہا۔ جب یہ صغیر سن بچہ حدِّ رُشد اور سنِّ تمیز کو پُونہچا تو ہیم راج نے اُسے زہر دے کر مروا ڈالا اور خود خاندان کا مالک بن گیا۔ اِس چالیس برس کے عرصے میں تمام رعایا برایا اُسی کی مطیع اور منقاد رہی جب سالو تیما مرگیا تو اُس کا بیٹا رام راج حاکم الوقت ہوا۔ رام[۱] راج سیو راے کا داماد تھا اِس تعلّق سے اُس کا زور اَور بھی زیادہ ہوگیا اور اُس نے اِس بات کی کوشش کی کہ بیجانگر پر خود مسلّط ہوکر اپنے خاندان میں سلطنت منتقل کرے لیکن اُمرا نے اُسے دبایا اور مجبور کیا کہ ایک چھوٹے بچے کو جو آل[۲] میں سے تھا راجہ تسلیم کیا جائے چنانچہ اِسی بچے کو برائے نام راجہ بنا دیا اور کم سن راجہ کی پرورش اُس کے ماموں بھوج ترمل کے سپرد کردی۔

---

[۱] برگز نے اِس لڑکی کو سیو راے کی بیٹی لکھا ہے لیکن رام راج نے کشن دیو راے فرزند نرسہواں اوّل کی لڑکی سے شادی کی تھی ۱۲

[۲] کتبوں میں اِس کم عمر راجہ کا نام نہیں ملتا جو آل میں سے ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ برگز نے اِس لڑکے کے چچا کو بھوج ترمل لکھا ہے کوٹو نے اُپّے تما نام بتلایا ہے اور اُپّے کے معنی دیوانے کے لکھے ہیں ۱۲

بھوج ترمل کا زمانہ بھوج ترمل اگرچہ پورا دیوانہ نہ تھا مگر فاتر العقل ضرور تھا پانچ چھ سال کے عرصے میں رام راج نے اپنی چال بازی سے بہت سے اُمرار کو جو اُس کے مخالف تھے مروا ڈالا[1] اور اپنے ایک غلام کو مراتب اعلیٰ پر پہونچا کر اُس سے قول و قرار لے کر بیجانگر اور راجہ کو اُس کے سپرد کر کے خود دیلیبار پر چڑھائی کی اور پھر بیجانگر کے جنوب میں ایک بڑے زمیندار پر حملہ آور ہوا جس نے چھ مہینے مقابلہ کیا اور آخرکار رام راج کی فوج کو پس پا کیا۔ رام راج نے اپنے غلام کو (جو اُس وقت بیجانگر میں حکومت کر رہا تھا) پانچ لاکھ ہُن بھیجنے کو لکھا۔ غلام نے جو خزانہ کھولا تو بے انتہا دولت دیکھ کر اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور اُس کی رال ٹپک پڑی اور چاہا کہ کسی نہ کسی طرح اِس خزانے کو خود ہضم کر لے اُس نے کم سن راجہ کو جو برائے نام تھا آزاد کر کے بھوج ترمل کو اپنی طرف کر لیا اور خود وزیر بن کر لشکر جمع کرنا شروع کیا بہت سے خراج گزار جو رام راج سے بیزار تھے وہ یہ خبر پاتے ہی بیجانگر کو دوڑے اور اپنے جائز راجہ کی اطاعت قبول کی اور تھوڑے دنوں میں تیس ہزار سوار اور ایک بہت بڑی تعداد پیدلوں کی شہر میں جمع ہو گئی۔ بھوج ترمل نے اُس غلام کو اِس حیلے سے قتل کروا ڈالا کہ اُس نے رام راج کے مقابلے میں بغاوت کی ایسا شخص کبھی اعتبار کے قابل نہیں ہے اور خود مقتدر بن گیا۔ یہ خبر پاتے ہی رام راج یلغار دارالسلطنت میں پہونچا لیکن موقع ایسا بے ڈھنگا تھا کہ کچھ نہ چل سکی۔ جب رام راج نے دیکھا کہ اکثر اُمرار اُس کے خلاف ہو گئے ہیں تو اُس نے راجہ سے جو جائز طور پر مستحق تھا مصالحت

---

[1] یہ واقعہ اچیتا کی زمانِ سلطنت میں گزرا تھا۔ رام راج۔ ترمل راج۔ وینکٹا دری۔ تین بھائی تھے اِن میں رام راج سب سے بڑا تھا جو آگے چل کر بہت مشہور ہوا۔ رام راج اور اُس کے بھائی ترمل راج دونوں نے کشن دیورائے کی بیٹیوں سے شادی کی تھی۔ نیونز اچیتا کو کشن دیورائے کا بھائی بتاتا ہے اور پھر اِن دونوں بھائیوں کو اچیتا کے برادرِ نسبتی کہتا ہے جو صریح غلط ہے۔ نیونز ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اچیتا نے سلطنت کے بڑے بڑے اُمرار اور اُن کے بچوں کو مروا ڈالا تھا ۱۲۔

کرلی اور اپنے علاقے پر جو اُسے راجہ نے حسبِ شرائطِ صلح نامہ دے دیا تھا واپس چلا گیا۔ بھوج ترمل کے دل میں سلطنت کا خبط سمایا دیوانہ تو پہلے ہی سے تھا اِس ظالم نے بے چارے کم سن راجہ کو جو اِس کا حقیقی بھانجا تھا گلا گھوٹ کر مار ڈالا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ اُمرا نے بھی اُس کی اطاعت قبول کرلی کیوں کہ وہ بھی شاہی خاندان سے تھا اور رام راج سے بدرجہا بہتر تھا۔ لیکن آگے چل کر بھوج ترمل نے بھی پاؤں نکالے اور طرح طرح کی بے عنوانیاں کرنے لگا۔ لوگ اُس کے مظالم کی تاب نہ لاسکے تو اُنھوں نے بغاوت کی اور پھر رام راج کو بُلوایا۔ بھوج ترمل اب بڑی مشکل میں پھنسا اُس نے جھٹ چھ لاکھ ہُن نقد اور بڑے بھاری تحائف کے ساتھ ایلچیوں کو ابراہیم عادل شاہ کے پاس بھیجوایا اور اپنی مدد کو بُلوایا اور وعدہ کیا کہ ہر منزل پر ایک لاکھ ہُن نذر کروں گا۔ ابراہیم عادل شاہ کو سونے کی چڑیا ہاتھ آئی بہت خوش ہوا اور اسد خاں سے صلح و مشورے کے بعد ان شرائط کو قبول کرلیا اور دار السلطنت سے کوچ کرکے ۹۴۲ھ م ۱۵۳۵ء میں بیجانگر جا داخل ہوا۔ بھوج ترمل بادشاہ کو پیشوائی کرکے شہر میں لے گیا اور بادشاہ کو راجہ کی مسند پر بٹھایا اور سات دن تک جشن کرتا رہا۔ اِس حرکت سے ہندو بد دل ہوے اور اُنھوں نے رام راج کی طرف رُخ کیا۔ رام راج نے بھوج ترمل کو لکھا کہ یہ تم نے کیا غضب کیا کہ مُسلمان بادشاہ کو بُلوایا اگر تم بادشاہ کو واپس کردو تو خیر ہم تمھاری ہی اطاعت قبول کرلیں گے۔ بھوج ترمل نے سوچا کہ اب بادشاہ سے اور کیا کام نکالنا ہے مطلب تو حاصل ہوگیا کہ لوگ دب گئے اور میری اطاعت قبول کرلی لہذا بادشاہ کو واپس تشریف لے جانے کی خواہش کی اور جو نقد امداد کا وعدہ ٹھیرا تھا جس کی تعداد قریب چوالیس لاکھ ہُن کے تھی اور بہت سے تحفے تحائف دے کر اِس آئی ہوئی بلا کو ٹالا۔ ابھی ابراہیم عادل شاہ دریاے کشنا بھی پار نہیں ہوا تھا کہ رام راج اور دوسرے سازشیوں نے جنھوں نے رشوت دے کر فوج کو ملا لیا تھا اپنے اقرار سے پلٹ گئے اور بیجانگر کی طرف دوڑے تاکہ بھوج ترمل کو مار کر اپنے کم سن راجہ کے قتل کا بدلہ لیں۔ بھوج ترمل نے جب یہ سُنا تو اُس کے

ہاتھ کے طوطے اُڑ گئے اور سمجھا کہ کی کرائی محنت سب برباد ہوئی ایک دم سے بساط ہی اُلٹ گئی۔ حالتِ ہراس میں دیوانہ وار محل میں گھس کر دروازے بند کر لیے اور دل میں سوچا کہ تو کو نہ موکو اِسے چولھے میں جھونکو۔ اُس نے تمام ہاتھیوں اور گھوڑوں کی آنکھیں نکلوا ڈالیں اور دُمیں کٹوا دیں تاکہ وہ کسی کام کے ہی نہ رہیں۔ تمام بیش بہا جواہرات اور موتیوں کو جو مدتوں میں جمع کیے گئے تھے بڑی بڑی چکیوں میں پسوا کر آٹا کر دیا اور زمین پر پھیلوا دیا تب اُس نے محل کے ایک ستون میں ایک تلوار کا پھل گاڑ دیا اور زور سے اُس پر جا کر ایسا گرا کہ تلوار پیٹھ کے پار ہو گئی اِدھر اُس کا خاتمہ ہوا اُدھر شہر کے دروازے دشمنوں نے کھولے۔ اب رام راج کے لیے میدان خالی تھا روکنے والا کون تھا وہ بیجانگر کا راجہ بن گیا اِس کے بعد تاریخ فرشتہ میں سوائے رام راج۔ اچیتا اور سدا سیو راجہ گاں کے اگر کسی راجہ کا ذکر نہیں ہے۔ سدا سیو اگرچہ چند سال مقید رہا تاہم اُسی کو لوگ راجہ سمجھتے تھے اور اِس لیے اُس کے متعلق کچھ زیادہ تذکرہ نہیں کیا۔ فرشتہ اور نیونز ہر دو کے بیانات اِس بات پر متفق ہیں کہ ابراہیم عادل شاہ بیجانگر پر پہنچا اور ایک رقمِ خطیر اور تحفے تحائف لے کر ۱۵۲۶ء میں واپس ہوا۔ تاریخ فرشتہ میں جو واقعات اچیتا کی سلطنت کے لکھے ہیں اب اُن کو بیان کیا جاتا ہے۔

اسد خاں کا ونکٹادری کو ادھونی پر شکست دینا

ابراہیم عادل شاہ کو جب خبر ملی کہ بھوج ترمل مرگیا اور رام راج تخت پر بیٹھا تو اُس نے اسد خاں کو قلعۂ ادھونی کے فتح کرنے کے لیے بھیجا جو بیجانگر کا علاقہ تھا۔ رام راج نے اُس کے مقابلے کے لیے ایک بڑے لشکر کے ساتھ اپنے بھائی ونکٹادری کو روانہ کیا۔ اسد خاں نے جب بیجانگر کی فوج کی آمد سُنی تو وہ قلعے کا محاصرہ چھوڑ کر آگے بڑھا اور دونوں میں خوب جنگ ہوئی۔ اسد خاں نے دیکھا کہ بیجانگر کی فوج اِس کے لشکر سے بہت بڑھی ہوئی ہے تو وہ پس پا ہوا (۱۴) میل پر جا کر دم لیا تھا مگر وہاں تک ہندوؤں کی فوج نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ونکٹادری

اِس غرض سے کہ اگلے دِن مسلمانوں کو اچانک دڑبڑالوں گا اُن سے صرف دو میل ہی ہٹ کر ایک محفوظ مقام پر ٹھیر گیا۔ اسدخاں کو یہ مَوقع اچھا ملا ابھی صبح نہ ہونے پائی تھی کہ اُس نے چار ہزار سواران جُبّہ پوش لے اچانک ہندوؤں کے کیمپ میں جاکر شبخون مارا۔

	ہمہ شیرِ مردانِ کار آزمائے		دلیر و عدو بند کشور کشائے		
	بہ گاہ و غا ہر یکے صفدرے		از ایشاں یکے در عدو لشکرے		

ونکٹادری کو اپنی فوج پر ایسا بھروسا تھا کہ وہ بالکل مطمئن تھا اور اُسے مسلمانوں کی طرف سے حملہ ہونے کا گمان بھی نہ تھا۔ اسدخاں ایک دم اُس کے خیموں تک پہونچ گیا اُس وقت تک اِن لوگوں کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور نہ بھاگنے کا مَوقع ملا۔

	نیاید غنودن چناں بے خبر		کہ ناگاہ سیلے در آید بسر		
	بہ جاے نہ خسپد عقابِ دلیر		کہ آبے تواں ہست اورا بزیر		

ونکٹادری اپنے بال بچے خزانہ ہاتھی گھوڑے وغیرہ سب سامان چھوڑ کر تن تنہا اپنی جان لے کر بھاگا۔ جب ذرا دن چڑھا تو ونکٹادری نے اپنی فوج کو جو تتر بتر ہوگئی تھی اکھٹا کرکے حملہ کرنے کا اِرادہ کیا لیکن دیکھا تو اسدخاں کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی اور ونکٹادری کو اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان بچانی بھی فرض تھی اِن وجوہ سے وہ لڑائی کا اِرادہ چھوڑ کر چند میل پیچھے ہٹ کر ٹھیر گیا اور وہیں سے رام راج کو شکست کی خبر دی اور جلد اِمداد بھیجنے کو لکھا۔ رام راج نے فوراً فوج کی امداد اور خزانہ بھجوایا اور بہ ظاہر تو یہ کہلا بھیجا کہ خوب لڑو اور مقابلہ کرو لیکن اندرونی طَور پر اپنے بھائی کو یہ لکھا کہ مجھے اِس بات کا یقین ہے کہ ابراہیم عادل شاہ نے بطَورِ خود ادھونی پر چڑھائی نہیں کی بلکہ مجھے شبہہ ہے کہ ہمارے زمینداروں نے درپردہ سازش کرکے بادشاہ کو جنگ کے لیئے بُلوایا ہے اور خود تمھارے ساتھ کے بہت سے اُمرا اُس سے ملے ہوے ہیں اِس لیئے مصلحتِ وقت یہی ہے کہ اِس وقت مُسلمانوں سے صُلح کرلی جاے تاکہ تمھارے بیوی بچے بھی اسدخاں کے پنجے سے نجات پائیں۔ ونکٹادری اپنے

بھائی کی مرضی کا تابع تھا اُس نے اسد خاں کو بُلا لیا اور اسد خاں کو بیچ میں ڈال کر بادشاہ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا جو منظور ہو گیا اور سب امور طرفین سے خاطر خواہ طے ہو گئے اور اسد خاں بیجاپور واپس ہوا۔ بادشاہ کو اگرچہ اسد خاں کی سازش کی بھنگ پوری پہنچ گئی تھی تاہم اُس نے اسد خاں کی بڑی عزت و توقیر کی۔

بیجاپور میں اندرونی فسادات

۱۵۴۲ء میں مملکتِ بیجاپور میں اندرونی فسادات اور جھگڑے ایک سال تک برابر پھیلے رہے اور اسی سال اچیتا مر گیا اور اُس کی جگہ سداسیو جانشین ہوا۔ سداسیو کی سلطنت کے زمانے میں بیجانگر کی ریاست حقیقۃً رام راج اور اُس کے دونوں بھائیوں ترمل اور وینکٹادری کے ہاتھ میں رہی۔

اسد خاں کے حالات

فرشتہ نے اسد خاں کی تعریف بہت لکھی ہے۔ اسد خاں ترک تھا اور اُس کا اصلی نام خسرو تھا اسمٰعیل عادل شاہ کے زمانے میں ۱۵۱۱ء میں جب کہ شہر بیجانگر کا محاصرہ کیا گیا تھا اُس کے بچانے میں اُس نے بڑا نام پیدا کیا یہ محاصرہ خصوصاً بادشاہ کی خالہ دل شاد آغا کی بے نظیر بہادری کے سبب سے مشہور ہے۔ خسرو کو اسی کے صلے میں اسد خاں کا خطاب اور بلگاؤں جاگیر ملی۔ اسد خاں اپنی دانش مندی اور فراست میں مشہور تھا چالیس سال تک وہ تمامی اُمرا و مشاہیرِ دکن کا ملجا و ماویٰ تھا وہ بڑی شان و شوکت اور تزک و احتشام سے رہتا تھا اُس کی ٹکر کا کوئی امیر نہ تھا ہر شخص اُس کا ادب و تعظیم کرتا تھا۔ راجگانِ بیجانگر اور دوسرے ممالک کے فرماں روا اُس کی قابلیت کے معترف تھے اور اکثر اُس سے مراسلت رکھتے تھے اور بیش قیمت تحائف بھی بھیجتے رہتے تھے۔ ڈھائی سو تو صرف اس کے خانگی نوکر تھے سب سے بڑے قد آور ساٹھ ہاتھی اور ڈیڑھ سو معمولی قد و قامت کے اس کے پاس تھے۔ اس کے اصطبل میں عرب اور ایران کے چار سو گھوڑے اور ان کے علاوہ اس ملک کی نسل کے بہت سے گھوڑے رہتے تھے اُس کی دولت اور تموّل کا اندازہ ہونا مشکل تھا۔ یہ بڑھتے بڑھتے وزیرِ اعظم اور سپہ سالارِ افواج ہو گیا۔

۱۵۴۹ء میں عمر اور اعزاز دونوں کا کافی سرمایہ لے کر دُنیا سے رُخصت ہوا۔ گوئے کے پرتگالیوں کو اسد خاں سے ہمیشہ مخالفت رہی وہ اُسے ایک پکا سازشی سمجھتے تھے۔ جب کبھی وہ اپنا فائدہ دیکھتا تو وہ اپنے دوستوں کو بھی پھانس دینے میں کمی نہ کرتا حتیٰ کہ اپنے بادشاہ کے خلاف بھی کر بیٹھتا تھا اور چوں کہ وہ بڑا دانش مند تھا اور اُس کی چال گہری تھی ہمیشہ اپنے اِرادوں میں کامیاب ہوتا رہا۔ اسد خاں کے واقعات اِس قابل تھے کہ اِس کے لیے ہم ایک جداگانہ باب لکھتے لیکن بہ خوفِ طوالت ہم بیروس کی کتاب ایشیا سے صرف ایک اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں۔ برِ اعظم محاذی گوا پر تین ہندو سرداروں نے مل کر جو حملہ کیا تھا اور پونڈا کا محاصرہ کر لیا تھا اِس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں وہاں کے باشندوں نے ڈاکنہا گورنر جنرل گوا سے فریاد کی لیکن اُس نے پہلو تہی کی کہ مبادا عادل شاہ سے جنگ چھڑ جائے لیکن حقیقت میں اُسے اسد خاں حاکمِ بلگاؤں کا ڈر تھا۔

اسد خاں کی دورُخی چال

"اسد خاں کی مثال اُس شخص کی سی تھی کہ جو بلند اور محفوظ مقام پر بیٹھا ہوا بہ آسانی اُس آگ کو دیکھ سکتا ہے جو زیریں حصۂ مُلک میں چوطرف پھیل رہی ہو۔ اگرچہ اسد خاں بلگاؤں میں بیٹھا ہوا تھا مگر مُلک کے کُل حالات سے باخبر تھا۔ بادشاہ سے کچھ شکر رنجی ہو جانے سے اسد خاں تھوڑے دنوں کے لیے بیجاپور سے ٹل کر بلگاؤں چلا آیا تھا اور چپکا بیٹھا ہوا تماشہ دیکھ رہا تھا آخرِ کار ابراہیم عادل شاہ نے اُس سے کاروبارِ سلطنت میں مدد لینے کے لیے بُلا بھیجا۔ اسد خاں نے چترائی سے جواب دیا کہ "خانہ زاد دُنیا کے نشیب و فراز و سرد و گرم زمانہ سب دیکھ چکا ہے اب تو صرف اِس آس پر زندہ ہوں کہ خانۂ کعبہ میں جا کر اپنی عمر کے آخری دن گزاروں اور وہیں زمین کا پیوند ہو جاؤں" بادشاہ کو یہ ٹالنے کا جواب ناگوار ہوا وہ اُس کی چال بازی تاڑ گیا اور دل میں ٹھان لیا کہ جاتا کہاں ہے اِس سے بدلہ نہ لوں تو سہی۔ اسد خاں نادان نہ تھا وہ بھی جان گیا کہ میرے انکار سے بادشاہ کبیدہ خاطر ضرور ہوگا لیکن اُس نے

اپنی حفاظت کی یہ تدبیر نکالی کہ گورنر جنرل گوآ کو ایک تحریر کی جس میں سلطنتِ پرتگال سے اپنی خالص دوستی کا یقین دلایا اور ترغیب دی کہ خشکی کے چند مقامات پر وہ شوق سے قبضہ کرلیں کیونکہ ہمارے بادشاہ میں اب بیجانگر سے مقابلہ کرنے کا دم باقی نہیں ہے۔ یہ واقعہ جنگِ رائچور کے بہت پہلے کا ہے۔ گورنر جنرل گوآ نے اپنا دوستانہ جواب فگریڈو کے ذریعے سے بھجوایا جو راجۂ بیجانگر کا بڑا اگاڑھا دوست تھا اور اسدخاں سے اور راجۂ بیجانگر سے بھی ان دنوں ملی بھگت تھی۔ اسدخاں نے باتوں ہی باتوں میں کہا کہ ہمارا بادشاہ تو بڑا متلوّن المزاج اور کم زور ارادے کا آدمی ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پرتگالیوں سے دوستانہ اتحاد رکھوں میری خواہش ہے کہ میں خود گوآ چل کر گورنر جنرل سے ملوں اور رابطۂ اتحاد اور پکا کرلوں۔ مقاماتِ زیرِ بحث پر پرتگالیوں کا قبضہ مستقلاً نہ کرا دینے کا وعدہ بھی کرلیا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسدخاں کی چشم پوشی سے ان مقامات پر گورنر جنرل پرتگال نے قبضہ کر ہی لیا۔ ادھر تو اسدخاں نے پرتگالیوں کو ہموار کیا اُدھر راجۂ بیجانگر سے بھی در پردہ سلام و پیام شروع کر دیئے راجہ نے مہانومی کے تہوار کی تقریب میں اسدخاں کو دعوت دی یہ بلگاؤں سے تیرہ ہزار فوج اور دو سو ہاتھی لے کر بیجانگر پونہچا جانے سے پہلے اُس نے گورنر جنرل گوآ کو لکھا کہ آپ فگریڈو کو میرے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ میں راجہ سے ان مقامات کے متعلق جو پہلے انھیں کے مقبوضات تھے قطعی تصفیہ کرکے آپ کو دلوادوں۔ فگریڈو بیجانگر کی طرف روانہ ہوا لیکن رستے میں معلوم ہوا کہ اسدخاں پہلے ہی چلا گیا بلکہ بیجانگر پونہچ بھی گیا۔ راجہ اسدخاں سے بڑے تپاک سے ملا اور بڑی خاطر مدارات کی اور دو قصبے تُنگی اور تیراکھول جو گوآ کے شمال میں واقع ہیں اسدخاں کو اس امید پر تحفۃً دیئے کہ آیندہ اس سے بہت سے کام نکالنے ہیں۔ جب بادشاہ کو اسدخاں کی ان ناشائستہ حرکات کی خبر پونہچی تو اُس نے سمجھا کہ اب کیا ہے گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے بات بنی بنائی بگڑ گئی لیکن پھر بھی ایک بڑے لشکر کے ساتھ بڑھا اور جب راجہ کے کیمپ تک صرف بارہ فرسنگ کا فاصلہ رہ گیا وہاں دوسرے ہندو اُمرا کے ڈیرے پڑے

ہوئے ملے اور وہیں قریب اسدخاں بھی مقیم تھا بادشاہ بھی وہیں ٹھیر گیا اور وہیں سے راجۂ بیجانگر کو لکھا کہ ہمارے باغی اور نافرمان غلام (اسدخاں) کو فوراً ہمارے حوالے کر دیا جاے۔ راجہ نے بادشاہ کا خط اسدخاں کے پاس بھیج دیا اُس کے دیکھتے ہی اسدخاں راجہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں ہرگز بادشاہ کا ساتھ نہ دوں گا بلکہ آپ کا وفادار رہوں گا۔ چند روز بادشاہ اور اسدخاں کے آپس میں بھی پیغام سلام ہوتے رہے۔ اِسی اثنار میں دونوں لشکر رایچور کو روانہ ہوے راجہ تو رایچور فتح کرنے چلا اور بادشاہ اِس موقع کی تاک میں تھا کہ کوئی موقع ملے تو میں خود راجہ پر حملہ کروں۔ تیسرے دن اسدخاں بادشاہ سے دو گھنٹے پیشتر اپنی فوج لے کر روانہ ہوا اور بادشاہی لشکر سے پہلے ہی دریا پار ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ عادل شاہ نے غنیمت سمجھا اور بہ ظاہر اسدخاں سے اخلاق سے پیش آیا اور جب اسدخاں نے اِس کو پٹی پڑھائی کہ فدوی تو بادشاہ سلامت کا قدیم نمک خوار اور اطاعت گزار ہی خانہ زاد نے جو بیجانگر اور پرتگالیوں سے پیام سلام کیئے اور بہ ظاہر میل ملاپ کا رستہ ڈالا ہے یہ صرف ایک چال تھی اُس سے مقصودِ اصلی جہاں پناہ ہی کی خیرخواہی اور جاں نثاری تھی ورنہ اور کچھ۔ بادشاہ نے اسدخاں کی بات کو باور کیا اور اُس کا قصور معاف فرمایا۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو جانے سے پہلے اسدخاں فگریڈو سے ملا تھا اور اُسے بڑا اُجل دیا کہ راجہ سے مجھ سے بڑی دوستی ہی اور مکرّر اقرار کیا کہ مَیں ضرور راجہ سے سفارش کر کے برِاعظم کے مقامات تم کو دلوا دوں گا۔ فگریڈو اسدخاں کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا۔ بیروس نے لکھا ہی کہ ابراہیم عادل شاہ در پردہ اسدخاں کے دوغلے پن سے گھبرایا ہوا تھا اِس لیئے اُس نے راجۂ بیجانگر سے صلح کر لی اور رایچور بدستور مسلمانوں کے قبضے میں رہا البتہ بادشاہ نے کچھ دوسرا علاقہ راجہ کو دے دیا۔ اگرچہ بیروس کا یہ بیان فرشتہ کی روایت سے بالکل مختلف ہی لیکن ممکن ہی کہ بیروس نے ۱۵۳۵ء کے واقعات کا تذکرہ کیا ہو جب کہ بادشاہ بیجانگر گیا تھا کیوں کہ بیروس نے اِس سلسلے میں تھوڑی دُور آگے چل کر سال ۱۵۳۶ء کا ذکر کیا ہی۔ فرشتہ بیروس اور سیزر

کے بیانات میں مطابقت کرنی کسی طرح درست نہیں ہے ہر شخص اپنی اپنی کہتا ہے۔ تاہم ہم نے جو حالات اسد خاں کے لکھے ہیں وہ اسد خاں کے چال چلن پر روشنی ڈالنے کو کافی ہیں۔ نیونیز کے بیانات سے اسد خاں کی نسبت جو عام خیالات تھے اُس کی تائید ہوتی ہے۔ ۱۵۲۰ء میں جب عادل شاہ کو رایچور کی لڑائی میں شکست ہوئی اور اسد خاں اپنی چالاکی سے اُسے بال بال بچا کر نکال لے گیا اِس میں بھی اسد خاں کی ذاتی غرض تھی علےٰ ہٰذا اسد خاں نے آسمان زمین کے قُلّابے ملا کر کشن راے سے جھوٹی باتوں کا ایسا جال بچھایا کہ صلابت خاں کو جان سے مرواہی دیا۔

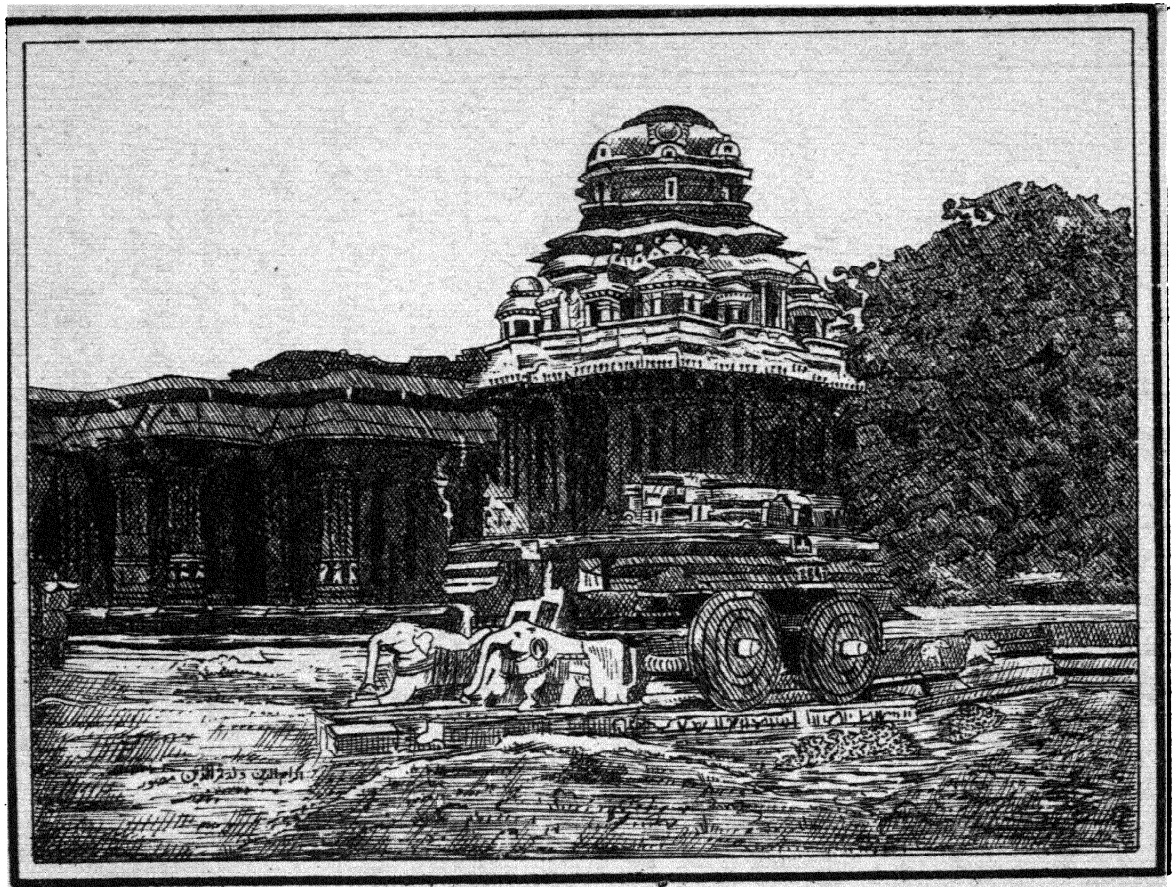
پرتگالیوں کی لُوٹ کھسوٹ

پرتگالی اِس زمانے میں اپنے مقبوضات سمندر کے کنارے کنارے بڑھاتے جاتے تھے اور اُنھوں نے کئی قلعے بھی اپنی حفاظت اور تجارت کے لیے بنا لیے تھے۔ پرتگالی سامری کالی کوٹ اور مملکتِ بیجانگر کے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے راجاؤں سے برابر لڑتے رہے لیکن راجۂ بیجانگر سے ہمیشہ اِن کی بالیسی میل ملاپ کی ہی رہی۔ آخرکار ۱۵۴۰ء میں پرتگالیوں نے راجۂ بیجانگر اور بادشاہِ بیجاپور اور سامری کالی کوٹ سے ایک صلح نامہ کر لیا۔ اِن تمام واقعات میں ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ہندوؤں کی طرف سے پہل ہوئی ہو یا اُنھوں نے پرتگالیوں سے کوئی خلاف وعدگی کی ہو بلکہ معاملہ اِس کے برعکس نظر آتا ہے۔ اِن لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ اِن کو باشندگانِ ہند کی لُوٹ مار اور قتلِ عام کا پٹّہ خدا کی طرف سے مِل گیا ہے۔ حق بات کو کسی طرح نکالا نہیں جا سکتا نہ تاریخی واقعات کو کوئی بدل سکتا ہے۔ جہاں تک دیکھا گیا ہمیشہ پرتگالیوں ہی کی زیادتی رہی۔ سیزر نے خود لکھا ہے کہ بہادر اور قابل راجہ کشن دیو راے نے کیسی دوستی پرتگالیوں سے اور خصوصاً فگریڈو سے نبھائی اور برعکس اُس کے اِن کے ویسراے نے ہندوؤں کے ساتھ باوجود صلح و مصالحت کے معاہدوں اور ظاہرداری کی دوستی کے کھلی ہوئی مخالفت کی ہم صرف ایک ہی مثال اِس نقضِ معاہدے کی یہاں بیان کرتے ہیں۔ ۱۵۴۵ء میں گورنر گوآ نے حفیہ طور پر ایک بیڑا اور تین ہزار فوج طیار کر لی

مگر کسی کو کانوں کان اُس کے منشار کی خبر تک نہ ہوئی لیکن دراصل اُس کا منشار یہ تھا کہ سمندر کے کنارے کنارے مدراس کے پاس سینٹ ٹامی مقام پر فوج سمیت اُتر پڑے اور پھر اندرونی حصۂ مُلک میں گھُس کر تریل یا تریپتی کے مشہور دیول کو جن میں بے انتہا دولت تھی لُوٹ ڈالے۔ یہ مہم صرف لُوٹ مار اور دولت کھسوٹنے کے سوائے اَور کسی غرض سے نہ تھی۔ حُسنِ اتفاق سے سمندر میں کچھ ایسا تلاطُم بپا ہوا کہ وہ اُس طرف تو نہ جا سکا لیکن مغربی ساحل پر اُس نے بعض بیش بہا مندروں کو لوٹ کر خوب مال و متاع حاصل کیا جس کی بدولت وہ ایک بڑا امیر بن گیا۔ دیولوں کے غریب پُجاری یا چھوٹے راجاؤں نے بھلا ان کا کیا بگاڑا تھا اور پھر یہ سب مقامات راجۂ بیجانگر کے علاقے میں تھے اِس کا بھی خیال نہ کیا غرض یہ کہ یہ زبردستی کی لُوٹ مار تھی اور سوائے دولت گھسیٹنے کے اَور کوئی چیز اِس کی محرک نہ تھی۔

اچیتیا کے زمانے کے مذہبی عطیّات

اچیتیا کی سلطنت میں راجہ اور اُمرا نے دیولوں کو بہت سے عطیّات بہ طور مذہبی خیرات کے دیئے تھے جن کی تصدیق مختلف مقامات کے پتھروں کے کتبوں اور تانبے کے پتروں کے کتبوں سے ہوتی ہے۔ اِن میں سے ایک مشہور کتبے کا ذکر پروفیسر کیل ہارن نے لکھا ہے کہ راجہ ۱۲ اکتوبر ۱۵۴۱ء کو وٹھل سوامی کے دیول میں جو دریائے تُنگ بھدرا کے کنارے واقع ہے گیا اور وہاں کے مشہور برہمنوں کو جو وید کے بڑے عالم تھے مدراس کے قریب ایک موضع جاگیر دیا۔ اِس دیول میں بُت تراشی پتھروں اور ستونوں پر نقاشی کا کام عجیب و غریب اور بے نظیر ہے اور اگرچہ اب یہ دیول خراب و خستہ حالت میں ہے تاہم اِس کی وسیع اور خوب صورت عمارت حُجرے اور برآمدے خصوصاً چھت اور ستون قابلِ دید ہیں۔ اِسی دیول کے ایک منڈپ میں لارڈ کرزن گورنر جنرل ہند کی چائے نوشی کا انتظام کیا گیا تھا یہ عجیب و غریب عمارت اور اُس کی لاجواب صناعی انسان کو محوِ حیرت کر دیتی ہے اور عجائباتِ روزگار میں سے ہے۔ اچیتیا کی سلطنت کے زمانے کا آخری کتبہ جو اِس وقت تک دریافت ہو چکا ہے اُس پر ۲۵ جنوری ۱۵۴۱ء کے مطابق تاریخ کندہ ہے۔ اچیتیا کے جانشین سداسیو کے زمانے کی سب سے پہلی تاریخ ۲۷ جولائی ۱۵۴۲ء ملی ہے



پتھر کا رتھ جو وٹھل سوامی کے مندر میں رکھا ہوا ہے

چودھواں باب

زوال کا آغاز

راجہ سداسیو کی سلطنت کا زمانہ

۱۵۴۱ء یا ۱۵۴۲ء میں سداسیو کا دور شروع ہوا لیکن وہ صرف نام کا ہی راجہ تھا اصلی حکومت رام راج اور اُس کے دونوں بھائیوں ترمل اور وینکٹا دری کی تھی تاہم بالعموم رعایا سداسیو ہی کو اپنا راجہ مانتی تھی جس کی تصدیق ۱۵۴۲ء سے ۱۵۶۹ء تک کے اٹھاسی کتبوں سے جو جا بجا موجود ہیں ہوتی ہے۔

سداسیو کو قید میں تھا مگر راجہ وہی سمجھا جاتا تھا

ڈاکٹر ہلش نے ان کتبوں کی بہت تحقیق کی ہے ان میں سے ایک کتبہ ۱۵۶۶ء کا جو جنگ تالی کوٹہ (جس میں ہندوؤں کو بڑی شکست ہوئی تھی) اُس کے ایک سال بعد کا ہے اُس میں لکھا ہے کہ اگرچہ سداسیو کو اختیارات حاصل نہ تھے اور اُس کو قید میں رکھا گیا تھا لیکن یہ تینوں بھائی جب بھی اُسی کو راجہ تسلیم کرتے تھے۔ اِس کتبے کی رُو سے رام راج کے بھائی ترمل راج کا برسرِ عروج رہنا معلوم ہوتا ہے کہ جس نے مہامنڈلیسور کا خطاب لیا تھا اِس میں بھی سداسیو کو راجہ بتلایا ہے۔ اِس کتبے میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک درخواست مہامنڈلیسور رام راجہ ترمل راج کے پاس پیش کی اُس نے سداسیو دیو مہاراج کے اقدامِ مبارک سے منظوری حاصل کرنے کے بعد وتور کے بڑے مندر کو ایک گاؤں جاگیر دیا۔ رام راج اور وینکٹا دری دونوں اُس زمانے میں مر چکے تھے اور ساری سلطنت کا مالک صرف ترمل راج ہی تھا۔ کوٹو نے لکھا ہے

کہ یہ تینوں بھائی راجہ کے حضور میں ہر سال ایک مقرر دن کو حاضر ہوتے تھے اور آداب مجرا بجا کر اُس کو اپنا راجہ اور اپنے آپ کو اُس کا تابعدار ظاہر کرتے تھے" اچیتا کشن رائے سے کیا رشتہ تھا اور سدا سیو ان دونوں کا کون تھا اس کی اطمینان بخش تحقیقات اب تک نہیں ہوئی ہے۔ نیونز نے لکھا ہے کہ کشن دیو رائے نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے تینوں بھائیوں اور بھتیجے کو جو اُس وقت آٹھ سال کی عمر کا تھا اور اس سے پہلے کے راجہ نرسنگ راؤ کا بیٹا تھا قید کر دیا تھا اور یہ واقعہ ۱۵۰۹ء میں ہوا جب کشن رائے کی عمر بیس سال کی تھی۔ بیجانگر کا کوئی راجہ نرسنگ راؤ نام کا کسی اور ذریعے سے ہونا معلوم نہیں ہوتا اور نہ کشن رائے کے تینوں بھائیوں کے نام جیسا کہ نیونز نے بیان کیے ہیں۔ ٹیٹا راؤ۔ رامی گپا و اُمے سوایا پائے جاتے ہیں بلکہ کشن رائے کے دو سوتیلے بھائیوں کے نام جو کنڈوں میں لکھے ہیں وہ اور ہی ہیں۔ اِس خاندان کا شجرہ جو کئی کتبوں میں درج ہے جداگانہ ضمیمے پر نقل کیا گیا ہے۔

جس سے معلوم ہوگا کہ کشن رائے کے دو سوتیلے بھائی رنگا اور اچیتا تھے کشن دیو رائے کے بعد اچیتا اور اُس کے بعد کشن دیو رائے کا بھتیجا سدا سیو راجہ ہوئے۔ دو کتبوں میں اچیتا کو کشن دیو رائے کا بیٹا لکھا ہے۔ ایک تلنگی کتاب منوچترم میں اُسے نرسہوا دوم کا بیٹا بتایا ہے۔ کوٹو لکھتا ہے کہ وہ کشن رائے کا بھتیجا تھا۔ سدا سیو کی نسبت بعض نے اُسے رنگا کا بیٹا اور کشن رائے کا بھتیجا لکھا ہے لیکن اب روایت یہ بھی ہے کہ وہ اچیتا کا بیٹا تھا۔ کنجی ورم میں ایک کتبہ ہے اُس میں لکھا ہے کہ اچیتا کی بیوی کا نام وَرُدا دیوی تھا اُس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ونکٹ تھا۔ ونکٹ تخت پر بیٹھا لیکن تھوڑے ہی دنوں زندہ رہ کر مرگیا اُس کے بعد سدا سیو بیجانگر کا راجہ ہوا۔ اب ناظرین کو اختیار ہے کہ اِن مختلف رشتوں میں سے جو مناسب ہو پسند کریں لیکن ہماری رائے میں جو شجرہ علیٰحدہ لکھا گیا ہے وہ زیادہ معتبر معلوم ہوتا ہے ممکن ہے کہ آیندہ زمانے میں جدید تحقیقات ہو کر یہ گتھی سلجھ جاے۔

رام راج کے حالات | اَب رام راج کا حال سُنیے بہت سے کنڈوں میں لکھا ہے

کہ وہ اور اُس کے دونوں بھائی رنگا رایا کے بیٹے تھے۔ پروفیسر کیل ہارن نے لکھا ہے کہ یہ بات تحقیق ہوگئی ہے کہ رام راج نے کشن دیو رائے کی بیٹی سے شادی[1] کی تھی اِس لڑکی کا ایک بھائی اٹھارہ مہینے کی عمر کا کشن رائے کے مرنے کے وقت موجود ہونا نیونز نے لکھا ہے لیکن اُس لڑکے کا کیا حشر ہوا کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ کشن رائے کی دوسری لڑکی کی شادی رام راج کے دوسرے بھائی ترومل راج سے ہوئی تھی ایک روایت یہ بھی ہے کہ رام راج کی بیوی سداسیو کی بہن تھی۔ اچیتا کی وفات کے بعد ۱۵۴۲ء میں دارالسلطنت میں بڑی بدامنی پھیل گئی اور یہی ہونا بھی چاہیئے تھا کیوں کہ اچیتا نے اپنے عہدِ حکومت میں اُمرا کے (جن پر دارومدار مُلک کے امن کا ہے) دل توڑ دیئے تھے اور اُن سے ناحق کی دشمنی مول لی تھی وہ لوگ ایسے کبیدہ خاطر ہوگئے تھے کہ بغاوت پر آمادہ ہوگئے۔

عادل شاہ کا دوبارہ بیجانگر میں آنا

گیسپر کوریا نے بھی اِس زمانے کے حالات لکھے ہیں اُن میں سے بقدرِ تعلّق نقل کیا جاتا ہے۔ لیکن اُس نے غلطی سے ۱۵۳۵ء و ۱۵۳۶ء کے واقعات کو یہاں بیان کر دیا ہے جن کا ذکر ہم اپنے اپنے مقامِ مناسب پر کر آئے ہیں کیونکہ اُس نے عادل شاہ کے بیجانگر آنے کا حال لکھا ہے لیکن یہ جب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ عادل شاہ کا بیجانگر میں دوبارہ آنا ثابت ہو لیکن عادل شاہ تو ایک ہی مرتبہ ۱۵۳۵ء و ۱۵۳۶ء میں بیجانگر آیا تھا

[1] تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ "رام راج نے سیورائے کی پوتی سے شادی کی تھی جس کی وجہ سے اُس کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا" اگر یہ بات صحیح ہو تو سیورائے کا دوسرا نام نرسا اوّل ہونا چاہیئے۔ فرشتہ راوی ہے کہ "سیورائے کے مرنے کے بعد اُس کا نابالغ بیٹا جانشین ہوا لیکن وہ چند روز میں مرگیا اُس کے بعد اُس کا چھوٹا بھائی تخت پر بیٹھا"۔ یہ دونوں بھائی نرسا دوم (جس کا دوسرا نام ویر نرسہواں تھا) اور کشن دیو رائے ہوں گے۔ رام راج چوں کہ کشن رائے کا داماد تھا سب لوگ اُسے "آلیا" کہتے تھے جس کے معنی کنڑی زبان میں داماد کے ہیں اور اِسی نام سے وہ زیادہ مشہور تھا۔ جیسا کہ مسلمانوں میں داماد کو اکثر نواب دولھا یا دولھا میاں کہا کرتے ہیں ۱۲۔

نہ کہ ۱۵۴۲ء میں۔ اِس سے سال کی صریح غلطی اِن دقائع میں ظاہر ہوتی ہے کیوں کہ عادل شاہ کے بیجانگر آنے کے سال میں نیونز اور فرشتہ دونوں متفق ہیں اور اُس زمانے میں راجہ اچتیا زندہ تھا۔ کوریا نے لکھا ہے کہ "۱۵۴۲ء میں اچتیا راجۂ بیجانگر نے ایک کم سن لڑکا چھوڑ کر انتقال کیا جو راجۂ متوفی کے بھائی کی زیرِ نگرانی تھا اور اِس لڑکے کا چچا خلاف استحقاق راجہ بن گیا۔ اُمرا کی خواہش یہ تھی کہ لڑکا ہی تخت پر بیٹھے اور دو وزیر سلطنت کا کام چلائیں لیکن لڑکے کے چچا نے اِس سے اتفاق نہ کیا کیونکہ وہ اِس انتظام سے مسلوب الاختیار ہو جاتا تھا اِس لیے اُس نے کوشش کر کے کچھ لوگوں کو اپنی طرف ملا لیا۔ اُمرا نے جب دیکھا کہ یہاں کوئی کسی کی سُنتا نہیں ہر شخص اپنی روٹی پر دال کھینچتا ہے تو وہ بے زار ہو کر اپنے اپنے علاقوں پر چلے گئے اور جو جہاں تھا وہیں خود مختار بن بیٹھا۔ کم سن لڑکے کی ماں نے جب یہ طوائف الملوکی دیکھی اُس نے عادل شاہ سے مدد چاہی تاکہ اُس کے دباؤ سے ہی لڑکے کو سلطنت مل جائے اور اِس کے معاوضے میں بادشاہ کو زرِ خطیر دینے کا وعدہ کر لیا۔ بادشاہ اِسی ارادے سے بیجانگر گیا تھا لیکن رستے میں اُسے وزیر کے بھیجے ہوئے جاسوس ملے جنھوں نے بادشاہ کو بے بہا تحائف پیش کر کے ہموار کر لیا۔ اِس کے بعد رنگا نے جو قلعے میں قید تھا اور مستحق ریاست تھا مخلصی پائی اور اُس نے بھی بادشاہ بیجاپور کی مدد چاہی۔ بادشاہ کو یہ اچھا بہانہ ملا ظاہر اتو وہ اپنے آنے کی اصلی وجہ راجہ کی امداد بتلاتا تھا مگر درحقیقت وہ خود اِس سلطنت پر دانت لگائے ہوئے تھا۔ جب ہندوؤں کو اپنی خیر نہیں معلوم ہوئی تو اُنھوں نے متوفی راجہ کے بھائی رنگا کو تخت پر بٹھا دیا اور اِس طرح سے عادل شاہ کے بیجانگر آنے کی روک تھام کی۔ رنگا نے اِس غرض سے کہ اُس کے لیے میدان صاف ہو جائے اور کوئی دعوے دار باقی نہ رہے اچتیا کے لڑکے وِنکٹ اور اُس کے دونوں چچاؤں اور اچتیا کے بھتیجے کو مروا ڈالا۔ لیکن پھر بھی راجہ کو بڑے بڑے

---

[1] دیکھو شجرہ لڑکے کا نام وِنکٹ تھا اور اُس کے چچا کا نام رنگا ۱۲

[2] کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ یہ کن لوگوں کا ذکر ہے۔ لڑکے وِنکٹ کے چچا یا تو رنگا کے بھائی ہوں گے (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۷)

اُمرا کا خوف باقی رہا ایسا نہ ہو کہ وہ مخالفت کریں اِس لیئے اُن کو اپنے دربار میں بُلوایا اور جو پہلے آئے اُن کی آنکھیں نکلوا ڈالیں جو بچ رہے وہ غیظ و غضب میں واپس چلے گئے اور بادشاہِ بیجاپور سے ریشہ دوانی کرنے لگے اور عرض کیا کہ آپ اگر اِس ظالم کو تخت پر سے اُتار دیں گے تو ہم سب آپ کی مدد کو حاضر ہیں اور اگر کسی طرح اِس مُلک کو اُس کے پنجے سے نجات ملے تو ہم اِس پر بھی راضی ہیں کہ آپ ہی اِس مُلک پر قبضہ کریں۔ اِن لوگوں کی خواہش کے موافق عادل شاہ بیجانگر پر پہنچ گیا اور اکثروں نے اُس کو بادشاہ تسلیم کیا لیکن اُس نے بھی ایسے مظالم شروع کیئے اور ایسی سخت گیری کی کہ سب لوگ اُس سے بریز بریز پکارنے لگے نوبت بہ ایں جا رسید کہ سب اُس کے دشمن ہو گئے تو بادشاہ کو اپنی خیر نہ دکھائی دی گھبرا کر جان بچا کر بیجاپور بھاگ گیا اِسی زمانے میں تختِ بیجانگر پر ایک نیا راجہ قابض ہو گیا جو پالی کٹ کا حاکم تھا اور جس نے متوفّی راجہ سے پہلے راجہ کی بہن[۵۱] سے شادی کی تھی اور آخرکار وہی سلطنت[۵۲] پر قابض ہو گیا۔ کوریا نے جو کچھ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۶) یا اچیتا کی بیوہ رانی کے بھائی (ماموں) ہوں گے۔ اچیتا کے بھتیجے کا جو ذکر لکھا ہے وہ سدا سیو تو ہو نہیں سکتا کیوں کہ وہ مارا نہیں گیا بلکہ زندہ رہا۔ ممکن ہے کہ جو شخص مارا گیا وہ رانی کا بھتیجا ہو۔ کم سن راجہ کے قتل سے فرشتہ کی اُس روایت کی طرف خیال دوڑتا ہے کہ جس میں لکھا ہے کہ بھوج ترمل نے کم سن راجہ کو مار ڈالا تھا ۱۲

(نوٹ صفحہ ہذا) [۵۱] یہ کشن دیو راے کی بہن ہو گی اور راجہ سے رام راج مراد ہے کیوں کہ اُس نے کشن دیو راے کی بیٹی سے شادی کی تھی نہ کہ اُس کی بہن سے ۱۲

[۵۲] سیزر فریڈرک نے لکھا ہے کہ رام راج اور اُس کے دو بھائی جن میں سے ترمل وزیر تھا اور وٹھل ادری سپہ سالارِ فوج اِن دونوں نے اصلی راجاؤں کو زوالِ سلطنت ۱۵۶۵ء سے تیس سال پیشتر ہی قید کر رکھا تھا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس میں اچیتا کی سلطنت کا زمانہ بھی آجاتا ہے جس سے نیونز کے بیان سے اختلاف ہو جاے گا جس نے لکھا ہے کہ راجہ اچیتا قید نہ تھا بلکہ آزاد تھا البتہ اپنے دونوں نسبتی برادروں کے وسیع اقتدارات کے سبب سے اِن کے قبضۂ قدرت میں تھا۔ یہ دونوں رام راج اور ترمل راج تھے جنھوں نے کشن دیو راے کی دونوں بیٹیوں سے شادی کی تھی لیکن اچیتا سے اِن دونوں کا رشتہ سالے بہنوئی کا نہ تھا بلکہ داماد اور چچیا سسرے کا تھا ۱۲۔

حالات لکھے ہیں اُس کی نسبت سن ہارٹوپس نے ٹھیک لکھا ہی کہ ان سے کوئی صحیح حالات معلوم نہیں ہوتے اِس لیئے مناسب یہ ہی کہ اِس بیان کو چھوڑ کر سدا سیو کی سلطنت کے زمانے کے حالات لکھے جائیں جو ۱۵۴۲ء سے ۱۵۶۷ء تک حکم راں رہا۔ اِس میں شک نہیں کہ وقائع نگاروں نے جو کچھ لکھا ہی وہ سُنے سُنائے حالات جیسے اُن کے کانوں تک پونہچے لکھے ہیں اور اسی وجہ سے اِن میں غلطیاں ہوگئی ہیں۔

بیجاپور معرضِ خطر میں

۱۵۴۳ء میں برہان نظام شاہ نے رام راج اور جمشید قلی قطب شاہ بادشاہ گول کنڈہ سے اتحاد کر کے ابراہیم عادل شاہ پر حملہ کیا۔ ابراہیم عادل شاہ کا اِس مُصیبت میں گھرنا تھا کہ رام راج کو اچھا موقع ملا اُس نے اپنے بھائی وینکٹادری کو رایچور مُلک دوآبہ پر چڑھائی کے لیئے بھیج دیا۔ بادشاہ بیجاپور پر وقتِ واحد میں تین طاقت ور بادشاہوں نے تین مختلف مقامات سے یورش کر دی۔

اسدخاں نے بیجاپور کو بچالیا

عادل شاہ گھبرا گیا اور اسدخاں کو جو اُن کا آبائی معتمد تھا بلگاؤں سے بُلا بھیجا اور اُس سے اس اہم و سترگ معاملے میں راے لی۔ اسدخاں نے عرض کیا کہ ہمارا اصل دشمن تو برہان نظام شاہ ہی اُسی نے اِن سب کو بھڑکایا ہی پہلے اُسی کا انتظام کرنا چاہیئے پھر دوسروں سے بُھگت لینا تو آسان ہی۔ نظام شاہ کے ہموار کرنے کا آسان نسخہ یہ ہی کہ جس مُلک پر نزاع ہی وہ کچھ زیادہ نہیں ہی اُسے دے کر صلح کر لینی چاہیئے۔ رام راج بھی ایک بڑا راجہ ہی اُس کو خوشامد درآمد تحفے تحائف بھیج کر منا لینا کچھ مشکل نہیں ہی کہ رام راج کو اپنے مُلک کی خانہ جنگیوں سے اِتنی فرصت نہیں ہی کہ وہ ہمہ تن اِدھر ہی کا ہو رہے اِن دونوں کو سنبھال لینے کے بعد پھر اکیلا جمشید قلی خاں رہ جاتا ہی اُس سے مَیں سمجھ لوں گا۔ بادشاہ کو اسدخاں کی راے بہت پسند آئی۔ برہان نظام شاہ کو شولاپور اور اُس کے اطراف کا زرخیز مُلک دے کر ٹالا اور رام راج کے پاس بیجانگر میں ایلچی بھیج کر صلح کر لی۔

جمشید قلی قطب شاہ سے اسدخاں لاری کی لڑائیاں

پھر جمشید قلی قطب شاہ سے لڑائی ہمنی اسدخاں لاری نے پہلے قلعے کاکنی کا محاصرہ کیا اور فتح کرنے کے بعد قلعے کا نام و نشان صفحۂ دُنیا سے مٹا دیا بادشاہ نے دیکھا کہ معاملہ بے طور ہے مملکتِ تلنگانہ کی طرف بھاگا۔ اسدخاں نے تعاقب کیا اور دو دفعہ قطب شاہیوں کی فوج کو شکست دے کر قلعۂ گول کنڈہ کے پاس پہنچ گیا۔ جب قلی قطب شاہ نے دیکھا کہ یہ تو کسی طرح پیچھا ہی نہیں چھوڑتا ناچار وہ بھی آمادۂ جنگ ہو گیا اور دونوں میں بڑی سخت لڑائی ہوئی لیکن شکست لشکر تلنگ ہی کی ہوئی۔

سعادت بہ بخشایشِ داور ست		نہ در جنگ و بازوے زور آور ست	
کلیدِ ظفر چوں نیفتد بدست		بہ بازو درِ فتح نتواں شکست	

کہتے ہیں کہ جس دن جمشید قلی قطب شاہ اور اسدخاں لاری کا مُقابلہ ہوا تو دونوں میں سے کسی نے ایک دوسرے کو نہ پہچانا کہ ہمارے مقابل میں کون ہے۔ قضا را اسدخاں کی ایک تلوار[1] بادشاہ کے چہرے پر ایسی پڑی کہ تو بہ قبول نہ ہوئی اور عمر بھر اس زخم کی وجہ سے چہرے کی سخت بدنمائی کے علاوہ کھانے پینے کی سخت تکلیف رہی۔ الغرض اسدخاں لاری نے معرکہ جیت لیا اور مظفر و منصور بیجاپور واپس آیا۔

پرتگالیوں کی رانی بھٹکل سے لڑائی

اِسی زمانے میں ڈی سوزا گورنر پرتگال نے خوب شورش کی اور چھوٹی بڑی کئی مہمیں سر کیں اُن میں سے ایک بھٹکل کی رانی کے مقابلے میں تھی حیلہ یہ نکالا گیا کہ اُس نے بادشاہِ پرتگال کا خراج روک رکھا تھا۔ پرتگالیوں نے اُس کے ملک کو آتش زنی اور تلوار سے برباد کر دیا شہرِ بھٹکل کو پھونک دیا بے شمار ہندو مارے گئے ناچار رانی نے اطاعت قبول کر لی۔

برہان نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ کی لڑائی

۱۵۴۴ء میں (اس سنہ کی صحت میں شک ہے) برہان نظام شاہ نے رام راج کے اغوا سے پھر ابراہیم عادل شاہ پر چڑھائی کی لیکن بالکل

[1] یہ تو فرشتہ نے لکھا ہے لیکن مورخ خاندانِ قطب شاہیہ سلاطین گول کنڈہ نے اسی واقعے کو جمشید سے پہلے بادشاہ قلی قطب شاہ کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲

شکست پائی۔ ابراہیم عادل شاہ اِس فتح یابی سے پھُول گیا اور اُس کے مزاج میں غرور پیدا ہوگیا وہ برہان نظام شاہ کے ایلچیوں سے حقارت سے پیش آیا اور اپنی رعایا سے بھی ظالمانہ سلوک کرنے لگا چھوٹی چھوٹی خطاؤں پر بڑے بڑے امرار کو سخت سے سخت سزا دیتا تھا بلکہ بہتوں کو مروا بھی ڈالا اِس سے ایک عام بددلی مُلک میں پھیل گئی۔

شاہزادہ عبداللہ کی بغاوت اور پرتگالیوں کی حمایت

برہان نظام شاہ کے دوسرے حملے کے وقت ایک گہری سازش اِس بات کی کی گئی تھی کہ ابراہیم شاہ کو معزول کرکر اُس کے بھائی عبداللہ کو تخت پر بٹھایا جاے جب یہ راز فاش ہوگیا تو عبداللہ اپنی جان بچاکر گوا بھاگ گیا وہاں اُس کی آؤ بھگت خاطر داری سے کی گئی۔ لیکن ابراہیم عادل شاہ نے ڈی سوزا سے کہلا بھیجا کہ اگر تم عبداللہ کو کسی ایسے مقام پر بھجوا دو جہاں سے وہ سلطنتِ بیجاپور کے امن میں خلل نہ ڈال سکے تو ہم تم کو کچھ تھوڑا سا حصّہ ملک کا دے دیں گے ڈی سوزا نے یہ بات منظور کرلی اور اُس کے صلے میں جزائر سالسٹ اور بارڈس پرتگالیوں کو مل گئے۔ علاوہ اِس کے اسدخاں کا جمع کیا ہوا بے شمار خزانہ جو بلگاؤں میں تھا گورنر مذکور کو بطور ذاتی تحفے کے دیا گیا۔ گورنر گوا سب خزانہ ڈکار گیا تب عبداللہ کو چند روز کے لیئے کنانور تک لے گیا لیکن پھر اُس کو گوا واپس لے آیا جب دوسرے برس ڈی کاسٹر گورنر مقرر ہوا تو اُس نے عبداللہ کے تحویل کرنے سے صاف انکار کردیا۔

ابراہیم عادل شاہ اور گورنر گوا کا صلح نامہ سنہ ۱۵۴۶ء

اِس چال بازی سے بادشاہِ بیجاپور کو ایک بڑی مشکل پڑگئی چنانچہ فروری سنہ ۱۵۴۶ء میں ابراہیم عادل شاہ نے پرتگالیوں سے ایک صلح نامہ کیا کہ جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دکن یا علاقۂ نظام شاہ یا سلطنتِ بیجانگر کا کوئی شخص عبداللہ یا اُس کے خاندان سے اُس وقت تک کوئی معاملت یا تعلق نہ رکھے جب تک کہ ہمارا ایلچی جو ہم بادشاہِ پرتگال کے پاس بھیجنے والے ہیں کچھ جواب لے کر واپس نہ آے۔ اِس کے علاوہ

اور دوسری شرائط بھی تھیں لیکن ان پر پرتگالیوں نے کچھ بھی عمل نہ کیا تب بادشاہ نے ۱۵۲۷ء میں صوبے جاتِ سالسٹ اور بارڈس پر فوج بھیج دی لیکن پرتگالیوں نے اُن کو شکست دے کر بھگا دیا۔

پرتگالیوں کا راجۂ بیجانگر اور برہان نظام شاہ سے صلح نامہ

ڈی کاسٹرو نے ۱۹ دسمبر ۱۵۴۷ء کو راجۂ بیجانگر سے اور اُسی سال ۶ اکتوبر کو برہان نظام شاہ بادشاہِ احمد نگر سے صلح[1] نامہ کر لیا۔ اِس معاہدے سے راجۂ بیجانگر نے گوآ کے گھوڑوں کی تجارت کا اجارہ لے لیا اور نظام شاہ اور پرتگالیوں

---

[1] اس صلح نامے کے شرائط بہت دلچسپ ہیں جن سے اِس ملک کے تجارتی تعلقات جو پرتگالیوں کے دو بڑی اہم سرحد سلطنتوں سے تھے ظاہر ہوتے ہیں یہ صلح نامہ گوآ کے گورنر ڈی کاسٹرو اور راجۂ سداسیو کے درمیان ہوا ہے

(الف) ہمارے جو دوست ہیں وہ تمھارے دوست اور تمھارے جو دشمن ہیں وہ ہمارے دشمن۔ جب کبھی ہندوستان بھر میں کسی بادشاہ یا حاکم سے مُقابلے کی ضرورت پڑے تو (بہ استثنائے نظام شاہ) تم ہم کو اور ہم تم کو مدد دیں۔

(ب) بندرِ گوآ میں جتنے گھوڑے عرب یا فارس سے اُتریں گورنرِ گوآ کا فرض ہوگا کہ راجۂ بیجانگر کو مناسب وقفے سے اطلاع دے کر ادائے قیمت پر خریدوا دے ہرگز کوئی گھوڑا سلطنت بیجاپور کو نہ بھیجا جائے۔

(ج) راجۂ بیجانگر اپنے ملک کے تمام سوداگروں کو اس امر پر مجبور کرے گا کہ وہ تمام سوداگری کا مال اُنھیں بندرگاہوں سے روانہ کیا کریں جو پرتگالیوں کے قبضے میں ہیں کوئی تاجر مجاز نہ ہوگا کہ سامانِ تجارت کسی بندرِ مقبوضۂ سلطنت بیجاپور سے چڑھائے۔

(د) راجۂ بیجانگر سلطنت بیجاپور کے کسی بندر سے شورہ اور لوہا اپنی سلطنت میں درآمد ہونے کی قطعی ممانعت کرے گا اور اپنے تاجروں کو مجبور کرے گا کہ وہ اشیائے مذکورہ پرتگالیوں کے کارخانے سے لیں۔

(ھ) پارچہ جات۔ تانبہ۔ ٹین۔ چینا سلک وغیرہ کی بابت بھی حسبِ فقرۂ بالا عمل ہوگا۔

(ز) راجۂ بیجانگر اپنے بندرگاہوں میں مسلمانوں کا کوئی جہاز یا بیڑا آنے نہ دے گا اور اگر اتفاقاً کوئی آجائے تو اُس کو گرفتار کر کے گوا بھیج دیا جائے۔ ہم دونوں کا اقرار ہے کہ عادل شاہ سے لڑائی کریں گے اور تمام ملک جو فتح ہوگا وہ شریکِ سلطنتِ بیجانگر رہے گا۔ بہ استثنائے اُن مقامات کے جو گھاٹوں کے مغرب میں ہیں اور شمال میں بانڈے سے لے کر جنوب میں سنتا کورا تک یہ ملک بادشاہ پرتگال کے علاقے میں

کے درمیان دوستی اور اتحاد قائم ہوگیا اِس طرح سلطنتِ بیجاپور کے مقابلے کے لیئے یہ اتحادِ ثلاثہ قائم ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد دوبارہ افواج بیجاپور نے مقاماتِ برّی کو آپر حملہ کیا اور اس میں عادل شاہ کا ایک بڑا سردار مارا گیا ۱۵۴۸ء میں دیسرائے نے بیجاپور اور رانی بھٹکل سے ایک معقول تصفیہ کرلیا۔ پرتگالی مورخین نے لکھا ہے کہ ڈی سوزا اور اسدخاں دونوں عبداللہ سے ملے ہوئے تھے اور اسدخاں نے اقرار کرلیا تھا کہ اگر ابراہیم شاہ کو شکست ہوجائے تو کوکن کا تمام مُلک پرتگالیوں کو دے دیا جائے گا لیکن دیسرائے نے اپنی نیت ڈانواڈول کی اور اس بات پر قائم نہ رہا۔ اِسی عرصے میں اسدخاں کے انتقال سے تمام سازش کا بازار سرد پڑگیا۔ تاریخ فرشتہ میں اسدخاں کے حالات اِس سے بالکل مختلف لکھے ہیں اور واقعات کی تاریخیں بھی اِس کے مطابق نہیں ہیں اُس نے لکھا ہے کہ "اسدخاں کو اپنے بادشاہ کے تغافل اور سرد مہری اور بدگمانی کا سخت رنج تھا لیکن پھر بھی وہ بالذّات ہر کام خیرخواہی اور جاں نثاری سے کرتا تھا اُس نے بہت کوشش کی کہ یہ سازش دَب جائے۔ پرتگالیوں کی نسبت لکھا ہے کہ اُنھوں نے عبداللہ کی حمایت نہیں لی بلکہ فی الحقیقت گورنر گوا اور نظام شاہ دونوں مل کر عبداللہ کو بیجاپور کی طرف لے چلے۔ یہاں تک کہ بلگاؤں کے قریب قریب پہنچ گئے لیکن جب اچھی طرح یہ معلوم ہوگیا کہ اسدخاں کو اُدھر سے توڑ لینا ناممکن ہے اور رامراے بیجاپور اپنے بادشاہ سے پھر مل گئے ہیں تو یہ اتحادِ ثلاثہ ٹوٹ گیا"۔

اسدخاں کی وفات ۱۵۴۹ء

ابراہیم عادل شاہ محرم ۹۵۶ھ مطابق فروری ۱۵۴۹ء میں بلگاؤں کو روانہ ہوا لیکن رستے میں اُسے معلوم ہوا کہ اسدخاں مرگیا۔ بلگاؤں کے پہنچنے کے بعد کے جو حالات فرشتہ نے لکھے ہیں وہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں اِس وجہ سے کہ اُن میں لکھا ہے کہ بادشاہ جب بلگاؤں پہنچا تو اُس نے اسدخاں کے خاندان کے ساتھ بہت ہمدردی کی اور تسلی دی لیکن اُس کے تمام علاقے اور خزانے خود لے لیئے یہ امر کچھ قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ یہ خزانہ ایسے شخص کا جمع کیا ہوا تھا جو فرشتہ

ہی کی روایت کے موافق اپنی تمام زندگی بھر اپنے بادشاہ کا وفادار رہا بڑا بہادر اور دلیر اور اپنے مالک کا جاں نثار تھا جس کو اُس نے اپنی جان پر کھیل کر بڑی بڑی مہموں میں بال بال بچایا تو کیسے ممکن ہی کہ بادشاہ نے اُس کی جاگیرات اور خزانے چھین لیئے ہوں مسٹر ڈینوَرس جو اسدخاں کی دغابازی کے مُدعی ہیں لکھتے ہیں "اسدخاں ایک اصول باغی شخص تھا۔ جزائر سالسٹ اور بارڈس کے علاوہ عادل شاہ نے اسدخاں کا سارا بھرا پُرا خزانہ جو اُس نے بغاوت اور بلوہ کرنے کے لیئے جمع کیا تھا اور ایک کروڑ دیوکٹ (ایک طلائی سکّہ ہی جس کی قیمت بالعموم سات روپے ہوتی ہی) ڈی سوزا ویسرائے کو دے دیا لیکن اُس میں سے ویسرائے کے ہاتھ دس لاکھ دیوکٹ ہی لگے باقی درمیانی لوگوں نے ہضم کیا۔ بعض لوگوں کا بیان ہی کہ ویسرائے کو جو خزانہ ملا تھا اُس میں سے نصف اُس نے خود لیا اور بقیہ نصف پرتگال بھیج دیا اور دوسری روایت یہ ہی کہ ویسرائے نے بہت سی رقم تو رفاہِ عام کے کاموں میں لگا دی اور باقی بادشاہِ پرتگال کو بھیج دی"۔ اِس سے معلوم ہوگا کہ دونوں بیانات میں آسمان زمین کا فرق ہی اِس زمانے میں ابراہیم قطب شاہ جو جمشید کا چھوٹا بھائی اور گول کنڈہ کا ولی عہد تھا جمشید کی مطلق العنانی اور سخت مزاجی سے بے زار ہو کر بیجاپور میں جا کر پناہ گزیں ہوا۔

بیجانگر میں ڈیول کی لڑائی

فرشتہ کی ایک روایت یہاں بیان کرنے کے قابل ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس زمانے میں بھی ڈیول لڑنے کا رواج تھا چنانچہ نیونزنے بھی لکھا ہی کہ کثرت سے لوگ ڈیول لڑتے تھے اور اِس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ راجۂ بیجانگر آمدنیِ ملک کے سیاہ و سفید کا بالکل

لہ دو آدمیوں کی باہمی لڑائی کو ڈیول کہتے ہیں۔ یہ لڑائی دو شخصوں میں کسی بات کے تصفیہ کے لیئے ہوا کرتی ہی مثلاً کسی بات پر جھگڑا ہوا اور دونوں فریقوں نے یہ شرط کرلی کہ ہم تم ڈیول لڑکر امرِ متنازعہ فیہ کا فیصلہ کریں گے تب دونوں شخص چند پنچوں کی موجودگی میں تنہا تنہا یا تلوار سے لڑتے ہیں دونوں اپنا اپنا وار وقتِ واحد میں کرتے ہیں جو غالب ہے یا جاں ہوجائے وہ گویا جیت میں رہتا ہی یورپ میں ڈیول کا بہت رواج ہی لیکن اب رفتہ رفتہ کم ہوتا جاتا ہی ۱۲

مالک ومختار تھا اور جس طرح چاہتا تھا صرف کر سکتا تھا۔ شہزادۂ ابراہیم کے لیئے کوئی صورت ناخن بندی کی نکالنے کی غرض سے رام راج نے عنبر خاں نامی ایک حبشی سردار کو موقوف کرکے شہر بدر کر دیا اور شہزادے ابراہیم کو اُس کی جگہ مامور کر دیا۔ عنبر خاں اپنی معزولی اور ضبطیِ جاگیرات سے بھڑکا ہوا تو تھا ہی اتفاقاً ایک دن بیجانگر کے بازار میں ابراہیم قطب شاہ اُسے مل گیا عنبر خاں نے ایک دم اُس سے کج بحثی شروع کی اور الزام دیا کہ تم ہی میری تباہی کا باعث ہوئے۔ ہوع ای بادِ صبا این ہمہ آوردۂ تست۔ ابراہیم نے کہا کہ میرا اس میں کیا دخل ہے راجہ اپنی سلطنت کا مالک ومختار ہے جس کو چاہے سرفراز کرے اور جس کو چاہے معزول۔ اور راجہ ہی نے مجھے خود سرفراز فرما کر جاگیریں عطا کی ہیں یہ کہہ کر ابراہیم جانے لگا لیکن حبشی سردار نے کہا کہ تُو بڑا بزدل ہے مجھ سے اِس بات کا فیصلہ تلوار سے کیوں نہیں کر لیتا۔ ابراہیم نے کہا کہ ایسی بیہودہ باتوں سے کیا فائدہ؟ جوں جوں ابراہیم نرمی سے باتیں کرتا حبشی کا غصہ بڑھتا جاتا تھا نوبت بایں جا رسید کہ ابراہیم کو سخت سُست اور کھلم کھلا مغلظ گالیاں دینے لگا۔ جب شاہزادے نے دیکھا کہ یہ خواہ مخواہ سر ہوئے جاتا ہے کسی طرح مانتا ہی نہیں تب وہ اپنے گھوڑے پر سے اُتر پڑا اور دونوں کی مُٹ بھیڑ ہوئی شاہزادے نے حبشی کو سربازار قتل کر ڈالا۔ حبشی کا بھائی بھی وہیں موجود تھا اُس نے جب دیکھا کہ بھائی کا کام تمام ہوا تو خون کے جوش میں اپنے بھائی کی حمایت پر تُلا۔ شاہزادے نے اُس کو بھی تحت الثریٰ کو پہنچایا۔ ابراہیم قطب شاہ ۹۵۷ھ مطابق ۱۵۵۰ء کو گول کنڈہ کے تخت پر بیٹھا۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ اس سے ایک سال پیشتر ابراہیم عادل شاہ بادشاہ بیجاپور اور امیر برید کے بیٹے علی برید بادشاہ بیدر کے درمیان مصالحت ہو گئی تھی۔

نظام شاہ بحری اور رام راج کی متفقہ لڑائیاں ابراہیم عادل شاہ سے ۱۵۵۱ء

نظام شاہ نے اِس زمانے میں رام راج کے پاس کچھ تحائف بھجوائے تھے ابراہیم عادل شاہ نے جب یہ خبر سُنی تو برافروختہ ہو کر بیجاپور میں جو ایلچی بیجانگر کے تھے اُن کی ایسی تذلیل کی کہ وہ جان بچا کر بھاگے۔ رام راج کو اِس طرز

عمل پر سخت غصہ آیا اُس نے نظام شاہ کو بھڑکایا کہ وہ ابراہیم عادل شاہ پر چڑھائی کردے اُس نے ایسا ہی کیا اور کلیانی کے قلعے پر قبضہ کرلیا۔ بادشاہِ بیجاپور نے اس کے بدلے میں احمد نگر کے علاقے میں قلعۂ پرینڈہ دابے[1] لیا۔ رام راج اور برہان نظام شاہ دونوں ایک ہو گئے دونوں ۱۵۵۱ء میں رائچور کے قریب ملے اور رائچور کا محاصرہ کرکے فتح کرلیا اور مُدگل بھی فتح ہوگیا اس طرح تمام ملکِ دوآبہ پھر ایک مرتبہ ہندوؤں کے قبضے میں آگیا۔ اِس کے بعد رام راج تو اپنے مُلک کو واپس چلا گیا اور اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ ایک بڑا لشکر برہان نظام شاہ بحری کی امداد کو دیا اور دونوں نے مل کر قلعۂ شولاپور پر بڑا بھاری حملہ کیا اور فتح کرلیا۔ ایک مُسلمان مورّخ نے لکھا ہے کہ اُنھیں دنوں میں رام راج کے دونوں بھائیوں نے جب دیکھا کہ رام راج تو دارالسلطنت میں نہیں ہے بغاوت کی اور قلعۂ ادھونی پر قبضہ کرلیا۔ رام راج ابراہیم قطب شاہ کی مدد سے ادھونی کا چھ مہینے تک محاصرہ کیئے پڑا رہا اور آخرکار فتح کرلیا اور دونوں بھائیوں کی عُذر معذرت پر اُن کو معاف بھی کردیا ۱۵۵۳ء میں برہان نظام شاہ بحری نے

---

[1] ضلع عثمان آباد عرف نلدرگ میں ایک مشہور اور مضبوط قلعہ ہے جس کی تہری فصیل ہے اور ہر فصیل کے بیچ میں خندق ہے اور ہر فصیل میں تین بڑے بڑے مستحکم دروازے ہیں۔ قلعے کے اندر ایک مسجد ہے جو دیول توڑ کر بنائی گئی ہے ۱۲

[2] ۹۶۱ھ میں رام راج اور برہان نظام شاہ بحری دونوں نے بیجاپور پر چڑھائی کی ابراہیم عادل شاہ تاب مقاومت نہ لاکر بُناله بھاگ گیا اور قریب تھا کہ قلعۂ بیجاپور فتح ہوجاے کہ ناگاہ برہان نظام شاہ بیمار ہوکر احمد نگر چلا گیا اور وہیں انتقال کیا اور احمد نظام شاہ کے پہلو میں باغ روضہ میں مدفون ہوا۔ چند روز کے بعد دونوں بادشاہوں کے تابوت کربلاے معلّٰے کو لے گئے اور بیرون گنبد خاص اہل عبا ایک گز کے فاصلے سے مدفون ہیں۔ اسی سال سلطان محمود گجراتی و سلیم شاہ بادشاہ دہلی نے بھی انتقال کیا فرشتہ کے والد غلام علی نے اِن سب کی تاریخ ذیل کہی ہے۔

سہ خسرو ما زوال آمد بیک بار — کہ ہند از عدلِ شاں دارالاماں بود

انتقال کیا اور حسین نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ دونوں مسلمان بادشاہوں میں اتحاد ہوگیا لیکن حسد اور سازش کا بازار گرم تھا یہ اتحاد تھوڑے ہی دنوں بعد ٹوٹ گیا۔ ابراہیم عادل شاہ نے قلعۂ شولاپور پر قبضہ کرنے کے لیئے راے بیجانگر سے صلح کرلی جس کی وجہ سے پھر ناچاقی ہوگئی اور شولاپور میں ایک جنگ ہوئی جس میں ابراہیم عادل شاہ نے شکست پائی لیکن سب سے بڑا نقصان ابراہیم عادل شاہ کو عین الملک کی بغاوت سے پہونچا جو ایک بڑا سردار تھا اور بادشاہ کی ناقدردانی اور بدسلوکی سے عاجز آکر اُس نے کھلم کھلا بغاوت کردی تھی۔ جس کی مختصر کیفیت تاریخ فرشتہ میں یوں لکھی ہے کہ "سیف عین الملک بڑا خیرخواہ عادل شاہی سلطنت کا تھا اُس کی بہت سی جاگیریں تھیں اور اسد خاں لاری کی جگہ مقرر ہوا تھا اِس کا پورا خطاب "سیف الدولہ القاہرہ عضد السلطنۃ الباہرہ امیر الاُمرا سیف عین الملک" تھا۔ ۹۵۹ھ میں قلعۂ رایچور و مُدگل تو راے بیجانگر نے لے لیا اور شولاپور برہان نظام شاہ دبا بیٹھا تھا اِس کے چھُڑانے کے لیئے ابراہیم عادل شاہ سے اور حسین نظام شاہ سے ایک سخت لڑائی شولاپور پر ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے۔

ابراہیم عادل شاہ اور حسین نظام شاہ کی لڑائی شولاپور پر

حسین نظام شاہ بحری نے لشکر خاصہ اور ہاتھی جس کا نام مست تھا لے کر عین الملک پر حملہ کیا اِس وقت بہت سے لوگ طرفین کے مارے گئے اور قریب تھا کہ نظام شاہ کی فوج پس پا ہو کہ ناگاہ بعض اُمراے نظام شاہی مانند رستم خاں دکنی وجہاں گیر خاں حبشی و غضنفر خاں شیرازی کے جو میسرۂ ابراہیم عادل شاہ سے جنگ کرکے شکست پاچکے تھے اُنھوں نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۵)

یکے محمود شہنشاہِ گجرات			کہ ہمچوں دولتِ خود نوجواں بود
دوم اسلیم شہ سُلطانِ دہلی			کہ در ہندوستاں صاحبقراں بود
سوم آمد نظام آں شاہِ بحری			کہ در ملکِ دکن خسرو نشاں بود
زمن تاریخ فوت ایں ہر سہ خُسرو			چو می پرسی زوالِ خسرواں بود ۱۲

جب نظام شاہ کا جھنڈا اپنی مقررہ جگہ پر نہ دیکھا تو گھبرا کر اپنے بادشاہ کی مدد کو آن پہنچے
عین الملک نے دیکھا کہ نظام شاہی فوج تو آگئی مگر ہماری طرف سے کسی نے خبر بھی نہ
لی اب ضرور شکست ہوجاے گی۔ عین الملک اپنی عادت کے موافق گھوڑے پر سے
اُتر پڑا اور میدانِ جنگ میں پاپیادہ کھڑا ہوگیا۔ اُس کی عادت تھی کہ جب دیکھتا تھا
کہ اب خیر نہیں ہی تو فوراً گھوڑے سے اُتر کر پاپیادہ ہوجاتا تھا کہ لوگ سمجھ جائیں کہ
معاملہ نازک ہی اب یا جان جاے یا فتح ہو۔ ایک کوتاہ نظر نے جاکر بادشاہ سے آگ
لگادی کہ ہم نے دیکھا کہ عین معرکۂ جنگ میں عین الملک گھوڑے پر سے اُتر پڑا اور
حسین نظام شاہ کو جو اُس کا قدیم دوست ہی سلام کیا اور اُس سے پان کا بیڑا لیا
اِس غرض سے کہ آپ کو پکڑ کے اُس کے حوالے کردے۔ ابراہیم عادل شاہ نے بتحقیقات
کی نہ دریافت کیا یہ سُنتے ہی گھبرا کر بیجاپور بھاگ گیا۔ عین الملک لڑائی میں مصروف تھا اور
قریب تھا کہ فتح کرلے اتنے میں بادشاہ کے یکایک چلے جانے کی خبر مشہور ہوئی مجبوراً
عین الملک نے بھی لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ عین الملک کے بھانجے صلابت خاں کو
اِس جنگ میں کئی سخت زخم لگے تھے جس کی وجہ سے وہ گھوڑے پر سے گر پڑا تھا
اُس کی مرہم پٹی کرکے عین الملک ویسے ہی بادشاہ کے پیچھے دوڑا کہ بادشاہ کو بیجاپور
جانے سے منع کرے لیکن جوں ہی بادشاہ نے عین الملک کے علم کا نشان دیکھا وہ
سمجھا کہ مجھے پکڑنے آرہا ہی پھر ایسا بھاگا کہ بیجاپور جاکر ہی دم لیا۔ عین الملک بعد میں بیجاپور
پہنچا اور ایک معتمد کے ذریعے سے عرض کرایا کہ میں اپنا مال و اسباب سب چھوڑ کر
تن تنہا گھوڑے پر سوار ہوکر صرف ایک قحبی کے ساتھ حاضر ہوا ہوں میرے پاس
خیمہ و خواب گاہ نہیں ہی اگر خزانۂ عامرہ سے تھوڑی سی رقم خانہ زاد کو سرفراز ہوجاے
تو عین پرورش ہی۔ بادشاہ کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ شکست صرف عین الملک
کے سبب سے ہوئی ہی جواب دیا کہ "ہم کو تمھارے جیسے بے اعتدال نوکر کی ضرورت نہیں
ہی جہاں چاہو چلے جاؤ" عین الملک نے کچھ قصور نہیں کیا تھا یہ سُن کر ہکا بکا رہ گیا
پھر کہلا بھیجا کہ "میں حضرت کا سچا اور مخلص اور جاں نثار خدمت گزار ہوں قریب

بچھے سو عزیز و قریب اور میرے ہم قوم اس لڑائی میں مارے گئے ہیں اور مال و اسباب سب لُٹ گیا ہے ایسی حالت میں مَیں کہاں جا سکتا ہوں۔

جُز آستانِ تو ام در جہاں پناہے نیست سرِ مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست

ایسی حالت میں آپ مالک ہیں مَیں درِ دولت سے ٹل نہیں سکتا"۔ اس پیغام سے جو سراسر نمک حلالی کا تھا بادشاہ کو عین الملک کی مستمردی کا مظنّہ ہوا اور غصّہ ہو کر حکم دیا کہ "جو شخص یہ پیغام لایا ہے اُسے طمانچہ مار کر نکال دو"۔

عین الملک کی بغاوت اور ابراہیم عادل شاہ سے لڑائیاں

جب عین الملک مایوس ہو گیا تو اُس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا اُنھوں نے کہا کہ اب اس وقت تو کوئی موقع پھر عرض معروض کرنے کا باقی نہیں رہا۔ عین الملک نے خیال کیا کہ مصلحت یہی ہے کہ اس وقت یہاں سے ٹل کر میں اپنی جاگیر مان کو چلا جاؤں اور وہاں سے قسطِ فصلِ خریف وصول کر کے اپنا سامان کر لوں اور جدھر مُنہ اُٹھے چلا جاؤں۔ بادشاہ نے جب عین الملک کے چلے جانے کی خبر سُنی تو پانچ ہزار سواروں کا لشکر ایک امیر کے ساتھ بھیج دیا اور حکم دیا کہ عین الملک کو ہماری مملکت سے نکال دو۔ صلابت خاں نے بلا اجازتِ عین الملک لشکر کا مُقابلہ کیا اور شکست دی اور قسطِ ربیع کے وصول کے لیے اَوڑھیکر اطراف و جوانب کے مقامات مَرَج و کُلّیر وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہ نے دوبارہ دس ہزار فوج بہ سرکردگی دلاور خاں حبشی بھجوائی اور نواحِ گلبرگہ میں عین الملک اور صلابت خاں نے اپنی فوج آراستہ کر کے مقابلہ کیا اس میں دلاور خاں کے سر اور چہرے پر بھاری زخم آئے اور شکست پا کر بھاگا چار کوس تک عین الملک کی فوج نے اُس کا تعاقب کیا اور اس قدر مال اور اسباب اور ہاتھی گھوڑے اور اونٹ ملے کہ عین الملک کو اَور تقویت ہو گئی اور اُس نے زیادہ فوج اور توپ خانہ بھی جمع کر لیا تیسری بار ابراہیم عادل شاہ خود پچیس ہزار سوار اور توپ خانہ لے کر مان پر جا پہنچا عین الملک نے پہلے ہی بہت سی فوج جمع کر لی تھی۔ تین دن تک برابر اپنی فوج کو رو

درست کرتا تھا اور میدانِ جنگ میں آنے کا حوصلہ اُٹھا دیتا تھا مگر آیا ایک دن بھی نہیں۔ ابراہیم عادل شاہ کی فوج اِس کے انتظار میں دِن دِن بھر گھوڑوں پر مسلح سوار رہتی تھی اور شام کو ویسے ہی پلٹ جاتی تھی۔ چوتھے دن بھی ایسا ہی ہوا کہ عین الملک نے اپنے لشکر کی صف بندی کی اور ہر چند قراولوں نے کہا کہ عین الملک آیا ہی چاہتا ہی مگر کسی نے نہ سُنا اور سمجھے کہ وہ تو ہر روز اِسی طرح جُل دیا کرتا ہی آتا ہی نہ اوتا ہی ناحق ہم کو حیران کرتا ہی۔ اِسی خیال سے کسی نے نہ ہتیار لگائے نہ گھوڑوں پر سوار ہوے کہ ناگاہ عین الملک کا لشکر میدانِ جنگ میں آن ہی پُہنچا۔ بادشاہی لشکر بے خبر پڑا تھا کوئی طیار نہ تھا ناچار بادشاہ خود عین الملک کے مُقابلے کو گیا۔ عین الملک دو بدو بادشاہ سے لڑنے سے ہچکچایا اور سب نے صلاح دی کہ چتر شاہی سے لڑنا مناسب نہیں ہی۔ مرتضٰی خاں انجو ایک سیّد پُرغرور تھا جس کا عین الملک بہت معتقد تھا اُس نے کہا کہ "چتر تھوڑا ہی جنگ کرتا ہی اب ملاحظہ کس بات کا ہی"۔ عین الملک اسے فالِ نیک سمجھا اور پانچ ہزار سوار لے کر اپنے گھوڑے کو خیز کیا اور جہاں کہ شاہی چتر تھا اُسی حصّے پر جا پڑا۔ خاصۂ شاہی کی فوج اِس کے حملے کی تاب نہ لاکر بھاگی بادشاہ بھی بھاگا اور بیجاپور کے قلعے میں جاکر چھُپ گیا۔ چتر و فیل شاہی اور توپخانہ اور تمام اثاثۂ شاہی عین الملک کے ہاتھ لگا اور عین الملک نے بیجاپور سے دو کوس کے فاصلے پر موضع نوردہ میں اپنا لشکر ڈال دیا اور قلعے کی رسد بند کردی اب عادل شاہ کو سوائے راجۂ بیجانگر سے مدد طلب کرنے کے اَور کوئی تدبیر نہ سوجھی۔ بادشاہ نے راجہ کے پاس سات لاکھ ہُن بھیج کر امداد چاہی۔

عین الملک اور ونکٹادری کی لڑائی

رام راج نے (جو درحقیقت سیاہ و سفید کا مالک تھا کیوں کہ راجہ کو تو اُس نے برائے نمود بٹھلا رکھا تھا) اپنے بھائی ونکٹادری کو غنیم کی مدافعت کے لیے ایک بڑا بھاری لشکر دے کر بیجاپور روانہ کیا۔ عین الملک نے اسد خاں

لہ سینہار روپس کو حال میں بہ مقام لسبن سرکاری محافظ خانے میں چوتھاری ڈی ڈومبو میں ہی ایک تاریخی کاغذ دستیاب ہوا ہی جس میں لکھا ہی کہ راجۂ بیجانگر نے ابراہیم عادل شاہ کو عین الملک اور فخر ہی عبداللہ کے مقابلے کے لیے سات لاکھ ہُن (سکّہ) سے کر امداد دی تھی ۱۲۔

کی چال اختیار کی اور چاہا کہ ہندوؤں پر یکایک حملہ کر کے گھبرا دے لیکن ونکٹا دری کو اس بات کی خبر لگ گئی تھی اُس نے اپنی فوج کو چوکنا کر دیا اور بڑی بڑی لمبی مشعلیں ہنوائیں اور حکم دیا کہ جوہیں دشمن کے حملے کی خبر پہنچے ایک دم ان سب کو روشن کر دیا جاے اور جہاں تک ممکن ہو ان کو بلند کیا جاے تاکہ ہماری فوج کو دشمن کی فوج اچھی طرح نظر آے - ایک رات عین الملک اپنے ساتھ صلابت خاں کو لے کر دو ہزار فوج کے ساتھ ہندوؤں کے کیمپ میں جا گھسا اور کسی نے اُس کی مزاحمت نہ کی جب اشارہ دیا گیا تو ایک دم مشعلیں روشن کر دی گئیں اور ونکٹا دری جو اپنی فوج کے ساتھ ہر طرح سے تیار بیٹھا تھا مسلمانوں کے لشکر سے مقابلہ کرنے لگا - چوں کہ مسلمان بے روک ٹوک گھس آے تھے وہ سمجھے کہ اب میدان مار لیا لیکن انجام یہ ہوا کہ پانسو آدمی مسلمانوں کے مارے گئے عین الملک اور صلابت خاں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگے لیکن اندھیرے میں رستہ بھول کر جنگل میں بھٹک گئے - فوج میں سے جو لوگ بھاگ کر آگے آ گئے تھے اُنھوں نے سمجھا کہ یہ لوگ مارے گئے اور اس خبر سے ایک ہل چل پڑ گئی اور ساری فوج منتشر ہو کر جدھر جس کے سینگ سمائے بھاگ گئی -

عین الملک اور صلابت خاں کا حسین نظام شاہ کے پاس جانا اور مارا جانا ۱۵۶۰ء

عین الملک اور صلابت خاں معہ دو سو سواروں کے صبح ہوتے ہوتے اپنے کیمپ میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں ایک چڑیا بھی نہ تھی - یہ دونوں گھبرا کر مان کے رستے سے حسین نظام شاہ کی سلطنت میں پناہ لینے کو بھاگے لیکن حسین نظام شاہ نے دھوکے سے ان دونوں کو مروا ڈالا[۱] - شاہزادہ عبد اللہ ابھی تک گوآ ہی کے علاقے

---

[۱] اب عین الملک کا ٹھکانا مملکت عادل شاہی میں کہاں باقی تھا ناچار حسین نظام شاہ کی طرف رُخ کیا - نظام شاہ عین الملک سے دل میں سخت کدورت رکھتا تھا مگر بہ ظاہر اُس کے آنے کی خوشیاں کر رہا تھا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ دیکھو اب ہمارا اطالع بھی چمکا کہ عین الملک نے پھر اس طرف رُخ کیا آخر اُسے (بقیہ نوٹ بر صفحہ ۲۷۱)

میں سلطنتِ بیجاپور کے خواب دیکھ رہا تھا اُس نے بیجاپور کی یہ خانہ جنگیاں دیکھ کر گوآ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۰) حقوقِ سابقہ کا خیال آیا اور پھر اُس کی خواہش ہی کہ ہمارے ہمالک اُمرار میں شریک ہو۔ نظام شاہ نے فوراً حکیم قاسم بیگ کو (جو محرمِ اسرارِ شاہی تھا اور اُس سے بڑا اور کوئی اِس سلطنت میں رئیس نہ تھا) عین الملک کے استقبال کو بھجوایا اور لکھوا بھیجا کہ "ہماری دلی محبت تم کو ہماری طرف کھینچ لائی ہی یہ صرف تقدیری بات تھی کہ تم چند روز کے لیئے ہم سے جُدا رہے لیکن اب ہمیں اُن باتوں کا خیال بھی نہیں ہی۔ ہماری عنایات و اشفاق کو تم اپنے اندازے سے زیادہ سمجھو اور بہ اطمینانِ تمام ہمارے حضور میں حاضر ہو جاؤ کہ قدیمی مناصب و جاگیریں تم کو دے کر تم کو اقران و امثال میں معزز و ممتاز کیا جاے۔ تمھارے اطمینان کے لیئے ہم نے قول نامہ اور زنہار (بالکسر چیزے مانندِ انگشتری باشد کہ از شاخِ حیواں و اُستخواں وغیرہ سازند بہ وقت تیر اندازی در زہ انگشت کنند۔ از برہان) رومال خاصے میں لپیٹ کر بھیج دیا ہی چاہیئے کہ حکیم قاسم بیگ کے ساتھ جو ہمارا محرم بزم اختصاص اور مصاحبِ مجلسِ خاص ہی چلے آؤ اور دیر نہ لگاؤ"۔ عین الملک نے دو شرطوں سے پیغامِ شاہی کو قبول کیا اوّل یہ کہ بادشاہ خود قلعۂ احمد نگر سے میرے استقبال کو آے دوسری یہ کہ ملاقات کے دِن قاسم بیگ میرے لشکر میں بہ طورِ یرغمال رہے۔ قاسم بیگ نے دونوں باتیں قبول کرلیں عین الملک دو ہزار سواروں کے ساتھ احمد نگر کی طرف روانہ ہوا اور دو کوس اِدھر ٹھیر گیا۔ قاسم بیگ نے کہا کہ اب مجھے اجازت دیجیئے کہ میں احمد نگر جا کر بادشاہ سے آپ کی ملاقات کا بندوبست کر کے پھر واپس آ کر آپ کے لشکر میں بہ طورِ رہن ٹھیر جاؤں تب آپ بادشاہ کی ملاقات کو شوق سے تشریف لے جائیں۔ قاسم بیگ کو اپنے بادشاہ کی مجلس کا حال بخوبی معلوم تھا کہ وہاں کچھ ٹھکانا نہیں سیدھا اپنے گھر گیا اور بھلاوے کا تیل اپنے سر اور چہرے پر مل لیا اور بیماری کا بہانہ کر کے پڑ گیا۔ بادشاہ نے اپنے چند معتبرین کے ساتھ اطلعمہ و اشربۂ لذیذہ عین الملک کے پاس بھجواے اور جو وقت ملاقات کے لیئے ٹھیرایا تھا وہ بھی کہلا بھیجا اور نیز یہ کہ قاسم بیگ بیمار ہو گیا ہی اِس وجہ سے وہ نہیں آسکتا اُس کے انتظار کی کچھ ضرورت نہیں ہی تم جلد چلے آؤ میں بھی تمھارے استقبال کو سوار ہوتا ہوں۔ عین الملک نے اپنے معتمدوں کے ذریعے سے قاسم بیگ کو دِکھوایا اُس کو دیکھا تو واقعی سارا مُنہ سوجا ہوا تھا اور اُن لوگوں نے یہ بھی آن کر کہا کہ بادشاہ استقبال کے لیئے سوار ہو چکا ہی۔ عین الملک ناچار ہو گیا اور صلابت خاں اور چند لوگوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوا عین الملک کے غلام (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کے جدید وایسرائے (پڈروڈی میسکرن ہاس Ped de mascarenhas) کو طمع دلائی کہ اگر تمھاری کوشش سے میں بیجاپور کا بادشاہ ہوجاؤں گا تو تمھارے ساتھ بہت کچھ سلوک کروں گا۔ اِن لمبے چوڑے وعدوں سے وایسرائے کی رال ٹپک پڑی۔ وایسرائے نے کیا کام کیا کہ ۱۵۵۵ء میں عبداللہ کو پونڈا میں ہی تخت پر بٹھلا کر اُس کی بادشاہت کا اعلان کردیا لیکن اِسی سال وایسرائے مذکور مرگیا۔ فرینسکو برّیٹو (Francisco Barreto) بطور گورنر اِس کا جانشین

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۱) قبول خاں نے ہرچند منع کیا اور عرض کیا کہ قاسم بیگ نے بیماری کا بہانہ کیا ہے اور مجھے اِس میں کھٹکا ہے لیکن عین الملک نے کچھ نہ سُنا جب قریب بنکاپور کے پہنچا تو دیکھا کہ بادشاہ ایک گھوڑے پر سوار مسطح میدان میں کھڑا ہے اور اپنے سامنے دونوں طرف ہاتھیوں کی لمبی قطاریں لگادی ہیں۔ چند لوگ بادشاہ کی طرف سے آگے آکر صلابت خاں اور عین الملک کو اُن قطاروں کے اندر سوار شدہ لے آئے اور پیچھے سے اور چند لوگ آکر کہنے لگے کہ بہ لحاظِ آدابِ شاہی مناسب یہ ہے کہ آپ پیدل ہوں۔ عین الملک سمجھا تھا کہ بہ حالتِ سواری ہی ملاقات ہوجائے گی لیکن یہ لوگ اصرار کرنے لگے۔ عین الملک کو بہت شاق گزرا لیکن اُس وقت کچھ بَن نہ پڑی ناچار دونوں اُتر گئے اور آگے بڑھ کر بادشاہ کی رکاب کو بوسہ دینا چاہتے تھے لیکن وہاں تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ حکم ہوا کہ دونوں ہمارے ہاتھیوں پر سوار ہوجاؤ۔ ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہی نظام شاہ نے سمجھا کہ اب کیا تھا شکار قابو میں آگیا خدا جانے بادشاہ نے فیلبانوں سے کیا کہہ رکھا تھا کہ جب قریب بنکاپور کے پہنچے کہ ہاتھی بانوں نے دونوں کے گلے گھونٹ کر اُن کا کام تمام کردیا اور دونوں کی نعشیں ہاتھیوں پر سے نیچے گرادیں۔ نظام شاہ نے اَن جان ہوکر کہا کہ ڈر کے مارے دونوں کا دم نکل گیا اور اِن دونوں کو وہیں بنکاپور میں دفن کردیا۔ لیکن بیجاپور سے دو میل کے فاصلے پر جانبِ مشرق موضع عیسےٰ پور میں عین الملک کا بہت بلند اور عالی شان مقبرہ اب تک موجود ہے اِس کی کرسی بہت بلند ہے اور قُبّہ بے حد سڈول اور خوب صورت ہے مقبرے کے اندر نہایت خوش خط کلام مجید کی آیتیں بخطِ طغریٰ گچ میں منقش ہیں جو جابجا سے جھڑ بھی گئی ہیں۔ مقبرے کے اندر قبریں بھی ہیں اِس مقبرے کے بائیں طرف ایک خوبصورت سی مسجد بھی ہے عین الملک ۹۵۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء میں دنیا سے رخصت ہوا بقولِ فرشتہ بنکاپور میں دفن ہے۔ ممکن ہے کہ مقبرہ اُس نے اپنی زندگی میں بنوایا ہو لیکن اُس میں مدفون نہ ہو ۱۲

مقرر ہوا اُس نے عبداللہ کی طرف سے ملک کا محاصل وصول کرنا شروع کیا لیکن ابراہیم عادل شاہ کا ایک سردار سات ہزار فوج لے کر مانع و مزاحم ہوا اور مقابلے کو آن موجود ہوا اور کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ابراہیم عادل شاہ بھی بے کار نہیں بیٹھا تھا اُس نے سدا سیو راجۂ بیجانگر سے اور پندرہ ہزار فوج کی مدد لی اور شہزادۂ عبداللہ کو جس نے ہل چل مچا دی تھی تخت سے اُتار کر گرفتار کر لیا اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ کئی حملے پرتگالیوں پر بھی کیے ۱۵۵۶ء کے سارے جاڑے کے موسم میں یہ لڑائیاں جاری رہیں لیکن کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوا۔ سالِ مابعد میں بیجاپور سے تازہ دم فوج مدد کو آن پہنچی اور جزائرِ سالسٹ اور بارڈس پر حملہ کیا لیکن بہ مقام پانڈا شکست کھائی اور اس کے بعد چند روز کے لیے جنگ موقوف رہی۔

ابراہیم عادل شاہ کا انتقال اور علی عادل شاہ کی تخت نشینی ۱۵۵۷ء

ابراہیم عادل شاہ اُنھیں دنوں میں امراضِ متضادّہ میں مُبتلا ہوا بہت سے اطبائے ہند نے کہ جو اُس کے معتمد علیہ تھے علاج کیا مگر بہ مصداق ع چوں قضا آید طبیب ابلہ شود۔ کسی علاج سے فائدہ نہ ہوا روز بروز حالت دِگرگوں ہوتی گئی۔ بادشاہ نے اِس غصّے میں بہت سے طبیبوں کو مروا ڈالا اور بعضوں کو ہاتھی کے پاؤں کے تلے رَوندوا ڈالا جو بچ رہے تھے وہ اپنی جان کے خوف سے بھاگ گئے حتّٰی کہ ادویہ فروشوں نے بھی ڈر کے مارے دُکانیں بند کر دیں۔ بادشاہ امراضِ مُزمنہ سے دو سال تک گھُل گھُل کر ۹۶۵ھ مطابق ۱۵۵۷ء کو تیئیس سال کی سلطنت کے بعد دُنیا سے رُخصت ہوا اور قصبۂ گوگی میں احاطۂ شیخ حیدر جدری میں مدفون ہے۔ اِس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا علی عادل شاہ تخت نشین ہوا۔

علی عادل شاہ کا رام راج سے دوستی گانٹھنا اور تعزیت کو بیجانگر جانا

نئے بادشاہ نے تخت نشین ہوتے ہی سدا سیو راجۂ بیجانگر اور رام راج سے اتّحاد و یگانگت کے استحکام کے لیے محمد کشور خاں اور شاہ بو تراب شیرازی کو بھجوایا اور محمد حسین صدیقی اصفہانی کو اسی

غرض سے حسین نظام شاہ کے پاس جو برہان نظام شاہ کی جگہ تخت نشین ہوا تھا بھجوایا۔
رام راج نے بھی دوستی کا دم بھرا اور بیجانگر میں ایلچیوں کی بڑی آؤ بھگت ہوئی اور بہت
اچھی مدارات کی گئی۔ بلکہ رام راج نے اپنی طرف سے ایک معتمد علیہ کو تہنیت اور مبارک
بادِ جلوس کے لیے اِن کے ساتھ بھجوایا جو فائز المرام ہو کر واپس آیا لیکن بادشاہِ احمد نگر
نے ایلچی سے بے رُخی کی اور ایلچی کی خبر تک نہ لی بلکہ اُلٹی بے توقیری کی اور نہ خود جلوس
کی مبارک باد بھیجی بلکہ رام راج سے ربط و ضبط کی خبر سُن کر رنجیدہ اور مکدر ہو گیا۔ علی
عادل شاہ نے دل میں ٹھان لیا کہ جہاں تک ممکن ہو گا میں بیجانگر سے اتفاق رکھوں گا
اور اِس مدعا کے حاصل کرنے کے لیے اُس نے ایک عمدہ طریقہ اختیار کیا جس کا حال تاریخ
فرشتہ میں حسبِ ذیل لکھا ہے۔

"علی عادل شاہ کا دلی مقصد یہ تھا کہ اُس کی سلطنت کو جو بڑے بھاری نقصانات
اُس کے والد کے عہد میں پہنچے ہیں اُن سے کسی تدبیر سے چھٹکارا پائے اور اِس کے
لیے بہترین تدبیر یہی تھی کہ راجۂ بیجانگر کو اپنی طرف کرلے۔ رام راج کا ایک بیٹا جس سے
وہ بے انتہا محبت رکھتا تھا مر گیا تھا حسبِ صلاح کشور خاں علی عادل شاہ صرف
سو سوار لے کر ماتم پُرسی کو یکایک بیجانگر جا پہنچا[1]۔ رام راج نے بادشاہ کے آنے کی
خبر سُن کر اُمرا کا برہمن کو لشکر کے ساتھ استقبال کو روانہ کیا اور حکم دیا کہ اپنی سرحد
رودِ کرشنا سے منزل بہ منزل بہت عزت و احترام اور ضیافت کے ساتھ لے آئیں
جب ایک منزل بیجانگر باقی رہا تو رام راج نے سارے شہر کی آراستگی کا حکم دیا اور خود
لشکر کے ساتھ پیشوائی کر کے لے آیا پہلی مجلس راجہ کے محل میں ہوئی۔ خلعتِ ماتمی رام راج
اور اُس کے بھائی اور بیوی کو (جس نے پردہ نہیں کیا تھا اور بادشاہ کو مُنہ بولا بیٹا
بنا لیا تھا) کو پہنا کر عادل شاہ نے رسمِ تعزیت ادا کی بعد تحفہ و ہدایائے نفیس و شاہانہ
اور اظہارہ لاکھ ہُن و جواہر و موتی اور بہت سے ہاتھی گھوڑے مع زین و لجام مرصع

---

[1] اِس بیان کی تصدیق مورخینِ گول گنڈہ نے بھی کی ہے۔ اِسی طرح ۱۴۱۰ھ میں فیروز شاہ بہمنی بھی
کشن دیو رائے کے پاس گیا تھا ۱۲۔

وجواہر کے اور ایک الماس اٹھارہ مثقال کا راجہ کے روبرو رکھوایا۔ راجہ نے بہت خوشی سے تحائف قبول کیے اور خود بھی بہت خاطر کے ساتھ پیش آیا اور بادشاہ کو محل سرا میں بھی لے گیا۔ رانی نے بادشاہ پر طبق زر وجواہر کے نثار کر کے مسندِ شاہی پر بٹھایا اور کمال شفقتِ مادری سے بادشاہ کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ تین دن تک آپس میں دوستانہ ملاقات ہوتی رہی چلتے وقت رام راج خود بادشاہ کو رخصت کرنے نہیں آیا بلکہ امرائے شہر اور اپنے برادراں کو بھجوایا۔ یہ بات بادشاہ کو بہت ناگوار ہوئی اور دل میں کبیدہ ہوا لیکن دانش مندی سے غصے کو پی گیا اور اس موقع پر اپنی نارضامندی کا اظہار تک نہ کیا۔" الغرض اس ملاقات کا کوئی مفید نتیجہ طرفین سے نہ نکلا۔ ادھر تو بادشاہ پُر دل ہو گیا اُدھر رام راج نے جس کا دماغ فلک ہفتم پر تھا سمجھا کہ یہ تو ہمارے جانی دشمن ہیں کچھ تو ان پر ایسی ہی آن بنی جو یہاں تک خوشامد کو آئے۔

رام راج کی چڑھائی میلاپور کے رومن کیتھولک پر ۱۵۵۸ء

کوٹو نے لکھا ہے کہ دوسرے ہی برس ۱۵۵۸ء میں رام راج نے میلاپور پر جو متصل مدراس ہے حملہ کر دیا جہاں عیسائیوں کے فرقہ رومن کیتھولک کی بڑی بھاری جماعت رہتی تھی اور سینٹ طامس کا مشہور گرجا بھی تھا۔ پادریوں نے نیگاپاٹم سے لے کر سینٹ طامس تک دریا کے کنارے کنارے مقامات پر قبضہ کر لیا تھا اور عیسائیت کی ترویج دیتے تھے۔ ان مقامات پر عیسائیوں نے بہت سے ہندو معابد اور مندروں کو برباد کر دیا تھا جس کی وجہ سے برہمنوں کو سخت صدمہ پہنچا تھا ان لوگوں نے رام راج کو خبر دی جن کی وہ رعایا تھے اور خواہش کی کہ اُن کی مدد اور نیز ہندو دھرم کی تائید پر آپ کو چلنا چاہیے اور یہ بھی طمع دلائی کہ عیسائیوں کے پاس بڑی دولت ہے لیکن وہاں پہنچنے کے بعد کچھ بھی نہ ملا اور رعایا کو بھی اپنا مطیع و فرماں بردار پایا تو رام راج نے کچھ کشت و خون نہ کیا اور ویسا ہی واپس چلا آیا۔

علی عادل شاہ و حسین نظام شاہ کی لڑائی میں علاقہ احمد نگر کی تباہی ۱۵۵۹ء

علی عادل شاہ نے بیجانگر سے دارالسلطنت بیجاپور

کو واپس آکر ۹۷۲ھ میں حسین نظام شاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ یہ سب پر ظاہر ہی کہ قلعہ جات شولاپور و کلیانی ہمارے خاندان کے ہیں لیکن ابراہیم عادل شاہ کے زمانے میں اختلال کلی ہو جانے سے نظام شاہیوں کے تصرف میں آگیا اگر آپ کو ہماری دوستی اور یاری منظور ہی تو ہر دو قلعے جات ہم کو واپس دیدیجیے اور اگر کسی وجہ سے دونوں قلعوں کا دینا متعذر ہی تو خیر ایک ہی قلعہ کلیانی کا چھوڑ دیجیے اور مثل گزشتہ دوستی کو قائم رکھیے شاہ حسین انجو جو نظام شاہ کا ہم مجلس تھا اُس نے ہر چند کوشش کی کہ قلعۂ کلیانی واپس دے کر رفع نزاع ہو جاے لیکن کچھ اثر نہ ہوا اور روز بروز آتش فساد بڑھتی گئی آخر کار علی عادل شاہ نے اوکرا ایک ایلچی سید علی نامی کو بھیجوایا اور نامہ لکھا کہ ایسے سنگین معاملات میں تغافل شیوۂ شاہانِ عاقل کا نہیں ہی اگر عواقب اُمور پر خیال فرما کر دونوں قلعے واپس دے دیں تو رسم دوستی و اتحاد قائم رہے گی ورنہ یہ یقین جانیے کہ ہماری فوج کشی سے آپ کی رعایا برایا کی خرابی اور فتنۂ عظیم برپا ہوگا۔

چناں کارِ خود را بہ حکمت رواج	بدہ تا نباشد بہ جنگ احتیاج
بہ حکمت تواں کار ہا ساختن	کہ بر کوہ نتواں فرس تاختن
بسے مصلحت ہاست در خسروی	کہ گردد ازاں دین و دولت قوی

حسین نظام شاہ بحری اِس پیغام سے برآشفتہ ہو کر سخت سُست کہنے لگا کہ اُن الفاظ کا دُہرانا بھی نامناسب ہی۔ اِسی بات پر لڑائی شروع ہو گئی۔ فرشتہ نے لکھا ہی کہ "۹۷۶ھ مطابق ۱۵۶۸ء میں علی عادل شاہ اور رام راج دونوں نے مل کر نظام شاہی ملک کو نصفا نصف تقسیم کر لیا اور ایسا تاراج کیا کہ ایک طرف پرینڈہ سے لے کر جُنیر تک اور دوسری جانب احمد نگر سے دولت آباد تک آبادی کا نشان باقی نہ چھوڑا بیجانگر کے لوگ تو مدتوں سے بھرے بیٹھے تھے اور اُن کا دانت مسلمانوں کی سلطنت پر تھا ایسا موقع پھر کہاں ملتا تھا غرض خوب حلے پھپولے پھوڑے اور کوئی ظلم نہ تھا جو اُنھوں نے نہ کیا ہو مسلمانوں کی عزت ریزی اور توہین کی مسجدوں کو ڈھا دیا اور قرآن شریفوں کو جلا دیا" ہندوؤں کے اِس ظلم و ستم نے تمام مسلمانوں کے دلوں میں

جوش پیدا کر دیا نظام شاہ نے بہ مشورتِ حکیم قاسم بیگ و شاہ جعفر برادرِ شاہ طاہر و شاہ حسین انجو قلعۂ کلیانی عادل شاہ کے سپرد کیا اور علی عادل شاہ اور رام راج اپنے اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ ہندوؤں کے اس طرزِ عمل سے مسلمانوں کے دلوں میں ایک عام جوش پیدا ہو گیا اور نہ صرف رعایائے سلطنتِ گول کنڈہ برہم ہوئی اور انتقام لینے پر طیار رہی بلکہ بادشاہِ بیجاپور اور اُس کے کل باج گزار راے بیجانگر کے مقابلے پر آمادہ ہو گئے اور سلطنتِ بیجانگر کے زوال اور تباہی کا یہی بڑا بھاری سبب ہوا۔

ساحلِ ملیبار پر پرتگالیوں کے مظالم ۱۵۵۸ء

۱۵۵۸ء میں ڈام کانسٹنٹین ڈی براگانزا گوآ کا ویسراے مقرر ہوا جس کا عہد ظلم و زیادتی کے لیئے زباں زدِ خاص و عام ہی ۱۵۵۹ء میں لوئی ڈی ملو نے ساحلِ ملیبار کے مقامات پر تلوار اور آگ کا مینہ برسا دیا۔ منگلور پر حملہ کیا ساری آبادی کو قتل کر کے شہر کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا اور اسی طرح ساحل پر جتنے قصبات اور شہر تھے سب کا خاتمہ کیا۔ ۱۵۶۰ء میں گوآ میں آرچ بشپ کا عہدہ قائم ہوا جس نے فرانس کی صلیبی جنگ کو بھی بھلا دیا۔ گوآ اور اُس کے مقامات کے لوگوں کو بہ جبر عیسائی بنانا شروع کیا جس نے انکار کیا اُسے طرح طرح کی اذیتیں پہونچائی گئیں اور قید میں ڈال دیا۔ برابر چار سال تک یہی لوٹ مار اور طوفانِ بے تمیزی برپا رہا۔ ۱۵۶۴ء میں ویسراے نے مسکوئیٹا کو تین جہاز دے کر بھیجا کہ ملیباریوں کے جہازوں کو تباہ کر دو۔ مسکوئیٹا نے آتے ہی چوبیس جہاز پکڑ لیئے اور دو دو تین تین کو ملا کر ڈبونا شروع کیا۔ بہت سے لوگوں کے سر کاٹ ڈالے بہتوں کو بادبانوں میں لپیٹ کر سمندر میں پھینک دیا۔ قصہ مختصر اِس طرح دو ہزار آدمیوں کا خاتمہ ہوا۔ باشندگانِ ملیبار اِن مظالم کی تاب نہ لا سکے اور چیخ اُٹھے۔ مرتا کیا نہ کرتا باشندگانِ ملک

---

۱ Dom Constantine de Braganza

۲ Mesquita

نے ارادہ کرلیا کہ جس طرح بھی ہو ان ظالموں کے پنجے سے نجات حاصل کرنی فرض ہے۔ اسی وجہ سے کنانور پر پرتگالیوں سے ایک بڑی بھاری لڑائی ہوئی کہ جس میں نارونہا سپہ سالار فوج نے ملک کو تباہ کرڈالا اور چالیس ہزار تاڑ اور کھجور کے درخت کاٹ کر ملک کو ننگا کردیا جب کہیں بعد از خرابی بصرہ صلح ہوئی۔

Noronha ۱

پندرھواں باب

بیجانگر کی بربادی ۱۵۶۵ء

رام راج کی مدد سے پھر احمد نگر پر لڑائی اور شہر کی تباہی

ملک کے اندرونی حالات میں آہستہ آہستہ تغیّر و تبدّل ہوتا چلا جا رہا تھا اگرچہ علی عادل شاہ اور رام راج دونوں نے نظام شاہ کی سلطنت کو آپس میں بانٹ لیا تھا لیکن پھر اس شرط پر صلح ہو گئی کہ قلعۂ کلیانی بیجاپور کو واپس دے دیا جائے[1]

---

[1] بادشاہانِ احمد نگر کے حالات میں تاریخ فرشتہ نے اِس واقعے کی نسبت ایک دلچسپ بات لکھی ہے کہ نظام شاہ کی خواہش تھی کہ بیجانگر سے صلح ہو جائے رام راج نے بھی چند شرائط سے اِسے منظور کر لیا اِن میں سے ایک شرط تو یہ تھی کہ قلعۂ کلیانی بیجاپور کو واپس دے دیا جائے اور دوسری شرط یہ تھی کہ نظام شاہ جا کر رام راج سے ملاقات کرے اور اُس سے پان کا بیڑا لے۔ حسین نظام شاہ بے چارہ ایسا مجبور تھا کہ اُسے کچھ بن نہ پڑی اور ان سخت شرائط کو منظور کرنے کے سوا مفر نہ تھا ناچار رام راج کے قیام گاہ پر گیا مگر رام راج اُس کی پیشوائی تک کو نہ آیا۔ جب بادشاہ ڈیرے میں داخل ہو گیا تب البتہ رام راج تعظیماً کھڑا ہو گیا اور بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا بادشاہ دل میں جلا ہوا تو تھا ہی اُس نے وہیں سیلابچی آفتابہ منگا کر ہاتھ دھو ڈالے جس سے صاف ظاہر تھا کہ رام راج کے چھونے سے ہاتھ ناپاک ہو گئے۔ رام راج کو بادشاہ کی یہ حرکت از حد ناگوار ہوئی اور کہنے لگا کہ "کیا کروں مہمان کی خاطر ہے ورنہ ابھی مزہ چکھا دیتا اور اُس نے بھی وہیں پانی منگا کر اپنے ہاتھ دھو ڈالے اِس کے بعد بادشاہ نے قلعے کی کنجیاں رام راج کو دے دیں ۱۲۔

لیکن جوں ہی اِن دونوں نے پیٹھ موڑی حسین نظام شاہ اور ابراہیم قطب شاہ دونوں نے مل کر پھر علی عادل شاہ پر چڑھائی کردی - اِس مرتبے بھی علی عادل شاہ نے رام راج سے مدد طلب کی رام راج کب چُوکنے والا تھا (وہ تو مُسلمان بادشاہوں کو لڑا کر تماشا دیکھنا چاہتا تھا مثل مشہور ہی کہ دو کی لڑائی میں تیسرے کی بھلائی) پچاس ہزار سوار دو لاکھ پیدل لے کر آن ہی پُونہچا ؎

زلشکر جہاں آں چناں گشت پُر		کہ از تنگیٔ بحر بشکست دُر	
زبسیاریٔ لشکرِ بے حراس		زعالم برافتاد درسم قیاس	

دونوں لشکر کلیانی پر ملے لیکن قطب شاہ عادل شاہ سے جا ملا اکیلا حسین نظام شاہ کیا کرتا - بے چارہ مجبوراً احمد نگر کو پلٹا - پلٹنا ہی تھا کہ اُس کی دارالسلطنت میں پُونہچ کر اُس کی خبر لی "ان تینوں (علی عادل شاہ - قطب شاہ - رام راج) نے مل کر احمد نگر کا محاصرہ کر لیا اور مُلک میں چوطرف فوج پھیلا کر خوب لُوٹ مار کی بالخصوص بیجانگر کے ہندوؤں نے تو ادھا دُھند مچادی عمارات کو جلا دیا اور ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا مسجدوں کے اندر اپنے گھوڑے باندھے اور مُسلمانوں کی مقدّس عبادت گاہوں میں اپنی پوجا پاٹ کرنے لگے - ؎

شہر و بازارِ احمد نگر		شد از صدمۂ قہر زیر و زبر	
ہمہ گشتہ شد طعمۂ چارپائے		نماند اندراں مرز چیزے بجائے	

قلعے کا محاصرہ بڑی شد و مد سے جاری رہا محصورین بھی بڑی ہمّت و استقلال سے مقابلہ کرتے رہے اُن کو یہ اُمید لگی ہوئی تھی کہ برسات کے آتے ہی غنیم خود محاصرہ اُٹھا لیں گے - جب بارش شروع ہوئی طُغیانی اور نمی اور سامانِ رسد کے کم پڑ جانے سے غنیم کے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی - قطب شاہ نے بھی محصورین سے خُفیہ مراسلت رکھی اور اُن کو در پردہ غلّہ پُونہچاتا رہا بالآخر محاصرہ اُٹھا لیا گیا اور دشمن متفرق ہو کر اپنے اپنے مقامات پر چلے گئے" علی عادل شاہ کی پہلی مُہم کے وقت جو اُس نے حسین نظام شاہ پر کی تھی اور رام راج نے مدد بھی دی تھی ہندوؤں نے احمد نگر کو خوب تباہ کیا اور

مسلمانوں کی مذہبی تذلیل میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا مسجدوں میں بھی بھجن گاتے اور بُت پرستی کرتے تھے بادشاہ کو اِس توہینِ مذہبِ اسلام سے سخت صدمہ ہوا لیکن بے دست و پا مجبور تھا سُنی کی اَن سُنی کر دی۔ اِس مُہم کے ختم پر رام راج نے بھی دیکھ لیا کہ مُسلمان بادشاہوں میں کچھ دم نہیں رہا اِس وجہ سے اسلامی ایلچیوں کی بے قدری کرنے لگا جب کبھی ایلچی اُس کے دربار میں حاضر ہوئے تو اُن کو بیٹھنے تک کی اجازت نہ دیتا تھا بڑی حقارت اور تکبّر سے اُن سے پیش آتا تھا اور اپنی جلو میں اُن کو پیدل چلاتا تھا اور بدون اُس کے حکم کے اُن کی مجال نہ تھی کہ سوار ہو سکیں۔ اِس مہم کے بعد ہندو نُدرگ کو واپس آئے اور اُس کے لشکر کے عہدے داروں اور سپاہیوں نے عموماً مُسلمانوں سے گستاخی چھیڑ چھاڑ اور حقارت کی گفتگو شروع کر دی اور رام راج نے چلتے وقت سلطنت قطب شاہ اور عادل شاہ پر بڑے شوق کی نگاہ ڈالی اور دونوں مُلکوں کی سرحد پر اپنی فوج بھیج دی"۔ دونوں بادشاہوں نے مجبوراً کچھ علاقے جات ہندوؤں کو دے کر یہ بلا ٹالی قلعۂ کویل کنڈہ۔ کُتّور اور پانگل ہندوؤں کو مل گیا اور یہ ہندوؤں کی آخری فتح تھی۔

بیجانگر کے مُقابلے کے لیے شاہانِ اسلام کا ایکا

رام راج ہمیشہ مسلمانوں کا ملک دباتا چلا جاتا تھا آخر کار عادل شاہ نے مصمّم اِرادہ کر لیا کہ ممکن ہو تو اُس کو اِس بے باکی کی سزا دی جائے اور تمام مُسلمان بادشاہ مِل کر اُس کی طاقت کو گھٹائیں اِس مشورے کے لیے بادشاہ نے اپنے دوستوں اور معتبر صلاح کاروں کی مجلسِ شوریٰ مقرر کی۔

خدیوِ جہانگیر لشکر شکن		بپا مشورت ساخت یک انجمن	
زدرجِ سخن بر سرِ سخنداں		بدست و زباں شد جواہر فشاں	
سخن راند زاندازۂ کارِ خویش		زفیروزیِ خویش و پیکارِ خویش	

بعض اُمرا نے عرض کی کہ راجۂ بیجانگر بہت دولت مند اور طاقت ور ہے اور اُس کے مُلک کی آمدنی اِس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ علاوہ ایک وسیع ملک کے ساٹھ بندرگاہوں

سے تو اُس کو خراج آتا ہی اور لشکر بھی اُس کا بے انتہا ہی ان وجوہ سے تن تنہا کسی بادشاہ کا اُس سے مقابلہ کرنا ناممکن ہی تب اِن لوگوں نے بادشاہ کو اِس بات پر آمادہ کیا کہ دکن کے سب بادشاہ مِل کر اُس سے جنگ کریں۔ علی عادل شاہ نے اِس رائے سے بالکل اتّفاق کیا اور ایک ایلچی کو خُفیہ طَور پر ابراہیم قطب شاہ کے پاس بھیج دیا ابراہیم قطب شاہ نے اِس بات کو منظور کر لیا اور علی عادل شاہ اور بادشاہِ احمد نگر کے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دینے کا بھی وعدہ کیا اور ایک ایلچی سید مصطفٰے خاں اردستانی کو احمد نگر روانہ کیا۔ حسین نظام شاہ کو اس کی خبر پہلے ہی لگ گئی تھی اُس نے ایلچی کو تخلیے میں بُلایا۔ ایلچی نے تمام واقعات اور بادشاہ کے مافی الضمیر کا اظہار کیا۔ ایلچی نے عرض کیا کہ بہ زمانۂ سلطنتِ بہمنیہ تمام مُلک ایک ہی بادشاہ کے تحتِ حکومت تھا اور اُن کا اور رائے بیجانگر کا لشکر بھی برابر سرابر تھا لیکن اب مُسلمانوں کی قوت تقسیم ہو گئی ہی اِس وقت یہ امر بہت ضروری ہی کہ سب بادشاہ آپس میں مِل جائیں اور مستحکم دوستی اور اتّحاد قائم کریں تب ممکن ہی کہ ہم رائے بیجانگر کے آئے دِن کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں جس نے کرناٹک کے تمام راجاؤں کو اپنا مطیع کر لیا ہی یہی ایک صورت ہی جس سے اُس کی طاقت گھٹ سکتی ہی اور تب ہی ممالکِ اسلامیہ اُس کے دست بُرد سے نجات پا سکتے ہیں۔ مختلف سلطنتوں کی رعایا جو بادشاہوں کے ہاتھ میں اللہ تعالےٰ کی ایک امانت ہی اُن کو اِن ہندوؤں کے مظالم سے نجات دلوانا ہمارا فرض ہی تاکہ سجدیں اور دوسرے مقامات آیندہ کفّار کی مداخلت سے محفوظ رہیں"

نظام شاہیہ اور عادل شاہیہ خاندانوں میں آپس میں شادیاں

اُن باتوں نے بادشاہ کے دل پر گہرا اثر کیا اور حسبِ مشورت حکیم قاسم بیگ تبریزی و مُلّا عنایت اللہ قاینی جو احمد نگر کے رُساء تھے یہ بات ٹھیری کہ حسین نظام شاہ اپنی بیٹی چاند بی بی سلطانہ کی شادی علی عادل شاہ سے کر دے اور شولاپور اُس کے جہیز میں دے دے اور حسین نظام شاہ کا بیٹا مرتضٰی علی عادل شاہ کی ہمشیرہ ہدیہ سلطانہ سے شادی کرے اِس طرح دونوں سلطنتوں میں اتّحاد اور یگانگت قائم ہو کر

متفقہ کوشش سے سلطنت بیجانگر کو تباہ کرنے کا اچھا موقع ملے گا چنانچہ ملا عنایت اللہ اور مصطفیٰ خاں اردستانی بیجاپور آئے اور بات پکی کر کے واپس چلے گئے۔ ایک تاریخ طرفین سے مقرر ہوئی اور شہر و بازار بیجاپور و احمد نگر انواع و اقسام کے تکلفات و آرائش سے آراستہ کیے گئے اور دونوں مقامات پر جشن دل کشا ہو کر شادیاں ہو گئیں۔ ؎

فرو ریخت چوں قطرہ ز ابر بہار		زر و گوہر و لولو شاہوار	
زبس گوہر و زر کہ افشاندہ شد		ز برچیدنش دست ہا ماندہ شد	

دونوں شہروں میں جب مہمانی اور میزبانی ختم ہو گئی تو چاند بی بی سلطانہ بیت الشرف بیجاپور میں تشریف لا کر قران السعدین ہوا اور ہدیہ سلطانہ نے اپنے نور موفور السرور سے احمد نگر کو منور کیا گویا زہرہ و مشتری کا قران ہوا۔ اس طرح بہ حسن و خوبی یہ دونوں شادیاں ختم ہوئیں بعد ازاں دونوں بادشاہوں نے جنگ کی طیاریاں بھی شروع کر دیں۔

تالی کوٹہ پر لشکر کشی "علی عادل شاہ نے جنگ شروع کرنے کے لیے یہ حجت نکالی کہ رام راج کے پاس ایک ایلچی بھیجا اور لکھا کہ مقامات قلعۂ مدگل و رایچور وغیرہ جو انھوں نے مسلمانوں سے چھین لیے ہیں وہ واپس دے دیں۔ علی عادل شاہ جو سونچے بیٹھا تھا وہی ہوا کہ رام راج نے سیدھا الٹا کچھ بھی جواب نہ دیا ایلچی کو ذلیل کر کے دربار سے نکلوا دیا اس پر دونوں بادشاہ لڑائی پر آمادہ ہو گئے اور جلد جلد طیاریاں ہونے لگیں"۔ ابراہیم قطب شاہ بھی ان میں مل گیا اور چاروں بادشاہ یعنی خود عادل شاہ ابراہیم قطب شاہ حسین نظام شاہ بحری اور علی بریدمیدان جنگ میں اپنی اپنی فوج لے کر جمع ہوئے ؎

سران سپہ رایت افراختند		روا رو بہ عالم درانداختند	
ز لشکر کہ عرضش بہ فرسنگ بود		بیاباں بہ نخچیر بر تنگ بود	
ہمہ روئے صحرا شدہ نوبہار		ز رنگیں علم ہائے گوہر نگار	

اور ۲۰ جمادی الاولیٰ ۹۷۲ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۵۶۴ء یوم دوشنبہ کو جنگ پر روانہ ہوئے تا دکن کے وسیع میدانوں پر سے ان کا گزر ہوا۔ کھیتوں میں جو فصل کھڑی ہوئی تھی وہ سواروں کے ہزاروں گھوڑے روندتے اور چرتے گئے۔ چلتے چلتے کرشنا ندی کے

قریب قصبہ تالی کوٹہ پر پہنچے یہ ایسا مقام ہی کہ جو اِس عظیم الشان لڑائی کے سبب سے تواریخ جنوبی ہند میں ہمیشہ مشہور رہے گا - دریاے ڈون و کرشنا کا جہاں سنگم ہوا ہی اُس سے (۱۷) میل چڑھ کر تالی کوٹہ ہی اور جہاں اب ریل کرشنا پر سے گزرتی ہی وہاں سے (۶۵) میل غرب میں واقع ہی - یہ موسم فوجوں کی نقل و حرکت کے لیئے بہت ہی موزوں تھا کہ مطلع صاف تھا اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں - اِس مقام پر عادل شاہ نے جو اِس ملک کا بادشاہ تھا دوسرے بادشاہوں کی مہماں نوازی شاہی طریقے پر کی بہت دنوں تک لشکر پڑے رہے اُن کے عبور و مرور اور کسریٹ کا سامان ہوتا رہا -
جاسوس بھی بھیجے گئے تھے کہ کون سا موقع عمدہ ہی جہاں سے دریا پار ہوں - بیجانگر والے تو اپنے گھمنڈ میں مطمئن تھے وہ جانتے تھے کہ بارہا مسلمانوں نے بیجانگر پر حملہ کیا ہی مگر ایک دفعہ بھی کامیاب نہ ہوے اور برابر دو صدیوں سے یہی سلسلہ چلا آرہا ہی - ہر شخص معمولی

لہ فی الحقیقت اِس مقام پر لڑائی نہیں ہوئی بلکہ دریا کے جنوب میں کئی میل ہٹ کر ہوئی - تالی کوٹہ کرشنا سے (۱۰) میل شمال میں واقع ہی - یہ لڑائی رام راج کے کیمپ میں ہوئی جو دریا کے جنوب میں دس میل کے فاصلے پر واقع تھا - اِس لڑائی کا ٹھیک مقام کون سا تھا معلوم نہیں ہوتا لیکن اغلب ہی کہ یہ مقام مدگل ہوگا جہاں کہ ایک مشہور قلعہ ہی اور جو دریاے کرشنا کے شمال اور دریاے تنگ بھدرا کے جنوب میں واقع ہی - مسلمانوں کا لشکر موضع انگلگی کے پاس سے اُترا جہاں کہ دریا نے خم کھایا ہی اور پایاب ہی یہ لڑائی مواضع بایاپور اور بھوگاپور کے درمیانی میدان میں ہوئی پائی جاتی ہی - یہ مقامات اُس سڑک پر واقع ہیں جو انگلگی سے مُدگل جاتی ہی - انگلگی کرشنا ندی کے پار سرکار انگریزی کا علاقہ ہی اور بایاپور - بھوگاپور اور مُدگل ہر سہ مقامات سرکار عالی نظام کے علاقے میں ہیں بایاپور سے مُدگل تخمیناً (۶) میل کا فاصلہ ہی اور پٹ میدان ہی خاکسار کو موقع دریافت سے معلوم ہوا کہ جہاں سے مسلمانوں کا لشکر اُترا وہ مقام ایچن پور تھا جو انگلگی کے محاذی دریا کے دوسرے کنارے پر ہی - اِس موضع کا اصلی نام ایچل پور تھا - ایچل کنڑی میں املی کو کہتے ہیں - اِس گاؤں کے سامنے مسجد کے روبرو ایک املی کا بڑا درخت تھا جو اب گر گیا ہی کثرتِ استعمال سے ایچن پور ہوگیا اور اب اسلام پور کے نام سے مشہور ہی - اِس نام سے ظاہر ہی کہ بادشاہانِ اسلام نے یہ نام رکھا ہوگا - اِس جگہ دریا میں پانی بہت کم رہتا ہی اور یہی مقام لشکر اُتارنے کے لیئے موزوں ہی چنانچہ ۱۸۷۱ء میں انگلگی سے جھانسی جاتے ہوے جیسویں گارڈن ہارس کیولری کی تین ہزار فوج و ہمراہیان اِسی مقام سے ندی پار ہوے تھے اور ہمیشہ فوج وغیرہ

۱۲ اب بھی اِسی مقام سے دریا پار ہوتی ہی ۱۲

طور پر اپنے کاروبار میں مصروف تھا کسی کو لڑائی کا کھٹکا نہ تھا۔ بیلوں کے ٹانڈے سامانِ تجارت بے فکری سے ملک میں لاتے اور لے جاتے تھے مگر اُنھیں خبر نہ تھی کہ اُن کے سروں پر بال کے سہارے تلوار لٹک رہی ہے۔ سدا سیو برائے نام بادشاہ تھا وہ اپنی بیکار زندگی کے دن عیش و آرام میں بسر کر رہا تھا جو کچھ تھا رام راج ہی تھا۔ وہ دشمنوں کی نقل و حرکت کی خبریں پاتا تھا مگر اُس کے طنطنے میں ذرا فرق نہیں آیا وہی اطمینانِ خاطر تھا اور وہی بے پروائی۔ اپنے سامنے کسی کی حقیقت سمجھتا ہی نہ تھا۔ بادشاہوں کے ایلچیوں کو دھتکار دیتا تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کی دشمنی سے ہمارا بال بیکا نہ ہوگا[1] تاہم وہ ضروری احتیاطوں اور پیش بندی سے غافل نہ تھا اُس نے پہلا کام تو یہ کیا کہ اپنے بھائی ترمل راج کو بیس ہزار سوار اور ایک لاکھ پیدل اور بانسو ہاتھی دے کر سرحد پر بھیج کر کرشنا کے تمام گھاٹوں کو روک دیا اس کے بعد اُس نے اپنے بھائی ونکٹادری کو ایک بڑی بھاری فوج کے ساتھ روانہ کیا اور سب سے آخر خود بیجانگر کی باقی ماندہ فوج لے کر چلا اور اپنی پوری طاقت فراہمیِ لشکر میں صرف کر کے جہاں لڑائی ہونے والی تھی وہاں جا پہنچا۔ ؎

گرائید عفریتِ آشوبناک　　شتابندہ چوں اژدہا برہلاک

بیجانگر کا لشکر مختلف صوبوں سے جمع کیا گیا تھا اُس میں کنٹرے اور تلنگے سرحدی مقامات سے لیے گئے تھے۔ میسوی اور ملیباری غربی و وسطی حصۂ ملک سے اور تامل جنوبی اضلاع بعیدہ سے اکھٹے کیے گئے تھے۔ ہر ملک کی فوج اپنے اپنے سرداروں کے تحت میں تھی۔ فوج میں جدید عہدے سپہ سالاروں کے قائم کر کے لشکر اُن کے تفویض کر دیا تھا۔ کوٹو نے لکھا ہے کہ اس موقعے پر چھ لاکھ پیادے اور ایک لاکھ سوار جمع تھے لیکن مسلمانوں کے پاس اس کی آدھی فوج بھی نہ تھی۔ بیجانگر کی فوج کس درجہ آراستہ و مسلح تھی اُس کا حال پیئر نے اِس لڑائی سے (۴۵) برس پیشتر لکھا ہے جب کہ اُس نے بچشم خود ایک

---

[1] کوٹو نے لکھا ہے کہ رام راج کو مسلمانوں کے لشکر کے بڑھنے کی خبر ہی نہ تھی اور جب تک لشکر اُس کے علاقے میں داخل نہیں ہو گیا اُسے کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ ایک دن یہ شب کو کھانا کھا رہا تھا کہ اُسے خبر ملی لیکن یہ بات بالکل خلافِ قیاس ہے کہ رام راج جیسا بے دار مغز ایسا غافل رہا ہو۔

بہت بڑی جنگی تواعد کے وقت دیکھی تھی اور وہ اُس کے وقائع میں ملاحظہ طلب ہے۔ پینیر نے جس فوج کو دیکھا تھا وہ باقاعدہ تھی اِس کے علاوہ لڑائی کے وقت اَور نئی فوج بھرتی کرلی جاتی تھی جس میں زیادہ پابندی لباس کی نہیں ہوتی تھی بلکہ بعض دھوتی کے سوائے کچھ نہ پہنتے تھے اور اُن کے پاس برچھا یا خنجر کے سوائے کچھ ہتیار بھی نہ ہوتے تھے۔ یہی اِس زمانے کے بیڈروں کا لباس ہے۔ یہ لوگ چھال[1] میں کپڑوں کو رنگ لیتے تھے جو اِس زمانے کے خاکی فوجی لباس سے زیادہ سُرخی مائل تھا اِس میں ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ کسی کو زخم لگتا تو خون کا دھبہ کم نمایاں ہوتا تھا عموماً اُن کے ہاتھوں میں برچھے اور بعض کے پاس تلواریں۔ جنبیہ۔ اور خنجر رہا کرتے تھے مسلمانوں کا لشکر کہیں دُور اُترا تھا۔ جاسوسوں نے آکر خبر دی کہ دشمنوں نے دریا کے سب گھاٹ اِس طرح رُوک لیے ہیں کہ گزر دہم کا بھی نہیں ہوسکتا گنجائش فوج آنے کی کہاں۔ شاہانِ اسلام نے یہ حالت دیکھ کر جاسوسوں کو دوڑایا کہ یہاں سے تین چار منزل ہٹ کر ندی سے اُترنے کا مقام دریافت کرکے خبر لائیں تاکہ وہیں سے ہم لشکر کو اُتاریں۔ جاسوسوں نے آکر خبر دی کہ دو تین جگہ گھاٹ اُترنے کے قابل تو ہیں اور پانی بھی کم ہے سامان کی بیڑیاں وغیرہ بھی گزر سکتی ہیں لیکن اِن سب مقامات کو دشمنوں نے روک رکھا ہے اور دیواریں کھینچ کر اُن پر آتش بازی رکھ دی ہے وہاں سے گزرنا ممکن ہے۔ اِس کے بعد سب بادشاہوں نے مشورت کی اور باتفاقِ رائے یہ بات قرار پائی کہ اِس موقع پر چال چلنی چاہیئے بہ مصداق الحرب خدعۃ ہم کو ایک ایسے مقام پر جو یہاں سے دو تین منزل کے فاصلے پر ہو چلنا چاہیئے وہاں سے اُترنے کا سامان کریں دشمن دھوکا کھا کر اُس طرف جھک پڑے گا تب ہم واپس آکر اِسی مقام سے اُتر جائیں گے۔ حسبِ شورہ لشکرِ اسلام برابر دو تین منزل کوچ کرکے اُس مقام پر پہنچ گیا اور کشتی اور ٹوکرے وغیرہ سامانِ عبور کی تیاری کرنے لگے۔ ہندوؤں نے دریا کے جنوب میں تمامی مقامات کی ناکہ بندی کرکے گھاٹوں پر توپیں لگا دی تھیں اور برابر پُل پُل

[1] تمڈو ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے پودے ہوتے ہیں جس کے زرد پھول ہوتے ہیں اِس ملک میں کثرت سے اُس کی جھاڑی ہے اور چھڑے کے رنگنے میں بہت کام آتا ہے اِس کی چھال سے کپڑا جو رنگا جاتا ہے اُس کا رنگ کتھے چونے کے گہرے رنگ کا ہوتا ہے اور پختہ ہوتا ہے ۱۲ [2] لڑائی تو صرف ایک پُل دینا ہے ۱۲۔

کی نقل و حرکت کی خبر رکھتے تھے جب اُنھیں معلوم ہوگیا کہ مسلمان فلاں گھاٹ سے اُترنے والے ہیں اپنے مقامات خالی چھوڑ کر ٹھیک اُس مقام کے محاذی جہاں سے مسلمان پار اُترنے کا سامان کر رہے تھے روکنے کے لیئے جا پونہچے۔ مسلمان تو یہ چاہتے ہی تھے تھوڑی سی منتخب شاہی فوج تین دن کی منزلِ شبانہ یلغار طے کر کے غروبِ آفتاب تک اُس گھاٹ پر پلٹ آئی جہاں سے پہلے اُترنا مقصود تھا۔ رام راج کا لشکر پیچھے رہ گیا اور ابھی پونہچنے بھی نہ پایا تھا کہ مسلمانوں کی تھوڑی سی فوج ندی کے پار ہوگئی اِس کے بعد پھر کیا تھا باقی لشکر بھی بہ تدریج اُتر گیا۔ یہ مسلمانوں کی چالاکی اور ایک بڑا داؤ تھا۔ تین دن تک تو مسلمانوں کے لشکر خاموش پڑے رہے۔ چوتھے دن علی الصباح رام راج کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ رام راج یہ خبر پاکر گھبرایا اور تمام شب فوج کی طیاری کرتا رہا اور سوائے اِس کے مفر نہ تھا کہ جنگ کے لیئے آمادہ ہوجائے جس گھاٹ سے مسلمانوں کا لشکر اُترا تھا وہاں سے ہندوؤں کے لشکر کا صرف (۱۰) میل کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ وٹھلا دری اور ترمل دونوں اپنے بھائی رام راج کے پاس پہلے ہی پونہچ چکے تھے۔

جنگ تالی کوٹہ اور مسلمانوں کی فتحِ کامل ۱۵۶۵ء

دوسرے روز ۲۳ر جنوری ۱۵۶۵ء کو بروز شنبہ[1] دونوں طرف طیاریاں ہوکر لڑائی شروع ہوگئی۔ تاریخ فرشتہ میں بیجانگر کی افواج کی تعداد نو لاکھ پیدل (۴۵) ہزار سوار۔ دو ہزار زنجیر فیل اور متفرق امدادی فوج پندرہ ہزار درج ہے۔ فرشتہ نے مختلف مقامات پر فوج کی تعداد مختلف بتلائی ہے اِس سے اِس تعداد کے بالکل ٹھیک ہونے میں شک ہے تاہم یہ تو یقینی بات ہے کہ فوج کی تعداد بہت بڑھی ہوئی تھی۔ شاہانِ اسلام نے عَلَم دوازدہ امام کے برپا کیئے اور صفیں لشکر کی آراستہ کیں میمنہ پر خود علی عادل شاہ موجود تھا۔ لشکر کے قلب میں حسین نظام شاہ اور میسرہ پر ابراہیم قطب شاہ و علی برید بادشاہانِ گول کنڈہ و بیدر تھے۔ احمد نگر اور گول کنڈہ کی افواج لمبان میں پھیل گئیں اور توپ خانے کو بیچ

[1] اِس لڑائی کی تاریخ فرشتہ نے ۲۰ر جمادی الثانیہ ۹۷۲ھ روز جمعہ لکھی ہے لیکن جنتری کے حساب سے اِس تاریخ کو منگل کا دن پڑتا ہے نہ کہ جمعے کا۔۱۲

میں لے لیا جنگی ہاتھیوں کو جا بجا حسبِ دستور و قاعدہ کھڑا کر دیا طبلِ سکندری و کرنا ے اور نگی و طبل و ڈنکہ وغیرہ اس زور و شور سے گونجے کہ آسمان و زمین ہل گئے۔ ؎

زغرّیدنِ کوسِ قلبِ تہی	درآمد بسر موے را فرہی
زبس تیز آوازیٔ نائے زر	بگوشِ صدف سُفتہ می شد گہر
زمیں گفتی از یک دگر می درید	سرافیل صورِ قیامت دمید

دوسری جانب سے راے بیجانگر کی افواج نے بھی افسرانِ فوج کو ملا کر استمالت کی اور فوج میں ہتیار تقسیم کیے اور لشکر کی آراستگی شروع کی۔ میسرہ ترمل راج کے سپرد کیا گیا جو عین ابراہیم عادل شاہ کے مقابلے میں تھا اور میمنہ ونکٹادری کو بہ مقابل علی برید و قطب شاہ کے دیا اور قلبِ لشکر میں خود رام راج بہ مقابلہ حسین نظام شاہ کے رہا۔ دو ہزار زنجیر فیل اور ایک ہزار توپوں کو جا بجا حسبِ قاعدہ ترتیب دے دی۔ نظام شاہ کے لشکر کے سامنے تین قطاروں میں چھ سو توپیں لگی ہوئی تھیں۔ سب سے آگے بڑی بڑی بھاری توپیں تھیں دوسری قطار میں اُس سے چھوٹی اور سب سے پچھلی قطار میں سب سے چھوٹی۔ نظام شاہ کے

؎ تالی کوٹے کی لڑائی میں علاوہ ہزاروں توپوں کے بیجانگر کی مشہور توپ ملکِ میدان بھی لائی گئی تھی جو اس وقت بیجاپور میں ایک سب سے بڑی برج پر جو مکا اور شاہ پور دروازے کے درمیان واقع ہے رکھی ہوئی ہے۔ یہ توپ بیجاپور میں سب سے بڑی توپ ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس قسم کی دو توپیں اور ہیں ایک بیدر میں اور دوسری دولت آباد میں لیکن یہ اُن سب سے بڑی ہے۔ یہ توپ (۱۴) فٹ (۴) انچ لمبی ہے اس کا قطر (۴) فٹ (۱۱) انچ ہے اور دہانہ دو فٹ چار انچ اس کا وزن ساٹھ کھنڈی ہے (ایک کھنڈی (۲۰) من کی ہوتی ہے) بعد میں اس کا وزن کیا گیا تو تین ہزار دو سو رطل ہوا یہ توپ آٹھ دھاتوں سے بنائی گئی ہے۔ احمد نگر میں حسین نظام شاہ بادشاہ کے حکم سے ایک رومی کاریگر نے بنائی تھی جہاں ڈھالی گئی تھی وہ مقام اب تک موجود ہے۔ سلطان محمد بادشاہ غازی اس توپ کو قلعہ پریندہ پر لے گیا تھا جو بیجاپور سے سو میل کا فاصلہ ہے جب اُس قلعے کو فتح کر لیا تو ۵ صفر ۱۰۴۲ھ مطابق ۱۶۳۲ء کو قلعے کی فتح کی یادگار میں بادشاہ کے حکم سے مُراری پنڈت نے پریندہ سے لاکر بیجاپور میں رکھی۔ اس توپ کا دہانہ اژدہے کی منہ کی شکل کا ہے اور اس پر جو کتبے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توپ ۹۵۶ھ مطابق ۱۵۴۹ء میں ابو الغازی نظام شاہ بادشاہ کے عہد میں محمد بن حسن رومی نے بنائی تھی اور اورنگ زیب نے (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

لشکر کے سامنے دو ہزار تیر اندازوں کا پرا جمع ہوا تھا اور ایسی زور و شور سے تیر اندازی ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کا لشکر اُن کی آڑ میں بالکل محفوظ تھا جب ہندوؤں کی فوج بالکل نزدیک آگئی تو تیر انداز ہٹ گئے اور گولہ باری اِس شدّ و مدّ سے ہوئی کہ غنیم کا بے انتہا نقصان ہوا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ رام راج کی عمر اِس وقت (۸۰) سال کی تھی تھا تو وہ بڈھا لیکن ہمّت جوانوں سے زیادہ تھی اُس نے سنگاسن (پالکی) میں سوار ہو کر میدانِ جنگ میں جانے کا ارادہ کیا۔ ہر چند مقربان نے التماس کی کہ حضور گھوڑے پر سوار ہوں مگر غایتِ عُجب و غرور سے قبول نہ کیا۔ ایسے موقع پر پالکی میں سوار ہونا از بس خطرناک تھا کیوں کہ اگر پس پا ہونا پڑے تو بھاگنا ناممکن تھا۔ ہر چند لوگوں نے اصرار کیا لیکن اُس نے ایک نہ مانی اور جو کہا تھا وہی کیا اور جواب دیا کہ یہ جنگ ہی یا بچّوں کا کھیل ہی مجھے گھوڑے پر سوار ہونے کی کچھ ضرورت نہیں میری فوج ایسی بہادر ہی کہ دشمن کی فوج اُن کے مقابلے میں طفلِ مکتب ہی ان کی صورت دیکھتے ہی اُن کے اوسان خطا ہو جائیں گے اور بھاگتے ہی نظر آئیں گے۔ رام راج کو اپنی طاقت کا ایسا گھمنڈ تھا کہ اُس کو اپنی فتح کا یقینِ کامل تھا۔ رام راج نے اپنے آدمیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ حسین نظام شاہ کا سر کاٹ کر لائیں اور علی عادل شاہ اور ابراہیم قطب شاہ بادشاہانِ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۸ بیجاپور فتح کیا تو اُس نے ۹۷۳ھ مطابق ۱۵۶۵ء میں اپنی فتح کی تاریخ بھی کھدوا دی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ توپ خوردہ (پیسے) بھر کر چلائی جاتی تھی اور جب چلتی تھی تو اطراف واکناف کی عورتوں کے حمل ساقط ہو جاتے تھے ۱۸۵۷ء میں ستارہ کے کمشنر صاحب نے اِس توپ کو فضول سمجھ کر تحصیلدار کو حکم دیا کہ نیلام کر دی جاوے لوگوں کے یہ کس کام کی تھی سوائے اِس کے کہ توڑ کر کچھ بنا لیتے۔ نیلام میں سب سے اونچی بولی ڈیڑھ سو روپے ہوئی۔ اِتنی بڑی توپ کے ڈیڑھ سو روپے! چوں کہ یہ توپ ایک عجائباتِ خانہ سے تھی اِس لیے بیدار مغز حکامِ مقامی نے اِس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ ایک مرتبہ یہ بھی ارادہ کیا گیا تھا کہ اِس توپ کو کسی بڑے عجائب خانے میں بھیج دیا جاوے لیکن وہ کھسک نہ سکی۔ اِس توپ پر جو ذیل عبارت کندہ ہے۔

فی سنہ جلوس والا — اللہ ولاسواہ — مطابق ۹۷۳ھ

شاہ عالم گیر غازی بادشاہِ دیں پناہ — آں کہ دادِ عدل داد و ملکِ شاہاں را گرفت
فتحِ بیجاپور کردہ بہرِ تاریخِ ظفر — رونمود اقبال گفتہ ملکِ میداں را گرفت

بنا سنہ ۹۵۶ھ - ابوالغازی نظام شاہ - خادمِ اہلِ بیتِ رسول اللہ - عمل محمد بن حسین رومی۔

بیجاپور و گول کنڈہ کو زندہ پکڑ کر لائیں تاکہ میں اُن کو اُن کی بقیہ عمر تک لوہے کے پنجروں میں قید کر کے رکھوں۔ اب لڑائی گھمسان ہو گئی ہندوؤں نے بھی گولہ باری اور بان پھینکنے شروع کیے مسلمانوں کے لشکر کا دایاں اور بایاں حصہ دست بدست تیر و تبر و نیزہ و تلوار سے لڑنے لگا ؎

بجنبش در آمد دو لشکر چو کوہ	کزیں جنبش آمد زمیں را ستوہ
بر آمد ز قلب دو لشکر خروش	رسید آسماں را قیامت بگوش
بہ جنبش در آمد دو دریائے خوں	شد از موجِ آتش زمیں لالہ گوں
زمیں گو بساطے بُد آراستہ	غبارے شد از جاے برخاستہ
ز بس تیر باراں کہ آمد بجوش	فگند ابرِ بارانیِ خود بدوش
ز مُرغانِ چوبینِ فولاد دُم	شدہ راہ بر ماہ و خورشید گم
ز منقارِ پولاد پراں خدنگ	گرہ بستہ خوں در دلِ خارہ سنگ
کماں کج دابرو ز مژگانِ تیر	ز پستانِ جوشن بر آوردہ شیر
چو ہندوے بازی گرِ گرم خیز	معلق زناں تیغ ہندیِ تیز

ہندو لڑائی کی وجہ سے بہت نقصان اُٹھا کر منتشر ہو گئے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو کہ رام راج کو جوش آیا اور اپنی فوج کو ہمت دلانے کے لیے پالکی سے اُتر کر ایک زرنگار اور مرصع تخت پر جس کے اوپر قرمزی مخمل کا کارچوبی شامیانہ تھا اور موتی کے جھالر لگے ہوے تھے بیٹھا اور اپنے پاس روپیوں اور زر و جواہر کے ڈھیر لگا دیئے اور ترازو میں تول تول کر اپنے لشکریوں میں تقسیم کیے اور کہا کہ جو کوئی لشکرِ اسلام کو مغلوب کر کے فتح حاصل کرے گا اُسے طبق ہاے طلائی اور بے شمار جواہر دیے جائیں گے۔ پھر کیا تھا ہندوؤں کی فوج میں تازہ روح آ گئی اور سب بہادرانِ لشکرِ ہنود مع ترمل راج اور وٹھل دیو اکھٹے ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوے اور ہندوؤں نے دوسرا دھاوا اُن توپوں پر کیا کہ جو بیچ کی قطار میں تھیں۔ عام خیال یہ تھا کہ اب مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ جائیں گے۔ لشکرِ اسلام میں تہلکۂ عظیم برپا ہوا مقدمہ میمنہ و میسرہ لشکر کا پس پا ہونے لگا فتح سے مایوسی ہونے لگی

نظام شاہ نے یہ حالت دیکھ کر ایک معتبر امیر کو بھجوا کر قطب شاہ اور برید کو اپنے قریب بلوایا اور پھر ہمت کر کے اپنی پہلی جگہ پر آ کر جم گیا اور کہا کہ غلبہ کفار کا زیادہ ہی قریب ہی کہ لشکرِ اسلام چشمِ زخم کھاے - ارادہ شہادت کا مستحکم کر لیا اور فرّاشانِ بارگاہ کو حکم دیا کہ رَن حکم گاڑ دیں کہ کوئی شخص اِس جگہ سے پیس پا نہ ہو نظام شاہ کے ساتھ ہمیشہ محلّات رہتے تھے جب لڑائی کی حالت دِگرگوں نظر آئی تو اُس نے ہر ہر سواری کے ساتھ ایک ایک خواجہ سرا کو تلواریں دے کر متعیّن کیا اور حکم دیا کہ اگر ہماری صورت نوع دیگر ہو جاے تو اِن سب کو فوراً مار ڈالنا - جب رام راج نے یہ حال دیکھا تو سمجھ گیا کہ مسلمان ہاتھ دھو کر بے طور پیچھے پڑے ہیں اِن کا ٹلنا محال ہی - تاہم اپنی جمعیت کو اُمیدِ سرفرازی و بخشش کی دے دلا کر ثابت قدم رکھا - علی عادل شاہ سیدھی طرف ترمل راج کے مُقابلے میں تھا اُدھر آتش جنگ ایسی مشتعل تھی کہ ترمل راج تاب نہ لا سکا - عادل شاہ کی فوج دَبائی چلی آ رہی تھی یہاں تک پس پا کیا کہ ہٹتے ہٹتے رام راج کے لشکر میں پہنچ گئے - رام راج گھبرایا کہ اب مَیں بھی گرفتار ہو جاؤں گا آگے سے فوج نظام شاہ اور قطب شاہ کی اور پیچھے سے علی عادل شاہ میدان اِس کا تنگ کیے ہوے تھا تو ناچار اپنی موت دیکھ کر لڑنے پر آمادہ ہوا - نظام شاہ کو خبر نہ تھی کہ اُدھر کیا ہو رہا ہی - علی عادل شاہ کے لشکر کی جگہ خالی دیکھ کر اندیشہ ناک ہوا کہ خیر نہیں خدا معلوم کیا بات پیش آئی اُسی وقت رومی خاں داروغہ توپ خانے کو بُلا کر نظام شاہ نے حکم دیا کہ ہاں دیر کیا ہی بَلک میدان میں خوردہ (سیسے) بھر کر مارو - بالکل نزدیک سے ایسی گولہ باری ہوئی کہ جس طرح درختوں کے پتے گرتے ہیں آدمی چھجنے لگے - پانچ ہزار ہندو ایک دم توپ خانے کے سامنے مُردہ پڑ گئے - اِس بھاری نقصان سے ہندوؤں کے دلوں میں ایک سنسنی پھیل گئی اور جو جہاں تھا گھبرا گیا اِسی اثنار میں مسلمانوں کے پانچ ہزار سوار ہندوؤں کے لشکر میں مارتے کاٹتے گھُس گئے اور جہاں رام راج بیٹھا تھا ٹھیک اُسی جگہ جا پہنچے -

رام راج کا قتل

رام راج تخت سے اُتر کر پالکی میں گھُسا ہی تھا کہ نظام شاہ کے لشکر کا غلام علی نامی ہاتھی ہندوؤں کے لشکر میں جا گھُسا - توپ کی دہشت اور ہاتھی کے

حملے سے ہر ایک گروہ متفرق ہو گیا کسی نے اپنے سرداروں تک کی پروا نہ کی کہار بھی گھبرا گئے اور پالکی پھینک دی فیل بان نے جو پالکی مرصع دیکھی تو لالچ آیا اور ہاتھی اُسی طرف بڑھایا۔ رام راج کو اتنی مہلت نہ ملی کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو جاتا کہ مسلمانوں کی فوج نے اُسے نرغے میں کر لیا ایک برہمن دلپت راؤ نامی اُس کا مقرب تھا۔ رام راج کے ساتھ شرطِ رفاقت بجالایا اور راجہ کو اپنی آڑ میں لے لیا اور مہاوت سے کہنے لگا کہ زنہار مہاراج کو کچھ آفت نہ پونہچاؤ اور اگر تم مہاراج کی سواری کے لیئے ایک گھوڑا لے آؤ تو تمھارے ساتھ بہت کچھ سلوک کیا جاے گا اور اس کے معاوضے میں مہاراج تجھے بڑا بھاری امیر بنا دیں گے اور مالامال کر دیں گے۔ فیل بان نے مہاراج کا نام سنتے ہی ہاتھی کو اشارہ کیا اُس نے رام راج کو سونڈ میں اُدھر اُٹھا لیا۔ فیل بان کو گوہرِ مراد ہاتھ آیا ع یار در خانہ و ما گرد جہاں می گردیم۔ فوراً ہاتھی کو بجلی کی طرح دوڑا کر اپنے لشکر میں جا داخل ہوا اور رام راج کو رومی خاں داروغۂ توپ خانے کے پاس لے گیا اُس نے رام راج کو حسین نظام شاہ بادشاہِ احمد نگر کے حضور میں زندہ پونہچا دیا۔ نظام شاہ خلافِ امید ایسی کام یابی دیکھ کر بے انتہا خوش ہوا اور رام راج کو اپنے روبرو بٹھا کر پوچھا کہ "مہاراج کیا حال ہی"؟ رام راج نے کچھ جواب نہ دیا ہاتھ سے اشارہ اپنی پیشانی پر کیا یعنی تقدیر! حکیم قاسم بیگ تبریزی نے جو مقربانِ نظام شاہ سے تھا نہایت مضطربانہ بادشاہ سے عرض کیا کہ یہ کون سا وقت ہی کہ آپ باتیں کر رہے ہیں جلد اس کا خاتمہ کیجیے۔ علی عادل شاہ اس کی فرزندی کا دم مارتا ہی اگر اُسے خبر ملے گی تو آپ کے ہاتھ سے چھین لے گا پھر خدا جانے کیا معاملہ پیش آئے۔ بادشاہ نے سمجھا کہ حکیم ٹھیک کہتا ہی اور اُسی وقت رام راج کا سر تن سے جدا کرا کر ایک بلند نیزے پر چڑھوا دیا اور رہنود کے لشکر کے سامنے کھڑا کرایا ؎

؎ اس واقعے کی تاریخ فتح دیں مرگِ لعیں ہی۔ مورخ فرشتہ کے والد غلام علی استرآبادی نے اس کی تاریخ بطورِ تعمیہ اس مصرعے سے نکالی ہی ع بے نہایت خوب واقع گشت قتلِ رام راج "قتلِ رام راج" سے حرف نہایت یعنی آخری حرف ج کہ جیم ہی اس کے (۳) عدد خارج کر دیئے جائیں تو وہی تاریخ نکلتی ہی ۱۲

سرِ کشتہ راچوں زنند یک شاہ | ببرند بر نیزہ تا رزم گاہ
ہنر بر ان لشکر پس آں دلیر | ہماں حملہ کردند چوں نرِ شیر
بہ ہندو غریو اندر افتاد پاک | رفتند یکسر تن اندر بہ خاک
کلاہ و کمر ہا بیانداختند | خروشیدنِ مویہ پرداختند
فگندند بنجوق و کوسِ ہنر | گریزاں بہ رفتند پُر از خون و گرد

سر کا نیزے پر چڑھانا تھا کہ بیجانگر کے لشکر میں کھلبلی اور بھاگڑ پڑ گئی لوگوں کے رہے سہے حواس جاتے رہے سمجھے کہ مسلمانوں کی فتح ہو گئی اور جو مردانگی اور بہادری معرکۂ جنگ میں دکھلا رہے تھے اپنی اپنی جان بچا کر بھاگے جس کو دیکھو بھاگتا ہی نظر آیا۔ بھگوڑی فوج کے پیچھے مسلمانوں کا لشکر لگا اور بارہ کوس تک تعاقب کیا۔ یہ بارہ کوس کا میدان زر و جواہر اور ہاتھی۔ گھوڑوں۔ اور زخمیوں سے فرشِ زمین تھا اور لشکر میں منادی کر دی گئی تھی کہ سوائے ہاتھی۔ گھوڑے۔ توپ۔ علم۔ نشان اور نقاروں کے باقی سب چیزیں زر و جواہر وغیرہ کی لوٹ بھی لشکریوں کو معاف ہے۔ لوٹ کا یہ حال تھا کہ لشکرِ اسلام کا ہر سپاہی زیورات و جواہرات و مال و متاع و خیمہ و ہتیار اور لونڈی غلاموں سے مالا مال ہو گیا ؎

سریر و سرا پردہ و تاج و تخت | نہ چنداں کہ آں بر تواند نخت
جواہر نہ چنداں کہ آں را دبیر | در آرد بہ انگشت یا در ضمیر
بلوریں طبقہا و خواں ہائے لعل | ظرائف کشاں را لبِ سود نعل
ہماں تازی اسپانِ بازینِ زر | غلامانِ موزونِ زرّیں کمر
نوردِ ملوکانہ بیش از شمار | شتر بارِ زرّ و زینہ بیش از ہزار
دگر جنس ہائے کہ باشد غریب | وز و مخزن و خانہ یابد نصیب
سلاح و سلب را قیاسے نبود | پذیرندہ را روشناسے نبود
غنی گشت لشکر ز بس خواستہ | سراسر سپہ گشت آراستہ

ہزار توپ اور بے انتہا بیش قیمت اسباب سرکارِ بادشاہانِ اسلام میں داخل ہوا۔ آنا گندی تک کہ دس کوس کا فاصلہ ہے تمام زمین مُردوں اور زخمیوں سے پٹی پڑی تھی نشیانِ تیز قلم

بارہ دن تک شمار مقتولین اور زخمیوں کا کرتے رہے اور ایسا قتلِ عام ہوا کہ کرشنا ندی جو میدانِ کارزار کے پاس تھی اُس کا پانی خون سے لال ہوگیا۔ اِس معرکے میں کم سے کم ایک لاکھ ہندوؤں کا قتل کیا جانا معتبر روایات سے ثابت ہے۔ مسلمانوں کی کامل فتح ہوئی تو بادشاہانِ اسلام نے سرِ عاجزی زمینِ خاکساری پر جھکایا اور شکرانہ درگاہِ ایزدی میں ادا کیا ؎

سرِ بادشاہانِ گردن فراز　　بدرگاہِ او بر زمیں نیاز

ہندو بیجانگر بھاگے لیکن کچھ ایسے گھبرا گئے تھے کہ شہر کے اطراف میں جو پہاڑ تھے اُن کی بھی آڑ نہ پکڑی اور نہ بیجانگر کی فصیلوں اور مورچوں سے کچھ روک تھام کی بلکہ شہر کو کھلا چھوڑ دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہندوؤں کا لشکر بالکل برباد ہوگیا۔ اِس فتح کی خوش خبری کی اطلاع اطراف واکناف میں فوراً بھیجی گئی ؎

بپرداخت منشیِ صاحب ہنر		بسے نامہ در باب فتح وظفر
برانگیخت یکرانِ کلکِ دبیر		زمیدان کافور گردِ عبیر
رقم زد بسے داستانِ شریف		بخطِ لطیف و ادائے ظریف

کوٹو نے لکھا ہے کہ حسین نظام شاہ نے اپنے ہاتھ سے رام راج کا یہ کہتے ہوئے سر کاٹا کہ "میں نے تجھ سے اپنا بدلا تو لے لیا اب خدا جو چاہے سو کرے" عادل شاہ نے جب رام راج کے قتل کی خبر سُنی تو بہت افسوس کیا۔

سلہ کرنل برگز نے تجدید تاریخ فرشتہ میں ایک نوٹ دیا ہے کہ اِس واقعے سے متعجب خیز مثال اُس خصومتِ قلبی کی ملتی ہے کہ جو مسلمانوں کو ہندوؤں سے تھی اور یہ کہ اُس زمانے کے لوگوں کے خیالات کیسے خراب تھے کہ ہم نے بیجاپور میں رام راج کا سر پتھر میں تراشا دیکھا ہے جو اب تک موجود ہے اور جو قلعۂ بیجاپور کی نہری میں لگایا گیا ہے اور ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہر سال اُس کے اصلی سر کو ہر سال تیل اور عبیر لگا کر مسلمانانِ احمد نگر کو اِس لڑائی کی سالگرہ کے دن ڈھائی سو سال تک دکھلایا جاتا رہا۔ یہ سراب تک اُسی جلاد کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا ہے۔ یہ تحریر کرنل صاحب کی ۱۸۲۹ء کی ہے۔ ممکن ہے کہ اُس وقت ایسا ہو لیکن ہم نے تو احمد نگر یا بیجاپور میں یہ واقعہ سُنا نہیں۔ قلعۂ بیجاپور میں متعدد نہریاں ہیں اور اُن کو گنوکھ وغیرہ کے شکل میں بنایا ہے لیکن ہم نے کہیں نہیں سُنا کہ رام راج کا سر بنا کر اُس میں سے بدرَو نکالی گئی ہو اور نہ اب اِس لڑائی کی کوئی سالگرہ ہوتی ہے نہ رام راج کا سر مسلمانوں کو اِس کی یادگار میں تبلایا جاتا ہے البتہ یہ روایت بیجاپور میں زبان زدِ خاص و عام ہے کہ لڑائی کے بعد رام راج کا سر قلعے کے صدر دروازے پر چند دن لٹکا رہا (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

بیجانگر کا ہول ناک سما

اِس ہول ناک واقعے کی اطلاع بھاگی ہوئی فوج کے پُہنچنے کے پیشتر ہی بیجانگر میں معلوم ہوگئی تھی۔ باشندگانِ بیجانگر خالی الذہن بے خوف وخطر اطمینان سے اپنے کاروبار میں مصروف تھے اُن کو یہ خبر نہ تھی کہ اِس تھوڑے سے عرصے میں کایا پلٹ ہوگئی کیوں کہ اُن کو اِس بات کا اطمینان تھا کہ راجہ ٹیڈی دَل لشکر لے کر گیا ہے اور اُن لوگوں کو اپنی بہادری کے برتے پر کام یابی کا پورا بھروسا تھا لیکن دفعۃً معاملہ دگرگوں ہوگیا راجہ کی فوج کو شکست ہوئی اُمرا و رؤسا قتل کیے گئے باقی ماندہ فوج واپس آرہی ہے لیکن ابھی اِن لوگوں کو تفصیلی واقعات معلوم نہ تھے کیوں کہ پچھلے مواقع پر اکثر غنیم کو پس پا کر کے واپس آجایا کرتے تھے یا یہ کہ کچھ تحائف دے دلا کر صلح کر لیتے تھے اِن وجوہ سے جنگ میں جو کچھ بھی ہوا ہو شہر پر کسی آفت کے آنے کا اندیشہ نہ تھا اور یہ لوگ ابھی تک خوابِ خرگوش میں تھے اور سمجھتے تھے کہ شہر کو کچھ کھٹکا نہیں ہے لیکن جب جنگ سے بھاگی ہوئی فوج واپس آنے لگی اور اُن میں راجہ کے خاندان کے سربرآوردہ لوگ سراسیمگی کی حالت میں واپس آئے اور آتے ہی جھٹ پٹ اِن لوگوں نے اپنا مال و اسباب جو کچھ محلات میں مِل سکا سمیٹنا شروع کیا جب تو شہر میں ایسی گھبلی پڑی کہ توبہ ہی بھلی۔

راجہ کے علاقے داروں کی بھاگڑ

راجہ کے علاقے داروں نے ساڑھے پانسو ہاتھیوں پر زر وجواہرات جن کا اندازہ قریب دس کروڑ کی مالیت کے تھا لاد لیا اور ریاست کے ماہی مراتب اور راجہ کا مرصع تخت لے کر شہر سے نکلے جس کی حفاظت کے لیئے اِن کے ہمراہ چند بچے کھچے سواروں کا بدرقہ تھا۔ ترمل راج (جو اپنے بھائیوں کے مارے جانے کے بعد رنجنٹ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۴) جب وہ سڑ گیا تو پتھر کا سر بنا کر بطور دائمی یادگار کے قلعے کے صدر دروازے پر لٹکایا گیا تھا ۱۷۶۰ء میں کھرڈے کی لڑائی کے بعد جب بیجاپور پر پیشواؤں کا قبضہ ہوگیا تو اُنھوں نے پتھر کے سر کو اُتار کر تاج باؤلی میں پھینک دیا چند سال پیشتر باؤلی کی کیچڑ نکالتے وقت وہی سر ملا تھا جو اُٹھا کر بیجاپور کے عجائب خانے میں رکھ دیا گیا ہے اور اب تک موجود ہے ۱۲

یعنی نائب السلطنت ہوگیا تھا) راجہ سدا سیو کو (جو اُس کے پاس مقید تھا) اور اُس کے خاندان کے لوگ اور ملازمین وغیرہ کو لے کر جانب جنوب قلعہ پین کنڈہ کو بھاگ گیا۔

مسلمانوں کے شہر بیجانگر کو تاخت و تاراج کرنے کا افسوس ناک سین ۱۵۶۵ء

جب راجہ اور اُس کے لوگ شہر چھوڑ کر بھاگے تو شہر میں ایک اُودھم مچ گئی اور ہر شخص کو آیندہ آنے والی مصیبت کا اندازہ ہوگیا۔ یہ جنگ کا ہے کو تھی بلکہ ایک طوفانِ عظیم کی رَو تھی کہ جو اُس کے سامنے آگیا اُس کو بہالے گئی سب اُمیدوں کا خاتمہ ہوگیا شہر کے باشندے جو لاکھوں ہی تھے بے یار و مددگار رہ گئے سوائے چند کے اِن بیچاروں کو بھاگنے کا موقع بھی نہ ملا کیوں کہ باربرداری کی بیل گاڑیاں سب کی سب فوج کے ساتھ چلی گئی تھیں جو اب تک واپس نہیں آئی تھیں۔ ایسی حالت میں سوائے اِس کے بَن نہ پڑی کہ خزانوں کو توگا ڑدیا اور بڈھے اور عورتوں اور بچّوں کے سوائے جوانوں نے ہتیار سنبھال لیے اور اُس آنے والی مصیبت کے منتظر ہوکر بیٹھ گئے۔ دوسرے دن بیجانگر کے اطراف کی جنگلی اقوام اور لٹیروں نے آکر شہر کو لوٹنا شروع کیا۔ بنجاروں[1] لمباڑوں۔ کوروؤں اور اِسی قسم کے لٹیروں کے گروہ کے گروہ بدنصیب باشندگانِ شہر پر آن پڑے اور مال و اسباب۔ دکانوں اور بازاروں کو لُوٹ گھسوٹ کر ساری دولت لے گئے۔ کوتو نے لکھا ہے کہ ایک دن میں اِن لوگوں نے اوپر تلے چھ حملے کیے۔ فتح یاب مسلمان زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے دس دن تک میدانِ جنگ میں ٹھیرے رہے اور چندے آرام لیا اِس کے بعد بیجانگر کا رُخ کیا اور اُس دن سے لگاتار پانچ مہینے تک لُوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ لوگوں نے اپنا اپنا مال زمین میں گاڑ دیا تھا اور بچا کھچا باؤلیوں میں ڈال دیا تھا لشکریوں نے مکان کھودنے اور جلانے شروع کیے۔ ایک روز نظام شاہ بطورِ سیر سوار ہوکر نکلا دیکھا کہ ایک جگہ چند لشکریانِ علی عادل شاہ ایک طبقِ مروارید و جواہر سے بھرا ہوا لیے ہوئے تقسیم پر لڑ رہے ہیں۔ نظام شاہ کی فوج نے چاہا کہ ہم بھی حصہ لیں دونوں کی آپس میں لڑائی ہونے لگی دونوں طرف کے آدمی مارے گئے

---

[1] اقوام خانہ بدوش ۱۲۔

اور زخمی ہو کے حالت دیکھ کر نظام شاہ نے ارکان دولت سے کہا کہ آپس میں لڑنے بھڑنے سے کیا فائدہ بہتر یہ ہو کہ شہر کو جلا دو تاکہ یہ قصہ فساد موقوف ہو۔ چنانچہ حکم شاہی کے موافق شہر کی تمام بڑی بڑی عمارتوں کو اور شہر کے اطراف میں بیس کوس تک قصبات کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ الغرض دشمن بے رحمی سے برابر لوٹ مار کرتے رہے جو ملا اُسے قتل کیا مندروں اور محلات کو مسمار کر دیا خصوصاً راجہ کے محلات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اُن کی دست بُرد سے صرف چند بڑے سنگ بست مندر اور کہیں کہیں چار دیواریاں باقی رہ گئیں۔ جہاں ایک زمانے میں یہ جہل پہل تھی اور سر بہ فلک عمارتیں کھڑی تھیں اب وہاں صرف کھنڈر اور ملبوں کے ٹیلے دکھلائی دیتے تھے مسلمانوں نے تمام بُت توڑ ڈالے اور زنہ سہوں کے بڑے بُت کے بھی دونوں بازو اُڑا دیئے مختصر یہ کہ کوئی چیز ان کے ہاتھ سے بچ نہ سکی۔ ان لوگوں نے اُس بڑے منڈپ کو جو ایک بلند چبوترے پر واقع تھا جہاں سے راجہ بڑے بڑے تہواروں میں تماشا دیکھتا تھا توڑ کر زمین کے برابر کر دیا اور تمام نقش و نگار پتھروں کو اکھیڑ کر پھینک دیا۔ ان لوگوں نے آراستہ اور شان و شوکت سوامی کے دیول میں جو دریا کے کنارے واقع ہے بڑے بڑے انبار آگ کے لگا دیئے اور بے نظیر اور قابل دید پتھر کی صناعی کو برباد کر دیا۔ الغرض آگ اور تلوار سے دانتی اور کلہاڑیوں سے ہر روز شہر کی تباہی اور بربادی کرتے رہے۔

شہر بیجانگر کے اطراف میں سرنگیں اور چور رستے

شہر بیجانگر کے اطراف میں بڑے بڑے پہاڑ اور سرنگیں اور چور رستے اور عمیق غار ہیں جو اندر ہی اندر تین تین چار چار کوس تک چلے گئے ہیں رستے کہیں کشادہ کہیں کہیں تنگ اکثر جگہ اندھیرا ہے اور بعض جگہ آفتاب کی روشنی بھی دکھلائی دیتی ہے۔ اکثر باشندگان بیجانگر ان مقامات پر جا کر چھپ گئے تھے اور رات کے وقت خفیہ طور پر شہر میں آ کر سامان خورد و نوش خرید لے جاتے تھے جب لشکریوں کو اس بات کی خبر ہو گئی تو ان لوگوں کو بھی پکڑنے لگے اور بے کھٹکے نہ چھوڑتے تھے چنانچہ رفیع الدین شیرازی اس واقعے میں موجود تھا وہ لکھتا ہے کہ ہم نے ایک دن تین چار لوگوں کو پکڑ لیا اُن سے بہت کچھ پوچھا لیکن انھوں نے اپنا حال کچھ بیان نہیں کیا جب بہت ایذا پہنچائی گئی تو کہنے لگے کہ ہم لوگ فلاں پہاڑی کے غار میں چھپے ہوئے ہیں ہمارے بال بچے اور مال و اسباب بھی وہیں ہیں ہماری جان کا امن دو تو ہمارے ساتھ ہو تو ہم تم لوگوں کو بہت سا روپیہ دیں گے حرص بُری چیز ہوتی ہے ہم میں سے کئی لوگ اُن کے ساتھ ہو لیے۔ ہم نے اُن میں سے دو آدمی کے ہاتھ رسّی سے باندھ کر اُن کو آگے کر دیا ہم پیچھے پیچھے ہو لیے جب تھوڑی دور سرنگ میں چلے جا بجا متفرق سرنگیں نظر آنے لگیں ہم کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں واپسی کے وقت رستہ بھول نہ جائیں اور مفت میں جان جائے اس لیے جاتے وقت اپنے رستے پر کوئے سے

---

۱۲ اس آتش زنی کا نتیجہ ہے کہ وٹھل سوامی کے مشہور دیول کی تمام دیواریں جلانے سے کالی پڑ گئی ہیں بلکہ چھت تک لپٹ گئی ہے اور خزانے کی تلاش میں جا بجا زمین کو کھود کر گڑھے ڈال دیئے ہیں کسی کو اب تک پتہ نہیں ہے سب کھار کر پھینک دیئے ۱۲ ۔ ۱۲ یہ مکان مہانومی ڈبہ یعنی تخت فتح و ظفر کہلاتا تھا اس مقام پر بڑے تہواروں میں راجہ تخت پر جلوس کرتا تھا اور فوج کا دار الخلافہ بھی یہیں ہوتا تھا اب بھی یہ عالی شان عمارت جو کچھ بچ رہی ہے قابل دید ہے ۱۲

نشان کرتے گئے۔ دو تین مشعلیں ہمارے ساتھ تھیں سُرنگ میں بالکل اندھیرا تھا بعض بعض جگہ سوراخوں میں سے روشنی کی جھلک نظر آجاتی تھی اسی طرح قریب آدھ کوس کے اُس غار پُر خطر میں گئے ہوں گے کہ ایک جگہ ایسی تنگ آئی کہ تین چار گز بہت مشکل سے بیٹھ کر گئے اُن دونوں شخصوں کو موقع ملا رسّی چھڑا کر اندھیرے میں بھاگ گئے۔ سُرنگ میں بہت سے لوگوں کی آواز دُور سے آتی تھی لیکن اندھیرا گھپ تھا کچھ دکھلائی نہیں دیتا تھا ہم لوگ ڈر گئے کہ اگر اور اندر جائیں تو شاید ہم کو پکڑ نہ لیں تھوڑے مال کی طمع پر اپنی جانِ عزیز کھونا مناسب نہیں جانا چار و ناچار وہاں سے اُنھیں کو پیلوں کے نشانات پر پلٹے اور اپنی جان سلامت لے کر واپس آگئے ایسی تباہی۔ بربادی اور ویرانی خصوصاً اس طرح دفعۃً واقع ہونے کی مثال تمام دُنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں مل سکتی کہ آج جو شہر شان دار تھا اور جو دولت سے پھٹا پڑتا تھا اور جہاں کے باشندے نہایت مرفہ الحال تھے وہ کل اس بے رحمی سے پکڑے گئے لُوٹے گئے اور برباد کیے گئے ایسے شہر میں جو نمونۂ بہشت تھا اور جہاں دن عید اور رات شبِ برات تھی خوف و تردی نابود ہو گئے۔ یہ ایسے واقعات ہیں کہ قلم سے اُن کا بیان کرنا ناممکن ہے صرف تصوّر ہی سے دل کانپ جاتا ہے۔

سینر فریڈرک کے چشم دید حالات ۱۵۶۷ء

سینر فریڈرک ایک اطلی کے سیّاح نے جو اس شہر کی تباہی کے دو سال بعد ۱۵۶۷ء میں وہاں گیا تھا لکھا ہے کہ "شہر کو لُوٹنے کے بعد مسلمان اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ ترمل راج نے پھر شہر کے آباد کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی اگرچہ چند لوگ دلاسا اور طمانیت دینے سے پھر اپنے اپنے مکانوں میں آکر رہنے سہنے لگے مگر وہ بات کہاں۔ شہر بیجانگر میں اب بھی کچھ مکانات باقی ہیں لیکن خالی اور ویران ہیں اور اُن میں سوائے بوزنجوں اور جنگلی جانوروں کے کوئی نہیں رہتا۔" اتنا بڑا آباد اور متمول شہر جب لُوٹا گیا تو ظاہر ہے کہ بے انتہا دولت لُٹی ہو گی۔ کوتو نے لکھا ہے کہ لُوٹ میں علاوہ خزائن اور جواہرات کے ایک ہیرا انڈے کے برابر جس کو عادل شاہ نے اپنے گھوڑے کی کلغی میں لگایا تھا بیجانگر جیسے بڑے اور شان دار شہر کا یہ انجام ہوا جو آٹھ آٹھ آنسو بہانے کے قابل ہے اور جب کوئی اُن کھنڈروں میں جاتا ہے تو اُس کو سوائے حسرت اور افسوس اور سخت عبرت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا ؎

ہیچ خارے نیست کز خونِ شکاری سُرخ نیست　　آفتے بود آں شکار افگن کہ از صحرا گزشت

یہ شہر پھر کبھی نہ بسا اور اسی طرح اُجاڑ اور ویران اب تک پڑا ہے۔ اس زمانے میں بھی بڑی بڑی اور مستحکم عمارات کے کچھ حصے باقی ہیں جن کے اطراف میں اب زراعت ہوتی ہے اور جا بجا ان عمارات کے کھنڈر کھڑے ہوئے اپنی حالتِ زار پر ماتم کر رہے ہیں اب آبادی کا نام نہیں ہے یہ زراعت بھی اطراف کے دیہات کے لوگ کرتے ہیں اس شہر میں جو خام مکانات بکثرت تھے وہ نیست و نابود ہو گئے اُن کی مٹی کے ڈھیر موجود ہیں لیکن قدیم ذرائع آبپاشی یعنی نہریں اچھی حالت میں ہیں اور ان کی آبپاشی سے اب بھی بہت سے باغ اور کھیت سرسبز ہیں اور انھیں کی بدولت چاول اور نیشکر کی کثرت سے کاشت ہوتی ہے شہر بیجانگر

کا پتہ اب صفحۂ دُنیا پر باقی نہیں ہے اُس جگہ صرف چند جھونپڑوں کا جھرمٹ ہے جس میں کاشتکار لوگ رہتے ہیں اور اُس کی حیثیت ایک چھوٹے سے چھوٹے گاؤں سے بھی بدتر ہے بیجانگر کی اصل تاریخ تو اب ختم ہو گئی لیکن ہم نے مناسب خیال کیا کہ اِسی سلسلے میں اور چند واقعاتِ مابعد کا بھی ذکر کر دیا جاوے۔ ترمل راج بیں کنڈہ میں رہنے لگا اور چند دنوں بعد اُس نے پرتگالیوں سے گوا میں کہلا بھیجا کہ اُس کو چند گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ پرتگالیوں کے جو پہلے سے پرچے ہوئے تھے بہت سے گھوڑے بھیج دیئے۔ ترمل راج نے گورنمنٹ جل گئی تھی مگر نہیں گیا تھا گھوڑے تو لے لیے لیکن اُن کی قیمت ایک دمڑی نہ دی اور جو آدمی لائے تھے اُن کو نکلوا دیا۔ فریڈریکی نے لکھا ہے کہ ترمل راج نے گھوڑوں کے سوداگروں کو پروانہ راہداری دے دیا لیکن گھوڑوں کی قیمت ایک حبہ نہ دی وہ بیچارے سوائے واویلا کے کیا کر سکتے تھے۔ اِس زمانے میں اِس مُلک میں کوئی حاکم ہی نہ تھا اِس وجہ سے فریڈریکی کو بیجانگر میں سات مہینے ٹھیرنا پڑا کیوں کہ اُس زمانے میں چوروں اور لٹیروں کی وجہ سے رستے بند تھے فریڈریکی گوا کو جا نہیں سکتا تھا کیوں کہ کئی مرتبہ اُس کو اور اُس کے ہمراہیوں کو ڈاکوؤں نے پکڑ لیا اور بہت سا روپیہ لے کر چھوڑ دیا اور ایک مرتبہ تو ڈاکوؤں نے اِن کو گھیر کر خوب لُوٹا۔ ترمل راج سدا سیو کے ساتھ اب پین کنڈہ میں رہتا تھا اور ریاستِ بیجانگر ایک ایک کر کے الگ ہو گئے اور سب نے اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ملک بادشاہ گردی اور بغاوت کی حالت میں تھا بیجانگر کی اتنی بڑی اور مستحکم سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور جو جس زمانہ گزرتا گیا وہ معدوم ہوتی گئی۔

پرتگالیوں کی تجارت کا انحطاط اور اُن کا تنزل

پرتگالیوں کے لیے یہ انقلاب بڑا اہم تھا فریڈریکی نے لکھا ہے کہ گوا سے مہرسال سامان تجارت بیجانگر کو عربی گھوڑے مخمل شجر۔ ساٹن۔ تانبہ وغیرہ جاتا تھا اور وہاں سے ظروفِ چینی۔ زعفران۔ گلناری پارچہ۔ فیروزہ۔ جواہرات اور پگوڈا[1] کے سکے لاتے تھے۔ بیجانگر میں مخمل ساٹن شجر گلناری پارچے اور سفید کپڑے کی زیادہ کھپت تھی کہ یہی یہاں کے لوگوں کا لباس تھا۔ سر پر اُن کے لمبی لمبی ٹوپیاں ہوتی تھیں جنہیں "گلیا" کہتے تھے (ہمارے خیال میں گلاہ کو بگاڑ لیا ہے) سالٹی ساح ۱۵۷۸ء سے ۱۵۸۸ء تک ہندوستان میں تھا اُس نے اُس نقصانِ عظیم کا حال حسبِ ذیل لکھا ہے جو پرتگالیوں کو بیجانگر کی سلطنت کی تباہی سے پہنچا "مالِ تجارت کی درآمد برآمد اِس قدر کثرت سے تھی کہ اُس کا اندازہ لگانا مشکل ہے بیجانگر ایک بہت بڑا شہر تھا اور وہاں کے لوگ خوش حال اور متمول تھے اُن کی امیری ہمارے وقت کی امیروں کی سی نہ تھی بلکہ کھپتی اور کروڑ پتی تھے جیسے کہ پرانے زمانے کے اُمرا ہوا کرتے تھے الماس لعل و یاقوت ہر قسم کے جواہرات اور موتی کی بڑی تجارت گاہ تھا اِس کے سوائے گھوڑوں کا بیوپار کثرت سے ہوتا تھا اِس تجارت سے بارہ لاکھ سے لے کر پندرہ لاکھ دیوکٹ کی آمدنی گوا کو تھی جو گھٹتے گھٹتے چھ ہزار رہ گئی۔ کوٹو نے بھی یہی حالت لکھی ہے کہ "سلطنتِ بسنگا بیجانگر کی تباہی سے گوا کی تجارت بیخ و بنیاد سے ہل گئی کیوں کہ ہماری تجارت کا دارمدار اِسی سلطنت پر تھا

[1] قدیم زمانے کا طلائی سکہ ہے جو ہندوستان میں رائج تھا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اُس پر مندر کی تصویر بنی ہوئی تھی ۱۲۔

جہاں گھوڑے مخمل ساٹن اور دوسرے اقسام کا سامانِ تجارت بہ کثرت جاتا تھا اور ہم لوگوں کو بڑا نفع ہوتا تھا۔ بیجانگر کی تباہی سے محصول خانہ جنگی کی آمدنی بالکل گھٹ گئی سلطنتِ بیجاپور کی بربادی کیا تھی گویا ہماری بربادی تھی اُسی دن سے گوا کے باشندوں کی مُرفّہ الحالی کا خاتمہ ہو گیا اور ٹوٹ گئے۔ گوا اور فارس کی بڑی تجارت بانات اور عمدہ پارچہ جات کی ہی تھی جس کو سخت نقصان پونہچا ہر سال پانچ لاکھ پگوڈا جہاز پر بار کر کے پرتگال روانہ کیے جاتے تھے جس کی قیمت اُس زمانے میں ۷½ تنکہ[۵۱] تھی اور اب بوجہ کم یابی کے اس کی قیمت ۱۱½ تنکہ ہو گئی۔

پادریوں کی جماعیت کے ہول ناک مظالم اور قتلِ عام

ایک تو بیجانگر کی تباہی نے گوا کی تجارت کو بٹھا دیا اور دوسرا سبب یہ ہوا کہ پادریوں نے باشندوں کے مذہبی معاملات میں مزاحمت شروع کی اور ایک دم اُن کو ادائے فرائضِ مذہبی سے جابرانہ طریقے سے روک دیا مسجدوں اور دیولوں کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ لوگوں کو بہت سخت پکڑا اور پریشان کیا اور طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے سب کو پکڑ پکڑ کر قید کر ڈالا اس پر بھی وہ لوگ اپنے مذہب پر قائم رہے تو اُن کو جلاوطن کر دیا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ یہاں رہنا تو موت کے منہ میں رہنا ہے تو اکثر جلاوطن[۵۲] ہو گئے۔ ۱۵۶۷ء میں ملک دکن ہند کی ملکی حالت یہ تھی کہ اگرچہ دکن کے شاہانِ اسلام ہندوؤں پر پوری فتح پا چکے تھے لیکن پھر بھی ان میں پس بھی پھوٹ چلی جاتی تھی اور گو ہر ایک کا ملک جُدا جُدا تھا تاہم ایک دوسرے کا جانی دشمن تھا بیجانگر کی بڑی سلطنت تباہ ہونے کے بعد ۷ راجے لوگوں نے بین کنڈہ میں پناہ لی تھی۔ سدا سیو راجہ اب تک بھی ترمل راج کی قید میں تھا۔ تین بھائیوں میں سے صرف ترمل راج بچ گیا تھا اور وہی ٹوٹی پھوٹی حکومت کرتا تھا اُمرا سب کے سب ناراض اور بدل تھے ہر شخص اُس کے جوے سے نکلنا چاہتا تھا۔ ساحلِ سمندر پر پرتگالیوں کی تجارت دم توڑ رہی تھی تالیکوٹہ کی لڑائی کے بعد کے واقعات کو تاریخ فرشتہ میں حسبِ ذیل لکھا ہے "تالیکوٹہ کی لڑائی کے چند دن بعد بادشاہان رام راج کے ملک کی طرف بڑھے اور آنا گندی[۵۳] تک پونہچ گئے لیکن اُن کی فوجیں بیجانگر میں جو دریا کے

---

[۵۱] بالفعل کاف عربی یعنی قرص رائج خواہ از زر یا نقرہ یا مسی باشد و ایں مقرر نکہ است ۱۲ [۵۲] فریزر نامی سیاح نے ۱۶۲۳ء میں گوا کے ہول ناک مظالم کا چشم دید حال لکھا ہے کہ میں ایک دن صبح کو اُس مقام پر گیا جہاں کہ پادریوں کا دارالقضا بنا ہوا تھا۔ دارالقضا کیا تھا مقتل تھا۔ بازار کے بیچوں بیچ ایک بڑا بھاری لوہا لنگر سولی کی طرح کا کھڑا کیا گیا تھا جس کو ایک چرخ لگا ہوا تھا انجن پر لوہے کے لیے شیرخیاں بنی ہوئی تھیں اس کو شراپیڈو Strapado کہتے ہیں جس کے ذریعے سے سزا دہ نہ جانے کا یہ طریقہ ہے کہ ایک بڑا شہتیر ہندی پر لگا ہوا ہے اُس پر کھینچ کر انسان کو چڑھا دیتے تھے اور وہاں سے اُسے گرا دیتے تھے جس کے صدمے سے اُس کی ہڈیاں چور چور ہو جاتی تھیں۔ وہیں قریب میں اوپر دار کو ایک جزیرہ تھا جہاں پادری کے فتوے کے موافق لوگوں کو زندہ آگ میں ڈال کر جلا دیتے تھے جن کے لیے یہ سزا تجویز کی جاتی تھی اُن کو دارالقضا سے چھٹتے اور شیطان کا خوف ناک لباس پہنا کر لاتے تھے اور جلاد کے حوالے کر دیتے تھے بازار میں سوائے سور کے گوشت کے اور کسی قسم کا گوشت کاٹنے کی ممانعت تھی جو ہندو اور مسلمان دونوں کے لیے ایک غضب کا سامنا تھا۔ ایک اور مقام پنس کوٹن Pinnochoten ۱۵۵۴ء سے ۱۵۵۹ء تک ہندوستان میں پادریوں کی ہلاکو خانی زیادتیوں کے مظالم باشندگان کے خیال کرنے اور تکلیف دہی کی تائید کا بھی بھی مبالغہ عیسائیوں کے رومن کیتھولک فرقے میں Inquisition یادریوں کی اُس مقدس جماعت کا نام ہے جو پرانے اور مرتد لوگوں کے افعال اور مذہبی الزامات کی تحقیقات اور تردید کے واسطے مقرر کی جاتی ہے [۵۳] گنگا سادگیرہ۔ گنگا گیری مقامات پر سے ہوتے ہوئے آنا گندی پونہچے ہوئے (۵۵) میل کا خاصلہ ہے۔ یہ سب مقامات ریاست سرکار نظام ضلع رائچور میں ہیں گنگا گیری میں ایک بہت بڑا دیوں ہے۔ یہ دیوں بہت عالی شان اور خوش نما بنا ہوا ہے اور ہمستان ملی حیدر کے تفویض ہے۔ اور ہر سال پھاگن کے میلے میں ایک بہت بڑی بھاری جاترا ہوتی ہے۔ یہاں کا لکڑی کا رتھ بہت عظیم الشان اور قابلِ دید ہے اور اُس میں نقش و نگار اور تصویروں کی بڑی صناعی کی گئی ہے جھال میں بارہ برس میں طیار ہوا اور اُس کی لاگت قریب دس ہزار روپے کے بیٹھی ہے سیکڑوں آدمی موٹے موٹے (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اُس پار سے جا داخل ہوئیں اُنھوں نے جاتے ہی شہر کو لُوٹ ڈالا جو دریائے تنگ بھدرا کے اُس کنارے پر ہے اور عمارتوں کو مسمار کیا اور ہر طرح کا ظلم برپا کیا جب یہ لوگ شہر اور مضافات کو لُوٹ مار کر تاراج کر چکے وٹکنا دری نے (جو لڑائی میں سے جان بچا کر ایک دور دراز مقام پر قلعے میں پناہ گزین تھا) نہایت عاجزی سے بادشاہوں کی خدمت میں صلح کے لیئے عرض معروض کر ائی اور جتنے مقامات کہ رام راج نے مسلمانوں سے لیئے تھے ایک ایک کر کے سب واپس دے دیئے۔ فتح یاب مسلمانوں کو اَور کیا چاہیئے تھا بیجانگر کی تو وہ اینٹ سے اینٹ بجا ہی چکے تھے اب اُس میں کیا دھرا تھا جو اُسے لیتے اِس پر رضامند ہو گئے اور رائچور پہونچ کر سب ایک دوسرے سے رخصت ہوئے اور اپنی اپنی دارالخلافت کو روانہ ہوئے راجہ بیجانگر کبھی اِس جنگ کی آفت سے نپٹ نہ سکا۔ شہر میں تو پہلے ہی دن کے وقت اُلّو بولتا تھا آدمی کا پتہ نہ تھا۔ ملک اُس پر جو جہاں کا زمیندار یا قلعے دار تھا وہ بابیٹھا اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ راجہ بن گیا۔ مشہور ہے کہ ۱۵۶۸ء میں ترمل راج نے سدا سیو راجہ کو بھی مار ڈالا اور خود تخت پر قابض ہو گیا۔ فی الحقیقت راجہ سدا سیو برائے نام ہی تھا جو کچھ کیا دھرا اِن تینوں بھائیوں ہی نے کیا لیکن ترمل راج کو پھر بھی صبر نہ آیا اور سلطنت کی طمع میں ایسا سرشار تھا کہ سدا سیو کی جان لے کر ہی چھوڑا۔ گو ترمل راج کا ہی راج تھا لیکن پھر بھی برائے بیت سدا سیو ہی کا نام چلتا تھا چنانچہ ویلور میں چار مقامات پر راجہ ہی کے نام کے سنگی کتبے موجود ہیں جن کی تاریخ مطابق ۵ فروری ۱۵۶۶ء درج ہے۔

یہاں سے راجگانِ بیجانگر کا خاندانِ سوم شروع ہوا بشرطیکہ اُسے خاندان کے معزز لقب سے نام زد کرنا مناسب حال ہو کیونکہ سلطنتِ بیجانگر اب دم توڑ رہی تھی اُس میں اب دھرا ہی کیا تھا۔

(باقی نوٹ صفحہ ۳۰۰) رسّے لگا کر کھینچتے ہیں اور پیچھے سے بڑی بڑی بلّیوں سے پہیّوں کو دھکیلتے ہیں رتھ پر پجاری سنکھ لے کر بیٹھتے ہیں اور دیوپر مورچھل جھلتے رہتے ہیں دس پندرہ ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے۔ اس دیول میں اب تک پجاری مقرر ہیں اور معاش من جانب سرکار عالی نظام جاری ہے اس دیول کے اندر بڑے بڑے پتھروں پر سنسکرت میں کتبے موجود ہیں جن میں اس دیول کی تاریخ اور عطیات و انعامات کی کیفیت کندہ ہے۔ اس دیول کے برآمدے میں بڑے بڑے پتھر کے ستون گھوڑوں کی شکل کے بنا کر لگائے ہیں اور ان پر عورتوں کی مورتیں بیٹھائی ہیں چھت پر ہزارہا تصویریں بتوں کی پتھر میں تراشی ہیں اور بے انتہا محنت اور صرفے سے یہ کام پورا کیا گیا ہے اس موضع میں ایک عجیب و غریب باؤلی بھی ہے جو بہت بڑی اور نہایت عمدہ سنگ بست بنائی گئی ہے اِس باؤلی کے اطراف میں بطور برآمدہ کے لداؤ کے مکانات بنائے گئے ہیں کہ جن میں سیکڑوں آدمی ٹھیر سکتے ہیں اس باؤلی کا نام "لکھا" باؤلی ہے اور تمل دیہ ہے۔ نام سے معلوم ہوتا ہے کہ لاکھ روپئے کے صرفے سے بنی ہے اس کے علاوہ اس موضع میں ایک بہت بڑا سنگ بست حوض ہے کہ جسکا عمق ہاتھی سے زیادہ ہے اور اُس کے بیچ میں ایک خوش نما برجی بنی ہوئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کشتی میں سوار ہو کر اس حوض کی سیر کرتے تھے اور اس برج کے اندر بیٹھ کر تماشا دیکھتے تھے۔ سمستان آنا گندی کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ تمراج پسر رام راج نے وقت شکست بیجاپور علی عادل شاہ کے پاس پناہ لی تھی۔ اس نے معروضہ کیا کہ وٹکٹا دری رام راج کا جانشین بن گیا ہے اور وہ رفتہ رفتہ قوت حاصل کرتا جاتا ہے اور ریاست کے تمام امرا اور درو سا اُسی کے ساتھ ہیں اور میں تن تنہا رہ گیا ہوں لہٰذا میری التماس ہے کہ بادشاہ جہاں پناہ مجھے ملازم رکھ کر قلعہ آنا گندی عنایت فرمائیں بادشاہ اُسے اپنا بیٹا کہہ چکا تھا اُسے طلب فرمایا اور تسلی دی اور اُسی روز چتر و اثاثہ سلطنت کر لازمتہ راجگانِ بیجانگر اُس کو دے کر حکومت آنا گندی پر روانہ فرمایا۔ آنا گندی بیجانگر سے قریب دریائے تنگ بھدرا کی دوسری طرف ایک بڑا قصبہ اب بھی موجود ہے اور حصار تھکا ہوا ہے۔ بیجانگر سے بھی پہلے کا یہ شہر ہے۔

علی عادل شاہ نے بعد خرابی بیجانگر اِس قصبے کو دوبارہ آباد کیا چند دنوں میں وہاں اچھی آبادی ہو گئی بھٹکے بھٹکائے لوگ گنگت سے آکر جمع ہو گئے اسی سلسلے خاندان کے راجہ یہاں اب تک قائم ہیں انگریزی علاقہ میں تین گاؤں اِن کو جاگیر ٹھہرے وہ تو حال میں ضبط ہو گئے اب ۳۰۰ روپیہ سے پانسو روپے کی پنشن ملتی ہے اور سرکار نظام سے البتہ اکیس مواضع تنخواہ چالیس ہزار روپیہ سالانہ محاصل کے اب تک جاگیر ہیں نواب سر سالار جنگ دل مرحوم نے دس ہزار روپیہ سالانہ پنشن اِن پر لگا دیا تھا مگر وہ بھی آج تک منظور نہ نہیں دیا نہ سرکار سے مطالبہ ہوا سب یہی راجہ ہیں جو دلی سمستان آنا گندی ہیں اور یہی بیجانگر کے راجہ کے خاندان کی عظمت و ثروت کی یادگار ہیں دونوں سرکاروں میں ان کا بہت اعزاز و اکرام ہوتا ہے (نوٹ صفحہ ہذا) ۵ دوسری روایت یہ ہے کہ وٹکنا دری تالیکوٹہ کی لڑائی میں مارا گیا اور تین بھائیوں میں سے صرف ایک ترمل راج ہی بچا اور یہی صحیح ہے فرشتہ نے غالباً سنی سنائی بات لکھ دی ہے اور سہو اً ترمل راج کی جگہ وٹکنا دری کا نام لکھا گیا ہے

سولھواں باب

خاندانِ سوم

شجرۂ خاندانِ سوم یہ شجرہ اپی گرنفیکا انڈیکا سے علی حدہ ضمیمے پر نقل کیا جاتا ہے۔ اس میں جو سلسلے وار نمبر دیے گئے ہیں وہ صحیح نہیں معلوم دیتے مثلاً رام راج کو دوم لکھا ہے جو حقیقت میں اوّل ہونا چاہیے کیوں کہ رام راج کے بزرگوں نے کبھی سلطنت نہیں کی اور ہمارے قول کی تائید احکام معافیات کنڈیا مابابت ۱۶۳۶ء دوراپا کا ۱۶۰۱ء و گلا گری ۱۶۴۴ء سے ہوتی ہے اگرچہ رام راج قدیم خاندان کا ممبر تھا مگر اس کے صحیح تعلق کا آج تک پتہ نہیں چلا۔ اس شجرے میں جو جو سنہ درج ہیں وہ کتبوں کے ہیں زمانہ سلطنت کے نہیں ہیں۔

حال راجہ صاحب آناگندی جن کے خاندان کا نام پمپاپتی ہے سرکار عالی نظام کی ریاست میں مقام آناگندی رہتے ہیں انھوں نے اپنا شجرہ زمانہ حال تک کا رابرٹ سیول صاحب کلکٹر بلہاری کو دیا تھا۔ رنگا شششم عرف سری رنگا چتا دنکٹ سوم کے تین بیٹوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ بڑے لڑکے کا نام ویرا دنکٹ پتی رایا تھا جو محروم الارث کر دیا گیا تھا۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم دیتی کیوں کہ شجرے میں اسی کا سلسلہ قائم ہے گوپالا جو خاندان میں ایک چھوٹا ممبر تھا پہلے تخت نشین ہوا اسی نے رنگا ششم کو متبنّٰی لیا جو خاندان کی شاخ کلاں میں سب سے چھوٹا شخص تھا۔

پمپاپتی راجہ کو گورنمنٹ نظام نے دو وجہ سے جائز وارث منظور فرمالیا ہے۔

اوّل اس وجہ سے کہ پہلی اور بڑی شاخ معدوم ہوگئی اور راجہ حال کو اُن کی بہن رانی کپتما صاحبہ نے جو کرشنا دیو شاخ کلاں کی بیوی ہیں متبنّٰی لے لیا۔

لہ راجہ صاحب حال نے براہ مہربانی مجھے بھی اپنے خاندان کا پورا شجرہ دیا ہے اس میں اور سیول صاحب کے شجرے میں کچھ فرق نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس میں پنشن خوار راجاؤں کے سنہ وفات اور زیادہ ہیں یہ مکمل شجرہ جداگانہ ضمیمے پر درج ہے ۱۲

دوسرا سبب یہ ہے کہ راجہ حال کے دو بڑے بھائی اپنے حق سے دست بردار ہو گئے اور اِن ہی کو راجہ تسلیم کر لیا۔ راجہ حال کا نام "سری منت سری رنگا دیو رایلو" ہے اور میں خوش نصیب ہوں کہ مجھے ایسے بڑے خاندان کے ممبر سے ذاتی ملاقات ہے۔ اِن کی عمر اِس وقت تخمیناً چالیس برس کی ہے۔ اب اِس عظیم الشان اور قدیم خاندان کے چشم و چراغ یہی ہیں۔ اِس خاندان میں اب صرف دو شخص مذکور میں سے رہ گئے ہیں ایک راجہ صاحب اور دوسرے کمار راگھو جو راجہ صاحب کے متوفی بھائی سداسیو کے بیٹے ہیں اور اِس حساب سے اُن کے بھتیجے ہوئے۔ رانی گپتما صاحبہ بھی زندہ ہیں اور اُن کی خدمت میں بھی مجھے نیاز حاصل ہے۔ اب ہم کو بیجانگر کے تھوڑے سے حالات جو اُس کی ویرانی اور بربادی کے بعد ہوئے بیان کرنے باقی ہیں لہٰذا اُن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

سلاطینِ اسلام کا مجملی ذکر

بیجانگر کی تباہی کے بعد مسلمان بادشاہوں میں جو لڑائیاں اور جھگڑے ۱۵۶۵ء کے بعد پڑے اُن کو ہم چھوڑ دیتے ہیں کیوں کہ تاریخ بیجانگر کو اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے البتہ چند واقعات جو اُس حصۂ ملک سے متعلق ہیں جو سلطنتِ بیجانگر میں شامل تھا مختصراً بیان کیے جاتے ہیں حسبِ بیانِ مورخینِ گول کنڈہ تالی کوٹہ کی جنگ کے بعد جس کا افسوس ناک نتیجہ بیجانگر کی بربادی ہوئی۔ قطب شاہ کے علاقے کا ایک رئیس رفعت خاں لاری عرف ملک نایک نے راج مندری پر چڑھائی کی اور ۹۷۹ھ ۱۵۷۱ء میں اُس کو ہندوؤں سے چھین لیا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ علی عادل شاہ نے بیجاپور آنے کے بعد پھر ایک مرتبہ بیجانگر کی طرف فوج کشی کی لیکن بادشاہِ احمد نگر نے اُسے روکا اور وہ پلٹ گیا۔ اِس کے چند روز بعد عادل شاہ نے گوا پر چڑھائی کی لیکن ناکام رہا وہاں سے پلٹ کر اُس نے ادھونی پر حملہ کر دیا جو اُس زمانے میں بیجانگر کے ایک رئیس کے قبضے میں تھی اور جو خود مختار مالک بن بیٹھا تھا۔ ادھونی کو علی عادل شاہ نے فتح کر لیا اور نظام شاہ اِس بات پر رضامند ہو گیا کہ اگر بادشاہ بیجاپور اُس علاقے کو جو کرشنا کے جنوب میں واقع ہے اپنے تابع کرے تو ہم کو کوئی عذر نہیں ہے بشرطے کہ ہمارے ملکِ برار لینے میں حائل نہ ہو۔

علی عادل شاہ کا بنکاپور۔ کنڈا ویڑ بالم کنڈہ اودین کنڈہ کو فتح کرنا ۱۵۷۳ء

اِس بنا پر ۱۵۷۳ء میں علی عادل شاہ نے دھارواڑ اور بنکاپور پر چڑھائی کی۔ بنکاپور پر وکپا نایک سے

جو وہاں کا خود مختار حاکم تھا برابر ڈیڑھ سال مقابلہ رہا آخر کار مجبور ہو کر مطیع ہو گئے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ عادل شاہ نے بنکاپور میں ایک عالی شان مندر کو ڈھا دیا اور اُسی جگہ اپنے ہاتھ سے ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ ملک کوکن میں بھی بہت سی فتوحات ہوئیں۔ تین سال کے بعد بالم کنڈہ پر چڑھائی کی اور رائے بیجانگر خوف زدہ ہو کر بین کنڈہ سے چند راگیری کو آگیا۔ اِس لڑائی میں عادل شاہ کو کامیابی نہیں ہوئی کیوں کہ بادشاہِ گول کنڈہ ہندوؤں کی مدد پر تھا۔ ۱۵۷۹ء میں بادشاہِ گول کنڈہ نے اپنے معاہدے کے خلاف دین کنڈہ اور کنڈہ ویڑ۔ کا چیرلہ کوٹ اور کہم پر چڑھائی کی اور یہ تمام مقامات جو کرشنا کے جنوب میں تھے فتح کر لیے۔

علی عادل شاہِ اوّل کا قتل ۱۵۸۰ء

۱۵۸۰ء میں علی عادل[۵۱] شاہِ اوّل قتل کیا گیا۔

ابراہیم قطب شاہ کا انتقال اور قلی قطب شاہ کی جانشینی ۱۵۸۰ء

ابراہیم قطب شاہ بادشاہ گول کنڈہ نے بھی ۹۸۹ھ م ۱۵۸۰ء میں تیس سال چھے ماہ کی سلطنت کے بعد انتقال کیا اور اُس کی جگہ اُس کا فرزند سوم محمد قلی قطب شاہ تخت نشین ہوا۔

---

۵۱ ابوالمظفر علی عادلِ شاہِ اول کا زمانہ سلطنت ۱۵۵۶ء سے ۱۵۸۰ء تک ہے۔ اس بادشاہ کے عہد میں بہت سے کام رفاہِ عام کے ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے شہرِ بیجانگر کی فصیل۔ گگن محل (۱۵۶۱ء) چاند باؤلی مشہور جامع مسجد۔ انند محل۔ قلعہ شاہ دُرگ (۹۶۲ھ م ۱۵۵۴ء زیرِ اہتمام میر نعمت اللہ) بہ فضاقاتِ شاہ پور (۹۶۷ھ م ۱۵۵۹ء زیرِ اہتمام کشور خان) ہریا محل (۹۶۸ھ م ۱۵۶۰ء) قلعہ ھاوڑا (۹۷۵ھ م ۱۵۶۷ء) قلعہ جات شاہ نور دبنکاپور (۹۸۱ھ م ۱۵۷۳ء) بارہ امام و باغِ فدک (۹۷۴ھ و ۹۷۶ھ م ۱۵۶۶ء و ۱۵۶۸ء) شہزادہ ابراہیم کی رسم گل پوشی کا ایک واقعہ قابلِ تذکرہ ہے۔ ماہِ شوال ۹۸۷ھ میں بادشاہ نے بوجہ اس کے کہ اُس کو کوئی فرزند نہ تھا اپنے بھتیجے شاہزادہ ابراہیم بن شاہ طہماسپ کو ولی عہد مقرر کیا اور اُسی سال حسبِ سنت حضرت ابراہیم خلیل شاہزادہ کے ختنے کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی جس رات شاہزادہ گھوڑی چڑھا اُس کو حسبِ دستورِ ملک کن مسخرے لباس پہنا کر خوب گشت نکالا لوگوں میں آتش بازی تھی شاہ بازار میں دو طرفہ آتش بازی کے جھاڑ گاڑے گئے تھے اُن میں اتفاقاً آگ لگ گئی جس سے سات سو تماشائی جل گئے لیکن خدا کی قدرت دیکھیے کہ اگرچہ شاہزادہ بھی اُس مجمع میں تھا مگر بال بال بچ گیا۔ علی عادل شاہ اول کے قتل کے واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ بادشاہ باوجودے کہ تمامی اوصاف حمیدہ و خصائل پسندیدہ سے متصف تھا لیکن عیش بہت تھا اور خوب صورت لڑکوں کی طرف زیادہ مائل تھا۔ بادشاہ نے علی بریدکو کہلا بھیجا کہ میں سنتا ہوں کہ تمہارے پاس دو خواجہ سرا صاحب جمال ہیں اُن کو بہت جلد ہمارے پاس بھیجدو۔ ملک برید نے چند دن عذر و معذرت میں ٹال دیئے یہاں تک کہ ترقی نظام شاہ نے اُس پر فوج چڑھا دی اور عادل شاہ نے بھی ہزار سوار مدد کے لیے بھیج دیئے مشکل یہ تھی کہ امیر برید خود ان خواجہ سراؤں کو بہت چاہتا تھا لیکن اب جب کہ جنگ و جدل کی نوبت پونچی ناچار احمد آباد بیدر سے ان دونوں کو بیجاپور بھجوا دیا۔ خواجہ سراؤں کو جس کام کے لیے بلایا تھا وہ تا نہ گئے۔ اِن دونوں میں جو بڑا تھا وہ ایک چھری پائجامے میں چھپا کر لے گیا رات کے وقت جب بادشاہ اور وہ خلوت میں گئے تو اُس نے بادشاہ کو مار دیا۔

دریغا کہ آں شاہ عالی نژاد	کہ در عدل مثلش بہ گیتی نہ زاد	بہ تیغ ستم نقد جاں بر فشاند
از و غیر افسانہ چیزے نماند	بجز خاک خوباں دریں دشت نیست	بجز خونِ شاہاں دریں طشت نیست
[illegible]	نہ بر زد بریں رنج و آسیبِ او	(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

حیدرآباد (دکن) کی بنا سنہ ۱۵۸۹ء

جس نے سنہ ۱۵۸۹ء میں بلدۂ حیدرآباد دکن کی بنیاد ڈالی اور اُس کا نام ابتداً بھاگ نگر رکھا۔ محمد قلی نے کرنول۔ کڑپہ کے اضلاع میں بالذات جنگ کی اور کرنول۔ نندی ہال گندی کوٹہ۔ ان مقامات کو فتح کر لیا بلکہ اضلاع مشرقی میں نلّور تک پہنچ گیا۔ ترمل راج کی جگہ سنہ ۱۵۸۵ء میں اُس کا فرزند دوم رنگا نائی بیٹھا اُس کے بعد اُس کا بھائی ونکٹ اول سنہ ۱۵۹۲ء میں حکمراں ہوا جس نے اٹھائیس سال سلطنت کی اور پنجۂ ستم میں سنہ ۱۶۱۴ء میں فوت ہوا اُس کے مرنے کے بعد اس ملک میں بغاوت اور ہنگامہ اور باہمی خانہ جنگیاں اور زیادہ ہو گئیں جس کا تفصیلی حال وقائع برّاڈ اس میں مندرج ہیں اِس کی سلطنت کا ایک کتبہ تانبے کے پتر پر سنہ ۱۶۰۱ء و سنہ ۱۶۰۲ء کا ہے سنہ ۱۵۹۳ء میں ابراہیم عادل شاہ بادشاہ بیجاپور نے میسور پر حملہ کیا یہ ملک اُس زمانے میں رائے بیجانگر کے ماتحت تھا اور تین مہینے کے محاصرے کے بعد فتح کر لیا۔ اِسی سال بادشاہ بیجاپور کے بھائی اسمٰعیل عادل شاہ نے جو قلعۂ بلگاؤں میں قید تھا بغاوت کی اور اپنے کو اُس مقام کا خود مختار بادشاہ بنا لیا۔ بادشاہ کی فوج نے بلگاؤں کا محاصرہ کیا لیکن بادشاہی فوج کی دغا بازی سے فتح نہ ہو سکی اور یہ ملک کچھ عرصے تک باقی رہا آخر کار فتح ہو گئی اور باغی مارا گیا۔

قلعۂ ادھونی مسلمانوں کے قبضے میں

اسی زمانے میں ہندوؤں نے پھر اس بات کی کوشش کی کہ قلعۂ ادھونی لے لیں لیکن کامیابی نہیں ہوئی اور اسی زمانے میں پھر بادشاہان بیجاپور اور احمد نگر میں لڑائی چھڑ گئی۔ تاریخ فرشتہ میں اِس کے بعد کے بیجاپور کے حالات مندرج نہیں ہیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۴)

چہ ہیں ست آئین گردندۂ دہر — کہ بخشندہ بر عیش ستاننده بر قہر

یہ حادثۂ عظمیٰ و واقعہ کبریٰ شب پنج شنبہ ۲۳ صفر سنہ ۱۰۴۸ھ میں ہوا۔ ملا محمد رضائی شہدی نے حسب ذیل تاریخ لکھی ہے۔

آہ کز دست اجل در چمن عدل داد — نخل فتوت بکند شاخ مروت برید

بر فلک خسرو گشت از میں ماجرا — مہر کرم مختفی ماہ سخا ناپدید

خسرو عادل لقب شاہ علی نام آنکہ — ظلم بدوران او کس نشنید و ندید

وقت وداع جہاں تا نرود تلخ کام — از کف ساقی دہر زہر شہادت چشید

منشی دوران غیب از پی تاریخ آں — بر سر دفتر نوشت شاہ جہاں شد شہید

رفیع الدین شیرازی نے جو اس دربار میں ایک معتمد رہے ہیں مورخہ ۲۴ صفر سنہ ۱۰۴۸ھ یوم دوشنبہ مطابق ۱۱ اپریل سنہ ۱۶۳۸ء میں ہونا لکھا ہے اس کا مقبرہ شہر بیجاپور کے جنوب مشرق کے کونے میں واقع ہے جو علی رفعہ کے نام سے مشہور ہے بہری کو زمن صاحب نے لکھا ہے کہ چند زیور اسکے بارے میں جھگڑا تھا جو بادشاہ نے اپنی لڑکی کو دیئے تھے اُس کے تصفیے کے لیے ایک غلام گلبرگہ سے آیا تھا جب بادشاہ کے پیٹ میں خنجر بھونکے دیا انتڑیاں نکل پڑیں اور بادشاہ فوراً جاں بحق تسلیم ہوا۔ رباعی

گویند بحشر گفت گو خواجہ بود ؛ واں یار عزیز تند خو خواہد بود — از خنجر محض خبر نکو نمی ناید ؛ خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

(نوٹ صفحہ آیندہ)

ملا علی عادل شاہ نے سنہ ۱۵۶۲ء میں قلعۂ ادھونی پر ملک حسین خاں کو گورنر مقرر کیا تھا جو اُس نے اب تک برابر قائم رکھا اب تک مقرر ہے اور اب کا مقرر اب تک اچھی حالت میں موجود ہے اور سرکار انگریزی نے بھی سالانہ خرچ کے انتظامات کو جاری رکھا ہے اور اس مقبرہ کے خدام اب تک مقرر ہیں نواب سیّد مسعود خاں نے سنہ ۱۶۶۲ء میں گورنر مقرر ہوا اور اسی کے عہد میں جامع مسجد تعمیر ہوئی سلاطین بیجاپور کے آخری بادشاہ نے اس مسجد کے لیے ایک سنگ مرمر کی تختی بھجوائی تھی جس کے اوپر کتبہ ہے اور ہزار اشرفی نذر بھیجی۔ یہ تختی اب بھی اندرونی دالان میں لگی ہوئی ہے بادشاہ کے عطیے سے جامع مسجد کا سہری اور آرائش کام کیا گیا۔ اورنگ زیب نے سنہ ۱۶۸۶ء میں سلطنت بیجاپور کو جس میں بہت بڑا حصہ ملک کرناٹک کا شامل تھا فتح کر لیا اور نواب غازی الدین خاں کو بجائے سیّد مسعود خاں کے ادھونی کا گورنر مقرر کیا۔ اس دونوں گورنروں میں لڑائی ہوئی۔ افراج بادشاہ دہلی نے مسجد پر توپیں لگا دیں اور خالی آوازیں چلائے سیّد مسعود خاں گھبرا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسجد کو ڈھا دیں وہ مسجد کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا لہٰذا اُس نے قلعہ حوالے کر دیا اور اورنگ زیب نے سنہ ۱۶۸۶ء سے سنہ ۱۸۰۳ء تک بادشاہت ہند ملک دکن بہادر شاہ جہاں دارا شکوہ فرخ سیر اور محمد شاہ کے قبضے میں رہی الغرض ادھونی پر نواب غازی الدین خاں کا خاندان سنہ ۱۸۰۳ء تک قابض رہا اس کے بعد یہ ملک حیدرآباد کے نواب بصالت جنگ کو دے دیا گیا جنہوں نے

سنہ ۱۸۵۳ء میں انتقال کیا ان کا مقبرہ ابھی تک موجود ہے محمد شاہ کی سلطنت کے زمانے میں تاریخ ۱۲ اکتوبر سنہ ۱۷۲۴ء نظام الملک آصف جاہ صوبہ داری دکن پر واپس ہوئے سنہ ۱۷۲۴ء میں نظام الملک بہادر نے ادھونی کو

بقیہ حالات کا مختصر بیان سترھویں صدی کے واقعاتِ ہند گڈمڈ اور بے معنی کے ہیں۔ راجگانِ بیجانگر نے بچی کھچی سلطنت کو بھی ضلع کر دیا حتیٰ کہ آگے چل کر تو بس برائے نام ہی راجہ رہ گئے اور پرانی اور مشہور سلطنت کا ایک موہوم سا ڈھانچ باقی رہ گیا۔ ۱۶۹۲ء۔۹۳ء تک بھی وینکٹ پتی مہاراجہ بیجانگر کے نام پر دیول کے نام عطیات تانبے کے پتروں پر کندہ ہوئے ہیں اور اٹھارھویں صدی میں بھی آٹھ عطیات راجہ کے خاندان میں دینے کا کتبہ موجود ہے ۱۶۵۰ء تک اکیری اور بدنور کے رئیس لوگ اپنے آپ کو رایۂ بیجانگر کا ماتحت لکھتے تھے۔ ایک اطالیہ کا سیاح پیٹرو ڈلا ویلی (Pietro della Valla) جو ۱۶۲۳ء کے آخر میں مقام اکیری میں تھا لکھتا ہے کہ "رایچور سے وہ ایک ایلچی کے ساتھ اکیری گیا تھا وہاں کے راجہ کا نام وینکٹپا نایک تھا جو پہلے راجہ بیجانگر کا وزیر تھا لیکن اس ریاست کے تباہ ہو جانے کے بعد وہ خود مختار ہو گیا اور چوں کہ وہ خود سپاہی منش تھا اس نے اپنے علاقے کو وسعت بھی دی" ۱۶۱۰ء تک میسور میں بیجانگر کی جانب سے ایک نائب السلطنت مقرر تھا اور آگے چل کر اسی خاندان میں سے راجگانِ میسور ہوئے۔ مدرا۔ تانجور میں ۱۶۰۲ء تک نایکوں کی حکومت رہی سترھویں صدی کے آخر میں تمام بادشاہانِ دکن سلاطین خاندان مغلیہ کے تحت میں آ گئے اور تمام ملک دکن پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ اسی زمانے میں مرہٹوں کا اس قدر زور ہوا کہ خیال کیا جاتا تھا کہ تمام ہندوستان پر ان کا قبضہ ہو جائے گا ۱۶۷۴ء میں سیواجی نے تمام ملک کوکن کو فتح کر لیا اور اس کے چار سال بعد اسی نے بیجانگر کی رہی سہی حکومت کا جو کرناٹک۔ گنگی اور وِلور میں باقی تھی اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ سیواجی کے بھائی ایکوجی نے ۱۶۷۴ء میں تانجور کو فتح کر لیا اور وہاں اُن کے خاندان کی حکومت پوری ایک صدی تک رہی۔ ریاست میسور برابر ہندو راجاؤں کے خاندان میں خود مختار رہی لیکن بعد میں ٹیپو سلطان نے چھین لی اور خود چالیس سال تک حکمراں رہا۔ ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان سرنگاپٹن پر شکست کھائی اور انگریزوں نے ملک میسور کو ہندوؤں کے حوالے کیا۔ مدراس میں جو قلعہ سینٹ جارج کا بنا ہوا ہے وہ زمین راجہ سری رنگ رایا شستم نے ۱۶۳۹ء میں جب کہ وہ چندرگیری میں رہتا تھا انگریزوں کو دی سب سے پہلے مدراس میں انگریزوں کا کارخانہ ۱۶۲۰ء میں قائم ہوا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۵) کے سکہ انگریزی کے سپرد کر دیا۔ بروئے نامہ مورخہ ۲۱ مئی ۱۸۵۳ء جو فی ماہین آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر خلد اللہ ملکہ و آبادہ ایچور یا دائمی تنخواہ جمعیت منگنجوٹ کانل ٹوماس صاحب بہادر رزیڈنٹ سکار خلعت مدار کے سپرد ہوا۔ بموجب نامہ فیمابین ہز ہائینس نواب آصف جاہ بہادر مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۸۶۰ء بنام کرنل ڈیوڈسن صاحب بہادر رزیڈنٹ حیدرآباد ملک دوآبہ سکار غالی کو مسترد ہوا جس میں ضلع ایچور اور لنگسگور شامل تھا اور اب تک یہ اضلاع الٰہی اس ملک کے حکمراں نواب میر محبوب علیخاں آصف جاہ نظام الملک جی۔ سی۔ ایس۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی خلد اللہ ملکہ میں ۱۸۵۸ء میں لنگسگور منگنجوٹ کی فوج کا مستقر قرار پایا اور چھاؤنی مقرر ہوئی اس کے بعد ستمبر ۱۸۸۳ء میں چھاؤنی راچور منتقل ہو گئی اور طلنگہ قطعہ مطابق ۱۸۸۱ء میں ملک امانی ہزار سرکار عالی انگریزی کی تحویل میں دے دینے سے جمعیت منگنجوٹ شکست ہو گئی اور شل دوسری چھاؤنیوں کے راچور کی چھاؤنی بھی توڑ دی گئی ۱۳۱۸ف م ۱۹۰۸ء کی جدید ضلع بندی میں ضلع لنگسگور شکست ہو کر اس کے تعلقات اضلاع رایچور و گلبرگہ میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ محل تحصیل لنگسگور کا ایک موضع رہ گیا ہے جہاں پہلے تحصیل تھی اب وہ بھی لنگسگور اٹھ گئی اور لنگسگور میں صرف ایک ڈپٹی کلکٹر اور تحصیلدار رہتا ہے لنگسگور رایچور سے (۵۶) میل کا فاصلہ ہے اور مدکل لنگسگور سے (۱۲) میل ہے ۱۲۔

سترھواں باب

برّاڈاس کے بیان کردہ حالات ۱۶۱۴ء

چندگیری کے حالات ۱۶۱۴ء

۱۶۱۴ء میں راجہ وینکٹ اوّل کے انتقال کے بعد جو واقعات چندرگیری میں پیش آئے وہ اِس وجہ سے زیادہ دلچسپ ہیں کہ اب تک وہ پبلک کے سامنے پیش نہیں کیے گئے۔ یہ واقعات ۱۲ دسمبر ۱۶۱۶ء میں مقام کوچین مِنیول برّاڈاس نے لکھے تھے جو حال میں سہنارلوپس کو قومی تاریخی کتب خانے میں بمقام بسن دستیاب ہوئے اور جن کو میسول صاحب کے پاس لوپس صاحب نے بھیج دیا تھا اور صاحب موصوف نے ترجمہ کرکے اپنی کتاب میں درج کیے ہیں۔

"میں اب بنگلے کے پرانے راجہ کی موت کا حال لکھتا ہوں جس کا نام وینکٹ پتی رائلو تھا اور جس نے اس شخص کو جو عموماً راجہ کا بیٹا سمجھا جاتا تھا لیکن درحقیقت اُس کا بیٹا نہ تھا محروم کرکے اپنے بھتیجے چکا رائلو کو اپنا جانشین مقرر کیا۔"

اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ:-

راجہ کی شادی جگا رائے کی بیٹی بائیما سے ہوئی تھی لیکن بدنصیبی سے اُس کو باوجود ہر طرح کے علاج معالجے اور کوشش کے اولاد نہیں ہوئی رانی کے سسکے میں ایک برہمنی رہتی تھی اُس کو معلوم تھا کہ رانی کو کس قدر تلملاہٹ اولاد کی ہے لیکن کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی تھی جس اتفاق سے برہمنی کو ایک مہینے کا حمل تھا اُس نے رانی کو صلاح دی کہ میں موقع اچھا ہے تم راجہ سے کہو کہ تم کو ایک مہینے کا حمل ہے اور اس بات کو عام و خاص میں بھی مشہور کردو اور بظاہر اپنی حالت حاملہ عورتوں کی سی بنالو جب مجھے (برہمنی کو) بچہ ہوگا تو میں اس طرح تمھارے پاس بھیج دوں گی کہ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوگی تب تم بآسانی یہ بات مشہور کرسکتی ہو کہ تمھارے ہی ہاں بچہ ہوا رانی کی منہ مانگی مراد ملی اُسی دن سے وہ حاملہ عورتوں کی طرح بن گئی۔ برہمنی کے جب لڑکا ہوا تو اُس نے فوراً خفیہ طور پر رانی کے پاس بھیج دیا اور سارے محل میں رانی بائیما کے ہاں لڑکا ہونے کا شور و غل پڑ گیا۔ راجہ کو شبہہ ضرور تھا مگر رانی کی محبت اُس پر ایسی غالب تھی کہ اُس نے پردہ فاش نہ کرنا چاہا اور لڑکے کے ہونے کا جشن بڑی دھوم دھام سے کیا اور اس لڑکے کا نام چکا رایا رکھا جس نام سے ہمیشہ ولی عہد پکارا جاتا تھا لیکن راجہ کبھی اس لڑکے کو اپنے بیٹے کی طرح

سلہ دیکھو شجرۂ خاندان نمبر ۳ وینکٹ اول ترملا کا (جو خاندان نمبر ۴ کا پہلا حقیقی راجہ تھا) بیٹا تھا بھتیجا چکا رایا جس کا ذکر آیا ہے غالباً رنگا سوم ہوگا چکا کے معنے خوردہ کے ہیں لقب عموماً وارثِ تخت کو دیا جاتا تھا مادیر صورت رنگا کا بیٹا رامابھدرم جو گمی بھائیوں میں کا ایک تھا وہی ہوگا جو اُس قتل عام سے بچ گیا جس کا ذکر ان وقائع میں ہے ۱۲

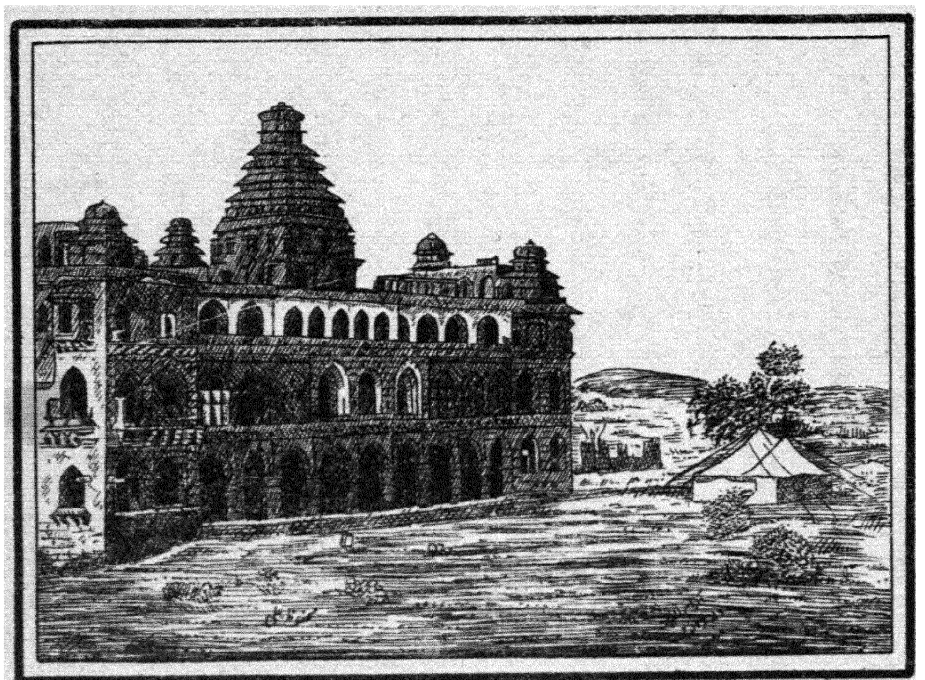
نہیں دیکھتا تھا بلکہ اُسے قلعۂ چندر گیری میں ڈلوا دیا تھا اور بلا اجازت باہر آنے جانے کی بھی ممانعت تھی البتہ خاص خاص مواقع پر وہ اپنی ماں کے ساتھ نکلتا تھا۔ بایں ہمہ جب لڑکا چودہ برس کا ہوا تو راجہ نے اُس کی شادی اپنے سالے اَبُّو رایا کی لڑکی سے کر دی۔ راجہ نے اپنے مرنے سے تین دن پہلے اِس فرضی لڑکے کو الگ تھلگ چھوڑ کر اپنے بھتیجے چکّا رایا کو (اس کا نام بھی وہی تھا جو رانی بایتما کے لڑکے کا تھا) سرِ دربار طلب کیا اور اپنا ہاتھ جس میں انگوٹھی تھی اُس کی طرف اِس غرض سے بڑھایا کہ وہ انگوٹھی لے لے اور وہی جانشین ہو۔ راجہ کا بھتیجا یہ حال دیکھ کر زار و قطار رونے لگا اور عرض کیا کہ مجھے آپ کی سلطنت نہیں چاہیے جس کسی کو بھی آپ کا دل چاہے یہ انگوٹھی دے دیں یہ کہہ کر وہ روتا ہوا راجہ کے قدموں میں گر پڑا۔ راجہ نے اشارہ کیا لوگوں نے جو کھڑے تھے چکّا رایا کو اُٹھایا اور راجہ کے داہنے جانب بٹھا دیا۔ راجہ نے دوبارہ پھر اپنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا کہ شاید اب وہ انگوٹھی لے لیکن پھر بھی چکّا رایا نے ہاتھ جوڑ کر اپنے سر کے اوپر کیے جس کا منشا یہ تھا کہ وہ جانتا تھا کہ اِس انگوٹھی کی بدولت کیا کیا مصیبتیں اُس پر پڑیں گی اور راجہ سے کہا کہ برائے خدا مجھے معاف کیجیے۔ تب راجہ نے تیسری مرتبہ انگوٹھی نکال کر اُنگلی کے پور پر رکھ کر اُس کی طرف بڑھائی۔ دربار میں جو لوگ حاضر تھے اُنھوں نے بہت کچھ سمجھایا تو ناچار چکّا رایا نے انگوٹھی لے کر اپنے سر پر رکھ لی اور پھر اُنگلی میں پہن کر بہت دیر تک روتا رہا۔ راجہ نے اُسی وقت خلعت (جس کی قیمت دو لاکھ کروزیڈ تھی اور اپنے کان کے جواہرات جس کی قیمت چھ لاکھ کروزیڈ سے زیادہ تھی اور دوسرے زیورات دو لاکھ کروزیڈ کے اور بہت سے جواہرات جو اِس سے بھی زیادہ قیمت کے تھے) الرمع تمام لوازمہ سلطنت منگوا کر اپنے بھتیجے کو دیا اور اُسے اپنا جانشین مقرر کیا جس کی شہرت فوراً ہر طرف دوڑ گئی۔ اِس سے بعض لوگ تو خوش ہوئے اور بعض جل بھن گئے۔ تین دن کے بعد راجہ نے سڑسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اُس کا کریا کرم (موت مٹی) اُسی کے باغ میں کیا گیا اور نعش کو صندل وغیرہ کی خوشبودار لکڑیوں سے جلایا گیا۔ اُس کے بعد ہی تین رانیاں بڑی ہمت اور دلیری سے ستی ہوئیں۔ ایک تو راجہ ہی کی عمر کی تھی اور دو پینتیس پینتیس سال کی تھیں۔ رانیاں بھاری بھرکم لباس میں جواہرات اور زیورات سے آراستہ ہو کر نکلیں اور چتا کے پاس پہنچ کر کچھ زیورات تو اُنھوں نے اپنے رشتے داروں میں تقسیم کیے باقی اُن برہمنوں کو دیئے جو مذہبی رسوم ادا کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ تب وہ سب سے رخصت ہوئیں اور ایک اونچے چبوترے پر چڑھ کر ایک دم جلتی اور بھڑکتی ہوئی آگ کے انبار میں کود پڑیں اور جل کر راکھ ہو گئیں۔ تب نئے راجہ کا دورِ حکومت شروع ہوا۔

چکّا رائے کی بغاوت اور راجہ کے خاندان کا قتل

نئے راجہ نے بعض اُمرا کو تو نکال باہر کیا اور باقی لوگوں کو اپنے پاس رکھا اور سلطنت کے سب لوگوں نے راجہ کے دربار میں حاضر ہو کر بہ استثنائے تین شخصوں کے اپنی وفاداری اور اطاعت کا اظہار کیا۔ اِن تین شخصوں میں جو باجہ حال سے منحرف تھے ایک تو چکّا رائے

تھا جس کی آمدنی چھ لاکھ کروڑیڈ کی تھی اور جس کے پاس بیس ہزار فوج تھی اور دوسرا تمانایک تھا جس کی چار لاکھ کی آمدنی اور بارہ ہزار فوج تھی اور تیسرا مکارائے تھا جس کی آمدنی دو لاکھ اور چھ ہزار فوج تھی۔ ان تینوں نے مل کر حلف اٹھایا کہ کبھی اِس راجہ کی فرماں برداری نہ کریں گے بلکہ راجہ کے منہ بولے بیٹے کا ساتھ دیں گے جو جگّارائے کا نواسا تھا۔ ان تین باغی اُمرائے سلطنت میں جگّارائے ہی بانی مُبانی اس بغاوت کا تھا اسی کے سبب سے یہ جھمیلا پڑا۔ ان کے علاوہ نئے راجہ سے اور تین شخص ناراض ہو گئے۔ پہلا دلاوے تھا جو فوج کا سپہ سالار تھا اور پانچ لاکھ کروڑیڈ سالانہ خرچ دیتا تھا اُس سے یوں بگڑی کہ راجہ نے اپنے دونوں بیٹوں کو دینے کے لیے اُس سے تین قلعے چھڑا لینے چاہے۔ دوسرا وزیر تھا اُس سے راجہ نے ایک لاکھ کروڑیڈ کا مطالبہ اس بنا پر کیا کہ متوفی راجہ کے عہد میں اُس نے یہ رقم چرالی تھی تیسرا نرپارائے جو راجۂ متوفی کا برادرِ نسبتی تھا اُس سے کہا کہ تمھاری بہن راجہ متوفی کی زوجہ کے جو زیورات تم کو دیئے ہیں وہ واپس دو۔ ان تینوں شخصوں نے بظاہر تو راجہ کے احکام کی تعمیل کے لیے دو دن کی مہلت چاہی اور در پردہ جگّارائے کی سازش میں شریک ہو گئے جو وہ اپنے نواسے کو راجہ بنانے کی کر رہا تھا اور سب نے مل کر یہ تدبیر کی کہ جگّارائے نے راجہ سے کہلا بھیجا کہ میں دُرگا نایک اور مکا نایک تینوں آپ کی قدمبوسی کو آنا چاہتے ہیں۔ راجہ نے اجازت دی۔ جگّارائے فوج میں سے پانچ ہزار چنندہ آدمی اپنے ساتھ لے باقی کو باہر چھوڑ کر قلعے میں داخل ہوا باقی دونوں باغیوں نے بھی یہی کیا وہ بھی دو دو ہزار منتخب جمعیت لے کر آئے۔ قلعے کی دو فصیلیں تھیں۔ جگّارائے نے پہلے دروازے پر ایک ہزار آدمی چھوڑ دیئے اور دوسرے دروازے پر ایک ہزار۔ دلوے نے قلعے کے دوسری طرف کے دو دروازوں کو روک لیا اتنے میں کچھ گڑبڑ ہوئی اور راجہ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ باغیانہ نیت سے گھس آئے ہیں تو اُس نے قلعے کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا لیکن ان لوگوں نے آتے ہی دروازوں کو توڑ تاڑ برابر کر دیا۔ مکارائے نے کہا کہ میں راجہ کو پکڑ لاتا ہوں اور راجہ کو کہلا بھیجا کہ اگر تم چپ چاپ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو گے تو ہم تم کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے اور ہماری غرض صرف یہی ہے کہ ہر حال میں جگّارائے کا نواسہ جو متوفی راجہ کا بیٹا ہے راجہ ہونا چاہیئے بے یار و مددگار راجہ کیا کر سکتا تھا چوطرف سے اُسے گھیر لیا تھا اُس کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا ناچار اپنے بچوں کو لے کر قلعے سے نکلا۔ دو طرفہ فوج کھڑی ہوئی تھی راجہ کا چہرا تمتمایا ہوا تھا اور نگاہ زمین پر تھی۔ راجہ کو کسی نے ڈنڈوت (سلام) تک نہ کی۔ راجہ کا قلعے کے باہر جانا ہی تھا کہ جگّارائے نے جھٹ اپنے نواسے کو گدی پر بٹھا دیا اور سب نے اُس کی اطاعت پر سرِ تسلیم خم کیا۔ راجہ محل میں داخل ہوا اور سب مال متاع دولت و اسباب قابض ہو گیا علاوہ بے شمار دولت کے صرف جواہرات سے بھرے ہوئے تین بڑے بڑے صندوق اُسے ملے۔ جگّارائے نے راجا معزول کو بڑے پہرے چوکی میں مقید رکھا کوئی اُس کے پاس پھٹکنا نہ تھا ہاں اس مصیبت میں صرف اُچّا نایک نے اُس کا ساتھ دیا جو اپنی آٹھ ہزار کی فوج لے کر قلعے

کے باہر ہی رہا اور جگّا رائے کے ساتھ شریک نہ ہوا اور جب اُس نے اِن لوگوں کی بغاوت کا حال سُنا تو وہ اپنی گڑھی میں جا کر بیٹھ گیا اور خود فوج اکٹھی کرنے لگا جگّا رائے نے کہلا بھیجا کہ راجہ حال کے حضور میں حاضر ہو کر اطاعت و فرمانبرداری کا اعتراف کرو اور اگر تم نے ذرا بھی پس و پیش کیا تو یاد رکھو کہ میں تم کو برباد ہی کر دوں گا اچھا نایک نے کہلا بھیجا کہ میں وہ نہیں ہوں کہ ایسے شخص کو راجہ مان لوں کہ جس کی نسبت یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس کا بیٹا ہے اور نہ یہ معلوم کہ اُس کی ذات کیا ہے اور یہ جو مجھے دھمکی دی ہے تو میں پہلے ہی سے طیار بیٹھا ہوں دل میں کوئی ارمان نہ رہے بسم اللہ ہمیں گو ہمیں میدان جگّا رائے سے کہو کہ باہر آ کر مجھ سے ذرا مقابلہ کر کے دیکھے۔ جگّا رائے نے یہ جواب کی بتر کی جب سُنا تو ڈھیلا پڑ گیا اور پھر نرمی اور آشتی سے پیغام سلام کرنے لگا اور بہت کچھ طمع سرفرازی اور افزونیِ مراتب کی دی لیکن یہ طمع بھی کارگر نہ ہوئی بلکہ اچھا نایک اپنی فوج سمیت لڑائی پر آمادہ ہو میدان میں آ ہی گیا اور جگّا رائے سے کہلا بھیجا کہ اب دیر کیا ہے میدان میں نکلو تمھاری طرف تو آج ساری خدائی ہے اور میں اکیلا ہوں پس اگر تم سے ہو سکے تو مجھے آ کر مارو تب البتہ تمھارا بنایا ہوا راجہ بلا کسی قسم کی مزاحمت کے راجہ ہو جائے گا جگّا رائے اچھا نایک کو تو دھمکی یا طمع دلانے پر کسی طرح اپنے قابو میں نہ لا سکا لیکن دوسرے بہت سے اُمرا کو اُس نے دے دلا کر اور آئندہ کا سبز باغ دکھلا کر اپنی طرف کر لیا جگّا رائے تو اپنے ان انتظامات میں لگا ہوا تھا اُدھر اچھا نایک اس فکر میں تھا کہ کسی کسی طرح اُس کی رسائی راجہ تک ہو جائے جو قید میں پڑا تھا لیکن اُس نے دیکھا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے تو اُس نے کہا کہ خیر راجہ کا ایک بیٹا ہی اگر مجھ تک آ جائے تو کافی ہے اچھا نایک نے اُس دھوبی کو بلا بھیجا جو قیدی راجہ کے کپڑے دھویا کرتا تھا اور اُس کو بہت کچھ انعام اکرام کی اُمید دلا کر کہا تو کسی طرح راجہ کے منجھلے لڑکے کو مجھ تک لے آ دھوبی نے کہا کہ اچھا میں اتنا کام تو کروں گا مگر شرط یہ ہے کہ کسی کو خبر نہ ہو دھوبی کا جب دھلے ہوئے کپڑے لے جانے کا دن آیا تو وہ معزول راجہ کے کپڑے قید خانے میں لے گیا اور ساتھ ہی اُس نے اچھا نایک کا خط بھی لیتا گیا جو تاڑ کے پتے پر لکھا ہوا تھا جس میں نہایت عاجزی اور اصرار سے لکھا تھا کہ آپ اپنے تینوں صاحبزادوں میں سے جو آپ کے ساتھ ہیں کسی ایک کو تو میرے پاس بھیج دیں تو دھوبی کسی طرح سے اپنے ساتھ لے آئے گا۔ راجہ نے اپنے فرزند دوم کو جس کی عمر بارہ سال کی تھی دھوبی کے ساتھ کر دیا کیوں کہ بڑے لڑکے کی عمر اٹھارہ سال تھی اُس کا باہر نکالے جانا اور بھی مشکل کام تھا دھوبی لڑکے کو لے اپنے میلے کپڑوں کی گٹھڑی میں باندھ لیا اور خوب جتلا دیا کہ ذرا چل نہ کرنا دھوبی نے بہ زید احتیاط گٹھڑی پر گدے اور غلاظت میں لپٹے ہوئے کپڑے رکھ لیے اور رستے سے ہٹو ہٹو پکارتا جاتا تھا لوگ خود بخود الگ ہٹ جاتے تھے اِس طرح صفائی صحیح و سالم اپنے گھر پر پہنچ گیا اور اُس نے تین دن تک راجہ زادے کو اپنے گھر میں چھپا رکھا اور تیسرے دن اُسے اچھا نایک کے کیمپ میں جو تین میل کے فاصلے پر تھا جا کر پہنچا دیا اچھا نایک اور اُس کے ہمراہیوں کو راجہ زادے کے آنے کی بڑی ہی خوشی ہوئی رفتہ رفتہ یہ خبر چاروں طرف پھیل گئی اور جگّا رائے کے کانوں تک بھی پہنچی اُس نے سارے محل کو ڈھنڈوایا تو معلوم ہوا کہ ہاں بات صحیح ہے اور معزول راجہ کا ایک لڑکا غائب ہے



محلِ راجہ گانِ چندر گیری

جگارے کو ایسا دبا کا بیٹھا کہ کئی دن تو وہ اپنے گھر کے باہر نہیں نکلا اور مقید راجہ پر دوہرا پہرا لگا دیا دروازے بند کرا دیئے اور راجہ کو بھی سوائے چاولوں اور معمولی ترکاری کے کھانے کو اور کچھ دینے کی بندش کر دی جس ہی اس امر کی تصدیق ہو گئی کہ راجہ کا بیٹا اچا نایک کے پاس ہی تو جگارے نے چار ہزاروں کو آٹھ ہزار فوج دے کر بھجوا دیا اچا نایک کو اب اس بات کی فکر پڑی کہ کسی طرح راجہ کو قید سے نکالے اچا نایک نے اپنی کل فوج میں سے بیس آدمی چن کر ایسے نکالے جنھوں نے وعدہ کیا تھا کہ ہم ایک ایسی سرنگ لگا دیں گے جو ٹھیک اُس مقام تک پہونچ جائے گی جہاں کہ راجہ قید ہی اس غرض کے حاصل کرنے کے لیئے یہ لوگ امیدوار بن کر دلوے کے پاس قلعے میں گئے اور نوکری کے خواہاں ہوئے اور وہاں نوکر بھی ہو گئے تنخواہ بھی ملنے لگی چند دنوں کے بعد ان لوگوں نے سرنگ کھودنی شروع کر دی اور رفتہ رفتہ جہاں راجہ قید تھا پہونچ گئے بے چارہ راجہ فوج کے سپاہیوں کو دیکھ کر گھبرایا کہ یہ کیا تازہ آفت آئی اور جب لوگ اُس کو جھک کر آداب بجا لائے تو اور چوکنا ہوا آخر کار ان لوگوں نے اچا نایک کا خط جو تاڑ کے پتے پر لکھا ہوا تھا دیا اُس میں لکھا تھا کہ یہ لوگ بالکل میرے بھروسے کے ہیں آپ ان پر اعتماد کر کے اِن کے ساتھ ہو لیجیے یہ لوگ آپ کو باہر نکال لائیں گے مرتا کیا نہ کرتا راجہ راضی ہو گیا راجہ نے اپنے سب کپڑے اُتار کر ایک دھوتی لپیٹ لی اپنی بیوی بچوں سے رخصت ہوا اور اُن کو طمانیت دلائی کہ گھبرانا نہیں اگر خدا نے مجھے اس قید سے چھڑا دیا تو پھر میں تم سب کو بلوا لوں گا لیکن تقدیر کا لکھا کہاں جاتا ہے قلعے پر جو پہرے کے لوگ تھے اور مشعل لگا کر پہرہ دیتے تھے ٹھیک اُسی وقت اُن میں کا ایک سپاہی آتے آتے اتفاقاً گڑھے میں گر پڑا اُس کے شور و غل سے سب دوڑے اُس کو نکالنے کے لیئے جو کھودا تو وہاں سرنگ معلوم ہوئی یہ لوگ اُس میں گھسے اور اندر ہی اندر مقید راجہ کے محل تک پہونچے دیکھا تو راجہ نکل ہی رہا تھا پھر کیا تھا اُس بے چارے کو تو وہیں گرفتار کر لیا اور جگارے کو خبر دی اُس نے فوراً راجہ کو وہاں سے نکال کر دوسری جگہ قید کر دیا جو اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ مقام تھا اور ایسا سخت پہرہ لگایا کہ رہی سہی امید بھی گلو خلاصی کی جاتی رہی اچا نایک نے جب دیکھا کہ بساط اُلٹ گئی اور کی کرائی محنت سب برباد گئی تو اُس نے ایک فوجی سردار کو جس کا نام ایلیسو تھا اور جس کے تحت میں قلعے کی پانچ سو فوج تھی بڑی رشوت دے کر ہموار کر کے اس بات پر آمادہ کر دیا کہ جب کبھی موقع ملے پہرے کے لوگوں کو قتل کر کے راجہ کو چھڑا دیا جائے ایک دن کیا اتفاق ہوا کہ جگارے اپنی ساری فوج لے کر ایک بڑے رئیس کی پیشوائی کو جا رہا تھا جو ان کی طرف مل گیا تھا اور قلعے میں صرف پانچ ہزار آدمی باقی رہ گئے تھے ایلیسو نے دیکھا کہ یہ موقع اچھا ہے اُس نے جھٹ ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر پہرے والوں کو قتل کر کے قلعے کے تینوں دروازوں پر قبضہ کر لیا اور اچا نایک کے پاس ایک آدمی کو دوڑایا کہ جس قدر جلد ممکن ہو آن کر قلعے پر قبضہ کر لو لیکن جگارے کا ستارہ اقبال بھی چمک رہا تھا وہ اچا نایک سے پہلے ہی اپنی ساری فوج سمیت پلٹ آیا اور ایک دروازے سے جس کی خبر ایلیسو کو بھی نہ تھی قلعے میں داخل ہوا اور اُسی وقت ایلیسو اور اُس کے پانسو آدمیوں کو تہ تیغ کیا جگارے کی آتش غضب اس قدر بھڑکی کہ اُس نے ارادہ کر لیا کہ میں معزول شدہ راجہ کے سارے لوگوں ہی کو قتل کر ڈالوں کہ یہ وزیر کا جھگڑا ہی مٹے اور میرے نواسے کی راہ میں سے یہ خار دور ہوں

جگارے نے یہ کام اپنے بھائی چنا بالا رائے کے سپرد کیا اور کہا کہ تم اُس کے پاس جاؤ اور کہو کہ یا تو وہ اپنے آپ کو ہلاک کرلے ورنہ میں خود تلوار سے اُس کا کام تمام کروں گا بے چارے راجہ نے بہت کچھ عذر معذرت کی اور کہا کہ حاشا کلا مجھے اس ہنگامے کی اصلا خبر نہیں میں بالکل لاعلم اور بے قصور ہوں لیکن اُس نے دیکھا کہ چنا بالا رائے اپنے ارادے پر تُلا ہوا ہے اور کہتا ہے دو باتوں سے خالی نہیں یا تم اپنی جان آپ لو یا کسی دشمن کے ہاتھ سے مرنا گوارا کرو اس کے سوا مفر نہیں یہ کیسا افسوسناک سانحہ تھا اور آگے کے حالات اس سے بھی زیادہ مہیب ہیں بدنصیب راجہ نے اپنی بیوی کو بلوایا اور چھوٹی بیٹی سے کہہ سُن کر اپنے ہاتھ سے اُس کا سر اُس کے تن سے جدا کیا پھر باری باری سے ایک ایک کرکے اپنے چھوٹے بیٹے اور چھوٹی لڑکی کو بلا کر اسی طرح اُن کو بھی دنیا سے رخصت کیا سب سے آخر اپنے بڑے بیٹے کو بلوایا جو بیاہا ہوا تھا اور اُس کے ہاتھ سے اُس کی بیوی کا سر اڑوایا جب سارے خاندان کا صفایا کر چکا تو ایک لمبی اور چار انگل چوڑی تلوار نکالی اور اُس پر گر کر اپنے آپ کو ہلاک کیا بڑے بیٹے نے جب یہ حال دیکھا اُس نے بھی باپ کی طرح اپنا خاتمہ کیا اب راجہ کی صرف ایک کم سن لڑکی بچ رہی جس پر ماتا کے مارے راجہ کا ہاتھ نہ اُٹھ سکا لیکن ظالم چنا بالا رائے نے اُس معصوم کو بھی تلوار سے دو ٹکڑے کر دیا مطلب یہ تھا کہ اس خاندان میں کا کوئی متنفس بچ نہ رہے اور سلطنت کا بلا دغدغہ راجہ قابض حال ہی مالک بن جائے۔

اچھانا یک کی وفاداری بہت سے رؤسا و اُمرا اس وحشیانہ قتل عام سے سکتے کے عالم میں رہ گئے اور اس سنگدلی اور بے رحمی سے لوگوں کے ذبح کیے جانے پر ایسے برافروختہ ہوئے کہ وہ خود اچھانا یک کے پاس گئے اور کہا کہ اب خاندان کا صرف ایک ہی لڑکا بچ رہا ہے (جسے دھوبی چھپا کر لایا تھا) ہم سب اُس کے ساتھ ہیں اچھانا یک ان شرمناک وحشیانہ مظالم سے آگ بگولا ہو رہا تھا اور جانتا تھا کہ میں حق پر ہوں اُس نے اپنی فوج میں سے دس ہزار بہترین اور منتخب لوگوں کو چن لیا اور جگارے کو جنگ کا اعلان دے دیا۔ جگارے کے پاس ساٹھ ہزار فوج اور اسی سو ہاتھی اور گھوڑے تھے اچھانا یک نے کہلا بھیجا کہ "تو تو اپنے راجہ اور اُس کے سارے خاندان کو قتل کر چکا اب صرف پھونس را باقی ہے جسے تم تیر کے نیچے سے چھڑا لایا ہوں اور میری حفاظت میں ہے مر مٹ کر اپنی ساری فوج لے کر میدان میں نکل آ سے بھی مار اور مجھے بھی مار تب تیرے نواسے کے لیے میدان صاف ہو جائے گا جگارے کچھ دنوں تو ٹالتا رہا لیکن جب دیکھا کہ اچھانا یک کو اصرار ہے تو اُس نے بھی لڑائی کا ارادہ کر لیا اور اُس کی ہر طرح خاطر جمع تھی کہ میرے پاس اُن سے کہیں زیادہ فوج ہے مجھے نہ صرف یقین بلکہ کامل یقین تھا کہ فتح ہوگی بلکہ میں اچھانا یک اور راجہ زادے دونوں کو گرفتار بھی کر لاؤں گا جگارے خود اپنی ساری فوج لے کر میدانِ جنگ میں گیا اچھانا یک نے اپنے کیمپ میں (۳) میل پر دس ہزار فوج کی حفاظت میں راجہ زادے کو چھوڑ دیا اور بقیہ دس ہزار فوج سے جگارے کے حملے کی مدافعت ہی نہیں کی بلکہ خود اُن پر جا چڑھا اور اس زور اور شدت کا حملہ کیا کہ جگارے اور اُس کے حامی موالی جو راجہ کے حلقہ کیے ہوئے تھے سب ہی تو ایک طرف کو دبک گئے اچھانا یک کی فوج کو موقع ملا وہ دھڑا دھڑ جگارے کے لشکر میں گھس پڑی اور جس جس کے ایک ایک کو قتل کیا اچھانا یک مظفر و منصور جگارے کے ڈیرے میں گھس گیا دیکھتا کیا ہے کہ وہاں سب لاشے مہاراجہ کی ہی

مراٹھ وغیرہ موجود تھے جو سنوتی راجہ کے تھے یہ تو اُس نے لے کر سب راجہ زادے کو دیئے اور اسی وقت جگارائے مقتول کے بیٹے کو راجہ فرماں روائے سلطنت بنگالہ مقرر ہونے کا اعلان کر دیا مال غنیمت کا کیا ٹھکانا تھا کہا جاتا ہے کہ بیس لاکھ کے تو صرف جواہرات ہی تھے مثل مشہور ہے فتح کے نقارچی ایک دم سے سب امراء لوٹ کر اچانایک سے آن ملے اور چند ہی دنوں میں اس کے پاس پچاس ہزار جنگی فوج فراہم ہوئی اور جگارائے آئندہ ہزار فوج کے ساتھ جنگلوں کی طرف نکل گیا۔ یہاں اُس کے ساتھ پھر لوگ جمع ہو گئے اور دو سال تک سلسلہ لڑائی کا جاری رہا کبھی یہ جیتتے تھے کبھی وہ لیکن غلبہ ہمیشہ اجڈوں ہی کو رہا۔ مدراس کا نایک جو راجہ بیجانگر کا متمول زمیندار تھا وہ سالانہ چھ لاکھ پیگوڈا خراج دیتا تھا اور اُس کے سلسلہ میں یہ شہرت تھی کہ ٹریونکور بھی اُسی کے ماتحت تھا وہ جگارائے کی طرف ہو گیا اور اُس نے تانجور کے نایک سے ایک لڑائی ہوئی اگرچہ تانجور کا نایک ایسا زبردست نہ تھا کہ مدراس کے نایک کا مقابلہ کر سکتا مگر اُسے راجہ کی مدد تھی ترچناپلی کے کھلے میدانوں میں دونوں طرف کے لاکھوں آدمی جمع تھے بلکہ لڑنے والے سپاہیوں کی تعداد دس لاکھ تھی۔

شہر سین ٹامی پر پرتگالیوں کا خود مختارانہ قبضہ

ان کی آپس کی خانہ جنگیوں سے شہر سین ٹامی جو راجہ بیجانگر کے مقبوضات میں تھا اور سالانہ محصول اور بحصول جنگی راجہ کو دیا کرتا تھا دو عملی میں مبتلا تھا راجہ نے اپنی طرف سے اس شہر پر دو سردار مقرر کر رکھے تھے پرتگالیوں کی ان سرداروں سے ہمیشہ ان بن رہتی تھی ان ہی وجوہ سے رعایا تنگ آ گئی تھی انھوں نے چاہا کہ روز کے جھگڑوں سے کسی ایک کے بھی تو ہونا بہتر ہے رعایا دوسرے پرتگال سے درخواست کی کہ ہمارے شہر کو آپ شاہ پرتگال کی عملداری میں لے لیں تاکہ ہم دوعملی سے نجات پائیں اس زمانے میں پرتگالیوں کا حاکم مینوئل ڈی فریاس تھا اس نے دیکھا کہ شہر کے پاس ایک گڑھی تھی پہلے اُس پر قبضہ کرنا چاہیے کیوں کہ راجہ بیجانگر کا والی تو یوں چیچپاتے قبضہ نہ دیگا آخر کار گڑھی کا محاصرہ کیا اور ایسا رستہ بند کیا کہ کوئی کل نہ سکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ پرتگالی فتح یاب ہوئے گڑھی پر قبضہ ہو گیا اور (۱۵۰) آدمی جو گڑھی کی محافظت کرتے تھے تاب نہ لا کر مطیع ہوئے اور رسد بھی کمک اس بیڑے نے آ کر نکال دی چوتھے دن وقت پر پہنچ گیا تھا۔ یہ واقعات ہیں جن کا ذکر سوائے اس خط کے اور کسی تاریخ میں نہیں ہے اور اس وجہ سے اُن کا معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہیں ہے ہم کو چاہیے کہ تھوڑی دیر کے لیے ان سب واقعات کو صحیح باور کر لیں اور شجرۂ خاندان سوم سے ملا کر اس گوشہ پر پڑھیں۔

تاریخی واقعات میں حصہ لینے والوں کا مجملی ذکر

راجہ وینکٹ اول (۱۵۸۶ء تا ۱۶۱۴ء) کے ایک بہن تھی جس کی شادی چنا بالا راے سے ہوئی تھی ہم کو شجرے سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ راجہ کے دو بھتیجے تھے ترمل دوم اور رنگا سوم جو اُس کے بھائی وراما سوم کے بیٹے تھے چونکہ ترمل دوم لاولد تھا اور رنگا سوم کا بیٹا راما سوم تھا جس کی نسبت کتبوں میں لکھا ہے کہ

لہ یہ خط ۱۷۱۲ء کا لکھا ہوا ہے ۱۲ سے اس کا نام ہے ویرا بالا جو ۱۶۰۰ء سے ۱۶۱۲ء تک ایک نایک تھا ہیرس نے اپنی کتاب تاریخ ملک میں لکھا ہے کہ اس نایک کے بیٹے تانجور کے نایک سے ایک لڑائی ہوئی تھی ۱۲ سے مدراس سے قریب ہے عورنگا میلاپور کہلاتا ہے فرنس کا برٹن نے سولھویں صدی کے آخر میں ان واقعات کے وقوع سے چند سال پیشتر لکھا ہے کہ یہ قصبہ راجہ بیجانگر کے مقبوضات میں ایک بڑا شہر تھا جو ساحل کورومنڈل پر واقع ہے ۱۲۔

کئی بھائیوں میں کا ایک تھا اِس لیئے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ برّاداس نے جس بھتیجے کا ذکر کیا ہی جو کہ ونکٹ اول کے مرنے پر سنہ ۱۶۱۴ء میں گدی نشین ہوا اور جس کے تین بیٹے تھے رنگا سوم ہی تھا جسے برّاداس نے چکّا رائے (ولی عہد) لکھا ہی۔ اِس حساب سے چکّا رائے سنہ ۱۶۱۴ء میں راجہ کا جانشین ہوا اور تھوڑے ہی دنوں بعد معزول ہوا پھر مقید ہوا اور آخر کار اپنی جان دینے پر مجبور کیا گیا اُس کے بڑے بیٹے نے بھی اُسی طرح اپنی جان دی اور چھوٹے بیٹے کو تو خود باپ ہی نے قتل کر دیا تھا منجھلا لڑکا دھوبی کے اسرے بھاگ نکلا تھا اور اچّا نایک کی نمک حلالی اور وفاداری سے وہ تخت نشین ہوا راجہ ونکٹ اوّل کی دو بیویاں تھیں یا تیما دیوی چکّا رائے اور ایک دوسری رانی تھی جس کا نام معلوم نہیں مگر وہ نرپا رائے کی بہن تھی راجہ ونکٹ اوّل کی ایک بھتیجی کی شادی ایک برہمن سے ہوئی تھی جس کو یاتما نے چور رستے نامعلوم طور پر محل میں داخل کر لیا تھا اور راجہ ونکٹ کا فرزند ظاہر کر کے تعلیم دلائی تھی جو سازش سے مسند نشین کرنے کی ہوئی تھی وہ چند روز کے لیئے تو کامیاب ہوئے کہ رنگا سوم اور تمام راجہ کے خاندان کے لوگ قتل کیئے گئے صرف ایک رنگا چہارم بچ رہا جو آگے چل کر تخت پر بیٹھا جو قصہ برّاداس نے بیان کیا ہی خدا لمعلوم کس حد تک صحیح ہی لیکن یہ بالکل ناممکن ہی کہ سارے کا سارا جھوٹ ہو اور ہم کو فی الحال اسے صحیح ہی مان لینا چاہیئے ان واقعات کا وقوع سنہ ۱۶۱۴ء و سنہ ۱۶۱۶ء میں ہونا پایا جاتا ہی کیوں کہ برّاداس کا خط ۱۲ دسمبر سنہ ۱۶۱۷ء کا لکھا ہوا ہی شجرہ جو ہم نے اسپگر لفیکا انڈیکا سے نقل کیا ہی اُس میں تم ونکٹ دوم کا زمانہ سنہ ۱۶۱۴ء تا سنہ ۱۶۳۴ء درج ہی اِس کے درمیانی سالوں میں کسی راجہ کا نام نہیں ہی مگر سیول صاحب نے اپنی کتاب سکچز آف دی ڈائنسٹیز آف سدرن انڈیا میں ذیل کے نام کتبوں سے درج کیئے ہیں لیکن جو دان کو ان کی کامل صحت پر بھروسا نہیں ہی لیکن بحالت موجودہ یہ سلسلہ ہی۔

رنگا	سنہ ۱۶۱۹ء	ونکٹا	سنہ ۱۶۲۴ء
راما	سنہ ۱۶۲۰ء تا سنہ ۱۶۲۲ء	راما	سنہ ۱۶۲۹ء
رنگا	سنہ ۱۶۲۳ء	ونکٹا	سنہ ۱۶۳۶ء

آخری نام اور سال دونوں معتبر اور صحیح ہیں۔

معاملات پلی کٹ

سنہ ۱۶۳۳ء میں راجہ بیجانگر کی مدد سے جو چندر گیری میں رہتا تھا پرتگالیوں نے پلی کٹ سے ڈچوں کے نکالنے کا ارادہ کیا اور یہ بات ٹھیر گئی کہ پرتگالی تو سمندر کی طرف سے چڑھائی کریں اور راجہ خشکی کی طرف سے۔ پرتگالیوں کے ویسرائے نے تو حسب قرارداد بارہ جہاز بھیج دیئے لیکن راجہ نے خلاف وعدگی کی اور وجہ یہ بیان کی کہ اُس کے ملک کے اندرونی حصّے میں خود اِس قسم کے فسادات اُٹھ کھڑے ہوئے تھے جن کے فرو کرنے میں فوج کی ضرورت تھی دوبارہ حملے میں بھی پرتگالیوں کو اسی وجہ سے ناکامیابی رہی کہ راجہ نے باوجود وعدے کے ساتھ نہ دیا پرتگالیوں کے جہاز چلے جانے کے بعد راجہ نے ڈچوں کی چھاؤنی پر حملہ کیا لیکن اُنھوں نے بہت کچھ دے دلا کر راجہ کو راضی کر لیا اور ڈچ اپنی جگہ بدستور قائم رہے سنہار لوبس نے اِس کے متعلق بہت سے کاغذات قومی تاریخی کتب خانے میں دیکھے ہیں جو مزل کپتان میلا پور۔ پادری پیرو مکیا اور بشپ نے لکھے ہیں۔ ان میں ایک ترجمہ راجہ بیجانگر کے دو خطوں کا ہی جو تانبے کے پتروں پر لکھے ہوئے تھے اور اُس زمانے میں لکھے گئے تھے جب کہ راجہ ویلور میں تھا۔

ان خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمّا راج کی بغاوت کے سبب سے راجہ کی رہی سہی طاقت بھی سلب ہوگئی تھی۔

فہرستِ فرمانروایاں

ہم کو معلوم ہے کہ ۱۶۳۹ء میں بیجانگر کے راجہ کا نام رنگا یا سری رنگا تھا۔ اور وہ اُس زمانے میں چندر گیری میں رہتا تھا کیوں کہ اُسی نے مسٹر ڈے کو جو انگریز تاجروں کا ایجنٹ تھا ایک خطۂ زمین کا ایک میل چوڑا اور پانچ میل لمبا دیا تھا جس پر آیندہ چل کر قلعہ سینٹ جارج تعمیر کیا گیا۔ اُس زمانے میں مدراس کے اطراف کے ملک پر ایک نایک بطور حاکم کے رہتا تھا جو اس قدر خود مختار اور اپنے راجہ کی طرف سے بے پروا تھا کہ اگرچہ راجہ نے حکم دیا تھا کہ نئے شہر کا نام اُس کے نام پر سری رنگا رایا پٹنم رکھا جاے مگر نایک نے اپنے باپ کے نام پر اُس کا چنا پٹنم رکھا جس نام سے آج تک ہندو میں مشہور ہے۔ یہ روایت مقامی لوگوں کی ہے۔ اِس زمانے میں رنگا ششم راجہ تھا جو ۱۶۴۲ء میں زندہ تھا۔ اس کے بعد کتبوں کی رُو سے ذیل کے نام اور تاریخوں کا سلسلہ قرار پاتا ہے جو ایک حد تک محتاجِ تصدیق و تحقیق ہے:-

رنگا ——— ۱۶۴۳-۴۷-۵۵-۶۲-۶۳-۶۵-۶۷-۷۸-

وینکٹا ——— ۱۶۷۸-۱۶۸۰-

رنگا ——— ۱۶۹۲-

وینکٹا ——— ۱۷۰۶-

رنگا ——— ۱۷۱۶-

مہادیوا ——— ۱۷۲۴-

رنگا ——— ۱۷۲۹-

وینکٹا ——— ۱۷۳۲-

راما ——— ۱۷۳۹-(؟)

وینکٹا ——— ۱۷۴۴-

وینکٹا ——— ۱۷۹۱-۹۲-۹۳-

خاتمہ

سر تھامس منرو کے کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارھویں صدی کے شروع میں آناگنڈی کی قدیم ریاست کا علاقہ راجگان کے قبضے میں بطور باج گزار بادشاہانِ مغلیہ کے تھا۔ ۱۷۴۹ء میں اِس علاقے پر مرہٹوں نے قبضہ کیا اور ۱۷۶۵ء میں حیدر علی والیِ میسور نے فتح کیا اور ٹیپو سلطان کے ابتدائی عہد میں دستور ریاست کی حیثیت سے قائم رہا لیکن ٹیپو سلطان نے ۱۷۹۶ء میں اپنی سلطنت میں مستقل طور پر شامل کیا۔ تیسری برس بعد ٹیپو سلطان سرنگاپٹن پر شہید ہوا اور مابعد کے انتظام میں آناگنڈی کا چھوٹا سا علاقہ سرکارِ عالی نظام کے سپرد کیا گیا اور دریاے تنگ بھدرا کے اِس طرف جس قدر ملک تھا وہ انگریزوں کے قبضے میں آیا جس کے معاوضے میں برٹش گورنمنٹ سے راجہ کشتان آناگنڈی کو اب تک پنشن ملتی ہے۔

پہلا ضمیمہ

وقائع ڈومنگو پیز

سنہ ۱۳۲۰ء تا سنہ ۱۵۲۲ء

جس میں سلطنت بیجانگر کے متعلق وہ باتیں درج ہیں جو کہ میں نے خود دیکھی ہیں یا یہ کہ مجھے دریافت سے معلوم ہوئیں۔ گو آسے بیجانگر کی سلطنت کو جانے کے لیے سمندر کے کنارے کنارے جانا پڑتا ہے رستے میں ایک سلسلہ پہاڑوں کا ملتا ہے جو اس سلطنت اور دوسرے علاقہ جات

سنہ پرتگالی دو سیاحوں کے اصلی وقائع اُن کی مادری زبان میں یعنی اور انکا نیشنل Bibliotheque Nationale میں بمقام پیرس لاکھ چھپی جلد میں محفوظ ہیں اور قلمی نسخے جات میں ان کا نمبر (۶۵) ہے ان تحریرات کو پہلے پہل انگریزی میں مسٹر رابرٹ سیول کلکٹر بلہاری نے ترجمہ کیا اس جلد میں چار خطوط منقول ہیں پہلا فرناؤ نیونز کا ہے اور دوسرا ڈومنگو پیز کا اس کے علاوہ دو اور خطوط ملک چین سے سنہ ۱۵۲۱ء کے لکھے ہوئے آخر میں درج ہیں بیجانگر کے متعلق دو خطوط کسی نے گو آسے یورپ میں کسی کے نام اپنے تمہیدی خط کے ساتھ روانہ کیے تھے کاتب اور مکتوب الیہ میں سے کسی کا نام درج نہیں ہے لیکن اغلب یہ ہے کہ یہ خط مرتغ پیرس کے نام بمقام لسبن بھیجے گئے تھے یہ خط مختلف اوقات میں پرتگالی سیاحوں یا تاجران بیجانگر نے لکھے تھے۔ پہلا خط سنہ ۱۵۲۱ء میں اور دوسرا سنہ ۱۵۲۴ء میں لکھا گیا ہے لیکن دونوں کا خط ایک ہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصل خط نہیں ہیں بلکہ اُن کی نقل ہیں دونوں سیاحوں میں پیس کا زمانہ پہلے تھا اس لیے ہم نے اسے پہلے نقل کیا ہے اور بعد میں نیونز کا۔ ہم نے قیاس کیا ہے کہ یہ خطوط مشہور مؤرخ پیروس کو لکھے گئے تھے کیوں کہ طرز عبارت سے ایسا ہی مستنبط ہوتا ہے علاوہ اس کے پیرس کی کتاب ڈی کیڈ De Kadas میں جو مواد اور بنگ ریچور کا حال لکھا گیا ہے وہ جو بہو ان ہی خطوں سے منقول ہے اس مجلد میں دو خط چین کے بھی ہیں یہ خط سنہ ۱۵۲۰ء کے بعد واسکو کالو اور کرسٹوداویرا نے لکھے تھے مسٹر فرگن نے لکھا ہے کہ پیرس نے ڈی کیڈ حصہ سوم میں چند نئے بیجانگر کے متعلق لفظ بہ لفظ نیونز سے نقل کیے ہیں اور لکھا ہے کہ "ہمارے لوگوں کے اُن خطوں سے جو واسکو کالو اور کرسٹوداویرا Vasco Carvo and Cristova Vieyra نے اُنھیں دو تین سال بعد لکھے تھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کینٹن میں قید تھے وغیرہ وغیرہ" اس سے یہ امر بالکل صحیح ہو جاتا ہے کہ پیروس نے ان دو خطوں کو ضرور دیکھا ہوگا۔ یہ بات کچھ اہم نہیں ہے کہ ان خطوط کا مخاطب پیرس تھا یا کوئی اور لیکن اتنا ضرور ہے کہ پیرس نے ان خطوں کو دیکھا ہے بلکہ اغلب یہ ہے کہ پیرس میں جو ان خطوط کی نقلیں محفوظ کی گئی ہیں وہ بھی پیرس ہی کے لیے کی گئی تھیں۔ پیرس خود کبھی ملک ہندوستان میں نہیں آیا لیکن انڈیا آفس لسبن میں ایک بڑے عہدے پر تھا۔ اس کی تاریخ کے چار حصے ہیں۔ کوٹو نے اسی کے سلسلے میں اور آٹھ حصے لکھے ہیں پہلے تین حصے پیرس کی تاریخ کے سنہ ۱۵۵۲ء و سنہ ۱۵۵۳ء میں چھپے ہیں جس میں سنہ ۱۵۲۶ء تک کے تاریخی واقعات درج ہیں چوتھا حصہ جو کوٹو نے چھپوایا ہے سنہ ۱۵۲۶ء سے سنہ ۱۵۳۹ء تک کا ہے اس میں لوپو وازڈی سیم پے او اور نیونز کا بہنا Lopo Vaz de Sampaio and Fernan da Cunha کے گورنری کے زمانے کے واقعات درج ہیں کوٹو کے ذاتی لکھے ہوئے آٹھ حصوں میں سنہ ۱۵۱۸ء تک کے واقعات ہیں یہ دونوں کتابیں مل کر "ڈا ایشیا" کے نام سے موسوم ہیں جن کو خود کوٹو نے سنہ ۱۶۱۶ء میں چھپوایا تھا۔ کوٹو کی زندگی کا بڑا حصہ ہندوستان ہی میں گزرا ہے جہاں وہ سنہ ۱۵۵۰ء میں آیا اور سنہ ۱۶۱۶ء میں اُس کا انتقال ہوا۔

یہ دونوں وقائع جن کو ہم نے ترجمہ کر کے ضمیمے میں لگایا ہے بے مثل اور نہایت دلچسپ ہیں۔ پیس کے وقائع اس واسطے قابل قدر ہیں کہ اُس نے اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے سے ہندوؤں کی عظیم الشان دارالسلطنت بیجانگر کے اُس زمانے کے عروج اور اور دن دن کی حالات لکھے ہیں جب کہ اُس کا عروج کمال پر پہنچا ہوا تھا اور نیونز کے وقائع یوں قابل توجہ ہیں کہ اُن میں تاریخی حالات چشم دید بیان کیے گئے ہیں جو بہ مصداق قصد از زبان برسر زبان زیادہ معتبر ہیں۔ اس میں شک نہیں اہم حالات کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے جن کو اُس نے یا تو خود دیکھ بھال کر لکھا ہے یا غایت مانی الباب کسی ایسے شخص سے سنکر لکھا ہے جو اُن کا دیکھنے والا رہا ہو۔ پیرس مؤخر مورخین کی روایات کا ماخذ یہی وقائع ہیں اور انھیں سے اُن کی کتابوں میں جان پڑ گئی ہے سہارو لوپس جس نے یہ وقائع اصلی زبان میں اپنی کتاب کرانیکا ڈوس ریس ڈی بسنگا Chronica Reis de Bisnaga. مطبوعہ سنہ ۱۸۹۷ء میں لکھے ہیں ان کے متعلق لکھتا ہے کہ "کسی زبان میں ایسے وقائع نہیں ہیں جو ان سے مقابلہ کر سکیں خواہ تاریخی واقعات کے لحاظ سے یا ملک کی عام حالت کے بیان کرنے اور خصوصاً دارالسلطنت کے حالات اُس کی پیداوار اور وہاں کے رسم و رواج و امثال ذاتی کے اعتبار سے۔ اٹلی کے سیاحان کو لوڈی کا تو ذکر ہی کیا اور فیاریکی بلکہ بصفحہ آئینہ

میں جو ساحل سمندر پر واقع ہیں حد فاصل ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ سمندر کے کنارے کنارے چلا گیا ہے اس میں جابجا گھاٹیاں ہیں جن میں سے اندرونی حصۂ ملک کا رستہ ہے باقی ماندہ سلسلے سے گزرنا ممکن ہے کیوں کہ پہاڑوں اور گھنے جنگل کی وجہ سے رستہ بند ہے اس سلطنت کے مقبوضات میں بہت سے بندر سمندر کے کنارے کنارے ہیں جن میں سے بعض مقامات پر ہمارے کارخانجات بھی ہیں جیسے سناور بھٹکل وغیرہ۔ اس پہاڑ کے طے کرنے کے بعد ہم کو اوجھل میدان ملتا ہے جہاں بڑے بڑے پہاڑ تو نہیں ہیں مگر چند چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں بھٹکل سے قصبہ سنڈور کی سڑک پر کچھ پہاڑیاں اور جنگل ملتا ہے تاہم سڑک ہموار اور مسطح ہے۔ بھٹکل سے سنڈور چالیس لیگ کا فاصلہ ہے اور رستے میں بہت سے نالے ندیاں ملتی ہیں چوں کہ پانی کی افراط ہے اسی وجہ سے بھٹکل بڑی تجارت گاہ ہے یہاں ہر سال پانچ چھ ہزار لدو بیل سامان کے آتے ہیں اس ملک میں سوائے چھوٹے پہاڑوں کے سلسلے کے چھدرا جنگل بھی ہے جس کا سلسلہ دو دو تین تین لیگ تک چلا جاتا ہے شہروں اور قصبات کے قریب امرائیاں املی بن۔ شریفے کی جھاڑیاں اور متفرق اقسام کے بڑے بڑے درخت لگے ہوئے ہیں جن سے مسافروں اور تاجروں کو سایے اور اترنے کا بڑا آرام ملتا ہے ایک مقام پر ہم کو ایک برگد کا ایسا درخت ملا کہ جس کے سایے میں ہم نے تین سو بیس گھوڑے باندھے۔ غرض تمام ملک سبزہ زار ہے جہاں دیکھو چھوٹے بڑے درخت موجود ہیں یہ حصۂ ملک بہت زرخیز اور شاداب ہے اور کثرت سے زراعت ہوتی ہے رعایا کے پاس مویشی کی وافر تعداد ہے زمینوں میں غلہ۔ گندم۔ دالیں۔ ترکاریاں اور کثرت سے روئی کی کاشت کی جاتی ہے جابجا کثرت سے شہر اور قصبات آباد ہیں ہر جگہ مٹی کے کچے حصار گاؤں کے اطراف میں بنے ہوئے ہیں نختہ فصیل بنانے کی اجازت سوائے ان مقامات کے نہیں ملتی جو کہ سرحد پر ہوں۔ چوں کہ یہ ملک مسطح ہے اس واسطے ہوا کے جھکڑ کثرت سے چلتے رہتے ہیں تیل عموماً ناریل کا ہے۔ کوکم۔ وغیرہ پھلوں سے کو تھلوؤں میں نکالا جاتا ہے چوں کہ ندی نالے بہت کم ہیں اس سبب سے پانی کی عموماً قلت ہے اس لیے جابجا تالاب بنائے گئے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۶) نے بھی اس ملک کے حالات لکھے ہیں لیکن وہ طمطراق۔ عام عبارت اور دستورات کے بالکل مختصر ہیں اور انھوں نے کوئی حال وقائع کے پیرایے میں نہیں چھوڑا پیرایہ نویس کے وقائع فی الواقع ایک دبیز اہا چور ہیں اور ان سے حالات پر بجز سرسری ایک غیر معمولی روشنی پڑتی ہے اور جن سے تاریخی واقعات ہیں کہ شک ہے صاف ہو جاتے ہیں مثلاً نونز نے صاف طور پر ان واقعات کا ذکر کیا ہے جو خاندان ارل کے زوال کے باعث ہوئے اور جن کی وجہ سے رسہ راے نے سلطنت پر غاصبانہ قبضہ کر کے دوسرے خاندان کی بنیاد ڈالی سنہ ار اور پس کے ان وقائع کے چھاپنے کے پیشتر ہمارے لیے ان واقعات کا کوئی رہنما تھا سوائے چند مبہم اور غیر کافی حالات کے کہ جو فرشتہ نے لکھے ہیں فرشتہ کا اصلی نام ملا محمد قاسم ہندو شاہ استرابادی تھا وہ ایرانی اور ایک معزز خاندان کا تھا اور ۱۵۸۸ء میں پیدا ہوا تھا وہ کم عمری میں اپنے باپ کے ساتھ ہندوستان میں آیا تھا اور مدۃ العمر دربار نظام شاہی میں بہ مقام احمد نگر رہا اور ۱۶۱۵ء میں یہیں اس نے تاریخ لکھنی شروع کی اور سلاطین بیجاپور کے حالات ۱۵۹۸ء میں ختم کر کے اس کے ۱۶۱۷ء میں منتقل کیا پیرا اور نیونز دونوں کے وقائع سے ثابت ہوتا ہے کہ کشن دیو راے فی الحقیقت راجگان بیجانگر میں سب سے بڑا راجہ تھا پیرا نے اس کو بارہا دیکھا ہے اور نہایت عمدہ الفاظ میں اس کا ذکر کیا ہے اور نیونز بھی لکھتا ہے کہ وہ ہمیشہ بالذات لشکر کشی کیا کرتا تھا۔ نیونز نے بھی کشن دیو راے کے حالات بہ صراحت لکھے ہیں اور نیز یہ کہ اس کے جانشینی اختیاری کمزوری۔ خود سری۔ بزدلی اور بے تدبیری اس عظیم الشان سلطنت کی بربادی کا باعث ہوئی یہ دونوں خط گو اسے پرتگال کو ۱۶۲۳ء میں جس خط کے ساتھ روانہ کیے گئے تھے اس کے مضمون کا ملخص یہ ہے "چوں کہ میں اب تک اس شہر گوا میں رہ چکا ہوں اب مجھے حضور کے اس ارشاد کی تعمیل ضرور ہے کہ جو لوگ سلطنت بیجانگر میں رہے ہوئے ہوں ان کی تلاش کروں میں جانتا ہوں کہ جو کوئی وہاں جاتا ہے وہاں کے حالات کی یادداشت سے ایک دستہ کاغذ کا ضرور لیتا جاتا ہے دو منگو پیر سے گئے ہیں یہ خلاصہ ملا ہے جو وہاں آتا جاتا رہتا ہے اور جو راجہ کشن راے کے عہد میں بیجانگر میں موجود تھا اور اسی زمانے میں گلبرگہ بھی دیکھا تھا یہ دوسرا خلاصہ حالات کے فرناز نونز سے دستیاب ہوا ہے جو وہاں تین تک گھوڑوں کی تجارت کو جاتا تھا میں کہ ایک شخص سب واقعات بیان نہیں کر سکتا ایک شخص جو واقعات لکھتا ہے دوسرا دوسری طرز پر اور میں یہاں کرتا ہوں ان دونوں وقائع کو گزرا شاہوں۔ ایک کشن راے کے زمانے کے حالات ہیں اور دوسرا کچھ پیچھے تک وہاں کے ضبط ہو کر آئے ہیں اب آپ ان دونوں میں سے جو چاہیں بخار قدر ہوں انتخاب فرمایئں اور دونوں کے ملانے سے جو بات شفی علیہ ہو وہ زیادہ بھروسے کی بھی ہو گی ۱۲

ہیں جن میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے بعض تالابوں میں قدرتی جھرنے بھی ہیں جو زیادہ مستقل ذریعہ ہے کیوں کہ جن تالابوں کا دارومدار بارش کے پانی پر ہے وہ آکے چل کر سوکھ جاتے ہیں اور اُن کے شکم میں زراعت ہونے لگتی ہے جب پانی کی قلت ہوتی ہے تو لوگ شکم تالاب میں جا بجا چشمے کھود دیتے ہیں جن تالابوں میں جھرنے نہیں ہوتے اُن کا پانی عموماً ناصاف رہتا ہے کیوں کہ یہ ملک بالا ہے خاک بہت اُڑتی ہے جو پانی کو میلا کر دیتی ہے اور پھر مویشی بھی ان ہی میں پانی پیتے ہیں جس کی وجہ سے پانی اور زیادہ خراب ہو جاتا ہے ہندو گائے کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور اُس کا ذبح کرنا اُن کے ہاں سخت ممنوع ہے بیلوں سے بار برداری کا کام لیا جاتا ہے ہندو گائے کی پوجا کرتے ہیں اور اپنے مندروں میں پتھر کے بیل کی مورت بنا کر رکھتے ہیں اور دیوتاؤں کے نام پر بہت سے سانڈ چھوڑ دیتے ہیں جو جا بجا پھرتے رہتے ہیں اور کوئی اُن کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ گدھے اس ملک کے چھوٹے ہیں اور اُن سے زیادہ دھوبی ہی کام لیتے ہیں اس سلطنت کا طول تین سو کوس ہے ایک کوس ۳ میل کا ہوتا ہے جو بالاگھاٹ اور ساحل کا رومنڈل پر تمام ہوتا ہے اور عرض ایک سو بیس کوس ہے یہ سلطنت ایک طرف تو ملک بنگالہ تک پہنچی ہے اور دوسری طرف اُڑیسہ تک اور جانب شمال ملک دکن سے مل گئی ہے جو عادل شاہ بادشاہ بیجاپور اور نظام شاہ بادشاہ احمد نگر کے مقبوضات میں ہے ہم (پرتگالیوں) سے عادل شاہ ہندوؤں کی مانند ہمیشہ لڑائی رہتی ہے کیوں کہ یہ بندر ہے اُن ہی کا تھا ہم نے اُن سے چھین لیا ہے اُڑیسہ کی سلطنت بیجانگر سے بھی بہت بڑی ہوئی ہے جو کیمبے اور دکن تک پہنچ گئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ ملک ۶ برس سے جاملی ہے اس ملک کے لوگوں کی کاٹھی بہت اچھی ہے عموماً توانا ہیں۔ یہاں راجہ کے پاس بہت بڑا خزانہ اور فوج اور کثرت سے ہاتھی ہیں کیوں کہ اس ملک میں ہاتھی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں ان وقائع میں ہم بخوف طوالت سلطنت بیجانگر کے شہروں اور قصبات کا حال چھوڑ دیتے ہیں صرف شہر دھارواڑ کا ذکر کرتے ہیں جس میں ایک قابل دید مندر ہے۔ اس شہر کے اطراف میں ایک خام فصیل ہے بستی کے غربی رُخ پر ایک خوبصورت دریا رواں ہے مشرقی جانب ایک مسطح میدان ہے فصیل کے اطراف میں ایک خندق ہے یہاں ایک ایسا خوبصورت مندر ہے کہ اطراف واکناف میں دُور دُور اُس کا ثانی نہیں ہے یہ مندر مدور شکل کا ہے اور ایک ہی پتھر میں تراشا گیا ہے دروازوں کے پتھر اس خوبی سے جوڑے گئے ہیں کہ جوڑ معلوم نہیں دیتا۔ اس مندر میں بت تراشی اور نقاشی کا کام ایسا عمدہ ہے کہ اس سے بہتر ہونا ممکن نہیں ہے اس مندر کے سائبان اور برآمدے چھت اور فرش سب پتھر کے ہیں کہیں لکڑی کا نام نہیں ہے ستون اس صفائی اور خوبی سے بنائے گئے ہیں کہ اٹلی کی صناعی معلوم دیتی ہے مندر کے چاروں طرف بطور حصار پتھر کی تراشی ہوئی جالیاں ہیں اس کے باہر ایک مضبوط سنگی چار دیواری ہے اس مندر کے تین بہت بڑے عالی شان اور خوبصورت پھاٹک ہیں مشرقی جانب مندر کا صدر دروازہ ہے جس میں سنگ بلند اور پست برآمدے ہیں جن میں جوگی اور سنیاسی رہتے ہیں احاطے کے اندر چھوٹے چھوٹے سُرخ رنگ کے مندر ہیں صحن میں ایک بہت بڑا ہشت پہل ستون ایک بلند مربع چبوترے پر کھڑا ہے ہندو بتوں کی پوجا کرتے ہیں بت انواع و اقسام کے عورت مرد بیل اور بندروں کی شکل کے ہوتے ہیں بعض خالی گول پتھر کو بھی پوجتے ہیں اس مندر کے دیوتا کا جسم تو انسان کا ہے مگر چہرہ ہاتھی کا ہے جس کے سونڈ اور دانت بھی ہیں دونوں طرف تین تین بازو اور چھ ہاتھ ہیں ہندو کا مقولہ ہے کہ چار بازو تو ٹوٹ گئے ہیں وجہ باقی بھی گر جائیں گے تو قیامت آجائے گی دیوتا کو ہر روز کھانا کھلایا جاتا ہے کیوں کہ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ دیوتا کھاتا ہے اور کھانا کھلانے کے وقت عورتیں (مرلیاں) جو اس دیوتا سے مخصوص ہیں ناچتی گاتی رہتی ہیں ان مرلیوں کی لڑکیاں بھی نسلاً بعد نسل اسی مندر کی خدمت گزار رہتی ہیں خراب حال جن کی ہوتی اور شہر کے بازاروں کے عمدہ عمدہ مقامات پر راستہ مکانات میں رہتی ہیں جس کسی مقدس دیوتا کے نام پر ان کی گئی ہیں اس واسطے ان کی عزت و توقیر کی جاتی ہے اور ان کے ہاں آنا جانا کوئی

عیب نہیں سمجھا جاتا۔ یہ مُرلیاں راجہ کے محل میں بھی جاتی ہیں اور رانیوں کے ساتھ بیٹھ کر پان کھاتی ہیں جو ایک بڑی عزت کی بات ہے اور ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ دھارواڑ سے بیجانگر اٹھارہ لیگ کا فاصلہ ہے رستے میں کئی شہر اور قصبے ملتے ہیں جو فصیلوں سے محصور ہیں۔ بیجانگر سے دو میل اس طرف ایک بہت بلند پہاڑ ملتا ہے جس میں گھاٹیاں بنی ہوئی ہیں اور یہی دروازے کہلاتے ہیں ان میں ہی سے شہر کے اندر جانے کا رستہ ہے ان کے سوائے دوسرا رستہ نہیں ہے۔ یہ سلسلہ پہاڑوں کا چوبیس لیگ کے دَور میں شہر کو گھیرے ہوئے ہے اور اُن کے اندر بھی ایک سلسلہ پہاڑوں کا ہے جو اندرونی حصّے کو گھیرے ہوئے ہے۔ جہاں کہیں ان پہاڑوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا ہے وہاں دیواریں کھینچ کر تکمیل کر دی گئی ہے صرف سڑکیں گزرنے کے لیے دروازوں میں رستہ چھوڑ دیا ہے باقی کہیں سے کوئی آجا نہیں سکتا۔ ان دونوں فصیلوں کے درمیان مَیدان بھی ہیں جہاں جانول کی کاشت ہوتی ہے اور بہت سے باغ ہیں جن میں نارنگی لیموں چکوترے وغیرہ کے درختوں کے علاوہ ہر قسم کی ترکاریاں بوئی جاتی ہیں۔ یہاں کے پہاڑ بھی کچھ عجیب و غریب ہیں کہ اوّل تو یہ سفید پتھر کے ہیں اور پھر بڑے بڑے پتھر ایک کے اوپر ایک معلّق رکھے ہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ایک پتھر پر دوسرے کو چڑھا دیا ہے ذرا سی ٹھیس لگ جائے تو ابھی دھڑام سے آن پڑے مگر پتھر بہت بڑے بڑے ہیں اس طرح گر نہیں سکتے۔ اسی قسم کے پتھروں سے شہر چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے اور بیچ میں آبادی ہے۔ یہ پہاڑوں کا سلسلہ دکن تک چلا گیا ہے اور سلطنتِ بیجاپور کی سرحد اور رائچور تک پہنچا ہے۔ وہاں بھی اسی قسم کے پتھر ہیں۔ رائچور پر بہت سی لڑائیاں راجۂ بیجانگر اور عادل شاہ کے درمیان ہوئی ہیں۔ اُڑیسہ کی سلطنت کی طرف بھی پہاڑ حدِّ فاصل ہیں مگر وہ اَور قسم کے پہاڑ ہیں جن پر جھاڑی جنگل ہے اور جابجا بڑے بڑے مَیدان بھی ہیں۔ سلطنتِ بیجانگر اور بیجاپور کی مشرقی انتہا پر بہت گھنا جنگل ہے جس میں درندے جانور رہتے ہیں اور یہ بیجانگر کی محافظت کے لیے ایک قدرتی حدّ ہے۔ کہیں کہیں ان میں درے اور گھاٹیاں ہیں اور اُن ہی میں سے رستہ ہے۔ ان دروں پر راجۂ بیجانگر کی فوج حفاظت کے لیے رہتی ہے لیکن گوا کی طرف کوئی حفاظت نہیں کی گئی ہے گوا کی جانب پہلے پہاڑوں کے سلسلے میں مغرب کی طرف صدر دروازہ ہے اس کے اندر راجہ نے ایک بہت بڑا شہر (ناگلا پور) بسایا ہے اس کو فصیل اور برجوں سے

محفوظ و مستحکم کیا گیا ہی اور اسی مناسبت سے دروازے بھی مضبوط بنائے گئے ہیں اور دروازوں پر بُرج بھی ہیں۔ یہ حصار اور دوسرے شہروں کی طرح کا کچا پکا نہیں ہی بلکہ ایسا سنگین اور پختہ ہی کہ شاید کسی اور شہر میں ایک آدھ جگہ ہی ہو۔ شہر کے اندر بہت خوب صورت قطار عمارتوں کی ہی جن کی چھتیں مسطح ہیں۔ اِس شہر میں بہت سے تاجر رہتے ہیں اور اُس کی آبادی اِس وجہ سے بہت بڑی ہی کہ راجہ خود مال دار تاجروں کو دوسرے شہروں سے یہاں آکر رہنے کی ترغیب دیتا ہی اور پانی بھی یہاں وافر ہی۔ راجہ نے خود ایک بڑا تالاب بنوایا ہی جس کا عرض ایک گولی کے ٹپ کا ہی۔ یہ تالاب دو پہاڑوں کے سرے پر بنایا گیا ہی جس سے سارا پانی اِدھر اُدھر سے بہ کر یہاں جمع ہوتا ہی علاوہ اِس کے تالاب میں تین لیگ سے نلوں کے ذریعے سے پانی پہنچتا ہی۔ یہ نل پہاڑوں کے سلسلے کے دامن میں لگائے گئے ہیں۔ اِن نلوں میں ایک بڑی جھیل سے پانی آتا ہی جو اِس قدر بڑی ہی کہ اُبل کر ندی میں گرتی ہی۔ تالاب میں تین بڑے مینار پانی کے خزانے کے بنے ہوئے ہیں جن پر نہایت خوب صورتی سے تصاویر کھودی گئی ہیں۔ اِن میناروں کا سلسلہ نلوں سے ملا ہوا ہی اور جب باغات یا زراعت کے لیے پانی کی ضرورت ہوتی ہی تو اُن کے ذریعے سے پانی پہنچایا جاتا ہی۔ شکم تالاب کے لیے زمین نہ تھی اِس لیے راجہ نے ایک پہاڑ توڑوا کر سطح زمین کو برابر کرایا ہی۔ تالاب کی مدد میں مَیں نے پندرہ بیس ہزار مزدور ایک دم لگے دیکھے ہیں۔ مزدور اِس کثرت سے تھے کہ چیونٹیوں کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ سارے میدان میں آدمی ہی آدمی دکھلائی دیتے تھے بسطح زمین نظر نہ آتی تھی۔ راجہ نے اِس تالاب کی تعمیر کا کام اپنے اُمرا میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا تھا ہر ایک کے سپرد کافی تعداد مزدوروں کی تھی اور وہ اپنے اپنے حصے کا کام اپنی ذمہ داری سے بنواتے تھے۔ اتفاقاً تالاب دو تین مرتبہ پھوٹ گیا۔ راجہ نے برہمنوں سے کہا کہ تم دیوتا سے دریافت کرو کہ یہ تالاب بار بار کیوں ٹوٹ جاتا ہی۔ برہمنوں نے کہا کہ دیوتا ناراض ہی اور بلدان مانگتا ہی چاہیئے کہ انسان گھوڑے اور بھینسوں کا خون چڑھایا جاوے۔ یہ سُنتے ہی راجہ نے حکم دیا کہ دیول کے دروازے پر ساٹھ آدمیوں کے سر چڑھائے جائیں اور کچھ گھوڑے اور بھینسے بھی قربانی کیے جائیں چنانچہ راجہ کے حکم کی تعمیل

فورًا کی گئی - ہنود میں برہمن بہت متبرک سمجھے جاتے ہیں خصوصًا جو کہ دیولوں کے پجاری ہوتے ہیں اور یہ لوگ ذی علم عابد اور زاہد بھی ہوتے ہیں اور ریاضت کرتے ہیں - یہ لوگ بجز ترکاری کے کسی قسم کا گوشت یا مچھلی وغیرہ نہیں کھاتے - یہ لوگ عموماً متاہّل ہوتے ہیں ان کی عورتیں بہت خوب صورت ہوتی ہیں ان کی مستورات بالعموم گھروں میں رہتی ہیں اور باہر کم نکلتی ہیں - سب عورتوں کے کھلے اور صاف رنگ ہوتے ہیں اور خوب صورتی میں بھی یہ دوسری اقوام سے برتر ہیں - دوسری اقوام میں بہت کم لوگوں کے رنگ کھلے ہوے ہوتے ہیں ناگلا پور کے نئے شہر کا نام راجہ نے اپنی چہیتی بیوی پر رکھا ہے - شہر کے اطراف میں لوگوں کے باغات ہیں - اس شہر میں راجہ نے ایک بہت عمدہ مندر بھی بنوایا ہے جس میں بہت سے بت ہیں - شہر میں متعدد عمدہ باولیاں ہیں - یہاں کے مکانات دو منزلہ سہ منزلہ نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی منزل کے مسطح چھتوں کے ہیں جن میں وسیع دالان برآمدے حجرے اور کوٹھڑیاں ہوتی ہیں - ہر مکان کی ایک چار دیواری ہوتی ہے - راجہ کے محل کے دو بڑے بڑے دروازے ہیں جن پر بہت بڑا پہرہ چوکی رہتا ہے - سوائے اُمرا کے کوئی بلا اجازت اندر نہیں جا سکتا ان دروازوں کے درمیان ایک بڑا وسیع صحن ہے جس کے چاروں طرف مکانات ہیں جن میں اُمرا و رؤسا حاضر باش رہتے ہیں اور جب یاد ہوتی ہے تو راجہ کے حضور میں حاضر ہو جاتے ہیں راجہ متوسط القامت اور کھلے رنگ کا ہے اُس کی شکل و صورت اچھی ہے - بدن گداز ہے - چہرے پر سیتلا کے داغ ہیں - اس کا رعب داب بہت ہے اور ہر طرح بادشاہت کے لیئے موزوں اور کامل الصفات ہے - نہایت خوش مزاج اور خوش طبع ہے - غیر ملکیوں کی ہمیشہ قدر و منزلت کرتا ہے اور اُن سے بہت مہربانی اور ملنساری سے پیش آتا ہے اور ان کے تمام حالات جُزو کل دریافت کرتا ہے - یہ شخص بڑا حاکم وقت اور بڑا منصف مزاج ہے لیکن بعض وقت غُصّہ غالب آجاتا ہے - اس کا نام "دکشن راؤ مہاراجہ شاہنشاہ راجۂ راجگانِ ہند مالک تین سمندروں اور ملک کا ہے" یہ خطاب اس کا اس وجہ سے ہے کہ یہ سب سے بڑا راجہ ہے اس کے پاس سب سے زیادہ علاقہ اور فوج ہے علاوہ اس کے وہ خود بڑا بہادر اور ہر فن میں کامل ہے - راجہ اُڑیسہ سے ہمیشہ اس راجہ کی لڑائی رہی - یہ راجہ اُس کے ملک پر چڑھ گیا بہت سے شہروں اور قصبوں کو برباد

کردیا۔ فوج کو منتشر اور پریشان کردیا۔ ہاتھیوں کو تباہ کردیا اور راجہ کے بیٹے کو گرفتار کرکے عرصے تک بیجانگر میں قید رکھا جہاں وہ آخر کار مرگیا۔ راجہ اڑیسہ نے اس غرض سے کہ کسی طرح ان روز کی لڑائیوں سے نجات ملے راجہ بیجانگر سے اپنی ایک لڑکی بیاہ دی۔ راجہ کی اصلی رانیاں بارہ ہیں ان میں بھی تین کو تفوق ہے۔ صرف ان ہی کی اولاد نرینہ وارث تخت و تلاج ہوتی ہے۔ ان میں ہی کی ایک راجہ اڑیسہ کی لڑکی ہے اور دوسری سرنگا پٹن کے راجہ کی بیٹی ہے۔ تیسری ایک کنچنی تھی جس سے راجہ کا تعلق تخت نشینی سے پہلے زمانہ زراے زادگی سے تھا اور اس سے راجہ نے وعدہ کرلیا تھا کہ جب میں راجہ ہوں گا تو تجھے اپنی خاص بیویوں میں شامل کروں گا۔ اسی کے نام پر راجہ نے ناگلا پور آباد کیا ان میں سے ہر ہر رانی کا محل الگ ہے ان کی لونڈیاں۔ باندیاں۔ ملازمین پہرے دارنیاں جدا جدا ہیں۔ ان محلات میں مرد پھٹک نہیں سکتا سب کام عورتوں کے ذمے ہے البتہ دروازوں پر خواجہ سراؤں کا پہرہ رہتا ہے۔ جب کبھی باہر نکلنے کی ضرورت ہوتی ہے تو پالکیوں میں برآمد ہوتی ہیں پردہ ایسا گہرا ہوتا ہے کہ کوئی دیکھ نہیں سکتا تین چار سو خواجہ سرا پالکی کو گھیرے رہتے ہیں باقی مرد سواری سے دور دور رہتے ہیں۔ ان رانیوں کے زیورات جواہرات اور دولت کا کیا پوچھنا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس ساٹھ ساٹھ دوشیزہ مصاحب یا سہیلیاں رہتی ہیں جو از سر تا پا زیورات اور جواہرات سے لدی رہتی ہیں ہم نے بھی ایک مرتبہ اس نظارے کو ایک تہوار کے موقعے پر دیکھا ہے جسے دیکھ کر ہم ہکا دھکا رہ گئے جس کا ذکر ہم آیندہ کریں گے۔ ان سہیلیوں کے ساتھ بارہ ہزار اور لونڈی باندیاں ملازمہ ہیں کیوں کہ عورتیں بھی تلوار اور ڈھال باندھتی ہیں اور کسرت اور کشتی کرتی ہیں کچھ ترئی اور انواع و اقسام کے باجے بجاتی ہیں۔ عورتیں ہی کہاروں کا کام دیتی ہیں۔ الغرض جتنی خدمات زنانے محلات میں ہیں سب عورتوں ہی کے سپرد ہیں اور جس طرح کہ راجہ کے ہاں مرد عہدے دار ہیں اسی طرح محلات میں عورتیں مختلف عہدوں پر مامور ہیں۔ ان تینوں رانیوں کے پاس سب لوازم یکساں ہیں ذرا فرق نہیں تاکہ کسی کو کمی و بیشی کی شکایت نہ ہو جس سے نا اتفاقی اور رنجش پیدا ہو۔ یہ تینوں رانیاں آپس میں بہت ملی جلی اور ایک دوسرے کی سہیلیاں ہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے محل میں علی حدہ علی حدہ رہتی ہیں۔ اسی سے اندازہ کیا

جاسکتا ہی کہ محل کا احاطہ کس قدر وسیع ہوگا۔ مکانات کیسے ہوں گے جن میں اِس قدر لوگ رہتے ہیں یہاں کے بازار گلیاں اور محلّے کیسے کچھ ہوں گے۔ راجہ خود ایک محل میں رہتا ہی اور جب اُس کا دل جس رانی کو چاہتا ہی بذریعۂ خواجہ سرا کے بُلوا بھیجتا ہی۔ خواجہ سرا جاکر گارڈنوں (وہ عورتیں جو پہرے پر رہتی ہیں) کو راجہ کا پیغام پُونہچا دیتا ہی۔ اور وہ چیمبر میڈ (سہیلی یا مصاحب) کو مطلع کرتی ہیں وہ رانی سے عرض کرتی ہی۔ یا تو رانی خود راجہ کے محل میں چلی جاتی ہی یا راجہ خود وہیں آجاتا ہی۔ راجہ اپنا وقت آرام و آسایش سے اِس طرح گزار دیتا ہی کہ دوسری انیوں کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی۔ خواجہ سراؤں میں سے بعض بیش قرار تنخواہ پاتے ہیں اور راجہ کے بڑے مُنہ چڑھے ہیں بلکہ وہ راجہ کی خواب گاہ ہی میں سوتے بھی ہیں۔ راجہ دن نکلنے کے پیشتر ہر روز روغن کنجد پیتا ہی۔ اور اسی تیل کی مالش تمام بدن پر کی جاتی ہی۔ راجہ عموماً دھوتی پہنتا ہی۔ مگدروں کی جوڑی ہلاتا ہی بعد کو تلوار کی پھینک کرتا ہی۔ وہ اِس قدر ورزش کرتا ہی کہ تمام بدن میں پسینہ آکر تیل جذب ہوجاتا ہی تب وہ کُشتی لڑتا ہی۔ اِس کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہوکر ہوا خوری کو باہر چلا جاتا ہی اور دن نکلنے کے اوّل یہ سب ورزش ختم کرکے واپس آجاتا ہی تب غسل کرتا ہی۔ غسل کرانا ایک مقدّس برہمن کے سپرد ہی جو راجہ کا خاص مقرّب ہی اور بڑا معتمد شخص ہی۔ بعد غسل کے محل کے اندر جو دیول ہی اُس میں پُوجا کرتا ہی تب وہ دیوان خانے میں برآمد ہوتا ہی جس کے اطراف میں صرف ستون ہیں دیوار نہیں ہی۔ ستونوں پر بیش قیمت خوب صورت کپڑے لپٹے ہوئے ہیں۔ چھت اور کھم انواع و اقسام کے رنگا رنگ آئینہ کاری کام سے آراستہ ہی۔ اِس دیوان خانے کی دونوں طرف دو عورتوں کی نہایت خوب صورت مورتیں کھڑی ہیں۔ اِسی دیوان خانے میں راجہ سلطنت کا کاروبار کرتا ہی اور مصاحبین امراء وغیرہ بھی یہیں باریاب ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ مقرّب اور ایک معمّر شخص تمارلج ہی (سالور تمّا وزیر) یہی تمامی امورِ سلطنت کا بڑا کارپرداز ہی اور سب اُمراء و اہلِ غرض اِس کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ راجہ جب اپنے مصاحبین وغیرہ سے بات چیت کرکے فارغ ہوجاتا ہی تو پھر دوسرے درباریوں کی باریابی ہوتی ہی۔ یہ لوگ آتے ہی جُھک کر آداب بجا لاتے ہیں اور دُور ایک طرف کو قرینے سے خاموش بیٹھ جاتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت بھی نہیں کرسکتے

نہ وہاں پان کھا سکتے ہیں بلکہ دست بستہ مؤدب بیٹھے رہتے ہیں اور زمین پر اُن کی نگاہ رہتی ہے اگر راجہ ان میں سے کسی کی طرف مخاطب ہوتا ہے تو ایک شخص ثالث کے ذریعے سے گفتگو کی جاتی ہے۔ جس کو اجازت عرض معروض کی ملتی ہے وہ راجہ کے روبرو کھڑے ہو کر جو عرض کرنا ہو عرض کرتا ہے اور پھر اپنی جاے پر بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح تھوڑی دیر کے بعد دربار برخاست ہو جاتا ہے اور سب سلام کر کے رخصت ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا سلام اس طرح ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھ جوڑ کر سر کے اوپر اونچے کر لیتے ہیں۔ ہم جب اس ملک میں آئے تو راجہ ناگلاپور میں تھا۔ میں اور کرسٹوواؤ ڈی فگریڈو اور چند لوگ جو ہمارے ساتھ تھے مل کر راجہ کے پاس گئے۔ ہم سب نے اپنے ملک کا عمدہ لباس پہنا تھا۔ راجہ فگریڈو سے بہت اچھی طرح ملا اور بہت خاطرداری سے پیش آیا۔ راجہ اُس سے مل کر ایسا خوش ہوا جیسے کوئی اپنے عزیز سے مل کر خوش ہوتا ہے اور ہم سب کے ساتھ بھی بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ ہم سب راجہ کے ایسے قریب بیٹھے تھے کہ اُس کا بدن ہم سے چھو رہا تھا۔ فگریڈو نے رائے ڈی ملو کپتان میجر کے خطوط اور تحائف پیش کیے جس سے راجہ بہت خوش ہوا خصوصاً ارگن باجے سے راجہ سفید زرّیں لباس میں تھا۔ راجہ کے گلے میں ایک کنٹھا بیش قیمت جواہرات کا تھا اُس کے سر پر ایک خود نما کم خواب کی ٹوپی تھی مگر برہنہ پا تھا کیونکہ راجہ کے حضور میں جوتا ہے وہ جوتیاں اُتار کے جاتا ہے اور عموماً اس ملک میں لوگ ننگے پاؤں بھی پھرا کرتے ہیں۔ یہاں کے جوتے لمبی نوک[۵۲] کے ہوتے ہیں اور بعض کے صرف تلوے ہی تلوے ہوتے ہیں جن میں اوپر وار کو تسمے پاؤں ڈالنے کے لیے بنے ہوے ہوتے ہیں۔ راجہ نے رخصت کے وقت کرسٹوواؤ کو ایک کم خواب کا چغہ اور ایک ٹوپی اُسی طرز کی جیسے کہ خود پہنے ہوے تھا دی اور

---

[۵۱] حسب بیان کوریا فگریڈو کو پورتگس گورنر نے ۱۵۱۰ء میں ہاتھی گھوڑے بطور تحفہ دے کر بیجانگر بھجوایا تھا۔ فگریڈو گوا کا صدر تھانے دار تھا اور مردود کے مندر میں رہتا تھا۔ ۱۵۳۰ء میں جو لڑائیاں اسد خاں اور پرتگالیوں کے درمیان ہوئیں ان میں بھی فگریڈو موجود تھا اور اسی وجہ سے فگریڈو اور اسد خاں کی باہمی دوستی تھی ۱۲

[۵۲] ہندستان کے گھیتلے جوتوں کی وضع کے ان کو اب "آپاشاہی" جوتے کہتے ہیں جن کے صرف تلوے ہوتے ہیں وہ چپّل کہلاتی ہے جو سلیپر کی وضع کی ہوتی ہے مگر پنجہ نہیں ہوتا کھڑاؤں کی طرح کے تسموں سے پاؤں میں اٹک جاتی ہے ۱۲

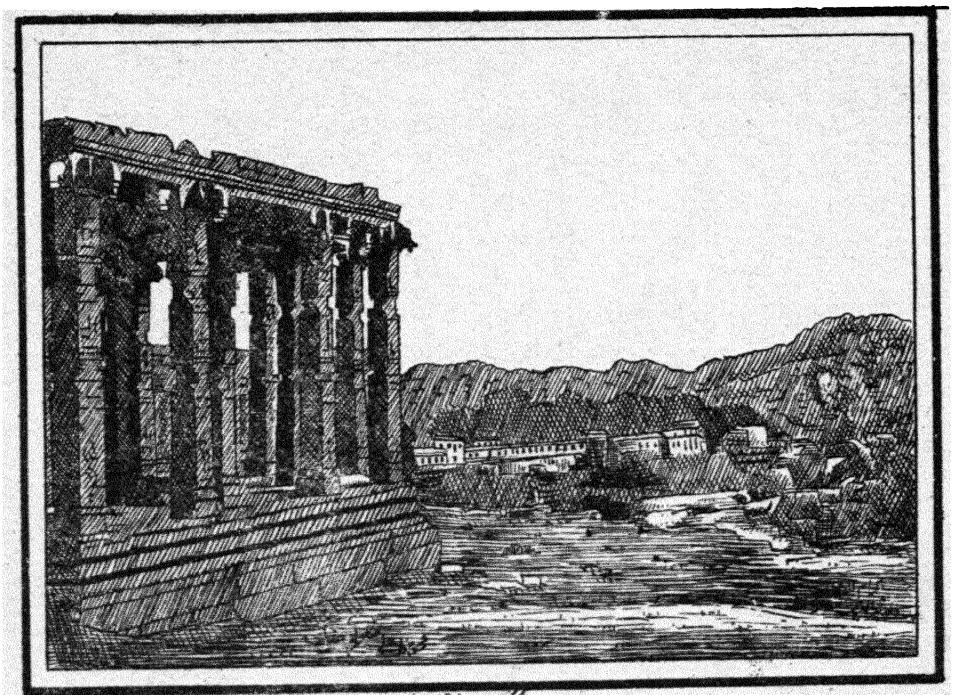
اور ہم سب کو بھی ایک ایک پارچہ جس پر زردوزی کی تصویریں بنی ہوئی تھیں دیا اور یہ راجہ کا دستور ہے کہ جن سے دوستانہ تعلقات ہوتے ہیں سب کو کچھ نہ کچھ دیتا ہے۔ راجہ سے رخصت ہو کر کرسٹوداؤ بیجانگر آیا جو ناگلاپور کے نئے شہر سے تین میل ہے۔ ہم لوگ یہاں عمدہ مکانات میں رہنے لگے اور یہاں راجہ کی طرف سے بہت سے رؤسا اور اُمرا فگریڈو سے ملنے آیا کرتے تھے۔ راجہ بھی تحفے تحائف بکرے۔ مرغیاں۔ گھی۔ اور شہد کے گھڑے اور بہت سی چیزیں بھیجا کرتا تھا جو فگریڈو اپنے ہمرائیوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ راجہ نے فگریڈو سے بادشاہ پرتگال کے حالات بھی پوچھے اور وہاں کا حال سُن کر بہت خوش ہوا۔ بیجانگر سے ناگلاپور کو ایک بہت چوڑی سڑک جاتی ہے جس کے دونوں طرف مکانوں اور دُکانوں کی قطار ہے۔ دُکانوں میں ہر قسم کی اشیائے ما یحتاج میسر آتی ہیں۔ سڑک کے دو رویہ درخت سایہ دار لگے ہوئے ہیں۔ جو اسی راجہ نے نصب کرائے ہیں۔ اسی سڑک پر راجہ نے ایک بہت خوب صورت سنگین مندر[1] بنوایا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے مندر امرا کے بنوائے ہوئے موجود ہیں۔ بیجانگر کے شہر کے دروازوں میں داخل ہونے سے پیشتر ایک بہت بڑا دروازہ ملتا ہے جو مستحکم اور سنگین فصیل کا ہے۔ یہ فصیل بیرونی ہے جو سارے شہر کے گرد اگرد ہے جس میں جابجا مورچے بنے ہوئے ہیں لیکن فی زمانہ بعض بعض مقامات پر یہ فصیل شکستہ ہو گئی ہے اس فصیل کے اطراف میں خندق بھی ہے۔ اس بڑی فصیل کے علاوہ ایک اور فصیل خاص وضع کی ہے۔ قدِ آدم نوک دار پتھروں کے کھمبرابر گاڑ دیئے گئے ہیں بیرونی فصیل سے شہر کو بہت فصل ہے۔ درمیان میں کثرت سے زراعت ہوتی ہے اور باغات ہیں جن میں تالابوں کا پانی آتا ہے اور ناریل اور پھل دار درخت بطور خانہ باغ کے لگے ہوئے ہیں فصیل کے باہر ہی ایک چھوٹا سا تالاب ہے۔ اُس کے بعد فصیل ملتی ہے۔ دروازے میں داخل ہونے کے لیے فصیل مُڑ گئی ہے اس جگہ دروازے کی دونوں طرف دو بڑے بڑے بُرج بنے ہوئے ہیں۔ دروازے میں سے گزرنے کے بعد دو چھوٹے چھوٹے مندر ملتے ہیں ایک کے احاطے

---

[1] اس سے مراد ابنا سوامی کا خوب صورت مندر ہے جو ہوس پیٹ سے ایک میل پر کاملاپور کی سڑک پر واقع ہے۔ درخت اب بھی جابجا موجود ہیں ۱۲۔

میں بہت سے درخت لگے ہوئے ہیں اور دوسرے میں بہت سے مکانات ہیں - اِس کے بعد ایک اَور دروازہ اور فصیل ملتی ہی یہ دوسری فصیل شہر کے گرداگرد ہی - یہاں سے راجہ کے محل تک بڑی سڑک ہی جس پر اُمرا اور معززین کے خوب صورت مکانات واقع ہیں جو بہت شان دار اور آراستہ ہیں جن پر پتھر کی تصویریں کثرت سے بنی ہوئی ہیں اور دیکھنے میں بہت خوش نما معلوم دیتے ہیں اِسی سڑک پر آگے چل کر شہر کا ایک بڑا دروازہ[1] راجہ کے محل کے محاذی ہی اور اِس کے مقابلے میں دوسری طرف اَور ایک دروازہ ہی جو شہر کی دوسری جانب کے رستے پر واقع ہی - اِس سڑک پر سے تمام گاڑیاں غلّے اور ہر قسم کے سامان کی گزرتی رہتی ہیں - راجہ کے محل کے اطراف میں ایک بہت بڑا پختہ احاطہ ہی - راجہ کے محل سے آگے بڑھ کر دوسرے دروازے کے باہر دونوں جانب دو مندر ہیں اِن میں سے ایک کے دروازے پر ہر روز بکروں کا سر کاٹ کر خون دیو پر چڑھایا جاتا ہی اور سر دیول کے پجاریوں کو دے دیا جاتا ہی باقی گوشت لوگوں کے مصرف میں آتا ہی - اِن قربانیوں کے وقت دیول کا پجاری موجود رہتا ہی اُس کو بھی یہ لوگ فی بکرا کچھ دیتے ہیں - جو ہیں بکرے کا سر اُڑایا جاتا ہی تو پجاری سینگ بجاتا ہی جو دیوتا کے قربانی قبول کرنے کی علامت ہی - اِن مندروں کے پاس ایک رتھ ہی جس پر نقش و نگار اور مورتیں کھدی ہوئی ہیں - یہ رتھ ہر سال ایک مقررہ دِن پر شہر میں پھرایا جاتا ہی اور اِتنا بڑا ہی کہ سیدھی سڑک کے سوائے موڑ توڑ پر نہیں جا سکتا - اِس کے بعد ایک اَور چوڑی اور خوش نما سڑک ہی اِس کے دونوں طرف بھی عمدہ عمدہ مکانات ہیں جن کی شان و شوکت سے معلوم ہوتا ہی کہ اِن میں بھی بڑے بڑے لوگ رہتے ہیں - اِس بازار میں اکثر سوداگر اور بیوپاری بھی رہتے ہیں اِن کی دُکانوں میں ہر قسم کے ہیرے جواہرات لعل - یاقوت - زمرد - موتی اور انواع و اقسام کے کپڑے اور ہر قسم کی اشیائے محتاج جو روئے زمین پر پیدا ہوتی ہیں بہ کثرت موجود رہتی ہیں ہر روز شام کو جانوروں کا بازار الگ لگتا ہی جس میں گھوڑے اور ٹٹو بکتے ہیں علیٰ ہذا میوہ جات - لیموں - نارنگیاں - اور ہر قسم کی ترکاریاں سب چیزیں بازار میں ملتی ہیں - اِس بازار کے اخیر میں ایک دروازہ فصیل سے

[1] جس دروازے کا یہاں ذکر ہی اُس سے غالباً راجہ کے محل کا صدر دروازہ مراد ہی جو موضع کاملاپور کے شمال میں واقع ہی ۱۲

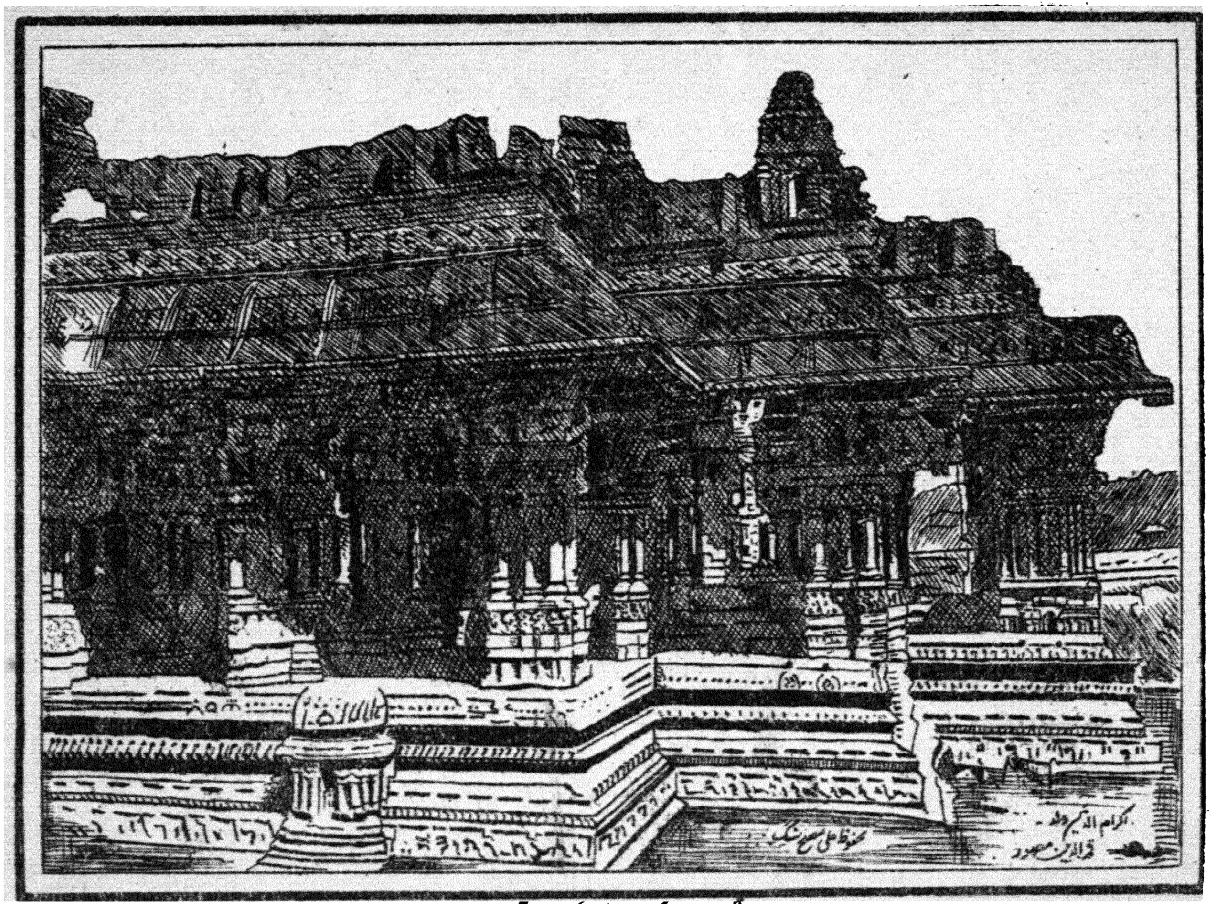


بازار بیجانگر کا باقی ماندہ حصّہ

ملا ہوا ہی جس کے باہر اکثر ایک بازار ہی جہاں عموماً پیشہ ور لوگ رہتے ہیں اور اپنی بنائی ہوئی چیزیں بیچتے ہیں اس بازار میں بھی چھوٹے چھوٹے دو مندر ہیں۔ اسی طرح تمام شہر میں متعدد مندر ہیں لیکن بڑے بڑے مندر شہر کے باہر ہیں۔ اسی بازار میں فگر ٹیڈو رہتا تھا۔ ہر جمعہ کو بازار لگتا ہی جس میں ہر قسم کے چرند و پرند کا گوشت اور سمندر کی سوکھی مچھلیاں اور انواع و اقسام کا غلہ بکتا ہی اس بازار کے اخیر میں مسلمان رہتے ہیں جو راجہ کے ملازم ہیں۔ اس شہر میں ہر قوم اور مذہب کے لوگ موجود ہیں کیوں کہ تجارت بکثرت ہی خصوصاً جواہرات اور ہیرے کا بیوپار بہت ہوتا ہی یہ شہر کتنا بڑا ہی اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا کیوں کہ کسی خاص مقام سے سارا شہر دکھلائی نہیں دیتا میں نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر شہر کا ایک بڑا حصہ دیکھا ہی تاہم سارے شہر کو نہیں دیکھ سکا کیوں کہ بہت سے پہاڑ حائل ہیں۔ میں اندازہ کرتا ہوں کہ یہ شہر روم کے برابر ہی اور اس کا منظر بہت خوب صورت ہی شہر کے اندر درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہیں۔ مکانوں کے اندر باغات ہیں اور جا بجا نہریں دوڑتی ہیں اور چھوٹے چھوٹے تالاب بھی ہیں۔ راجہ کے محل کے پاس ایک باغ ناریل کے درختوں کا ہی اس میں اور میوہ دار درخت بھی ہیں۔ مسلمانوں کے محلے کے پاس ایک چھوٹی ندی ہی اس مقام پر بہت سے باغ میوے دار درختوں کے ہیں جس میں اکثر آم۔ چھالیہ۔ کٹھل۔ لیموں۔ نارنگی اور چکوتروں کے درخت ہیں یہ باغات ایسے شاداب اور گنجان ہیں کہ ایک گھنا جنگل معلوم ہوتا ہی ان میں سفید انگور اور انار بھی کثرت سے ہوتے ہیں۔ تمام شہر میں پانی انھیں دو تالابوں سے آتا ہی جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہی۔ اس شہر کی مردم شماری بے شمار ہی اگر میں اس کی تعداد لکھوں تو شاید لوگ اعتبار نہ کریں گے۔ میرے خیال میں یہ شہر ساری دنیا کے مشہور شہروں میں بہترین شہر ہی۔ اس میں چاول۔ گیہوں انواع و اقسام کا غلہ ہر قسم کی دالیں۔ چنا وغیرہ جو اس ملک کی پیداوار اور خوراک ہی بے انتہا اور وافر موجود رہتا ہی اور بہت ارزاں فروخت ہوتا ہی۔ گیہوں کی کھپت کم ہی کہ سوائے مسلمانوں کے اور کوئی نہیں کھاتا۔ میرے بیان کا اندازہ اس سے سمجھ میں آئے گا کہ گلیاں اور بازار بے شمار لدو بیلوں سے ایسے پٹے پڑے رہتے ہیں کہ رستہ ملنا مشکل ہو جاتا ہی بعض بعض وقت تو تھوڑی دیر کے لیئے ان کے گزرنے کے لیئے رستہ بند ہو جاتا ہی اور لوگوں کو

دوسرے رستوں سے جانا پڑتا ہی۔ مرغیاں بہت ارزاں ہیں۔ بازار خرگوش۔ تیتر۔ بٹیر۔ فاختہ۔ کبوتر۔ بطخ۔ اور انواع واقسام کے پرند اور آبی جانوروں سے بھرا رہتا ہی کیوں کہ تالابوں اور جھیلوں میں جانور بکثرت ہیں اور اسی وجہ سے ارزاں بکتے ہیں۔ بکروں۔ مینڈھوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں کیوں کہ ہر محلے میں ریوڑ کے ریوڑ بیچنے کے لیئے لوگ لے کر پھرتے رہتے ہیں بازاروں میں جو گوشت فروخت ہوتا ہی وہ نہایت صاف عمدہ اور فربہ ہوتا ہی بعض بازاروں میں سور کا گوشت بہت عمدہ اور سفید بکتا ہی۔ گٹھے کے گٹھے لیموں اور نارنگیوں۔ بیگن اور ترکاریوں کے آتے ہیں کہ اُن کی افراط کو دیکھ کر آدمی چکرا جاتا ہی۔ اِس شہر کی حالت دوسرے شہروں کی سی نہیں ہی۔ جہاں چیزوں کا توڑا پڑ جاتا ہی بلکہ ہر چیز افراط سے ہر وقت موجود رہتی ہی۔ منوں گھی۔ تیل۔ اور دودھ ہر روز فروخت ہوتا ہی۔ گائے۔ بھینسوں کے ریوڑ کے ریوڑ شہر کے باہر چرنے کو جاتے ہیں اور اس کثرت سے ہیں کہ شاید اَور کہیں دیکھنے میں آئیں۔ شہر کے شمال میں ایک بہت بڑا دریا ہی جس میں مچھلی کثرت سے ہوتی ہی۔ دریا کے کنارے قدیم شہر آنا گُندی کا واقع ہی جو سابق میں دار السلطنت تھا لیکن اب وہاں چند لوگ رہتے ہیں۔ آنا گُندی کے اطراف میں بھی عمدہ اور بہت خوب مضبوط فصیل ہی یہ بستی دو پہاڑوں کے بیچ میں ہی اور اندر جانے کے لیئے وہی رستے ہیں۔ اِس شہر میں راجہ کی طرف سے ایک حاکم رہتا ہی۔ لوگ[1] ٹوکروں میں بیٹھ کر دریا پار جاتے ہیں جن کے اوپر چمڑا مڑھا ہوا ہوتا ہی جس میں پندرہ بیس آدمی آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں اگر ضرورت ہو تو گھوڑے اور بیل بھی بٹھائے جاتے ہیں لیکن عموماً یہ جانور تیر کر اُتر جاتے ہیں۔ ان ٹوکروں کو ملّاح چپّو سے کھیتے ہیں۔ ٹوکرا کشتی کی طرح سیدھا نہیں جاتا بلکہ چکر پھرتا ہوا جاتا ہی اور اِس ملک میں ہر ندی میں اسی کا رواج ہی۔ جانور فروخت کرنے کے مقامات علیٰحدہ بنے ہوئے ہیں۔ شہر کے پاس کھیتوں میں بکروں۔ مینڈھوں۔ گائے۔ بھینسوں کے ریوڑ نظر آتے ہیں بعض بکرے اور مینڈھے

[1] مُنشی سوامی کے دیول کے پاس دریائے تنگ بھدرا پر ایک سنگین پُل کا ٹوٹا ہوا حصّہ اب تک موجود ہی جو پتھروں کے بڑے بڑے گنبدوں پر بنایا گیا تھا معلوم ہوتا ہی کہ یہ پُل جو بیجانگر اور آنا گُندی کے درمیان تھا اس وقائع نگار کے بعد بنا ہوگا کیوں کہ اُس نے اِس کا کچھ ذکر نہیں کیا ۱۲



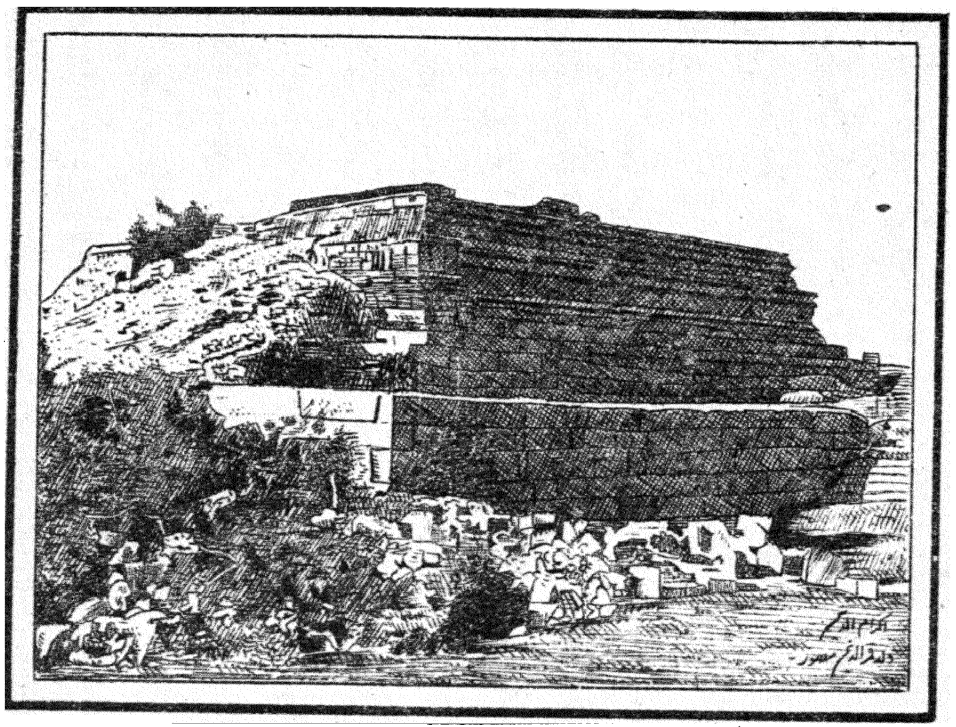
وٹھل سوامی کے مندر کا ایک مسقف حصہ

ایسے بڑے بڑے ہوتے ہیں کہ اُن کو لگام اور زین لگی رہتی ہے اور لڑکے اکثر اُن پر سوار ہوتے ہیں
شہر کے باہر شمالی جانب تین بہت خوب صورت مندر ہیں جن میں سے ایک وٹھل سوامی کا
کہلاتا ہے جو شہر آناگنڈی کے محاذی اور دوسرا ہیمی کا دیول ہے جسے ویرپاکش کا دیول بھی کہتے
ہیں ہیمی کے دیول کی ہنود بہت عظمت کرتے ہیں اور اکثر اسی میں پوجا پاٹ ہوتا ہے۔ اس مندر
کے صدر دروازے کے محاذی ایک نہایت خوب صورت بازار خوش نما مکانات کا ہے جس میں
شہ نشین اور محرابیں بنی ہوئی ہیں۔ اسی میں زائریں آکر اُترا کرتے ہیں اور اُمرا لوگ بھی رہتے
ہیں چنانچہ خود راجہ کا ایک مکان اسی بازار میں ہے وہ جب کبھی دیول میں آتا ہے تو اسی مکان
میں ٹھیرتا ہے۔ دیول کے دروازے پر انواع و اقسام کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اس کا قبہ
بہت بلند ہے جس پر مرد عورتوں اور شکار کی تصویریں بنی ہوئی ہیں جوں جوں قبہ بلند ہوتا
جاتا ہے اوپر دار کو چھوٹا ہوتا جاتا ہے کیوں کہ مخروطی شکل کا ہے اور اسی مناسبت سے تصویریں
بھی چھوٹی ہوتی جاتی ہیں۔ اس دروازے میں سے گزر کر ہم ایک وسیع صحن میں داخل ہوتے
ہیں۔ اس میں ایک اور دروازہ اُسی قسم کا ملتا ہے لیکن یہ ذرا چھوٹا ہے۔ اس دروازے کے بعد
پھر ایک بڑا صحن ہے جس کے چاروں طرف ستونوں پر برآمدے ہیں اور وسط میں دیو کی جگہ
ہے۔ صدر دروازے کے سامنے چار ستون کھڑے ہیں دو ملمع کے ہیں دو تانبے کے۔ بوجہ
استدادِ زمانہ ان پر سے سونا گم ہو گیا ہے اور تانبے کے تو بدستور قائم ہیں۔ دروازے کے
پاس والا کھم حال کے راجہ کشن راؤ نے بنوایا ہے اور باقی پہلے کے راجاؤں کے بنوائے ہوئے
ہیں۔ دیول کے بیرونی دروازے کے تمام پٹوں پر تانبے کا پتر مڑھ کر سونا چڑھا دیا ہے اور
دونوں طرف دو شیروں کے سنہری بُت ہیں۔ دیول کے اندر جہاں دیو ہے۔ ہر ستون میں چراغ
جلانے کے طاقچے بنے ہوئے ہیں جن میں ڈھائی ہزار سے تین ہزار چراغ تک ہر روز رات
کو جلتے ہیں۔ اس کے بعد وہ خاص مقام ہے جہاں دیو کی مورت رکھی ہوئی ہے وہ جائے بالکل
تیرہ و تار ہے مگر ہر وقت چراغوں کی روشنی رہتی ہے۔ اس میں سوائے برہمن پجاریوں کے
دوسرا کوئی جا نہیں سکتا لیکن میں پجاریوں کو کچھ دے دلا کر اندر چلا گیا۔ بیرونی اور اندرونی
دروازے کے درمیان اور بہت سے چھوٹے چھوٹے بُت بنے ہوئے ہیں۔ اصل دیو صرف

ایک گول پتھر ہی جس پر کوئی تصویر نہیں۔ ہندو اِس کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ اِس عمارت کے تمام بیرونی حصّے پر تانبے کے پتّر پر سونے کا ملمّع کیا ہوا ہی۔ اِس کے عقب میں ایک سنگِ مرمر کی مورت ہی جس کے چھ ہاتھ ہیں اور ایک ہاتھ میں تلوار ہی دوسرے میں ... باقی ہاتھوں میں اور مقدّس مذہبی چیزیں ہیں۔ یہ دیو ایک بھینسے کو اپنے پاؤں سے دبائے ہوئے ہی اور ایک دوسرا بڑا جانور بھینسے کے مارنے میں مدد کر رہا ہی۔ یہاں برہمنوں کے رہنے کے لیئے متعدد مکانات اور باغ ہیں جن میں وہ لوگ اپنے کھانے کی ترکاریوں کی کاشت کرتے ہیں۔ جاترا کے وقت میں رتھ کشی ہوتی ہی جس کے ساتھ طوائف اور دوسری عورتیں اور باجہ گاجہ رہتا ہی۔ ہنود میں تہواروں کے دن مقرر ہیں اور یہ لوگ روزے بھی رکھتے ہیں جس میں سارے دن اور نصف شب تک کچھ کھاتے نہیں۔ جب کوئی بڑا تہوار ہوتا ہی تو راجہ ناگلا پور سے بجانگر میں آجاتا ہی۔ ایسے موقع پر تمام اُمرا و رؤسا و جاگیردار مع اپنی اپنی فوج کے بُلائے جاتے ہیں اور اطراف واکناف کی سب رنڈیاں جمع کی جاتی ہیں۔ ہنود کا بڑا تہوار ۱۲ ستمبر کو شروع ہوتا ہی اور نو دن برابر رہتا ہی۔ یہ جشن راجہ کے محل میں ہوتا ہی راجہ کا محل اِس وضع کا ہی کہ پہلے ایک بڑا دروازہ ہی جس پر ایک بڑا بلند قُبّہ بنا ہوا ہی۔ جس میں برآمدے ہیں اِسی کے ساتھ احاطے کی دیوار ہی۔ دروازے پر بہت سارے پہرے والے ہیں جن کے پاس چرمی کوڑے اور لکڑیاں ہوتی ہیں اور وہ سوائے اُمرا کے کسی کو بدون اپنے افسر کی اجازت کے اندر جانے نہیں دیتے۔ اِس دروازے کے اندر ایک وسیع صحن ہی اور پھر ایک ویسا ہی دروازہ ہی جیسا کہ پہلا تھا اِس پر بھی پہرہ ہی اور اِس کے بعد پھر صحن ہی جس میں برآمدے بنے ہوئے ہیں جن میں اُمرا بیٹھ کر تماشا دیکھتے ہیں اور اِس کی بائیں طرف شمالی رُخ پر ایک بڑی یک منزلہ عمارت ہی جس کے ستون ہاتھی وغیرہ مختلف شکلوں کے بنے ہوئے ہیں۔ اِس مکان کے اوپر جانے کے لیئے بہت سی پتھر کی سیڑھیاں گرداگرد ہیں۔ اِس چبوترے پر بھی پتھر کا فرش ہی اور اِسی پر لوگ کھڑے رہ کر تماشہ دیکھتے ہیں۔ اِس مکان کا نام "فتح منزل" ہی کیوں کہ اِس مکان کو راجہ نے فتحِ اُڑیسہ کے بعد بنوایا تھا

ل اصل میں یہ لفظ متروک ہی ۱۲۔

اِس کی سیدھی طرف لکڑی کے بلند منڈوے بنائے گئے ہیں جن پر لال سبز مخمل اور دوسری قسم کے ریشمین کپڑے از سرتا پا لپیٹے رہتے ہیں - اِس قسم کے گیارہ منڈوے ہیں جو عارضی طور سے اِس تقریب میں بنائے جاتے ہیں - دروازوں کے پاس دو احاطے طوائف کے لیئے بنائے جاتے ہیں جن میں طوائف نہایت زرق برق پوشاک اور بیش قیمت زیورات سے سج سجا کر بیٹھا کرتی ہیں - دروازے کے محاذی مشرقی رُخ کے صحن کے بیچوں بیچ دو مکانات اُسی نمونے کے جیسا کہ فتح منزل ہی بنائے جاتے ہیں اِن میں بھی خوب صورت سیڑھیاں ہیں - اِن مکانوں میں بھی - دیواروں - چھت - ستون سب پر قیمتی کپڑے لپیٹے جاتے ہیں دیواروں کے کپڑوں پر طرح بہ طرح کی زردوزی تصویریں بنائی جاتی ہیں - یہ عمارتیں دو منزلہ ہیں اِن میں اُمرا کے صاحب زادے خواجہ سرا وغیرہ جمع ہوتے ہیں - ایک مکان کی اوپر کی منزل پر نگریڈو اور اُس کے ہمراہی بٹھلائے گئے تھے کیوں کہ راجہ نے حکم دیا تھا کہ ہم لوگوں کو ایسے مقام پر بٹھایا جائے جہاں سے تماشا اچھی طرح نظر آسکے - محلات میں راجہ اور رانیاں اور اُن کے حشم خدم سب رہتے ہیں محل کے احاطے کے اندر ہی اندر چونتیس گلیاں ہیں جن میں سے رانیاں اِدھر اُدھر آجاسکتی ہیں - فتح منزل میں راجہ کا ایک کمرہ کپڑے کا بنا ہوا ہی اُس کی ایک طرف تو دیو کا گھر ہی اور وسط میں ایک چبوترہ ہی جس کے نیچے سیڑھیاں ہیں اِس پر راجہ کا تخت ہی - یہ تخت مربع اور مسطح ہی جس پر گول چھتری ہی اور بیچ میں بیٹھنے کی جگہ بنی ہوئی ہی - یہ تخت لکڑی کا ہی جس پر ریشمین کپڑا مڑھا ہوا ہی اور خالص سونے کے شیر بنے ہوئے ہیں اور جا بجا سونے کے موٹے پترے لگے ہوئے ہیں جن میں موتی لعل - جواہرات جڑے ہوئے ہیں اور چوطرف سنہری تصویریں دیوتاؤں کی بنی ہوئی ہیں جن پر بہت کچھ کام بنا ہوا ہی - اِس کے بیچ میں ایک کرسی پر ایک مورت سونے کی رکھی ہوئی ہی جو گلاب کے اور دوسرے پھولوں سے لدی ہوئی ہی - اِس کرسی کے ایک طرف چبوترے کے نیچے ایک بالشت اونچی ایک لمبی ٹوپی رکھی ہی جو اوپر سے گول ہی اِس پر بہت سے لعل و یاقوت و جواہرات جڑے ہوئے ہیں جس کے سرے پر چھالیہ کے برابر ایک موتی ہی یہیں دوسری طرف ایک پاؤں کا توڑا رکھا ہی یہ بھی بڑے بڑے موتیوں - لعلوں - زمرد اور ہیروں اور



بیجانگر کے محل میں مہانومی ڈبہ یعنی "فتح منزل" کا باقی ماندہ حصہ

اور وہاں مرد اور عورت پہلوانوں کی کشتیاں اور انواع و اقسام کے تماشے ہونے لگتے ہیں یہاں کا سب انتظام سالوتما وزیر کے ذمے ہے جو سب پر نگرانی کرتا ہے اور راجہ بھی اُس کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتا ہے کیوں کہ اِسی کے سبب سے کشن دیو راے کو سلطنت ملی تھی۔ راجہ اس کو سالوتما پکارتا ہے اور تمام اُمرا و رؤسا اِس کو آداب بجا لاتے ہیں۔ جب سب انتظام اور طیاری ہو جاتی ہے تو راجہ تخت پر جلوس فرما ہوتا ہے اور سب حاضرین آداب بجا لاتے ہیں۔ پہلوان اِس میدان میں بیٹھ جاتے ہیں سوا اے اِن کے راجہ کے سامنے کوئی بیٹھ نہیں سکتا۔ سب کھڑے رہتے ہیں البتہ یہ لوگ پان بھی کھاتے ہیں اِن کے اور طوائف کے سوا راجہ کے سامنے کوئی پان نہیں کھا سکتا۔ راجہ تخت پر بیٹھنے کے بعد صرف دو چار اُمرا کو جو بڑے بڑے راجا یا راجہ کے قرابت دار قریبہ یا خُسر ہوتے ہیں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے۔ اِن راجاؤں میں ایک سرنگاپٹن اور ملیبار کا راجہ ہے جس کو کُمار کہتے ہیں یہ سب سے آگے بیٹھتا ہے باقی لوگ اِس کے پیچھے رہتے ہیں۔ راجہ ہمیشہ سفید لباس میں رہتا ہے جو زر دوزی کام کا ہوتا ہے اور بہت سے جواہرات پہنتا ہے اِس کے پیچھے تنبول بردار چوبدار وغیرہ ماہی مراتب لے کر کھڑے رہتے ہیں برہمن تخت کے گرد کھڑے ہوے دیو کو مورچھل ہلاتے رہتے ہیں جن کی ٹونڈیاں سونے کی ہوتی ہیں راجہ پر بھی مورچھل ہلایا جاتا ہے جو بڑے عزت و امتیاز کی چیز ہے پھر باری باری سے اُمرا مع اپنے ہمرائیوں کے داخل ہوتے ہیں اور راجہ کو سلام کر کے اپنے اپنے قرینے سے بیٹھ جاتے ہیں پھر فوجی لوگ اپنے برچھے اور ڈھالیں لے کر آتے ہیں پھر تیر اندازوں کے سردار آ کر ہاتھیوں کے آگے تماشے گاہ میں کھڑے رہتے ہیں جو راجہ کا باڈی گارڈ ہے کیوں کہ ایسی جگہ سوا اے

---

[1] اِس زمانے میں سرنگاپٹن کے راجہ کا نام بٹا داجام رایا تھا جو ملک میسور میں ۱۵۱۳ء سے ۱۵۵۳ء تک حکمران تھا۔ اِس کے تین بیٹے تھے۔ راجہ کی وفات پر دونوں بڑے لڑکوں کو اپنے اپنے حصّے کا ملک ملا مگر دونوں لاولد مرے۔ تیسرا لڑکا ہرے چاما تھا۔ یہ سب میں سربرآوردہ تھا اور راجہ اِسی کو زیادہ چاہتا تھا اِس سبب سے اِس کے حصّے میں خاص خطۂ شہر میسور مع مُضافات کے آیا۔ ۱۵۶۵ء میں بیجانگر کی تباہی کے بعد یہ خود مختار ہو گیا اور ۱۵۷۶ء تک برسرِ حکومت رہا اِسی سال میں راجہ اُدے یار نے اِس کو بے دخل کر کے ملک پر قبضہ کر لیا۔ راجہ کے فرزند کو کُمار کہتے ہیں اِن تہواروں میں خود راجہ شریک نہ تھا بلکہ اُس کا لڑکا موجود تھا جس کا نام ویرا تھا ۱۲

ان کے اندر کوئی شخص مسلح نہیں آسکتا نہ راجہ کے قریب کوئی ہتیار لے کر جا سکتا ہے۔ جب سب جمعیت جا بجا کھڑی ہو جاتی ہے تب طوائف کا ناچ شروع ہوتا ہے۔ بھلا کون پوری طرح ان کے زیورات کا حال بیان کر سکتا ہے۔ گلے میں سونے۔ موتی۔ ہیرے اور لعل و جواہر کے زیورات بازو اور کلائی میں زیورات کمر پٹے زرین علیٰ ہذا پاؤں کے زیورات۔ تعجب اس بات کا ہے کہ طوائف اس قدر متمول ہیں بعض کو تو ان میں سے انعامات اور جاگیریں اور سواری کی پالکیاں ہیں اور ان کے پاس اندر بہت سی لونڈیاں اور نوکر بھی ہیں۔ اسی شہر میں ایک طوائف ایک لاکھ پرتاب[1] ڈاؤ کی مالک ہے اور مجھے اس کا یقین اس وجہ سے ہے کہ میں نے اسے خود دیکھا ہے۔ جب کشتی پھری گدکا اور پھینک شروع ہو جاتی ہے تو اس قدر زور و شور سے ہوتی ہے کہ بعض لوگوں کے دانت ٹوٹ جاتے اور آنکھیں پھوٹ جاتی ہیں اور چہرے بدنما ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے بے ہوش ہو کر گرتے ہیں کہ ان کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ ان جوڑیوں کے استاد اور پنچ ہوتے ہیں جو ہار جیت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ تیسرے پہر سے شام تک اسی طرح ناچ اور مختلف اقسام کے کھیل تماشے ہوتے رہتے ہیں۔ بعد غروب آفتاب بڑی بڑی مشعلیں روشن کی جاتی ہیں اور تمام میدان میں گاڑ دی جاتی ہیں کہ ان کی روشنی سے دن معلوم ہونے لگتا ہے۔ تمام فصیلوں اور دیواروں پر چراغ روشن کیے جاتے ہیں اور جہاں راجہ بیٹھتا ہے وہ جگہ مشعلوں سے بھری رہتی ہے اس کے بعد پھر انواع و اقسام کے کھیل اور تماشے شروع ہوتے ہیں جو سب راجہ کے سامنے سے گزرتے ہیں۔ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر آپس میں لڑتے ہیں بعض بعض لوگ بڑے بڑے مچھلی پکڑنے کے جال لاتے ہیں اور بہ طور تماشے کے مجمع میں جو لوگ ہوتے ہیں ان کو پکڑتے ہیں پھر انواع و اقسام کی آتش بازی۔ ہوائیاں اور بان۔ چھوڑی جاتی ہیں آتش بازی کے قلعے بنائے جاتے ہیں جن میں سے گولے اور تارہ منڈل اڑتے ہیں آتش بازی ختم ہو چکنے کے بعد امرا کی رتھیں نہایت مکلف طور سے آتی ہیں سب سے آگے سالوتما کی رتھ

---

[1] ایک طلائی سکہ ہے۔ عبدالرزاق نے (۱۴۴۳ء) اس سکے کو نصف پیگوڈا کے برابر لکھا ہے۔ در تھما (۱۵۶۳ء) ایک پیگوڈا کے مساوی بتلاتا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔ پرچاس نے لکھا ہے کہ اس کی قیمت ان دنوں فلش ڈالر کے برابر تھی۔ فی زمانہ پیگوڈا کی قیمت ۳ روپے ہے ۱۲۔

ہوتی ہے اُس کے پیچھے سلسلہ بہ سلسلہ دوسرے اُمرا کی - اِن رتھوں پر زر دوزی کے پردے پڑے رہتے ہیں جن پر مختلف قسم کی تصاویر طوائف کے ناچ وغیرہ کی بنی رہتی ہیں - اِس کے بعد گھوڑوں کا جلوس آتا ہے یہ گھوڑے عمدہ زین اور مغرق جھولوں - زیورات اور پھولوں کے ہاروں سے سجے ہوئے ہوتے ہیں اِن کے زین پوش راجہ کے بانے کے رنگ کے ہوتے ہیں - اِن کی لگامیں تمام سنہری ہوتی ہیں - سب گھوڑوں کے آگے ایک گھوڑا راجہ کے خاصے کا ہوتا ہے جس پر دو چتر لگے رہتے ہیں اور یہی سب سے زیادہ آراستہ ہوتا ہے یہ سب گھوڑے کُلیل کرتے ہوئے اور اُچھلتے کودتے اور ناچتے ہوئے تُلنگ جاتے ہیں. جس کی خاص طور پر اِن کو تعلیم دی جاتی ہے - یہ گھوڑا خاص راجہ کے جلوس کا ہوتا ہے اور جو کوئی راجہ ہوتا ہے اِسی پر راجگی کے جشن کے وقت سوار کرایا جاتا ہے اگر یہ گھوڑا مرجائے تو دوسرا گھوڑا اِس کام کے لیئے مخصوص کیا جاتا ہے - اگر کوئی راجہ گھوڑے پر پہلے پہل جلوس کے وقت نہ نکلے تو ہاتھی اِس کام کے لیئے لایا جاتا ہے تب اُس ہاتھی کی بھی ایسی ہی عزت ہونے لگتی ہے - سب گھوڑے مَیدان میں دو چکر لگا کر بیچ میں ٹھیر جاتے ہیں اور اُن کی پانچ یا چھ قطاریں راجہ کے سامنے کھڑی رہتی ہیں جن میں سب سے آگے راجہ کے خاصے کا گھوڑا رہتا ہے - تب ایک بہت بڑا برہمن ایک عود دان لیئے ہوئے آتا ہے جس میں بخور اور پھول اور چانول ہوتے ہیں اِس کے ساتھ دو اور برہمن پانی کے گھڑے لیئے ہوئے ہوتے ہیں یہ گھوڑوں کے گرد پھر کر کچھ مذہبی مراسم ادا کر کے واپس چلے جاتے ہیں - اِس کے بعد اندر سے پچیس ۲۵ یا تیس ۳۰ دربان عورتیں نکلتی ہیں جن کے ہاتھوں میں چھڑیاں اور کندھوں پر جھابک پڑے رہتے ہیں اِن کے ساتھ ہی بہت سے خواجہ سرا ہوتے ہیں اور پھر بہت سی عورتیں ڈھول - شہنائی - سارنگیاں اور بہت سے دوسری قسم کے باجے بجاتی ہوئی نکلتی ہیں اِن کے بعد بیس عورتیں ہاتھوں میں چاندی کے بلم لے کر آتی ہیں - اُن کے پیچھے اور بہت سی عورتیں نہایت عمدہ اور قیمتی لباس پہنے ہوئے سروں پر اُونچی اُونچی ٹوپیاں اوڑھے جن پر بڑے موتیوں کے پھول بنے ہوئے ہوتے ہیں - سر سے پاؤں تک زیورات اور جواہرات میں لدی ہوئی ہاتھوں میں پانی کی سنہری صراحیاں اور سونے کے طبق اور

اُن کے اندر چراغ جلتے ہوئے لے کر ایک قطار سے آتی ہیں اور اِن کی تعداد قریب قریب ساٹھ عورتوں کے ہوتی ہے یہ نہایت خوب صورت اور جوان سولہ سے لے کر بیس سال کی عمر کی ہوتی ہیں اِن عورتوں کے جسم پر کے زیورات کی مالیت کا اندازہ مشکل ہے سونے کے زیورات کمر پٹوں۔ چوڑیوں اور کڑوں کا اِس قدر وزن ہوتا ہے کہ وہ سنبھال نہیں سکتیں اِس لیئے دوسری عورتیں اُن کو سہارا دیئے رہتی ہیں۔ یہ گل پارٹی تین مرتبہ گھوڑوں کے گرد پھر کر محل میں واپس چلی جاتی ہے۔ یہ عورتیں رانیوں کی مصاحب ہیں۔ اِس تہوار میں نو دن تک ہر ہر رانی اپنے اپنے علاقے کی عورتوں کو بنا سنوار کر بھیجتی ہے۔ جو خوب بناؤ سنگھار کر کے آتی ہیں اور اپنے لباس اور زیورات کے لحاظ سے ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے اِس تہوار کا انتظام ہر روز ایک امیر کے سپرد رہتا ہے اِن کی باری راجہ مقرر کرتا ہے۔ عورتوں کے چلے جانے کے بعد ہاتھی آتے ہیں اور سلام کر کے چلے جاتے ہیں اِس کے بعد راجہ محل میں چلا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد راجہ پھر دیوی پوجا کے لیئے برآمد ہوتا ہے اور پھر بھینسے اور بکرے قربانی کیئے جاتے ہیں اور طوائف ناچتی رہتی ہیں اِس کے بعد راجہ کھانے کو چلا جاتا ہے۔ اِس تہوار میں نو دن تک ہندو دِن کو کھانا نہیں کھاتے بلکہ نصف شب کو کھاتے ہیں۔ اِس تہوار کے آخری دن ڈھائی سو بھینسے اور ساڑھے چار ہزار بکرے قربانی کیئے جاتے ہیں۔ اِس تہوار کے ختم ہونے کے بعد راجہ اپنی فوج کا ملاحظہ کرتا ہے۔ راجہ کا مخملی ڈیرہ شہر سے تین میل کے فاصلے پر ایک مقررہ جگہ پر ایستادہ کیا جاتا ہے اور اِسی میں دیوی کی مورت بھی رکھی جاتی ہے۔ ڈیرے سے لے کر راجہ کے محل تک فوج صف بستہ دو رویہ کھڑی رہتی ہے اور ہر علاقے کی فوج اپنی اپنی شکل اور مرتبے سے جمائی جاتی ہے اِن کی قطاریں دوہری تہری اور تہری چوہری بھی ہوتی ہیں غرض سارا میدان بلکہ پہاڑیاں تک فوج سے بھر جاتی ہیں۔ آگے پیدل پیچھے سوار اور اُن کے پیچھے ہاتھی گھوڑے رہتے ہیں جو اُمرا شہر کے اندر رہتے ہیں وہ اپنی فوج بازار کی گلیوں میں جما کر دونوں طرف کے رستے پاڑ باندھ کر بند کر دیتے ہیں۔ سوار لوگ عمدہ عمدہ ساز و سامان کے گھوڑوں پر سوار رہتے ہیں۔ گھوڑوں کی پیشانی پر روپہلی اور اکثر سنہری جڑاؤ ٹیکے لگے

رہتے ہیں اور زردوزی زین پوش اور ریشم کی ڈوری کی باگیں رہتی ہیں۔ زین پوش کا شانی مخمل کمخواب۔ اطلس وغیرہ قیمتی اور عمدہ کپڑے کے ہوتے ہیں جن کی جھالر پر موتی ٹکے رہتے ہیں بعض گھوڑوں کی پیشانیوں پر سانپ کا پھن یا کسی دوسرے جانور کا چہرہ اس خوب صورتی سے لگایا جاتا ہے کہ اس کی صناعی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ سوار زرہ[1] اور چلتہ پہنتے ہیں بعض مخمل اور کمخواب وغیرہ کپڑوں کا کوٹ پہنتے ہیں۔ اس چلتے میں خام چمڑے کی تہیں دی جاتی ہیں اور آہنی پتر بھی لگائے جاتے ہیں جس سے وہ بہت مضبوط ہو جاتے ہیں بعض کے اندر اور باہر ملمع کے پتر ہوتے تھے بعض چاندی کے پتر لگاتے ہیں۔ ان کی پگڑیاں خود کی طرح کی ہوتی ہیں جن سے گردن بھی ڈھنکی رہتی ہے اور چہرے کی بھی حفاظت ہوتی ہے۔ یہ لوگ گردن کا بکتر بھی پہنتے ہیں جو تمام زرکا ہوتا ہے بعض نقرئی ہوتے ہیں جن پر سنہری اور روپہلی پٹیاں لگی ہوئی ہوتی ہیں بعض فولاد کے ایسے شفاف ہوتے ہیں جیسے آئینہ کمر میں تلواریں اور کلھاڑیاں ہوتی ہیں اور ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی برچھیاں جن کی چھڑ سونے اور چاندی کے پتر سے مڑھی ہوئی ہوتی ہے رکھتے ہیں۔ جمعدار اور سردار مخمل اور مشجر اور رنگ برنگ کے چتر اپنے اپنے گھوڑوں پر لگائے رہتے ہیں ان لوگوں کے نشانوں کے جھنڈے ہر ایک کے الگ الگ رنگ کے ہوتے ہیں۔ ہاتھیوں پر اسی قسم کی متفرق

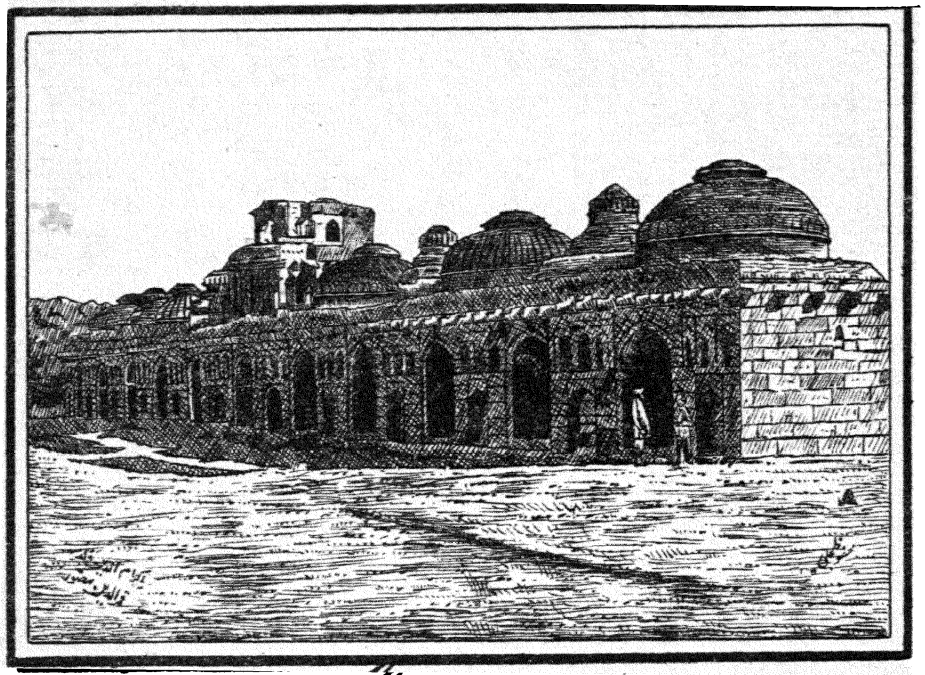
[1] یہ لوگ موٹی تہ بہ تہ گدڑی نما مرزائی یا ایک قسم کا کوٹ پہنتے تھے جس کے نیچے چمڑے یا کسی دھات کے پتر کی نہ رہتی تھی۔ قدیم زمانے میں اس ملک کی فوج کا یہی لباس تھا۔ لوگ اپنے شوق سے اس پر زردوزی کا کام کرا لیتے تھے۔ اس پر تلوار کام نہیں کر سکتی تھی۔ کلیان منڈپ کی دیول میں جو ویلور شمالی ارکاٹ کے ضلع میں واقع ہے اور جو وجیانگر کی سلطنت کے زمانے میں بنا تھا اس میں بہت کچھ صناعی ہے اس کے ستونوں پر سواروں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں وہ جو صدری پہنے ہوئے ہیں بظاہر چمڑے کی معلوم دیتی ہے اور بٹن اور ٹکے لگے ہوئے ہیں۔ غالباً اسی کا ذکر فرشتہ نگار نے کیا ہے۔ پیرس نے بھی ۱۵۲۰ء میں جنگ راجپور کے وقت سواروں کا یہی لباس لکھا ہے اسی قسم کی سوزنی کا کپڑا جسم اور سر اور بازوؤں پر رہتا تھا جس میں نہ تلوار کاٹ کر سکتی تھی نہ برچھی گھس سکتی تھی۔ گھوڑوں اور ہاتھیوں کی حفاظت بھی اسی قسم کے کپڑوں سے کی جاتی تھی ۱۲۔

رنگ برنگ کی جھولیں پڑی رہتی ہیں اور دونوں طرف بڑے بڑے گھنٹے لٹکتے رہتے ہیں ہاتھیوں کے مستک پر انواع واقسام کی تصویریں بنائی جاتی ہیں - ہاتھیوں پر تین یا چار آدمی مسلح بیٹھتے ہیں - پیدل جمعیت کی یہ حالت ہے کہ اُن کی تعداد کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا ایک بڑی دل ہے کہ جنگل میدان میں جا بجا پھیلا ہوا ہے اِس نظارے کا مقابلہ تمام دُنیا میں اَور کہیں نہیں ہوسکتا اِن لوگوں کی وردیاں رنگ برنگ کی اور نہایت قیمتی ہوتی ہیں - ڈھالوں پر سونے اور چاندی کے پھول اور شیر اور درندے جانوروں کی تصویریں بنی رہتی ہیں بعض پر چاندی کا پتر مڑھا ہوا ہوتا ہے جس پر نہایت عمدہ نقاشی کا کام ہوتا ہے بعض سیاہ اور ایسی شفاف ہوتی ہیں کہ اُن میں آئینے کی طرح مُنہ دکھلائی دیتا ہے اِن کی تلواروں کے قبضے مرصع ہوتے ہیں - تیر اندازوں کی کمانیں سونے اور چاندی سے مڑھی ہوئی ہوتی ہیں اِن کے تیر نہایت صاف اور بہت ہلکے اور عمدہ ہوتے ہیں کمر میں خنجر - کٹار - جمبیہ اور کلھاڑیاں جن کے دستوں پر سونے اور چاندی کا کام ہوتا ہے رہتی ہیں بندوقیں بھی صاف اور عمدہ ہوتی ہیں اِن کی آراستگی اور بہادری قابلِ دید ہے - راجہ کے پاس مُسلمانوں کی فوج بھی ہے جو ڈھال - برچھوں تیر - کمان وغیرہ سے آراستہ ہے - مجھے اِن لوگوں کے کرتب دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ وہ اِن ہتیاروں کی کثرت بہت عمدگی سے کرتے ہیں - راجہ اُسی گھوڑے پر سوار ہوکر محل سے نکلتا ہے جس کا ذکر ہم نے اُوپر کیا ہے اُس کا لباس سفید ہوتا ہے اور قرمزی مخمل کے کارچوبی کام کے چتر اُس پر لگے رہتے ہیں - راجہ ایسے جلوس کے مواقع پر بہت بیش قیمت زیورات پہنتا ہے - اُمرا اور ذی مرتبت لوگوں کی شان وشوکت اور عظمت مَیں بیان نہیں کرسکتا اور اگر میں کچھ کہوں تو لوگ اعتبار نہ کریں گے یہ لوگ اور اِن کے گھوڑے تمام ہتیاروں سے اِس قدر سجے ہوئے ہوتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اور جو کچھ کہ مَیں نے دیکھا ہے اگر میں کوشش بھی کروں تو اُس کا بیان ناممکن ہے کیوں کہ میں جب اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر اِن کو دیکھتا تھا تو میری گردن مُڑی کی مُڑی رہ جاتی تھی اور بعض وقت میں اِس قدر جُھک جاتا تھا کہ گرنے کے قریب ہوجاتا تھا اور میرے حواس باختہ ہوجاتے تھے مجھ کو تعجب ہے کہ اِس سرزمین میں ایسی دولت کہاں سے پھوٹ پڑی اور یہاں کے لوگ

ایسے دولت مند کیوں کر ہو گئے۔ راجہ کے آگے آگے ہاتھی اور بیس گھوڑے جن پر کار چوبی جھولیں اور سونے اور جواہرات کے زیورات ہوتے تھے چلتے تھے اس پر سے سواری کے جلوس کی شان و شوکت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ راجہ کے ساتھ ساتھ ایک پنجرہ نما پالکی رہتی تھی وہ بھی سنہری ہوتی ہے اور بہت بڑی جو چاندی کی بنی ہوئی تھی اس کو سولھا آدمی اٹھائے ہوئے تھے۔ آٹھ آگے آٹھ پیچھے اور یہ لوگ باری باری سے بدلتے رہتے تھے اس پالکی میں دیو بٹھایا جاتا ہے۔ اس شان و شوکت سے راجہ اپنی فوج کو دیکھتا ہوا گزرتا ہے جو راجہ کو دیکھ کر خوشی کے نعرے بلند کرتے ہیں گھوڑے ہنہنانے لگتے ہیں ہاتھی چنگھاڑتے ہیں شور وغل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر تہ و بالا ہو جائے گا۔ پہاڑ اور جنگل اور تمام زمین بندوقوں کی آواز سے لرزنے لگتی تھی ہزارہا گولے بان وغیرہ چھوٹتے تھے جن کی آواز سے حیرت ہوتی تھی۔ فی الحقیقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری دنیا اس مقام پر سمٹ آئی ہے۔ اس طرح فوج میں سے گزرتا ہوا راجہ اپنے خیمے میں داخل ہو جاتا تھا اور وہاں پوجا کرتا تھا۔ جب تک راجہ فوج میں سے گزرتا ہے تمام فوج اپنی اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑی رہتی ہے۔ راجہ پوجا کے بعد پھر اسی طرح گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوتا ہے اور واپسی کے وقت راجہ کے گزر جانے کے بعد فوج منتشر ہو جاتی ہے۔ اس وقت کا ہڑبڑ اور شور وغل قابل دیکھنے کے ہوتا ہے کہ لوگ پہاڑوں اور نشیبی مقامات اور میدانوں سے خوشی کے نعرے مارتے ہوئے آتے ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ میں نے جب یہ نظارہ دیکھا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ فوج کے لوگ اپنے اپنے خیموں میں جو بے شمار ہیں چلے جاتے ہیں صرف امراء اور سردار راجہ کے ساتھ اس کے محل تک جا کر وہاں سے رخصت ہوتے ہیں۔ یہاں کے راجہ کے پاس دوامی طور پر لڑنے بھڑنے والی دس لاکھ فوج ملازم ہے جس میں پینتیس ہزار مسلح سوار ہیں جو ہر وقت جنگ پر بھیجنے کے لیے ہمہ تن تیار رہتے ہیں۔ چنانچہ میری موجودگی میں ایک مرتبہ ساحل سمندر پر راجہ نے پچاس افسران کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ فوج بھجوائی تھی جن میں بہت سے سوار بھی تھے راجہ کے پاس بہت سے ہاتھی بھی ہیں جب کبھی راجہ اپنے ہم سرحد تین بادشاہوں کو اپنی قوت دکھلانی چاہتا ہے تو وہ بیس لاکھ فوج میدانِ جنگ میں جمع کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اس فوج میں

راجہ کا بڑا رعب داب چھایا ہوا ہی۔ اگرچہ راجہ ایک آنِ واحد میں اِس قدر خطیر جمعیت میدانِ جنگ میں فراہم کرسکتا ہی مگر اِس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مُلک خالی ہوجاتا ہی بلکہ ملک جوں کا توں مخلوق سے بھرا رہتا ہی اور ایک آدمی کی کمی بھی نہیں معلوم ہوتی کیوں کہ تاجروں کی اِس قدر کثرت ہی کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ شہر میں سے کون نکل گیا۔ علاوہ اِس کے بہت سے لوگ اہلِ حرفہ اور مزارعین اور گروہِ برہمنان کا ہی جس سے آبادی ہمیشہ بھری پُری رہتی ہی۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اِس راجہ کی کیا آمدنی ہی اور اِس کے پاس کتنا خزانہ ہی جو اتنی بڑی فوج رکھتا ہی تو اُس کا جواب یہ ہی کہ سلطنت میں بہت سے بڑے بڑے اُمرار ہیں جن کی ذاتی آمدنی بہت بڑی ہی اور فوج پر جتنے افسر ہیں سب اُمرار اور جاگیردار ہیں جو کئی کئی گاؤں کے مالک ہیں جن میں سے دس پندرہ لاکھ اور بعض ایک دو اور تین اور پانچ لاکھ پرڈاؤ[1] کی آمدنی رکھتے ہیں اور چوں کہ اِن لوگوں کی اِس قدر معتدبہ آمدنی ہی اِس لیئے راجہ اُن کے لیئے تعداد پیدل سوار اور ہاتھیوں کی فوج کی حسبِ حیثیت مقرر کردیتا ہی جو ہمیشہ طیار رکھی جاتی ہی اور جہاں کہیں اُن کی ضرورت ہو وہ بھیجے جاتے ہیں اور اِس طرح راجہ کے پاس لاکھوں کی تعداد میں فوج موجود رہتی ہی۔ ہر اَمیر کی یہ خواہش ہوتی ہی کہ اُس کی فوج بڑھی چڑھی رہے کیوں کہ وہ معقول تنخواہیں دیتا ہی۔ مہانومی کی روز میں نے نہایت عمدہ جوان آدمیوں کو دیکھا ہی جو شاید کسی اَور فوج میں دکھلائی دے سکیں۔ اِس ساری فوج میں مَیں نے ایک آدمی بھی ناکارہ اور بُزدل نہیں دیکھا۔ افواج کی مقررہ تعداد رکھنے کے علاوہ اُمرار سالانہ خراج بھی راجہ کو دیتے ہیں۔ اُمرار کی افواج کے علاوہ راجہ کی ذاتی فوج بھی ہی جن کو وہ خود تنخواہ دیتا ہی۔ راجہ کے پاس اُس کے ذاتی آٹھ سو ہاتھی اور پانسو گھوڑے ہیں جو ہمیشہ اصطبل میں بندھے رہتے ہیں اور اِن کے اخراجات کے لیئے راجہ نے شہر بیجانگر کی آمدنی علےٰحدہ کردی ہی۔ تم خیال کرسکتے ہو کہ اِن کا خرچ کتنا بڑا ہوگا۔ اِس کے علاوہ سائیس اور مہاوت اور دیگر ملازمین کی تنخواہیں ہیں اِس پر سے قیاس کرلو

[1] پرڈاؤ ایک عدد طلائی سکّہ ہی جو اِسی سلطنت میں مسکوک ہوتا ہی اِس کی ایک جانب دو تصویریں ہوتی ہیں اور دوسری طرف راجہ کا نام ہوتا ہی۔ راجہ حال کے پرڈاؤ میں صرف ایک ہی تصویر ہوتی ہی یہ سکّہ تمام ہندوستان میں چلتا ہی ۱۲



اصطبلِ فیلانِ بیجانگر

کہ شہر بیجانگر کی آمدنی کیا کچھ ہوگی راجۂ بیجانگر کے ماتحت علاوہ اُمرار اور بڑے بڑے جاگیرداروں کے جن کی بڑی بڑی آمدنی ہی پانچ[1] راجہ بھی ماتحت ہیں۔ جب کبھی راجہ کے ہاں بیٹا یا بیٹی پیدا ہوتا ہی تو تمام سلطنت کے اُمرار اُس کو تحفے تحائف۔ جواہرات۔ اور روپیہ نذر دیتے ہیں اور اسی طرح راجہ کی ہر سال گرہ پر ہوتا ہی۔ مہانومی کے تہوار کے گیارہ دن بعد اوائل ماہ اکتوبر میں ایک بڑا تہوار سالِ نو کا ہوتا ہی۔ جس میں ہر شخص نئے اور قیمتی اور خوب صورت کپڑے اپنی اپنی پسند کے پہنتا ہی اور اُمرار اپنے آدمیوں کو رنگ بہ رنگ کے کپڑے جو ہر ہر کے بانے اور وضع قطع کے علیٰحدہ ہوتے ہیں دیتے ہیں اُسی دن یہ لوگ راجہ کی خدمت میں بڑے بڑے تحفے اور نقدیات پیش کرتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہی کہ اُس ایک دن میں پندرہ لاکھ پرڈاؤ راجہ کو نذر دیئے جاتے ہیں (ایک پرڈاؤ ساڑھے تین روپے کلدار کے مساوی ہوتا ہی) اس پر سے تمول کا اندازہ ہو سکتا ہی۔ ہندوؤں کا سالِ نو اسی مہینے کے غرّے سے شروع ہوتا ہی اور ان لوگوں کے مہینے قمری ہیں۔ اِس سلطنت کے خزانے کی یہ حالت ہی کہ یہاں کل راجہ زمانۂ قدیم سے خزانہ جمع کرتے چلے آئے ہیں جو راجہ کی وفات کے بعد جوں کا توں سربمہر محفوظ رکھا رہتا ہی جدید راجہ بھی اُسے نہیں کھولتا اور اس وجہ سے کسی کو نہیں معلوم دیتا کہ اِس میں کیا ہی اور کس قدر روپیہ ہی۔ یہ خزانہ ضرورتِ شدید کے بدون کبھی نہیں کھولا جاتا اور اِس وجہ سے بے شمار خزانہ جمع ہی۔ راجۂ حال نے پُرانا طریقہ بدل دیا اور سالانہ دس لاکھ پرڈاؤ پس انداز کرتا ہی اِس میں سے ایک جیتے کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ تمام اخراجات اور محلات کے اخراجات (جس میں بارہ ہزار عورتیں ہیں) کے بعد جو کچھ بچتا ہی وہ راجہ کی ملک رہتی ہی اس سے اِس سلطنت کے تمول کا اندازہ کیا جا سکتا ہی اور جس قدر وافر دولت راجہ نے جمع کی ہوگی وہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہی۔ اِن تہواروں کے بعد راجہ ناگلا پور کے نئے شہر کو چلا جاتا ہی جہاں اُس کا دل بہت لگتا ہی کیوں کہ اُسی نے اِس شہر کو آباد کیا ہی۔ دو برس کے عرصے میں راجہ نے اِس شہر کی تعمیر کرائی۔ جب راجہ شہر میں داخل ہوتا ہی تو بڑی دُھوم دھام سے اُس کا استقبال کیا جاتا ہی۔ جلسے اور دعوتوں کے علاوہ تمام گلی۔ کوچوں۔ اور بازاروں میں جا بجا

---

[1] یہ پانچ راجہ بنکاپور۔ گیرسوپا۔ بکاوور۔ بکالی کٹ اور بھٹکل کے تھے ۱۲۔

جھنڈیاں اور قیمتی کپڑے آویزاں کیے جاتے ہیں جس رستے سے راجہ گزرتا ہی بہت سی خیر مقدم کی کمانیں بنائی جاتی ہیں۔ یہاں راجہ نے پہونچ کر دوبارہ اپنی ہمراہی فوج کا جائزہ لیا اور اُن کی ماہوارات تقسیم کیں کیوں کہ یہ زمانہ آغاز سال کا تھا اور یہاں عموماً سالیانہ بٹا کرتا ہی۔ سررشتہ دار وغیرہ داخلہ دیکھ کر جمعیت کی نام نویسی اور چہرہ لکھ لیتے ہیں۔ راجہ کے باڈی گارڈ میں چھ سو پرڈاؤ سے لے کر ہزار پرڈاؤ تک علی قدر مراتب کم و بیش تنخوا ہیں مقرر ہیں جو لوگ بڑے بڑے عہدوں پر ہیں وہ سلحداری گھوڑے بھی رکھتے ہیں۔ اس فوج کے بھی جدا جدا افسر ہیں جو باری باری سے نشست اور نوکری پر حاضر رہتے ہیں۔ راجہ کے محل کے دروازے پر پانسو سوار ہر وقت مسلح محافظ رہتے ہیں۔ اندر محل کے اور دو پہرے ہیں جو تلوار اور ڈھال سے مسلح ہیں۔ راجہ ناگلاپور ہی میں تھا کہ فگریڈو نے راجہ سے عرض کیا کہ اُس کے ہمراہیوں نے کبھی راجہ بیجانگر کا محل نہیں دیکھا اور یہ آرزو اُن کی دل کے دل ہی میں رہ جاے گی اگر حضور کی اجازت ہو تو وہ لوگ محل دیکھ لیں تاکہ اپنے ملک میں جاکر یہاں کے حالات بیان کریں۔ راجہ نے فوراً حکم دے دیا اور وہاں کے گورنر گدا راج نے جو سالو تما کا بھائی تھا ہم سب کو محلات دکھلا دیے۔ ہم جب محل کے دروازے پر پہونچے تو ہم سب کو قطار سے کھڑا کر کے گن لیا اور ایک ایک کر کے ہم کو اندر صحن میں لے گئے جس کی سفید دیواریں اور پختہ[1] زمین تھی۔ اس صحن کے ایک طرف اُس دروازے کے مقابل کہ جس سے ہم داخل ہوے تھے ایک دروازہ بائیں ہاتھ کو ہی جو بند تھا اور کہتے ہیں کہ وہ راجہ کے رہنے کا مکان ہی اس دروازے کے باہر دونوں جانب دو رنگین بُت ایسی عمدگی سے بناے گئے ہیں کہ بالکل

[1] اب کہیں ان عمارتوں کا پتہ نہیں ہی لیکن اگر احتیاط سے چڑھی ہوئی مٹی ہٹائی جاے اور کھدوا جاے تو ضرور ہی کہ راجہ کے محلات کا تمام نقشہ کھل جاے گا اور بننے میں ضرور وہ خوب صورت پُتلے اور مورتیں جن کا ذکر جا بہ جا آیا ہی ملیں گی۔ جس مقام پر سے کہ راجہ نے یہ تماشہ دیکھا تھا اس آراستہ منڈپ کے عقب میں اور اُس دروازے کے متصل جس کا ذکر فگریڈو نے کیا ہی اب بھی دو بڑے بڑے سنگین دروازوں کے پٹ مٹی میں دبے ہوے دکھلائی دیتے ہیں جو ایک ہی پتھر کے کے ہیں۔ پتھر کو کاٹ کر اُس میں تختے کی شکل اس خوب صورتی سے تراشی ہی کہ لکڑی کے معلوم ہوتے ہیں جس میں بڑے بڑے قلابے بھی پتھر ہی کے لگے ہوے ہیں ۱۲۔

زندہ معلوم ہوتے ہیں۔ سیدھے ہاتھ کو راجہ کے باپ کا بُت ہی اور بائیں کو خود اِس راجہ کا۔ راجہ کے باپ کا رنگ کالا تھا لیکن وہ سڈول تھا اور اپنے بیٹے کی بہ نسبت فربہ اندام۔ یہ دونوں مجسمے اُسی قسم کا لباس پہنے ہوئے ہیں کہ جو زندگی میں پہنتے تھے۔ اِس دروازے کے اندر جاتے وقت ہم لوگوں کو پھر گنا اور ہم ایک چھوٹے مکان میں داخل ہوئے جس کی بائیں جانب دو کمرے اوپر تلے ہیں۔ نیچے والا سطح زمین کے اندر ہی (غالباً تہ خانہ ہوگا) اِس پر دو سیڑھیاں ہیں جن پر سونے کا پتّر مڑھا ہوا ہی۔ سیڑھیوں سے لے کر چھت تک تمام سونے کا پتّر جڑا ہوا ہی اور اوپر سے یہ مکان ایک گُنبد کی شکل کا ہی۔ اِس کے سامنے ایک مرتبع پیش دالان ہی جس میں لعل اور سب قسم کے جواہرات اور موتی جڑے ہوئے ہیں اور اِس کی چھت میں دو آویزے سُنہری جواہرات کے دِل کی شکل کے لٹک رہے ہیں اور اِن دونوں کے بیچ میں ایک موٹی بُل دار لڑی موتیوں کی ہی اور گنبد میں بھی اِسی قسم کے آویزے لٹک رہے ہیں۔ اِسی کمرے میں ایک پلنگ تھا جس کے پائے اور پٹیاں سونے کی تھیں اور اُس پر ایک سیاہ اطلس کی توشک پڑی ہوئی تھی جس میں ایک بالشت چوڑی موتیوں کی جھالر لٹک رہی تھی پلنگ پر دو تکیے رکھے ہوئے تھے۔ بالائی کمرے میں نہیں گیا اِس وجہ سے نہیں کہہ سکتا کہ اُس میں کیا تھا۔ اِس مکان میں ایک اور کمرہ ہی جس کے ستون پتّھر کے تراشے ہوئے ہیں لیکن تمام کمرہ ہاتھی دانت کا بنا ہوا ہی۔ چھت سے لے کر زمین تک اور تمام دیواریں حتیٰ کہ کڑیاں سب ہاتھی دانت کی ہیں جن میں نہایت خوب صورت پھول تراشے گئے ہیں اُس میں اِسی صناعی کی گئی ہی کہ اِس سے بہتر ہونا ناممکن ہی اِس پر اتنا روپیہ خرچ کیا گیا ہی اور ایسا خوب صورت بنایا گیا ہی کہ غالباً اِس کی نظیر اور کہیں نہ ملے گی۔ اِس مکان میں انواع و اقسام کی تصویریں ہر قوم کے لوگوں کی کھودی گئی ہیں پرتگالیوں کا بھی ایک نقشہ کھُدا ہوا ہی حتیٰ کہ اندھوں اور بھک منگوں تک کو تبلایا ہی غرض اِس سے یہ ہی کہ رانیاں گھر بیٹھے ہر ملک اور ہر قوم کے لوگوں کی طرز ماند و بود کی حالت سے واقف ہو جائیں۔ اِسی مکان میں دو تخت سونے کے مڑھے ہوئے ہیں اور ایک چاندی کی مسہری ہی جس پر پردہ پڑا ہوا ہی۔ یہاں میں نے سنگ زبرجد کی ایک سِل دیکھی اِسی کے پاس ایک بند دروازہ ہی جس میں قفل پڑے ہوئے ہیں لوگ کہتے تھے کہ اِس میں سابق کے راجاؤں کا خزانہ ہی۔ اِس مکان کی سیر ختم کر کے پھر ہم ایک بڑے بھاری صحن میں پہونچے اِس کی زمین پر بھی بہت عمدہ گچ کی ہوئی تھی۔ اِس صحن کے بیچوں بیچ چوبی کھم گڑے ہوئے

ہیں اُن پر ایک آڑی شہتیر پڑی ہوئی ہے اِن پر تانبے کے پتّر مڑھ سونے کا ملمع کیا گیا ہے اور درمیان میں چاندی کی چار زنجیریں کنڈوں سے لٹک رہی ہیں یہ رانیوں کا جھولا ہے - اِس صحن کے اطراف میں چار پانچ سیڑھیوں کی بلندی پر متعدد خوب صورت ایک منزلہ مکانات بنے ہوئے ہیں - اِسی احاطے میں ایک پتھر کی عمارت ہے جس کے بہت سے ستون ہیں اِس تمام عمارت پر سونا چڑھایا گیا ہے دور سے تمام عمارت سونے کا ڈلا معلوم دیتی ہے اِس عمارت کے دروازے پر ایک برآمدہ چار ستونوں پر کھڑا ہوا ہے اِس میں بہت سی عورتوں کی تصویریں ہیں جو ناچ رہی ہیں اور بہت سی پتھر کی چھوٹی چھوٹی تصویریں بھی ہیں یہ تمام عمارت بھی سونے کے پتّر سے مڑھی ہوئی ہے اور اِس کے اندر کے رُخ پر نقاشی کر کے سُرخ رنگ بھی کیا گیا ہے یہ ایک دیول ہے - جب اِس کی جاترا ہوتی ہے تو دیو کو ایک سونے کے تخت پر بٹھلا کر اُس پر شامیانہ لگا کر نکالتے ہیں اور برہمن آگے پوجا کرتے ہیں اور طوائف ناچتی ہیں - اِن عمارات سے نکل کر ہم صحن کے بائیں جانب گئے وہاں ہم کو ایک لمبا چھتّہ ملا اِس میں ایک پلنگ چاندی کی زنجیروں سے لٹک رہا تھا - پلنگ کے پائے ٹھوس سونے کے بنے ہوئے تھے اور پٹیوں پر سونے کا پتّر چڑھا ہوا تھا - یہ پائے بڑی صنعت اور عمدگی سے بنائے گئے تھے اِس کے سامنے ہی ایک دوسرا پلنگ تھا جو سونے کی زنجیروں سے لٹک رہا تھا اِس کے پائے بھی سونے کے تھے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے اور پٹیوں پر سونے کا پتّر مڑھا ہوا تھا - اِسی کے اندر اور ایک چھوٹا کمرہ تھا اُس میں کچھ سامان نہ تھا اُس میں بھی ملمع اور رنگ چڑھا ہوا تھا - اِس چھتّے کے سامنے ایک کمرہ راجہ حال نے بنوایا ہے جس کے باہر عورتوں کی تصویریں تیر کمان لیئے ہوئے کھڑی ہیں - اِس کمرے میں رنگ آمیزی کا کام ہو رہا تھا اور کاریگر کہتے تھے کہ یہ سب دوسری عمارتوں سے بھی بہتر ہوگا - اِس کی دیواروں پر بھی سونا چڑھایا جائے گا بلکہ زمین پر بھی سونے کا پتّر بچھایا جائے گا - اِس چھتّے کے باہر اوپر وار کو ہم نے تین بڑی بڑی سونے کی دیگیں دیکھیں کہ جن میں ایک ایک پلّہ[1] کھانا پک سکتا تھا اور وہیں اِس سے بھی بڑی چاندی کی دیگیں دیکھیں اور چھوٹے بڑے برتن مختلف اقسام کے سونے کے بھی تھے - اِس کے بعد ہم کچھ سیڑھیاں چڑھ کر ایک چھوٹے دروازے سے گزر کر ایک اَور مکان میں گئے - یہ وہ مکان

[1] دکن میں پلّہ عموماً ایک سو بیس سیر پختہ کا ہوتا ہے ۱۲

ہی جہاں راجہ کی عورتیں ناچ گانے کی تعلیم پاتی ہیں - یہ ایک بہت لمبا ہال ہی جو بہت چوڑا ہی - اس کے پتھر کے ستونوں پر تمام نقاشی کا کام کیا ہوا ہی اور پھول تینوں میں سونا جڑا ہوا ہی - ہاتھی اور دوسرے جانوروں کی شکل کے چبوترے بنا کر اُن پر ستون کھڑے کر دیئے ہیں اور تمام مکان میں صدہا قسم کی تصویریں کھدی ہوئی ہیں اور انواع و اقسام کے نقش و نگار بنائے گئے ہیں جن پر طرح طرح کی رنگ آمیزی کی گئی ہی - بعض تصویریں ہاتھیوں پر بیٹھی ہوئی ہیں اور عورتیں ڈھول لے کر ناچ رہی ہیں ناچنے والی عورتوں کی تصویریں اس طرز سے بنائی گئی ہیں کہ اُن کو دیکھ دیکھ کر عورتیں تمام گتیں اور ناچ کا طرز و انداز بآسانی سیکھ جائیں - اس کے پاس ہی ایک اکھاڑا ہی جہاں عورتیں انواع و اقسام کی کسرت کرتی ہیں کہ جس سے وہ ہر طرح کے موڑ توڑ اور اُلٹ پلٹ کی خوگر ہو جاتی ہیں - اس عمارت کے ایک طرف راجہ کے بیٹھنے کی شہ نشین ہی وہ بہت آراستہ ہی اُس کی دیواریں اور چھت اور زمین سب سونے سے مڑھی ہوئی ہی اس کی ایک دیوار پر ایک بارہ برس کی خوب صورت لڑکی کی تصویر بنی ہوئی ہی جو ناچ رہی ہی - اسی مقام پر بیٹھ کر راجہ ناچ کی سیر دیکھتا ہی - اس کے سوائے زنانے محلات ہم کو نہیں دکھلائے گئے کیوں کہ وہاں سوائے خواجہ سراؤں کے اَور کوئی نہیں جا سکتا یہ تمام سیر دیکھ کر ہم اُسی رستے سے جہاں سے کہ آئے تھے واپس ہوئے اور چلتے وقت پھر ہم سب کی گنتی لی گئی - بیان کیا جاتا ہی کہ شہر بیجانگر میں ایک لاکھ مکانات ہیں جن میں سے اکثر یک منزلہ اور مسطح چھت کے ہیں اور عموماً مکانوں کے اطراف میں احاطہ ہی - شہر کے شمال میں پہاڑیاں ہیں جن کے بیچ میں سے دریا بہتا ہی - شہر کی فصیلیں اِن پہاڑیوں کے اوپر سے گزرتی ہیں اور قصبہ آنا گندی پر جا کر ختم ہو جاتی ہیں - اس شہر کے تین بڑے دروازے ہیں ایک دریا کے کنارے ہی جس پر سے لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر پار ہو جاتے ہیں - ایک دوسرا دروازہ اس سے زیادہ مضبوط دریا کے اُس پار ہی اور ایک شمال و مغرب کے گوشے میں ہی - ایک چھوٹا دروازہ دو پہاڑیوں کے بیچ میں بھی بنا ہوا ہی لیکن وہاں رستہ ایسا خراب اور تنگ ہی کہ سوائے ایک سوار کے دوسرا وقتِ واحد میں جا نہیں سکتا - شہر بیجانگر کے پاس جانبِ شمال و مغرب ایک دوسرا شہر موسومہ کشنا پور آباد ہی اس میں اکثر ہندوؤں کے مندر ہیں اور اس کی آمدنی پجاریوں ہی کو دے دی گئی ہی - بیان کیا جاتا ہی کہ اس کی آمدنی ایک لاکھ پرڈاؤ ہی

یہ تمام مندر نہایت عظیم الشان ہیں اور ان میں انواع و اقسام کی تصویریں شہوت انگیز بنی ہوئی ہیں بیجانگر کے جنوب میں شہر ناگلاپور[1] ہی جس کو راجہ نے اپنی رانی کے نام پر بسایا تھا۔ اس میں عادل شاہ بیجانگر کے محاصرے کے وقت اپنی افواج لے کر ٹھیرا تھا اُس نے اِس شہر کو ایسا برباد کیا کہ زمین کے برابر کر دیا لیکن راجہ نے پھر از سرِ نَو بنوا دیا۔ شہر بیجانگر کے مشرق میں ایک دوسرا شہر آناگُندی ہی جو ایک قدیم بستی ہی۔

[1] یہ شہر اب ہوس پیٹھ کہلاتا ہی ۱۲

دوسرا ضمیمہ

وقائع فرناؤنیونز

پہلا باب

خلاصۂ واقعاتِ سلطنتِ راجگانِ بسنگا جو وہاں کی عام تباہی[۲] اور بربادی کے بعد حکمراں رہے سنہ ۱۳۲۰ء میں ملکِ ہند پر ایک ایسا بادشاہ حکمراں تھا کہ جس سے بڑے اور کسی بادشاہ نے کبھی ملکِ ہند میں سلطنت نہیں کی۔ یہ دلی کا بادشاہ تھا جو اپنی فوج کی قوت کی بدولت سالہا سال سلطنتِ کمبایا سے لڑتا رہا جو ملکِ گجرات میں واقع ہے اور آخرکار اُسے برباد کرکے خود وہاں کا حاکم بن گیا۔ اِس فتح یابی پر بادشاہ قانع نہیں رہا بلکہ اُس نے بڑی فوج پیدلوں اور سواروں کی راجۂ بسنگا (بیجانگر) سے لڑنے کے لیئے طیار کی اور اپنے کارپردازوں کو اپنے ملک میں قلعوں کی حفاظت اور دشمنوں کی مدافعت کے لیئے چھوڑا کیوں کہ دشمنوں کی کچھ کمی نہ تھی اور اُسی زمانے میں اِس بادشاہ (محمد تغلق) سے بنگالے سے لڑائی چھڑی ہوئی تھی اور اِس کے علاوہ ترکوں سے ملک شیخ اسمٰعیل (فارس) میں بھی لڑائی درپیش تھی۔ بادشاہ کی فوج کے لوگ قومی الجثہ اور صحیح تھے جن کے پاس بہت سے گھوڑے تھے اِن ہی لوگوں نے لڑکر کمبایا کو تباہ کردیا تھا اور اُس ملک کے فتح کرنے کے بعد بھی اُن کے پاس آٹھ لاکھ سوار موجود تھے۔ بالآخر بیجانگر کی طرف رُخ کیا۔

---

[۱] پرتگالی بیجانگر کو بسنگا کہتے تھے ۱۲

[۲] عام تباہی کا اشارہ محمد تغلق کے آنا گندی کو فتح کرنے کے واقعے کی طرف ہے ۱۲

پیدلوں کا تو کچھ شمار ہی نہ تھا کیوں کہ کسی نے گنا نہیں۔ بادشاہ نے یہ فوج لے کر کمبایا سے چل کر پہلے تو ملک بالاگھاٹ[۱] پر چڑھائی کی (جو اب عادل شاہ کی سلطنت میں ہے) اور بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا بہتوں کو برباد کیا یہاں تک کہ لوگ ایسے عاجز آ گئے کہ خود بخود مطیع ہو کر اپنا مال و اسباب دینے لگے۔ بالاگھاٹ کے سارے ملک کو فتح کر کے دریائے[۲] دری سے جو علاقے جات بالاگھاٹ اور راجۂ بیجانگر کی سلطنت میں حدِ فاصل ہے ٹوکروں میں بیٹھ کر بلا روک ٹوک پار ہوا۔ اس زمانے میں سلطنت بیجانگر میں سوائے شہر آناگُندی کے اور کوئی بڑا یا آباد شہر نہ تھا۔ اسی شہر میں راجہ[۳] محصور ہو کر اس آنے والی مصیبت کا منتظر بیٹھا رہا۔ دریا سے آناگُندی (۲۵) لیگ تھا اور دریا سے لے کر آناگُندی تک سارا ہموار میدان ہی تھا جہاں فوج کے خیام لگانے کا اچھا موقع تھا اور دریا کے کنارے کنارے لشکر کو پانی کی آسانی بھی تھی۔ چوں کہ گرمیوں کا موسم تھا پانی کی ازحد قلت تھی چھوٹے چھوٹے تالابوں کا پانی اتنی بڑی فوج گھوڑوں اور ہاتھیوں کے لیئے دس دن کو بھی کافی نہیں ہو سکتا تھا اسی وجہ سے بادشاہ چند روز بارش کے شروع ہونے تک دریا کے کنارے ہی پڑا رہا جب پانی برس گیا اور کھیتوں اور تالابوں میں جا بجا پانی بھر گیا اور اتنی بڑی فوج کے لیئے پانی کا سہارا ہو گیا تب آگے بڑھا اور آناگُندی کے قریب جا پہنچا۔ راجہ اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر گھبرا گیا اور شہر چھوڑ کر بھاگ جانے کا ارادہ کیا اس شہر کے پاس بھی دریا تھا جو ناگندی[۴] کہلاتا تھا اور اب بھی ہے اور اسی دریا کی وجہ سے شہر کا نام بھی ناگندی پڑا۔ راجہ شہر چھوڑ کر سرحدی[۵] نائتا کے قلعے کو بھاگ گیا جو دریا کے کنارے پر تھا اور جس میں بہت کچھ رسد پہلے سے جمع تھی اور پانی بھی وافر موجود تھا۔ لیکن پھر بھی وہاں اتنی جگہ نہ تھی کہ راجہ کے ساتھ جو پچاس ہزار[۵۰۰۰۰]

---

۱ بالاگھاٹ سے مراد وہ ملک ہے جو پہاڑوں کی بلندی پر واقع ہے یہ بلند اور مسطح خطہ بالاگھاٹ اور دکن کہلاتا ہے اور بہت آباد ہے اور حسب بیان لنس کائن اس خطے میں کئی راجہ حکمراں تھے۔ اسی میں بیجانگر۔ بالاگھاٹ اور کیمبے بھی شامل تھا ۱۲۔

۲ یہ بیان "مالپربھا" دریا سے منطبق ہوتا ہے اور "دری" سے غالباً دھارواڑ مراد ہے ۱۲۔

۳ اس زمانے میں صرف آناگُندی ہی کی ریاست قائم تھی۔ شہر بیجانگر کی بنیاد بھی نہیں پڑی تھی ۱۲

۴ اب اس دریا کا نام تُنگ بھدرا ہے ۱۲

۵ یہ غالباً اُس گڑھی کا نام ہے جو پہاڑوں کی بلندی پر آناگُندی میں بنی ہوئی ہے ۱۲۔

آدمی تھے اُن کو پناہ دے سکے - اِس لیئے راجہ نے پانچ ہزار آدمی چُن لیئے اور اُن کو لے کر گڑھی میں جا بیٹھا باقی لوگوں کو ایک دوسرے قلعے میں چلے جانے کا حکم دیا جو اِسی راجہ کی سلطنت میں تھا - بادشاہی فوج نے جو پہلے بھی اِن سے بارہ[1] برس سے لڑ رہی تھی ہر طرف سے گڑھی کو گھیر لیا - گڑھی کے اندر لوگ بہت تھے چند ہی روز میں وہ سب جمع شدہ غلّہ کھا پی گئے لہٰذا تھوڑے ہی دن محاصرے کی ضرورت پڑی - راجہ نے دیکھ لیا کہ یہ مسلمانوں کی فوج بدون ہم سب کا خاتمہ کیئے جان نہ چھوڑے گی اور اُن کے مُنہ پر آنے کے سوائے چارہ نہیں لہٰذا اُس نے بادشاہ سے مقابلہ کرنے کی ٹھان کر سب کو جمع کر کے کہا کہ "یہ بادشاہ اپنے ملک کو تو تباہ کر چُکا[2] اب ہم پر آفت لایا ہے - پس اب ہمارے لیئے کوئی مَفَر نہیں ہے اور مَوت ہمارے سامنے دکھلائی دے رہی ہے کیوں کہ نہ ہمارے لیئے کھانے کو کچھ باقی رہا ہے نہ پانی ہی ہے اور مَیں نے پچاس ہزار آدمیوں میں سے صرف تم کو اپنا جاں نثار اور دوست سمجھ کر منتخب کیا ہے پس تم کو چاہیئے کہ مرتے دم تک بہادری سے میرا ساتھ دو جیسا کہ آج تک دیتے رہے سب جاؤ کر میرے پاس صرف یہ ایک گڑھی اور تم چند لوگ رہ گئے پس تم کو چاہیئے کہ ہتیار سنبھال لو اور میرے ساتھ میدانِ جنگ میں مرنے کو طیار ہو جاؤ اور جس دشمن نے کہ تمہارا مُلک چھین لیا ہے اُس کو اپنی جان بھی دے دو کہ کہیں پاپ کٹے" راجہ کی پُر اثر اور پُر درد سپیچ سُنتے ہی لوگوں میں ایک جوش پھیل گیا اور سب کمرِ ہمت باندھ کر جھٹ پٹ طیار ہو گئے تب راجہ دوبارہ یوں مخاطب ہوا کہ "قبل اِس کے کہ ہم میدانِ جنگ میں جائیں ہمیں ایک اَور لڑائی کا سامنا ہے جو ہمارے بیٹوں بیٹیوں اور بیویوں کے مُقابلے میں ہے کیوں کہ ہماری غیرت اِس بات کی متقاضی نہیں ہے کہ ہم اِن کو اِس لیئے چھوڑ جائیں کہ ہمارے بعد ہمارے دشمن اِن کو پکڑیں تکلیفیں دیں اور بے عزت کریں اِس لیئے سب سے پہلے مَیں ہی اپنے بیوی بچّوں کا خاتمہ کرتا ہوں" یہ سب لوگ گڑھی

---

[1] بادشاہانِ اسلام اور راجہ آنا گُندی سے کسی خاص لڑائی کا ہونا نہیں پایا جاتا لیکن اتنا ضرور تھا کہ قرب و جوار کی لڑائیوں کے اثر سے وہ بھی محفوظ نہ تھا - جو لڑائیاں بادشاہانِ دہلی کی ہندو راجگان سے ہوئی سالا بالا - راجگانِ دریھل اور گجرات سے ہوئی تھیں وہ بالواسطہ راجہ آنا گُندی پر بھی مؤثر تھیں ۱۲

[2] سلطان محمد تغلق کے وحشیانہ اور ظالمانہ حرکات ایسے تھے جس سے اُس کا ملک خود تباہ ہو گیا تھا جس کا تفصیلی ذکر اِس کتاب میں مَوقع مناسب پر آ چکا ہے ۱۲

کے سامنے کے میدان میں کھڑے ہوئے تھے وہیں راجہ نے اپنی پچاس بیویوں اور اس کے سوا لڑکے لڑکیوں کو تہ تیغ کیا اور پھر جملہ حاضرین نے اسی طرح اپنے بال بچوں کا کام تمام کیا جو لڑکے بڑے تھے اور برابر کے لڑنے والے تھے صرف وہی اس قتل عام سے بچ رہے۔ جب یہ افسوس ناک حالت ختم ہوئی تو ان لوگوں نے گڑھی کے دروازے کھول دیئے۔ پھر کیا تھا دشمن ایک دم گھس آئے اور چن چن کر سب کو مارا صرف چھ بڈھے بچے جو کسی مکان کے ایک کونے میں چھپ گئے تھے۔ آخر ان کو بھی پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے گئے بادشاہ نے پوچھا کہ تم کون ہو کیسے بچ گئے انھوں نے اپنا حال کہا بادشاہ سن کر بہت خوش ہوا کیوں کہ ایک تو ان میں وزیر تھا اور ایک خزانچی تھا باقی بھی بڑے بڑے رئیس تھے۔ بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ تمھارے راجہ کا خزانہ کہاں کہاں ہے اور دریافت کر کے جہاں جہاں تہ خانوں میں گڑا ہوا تھا نکال لیا اور ان ہی لوگوں سے ملک کے محاصل اور آمدنی کی تعداد بھی معلوم کر لی تب نقشوں کو جلانے کا حکم دیا غنیمت ہے کہ راجہ کی نعش ان چھ بیس ماندگاں کی عرض معروض سے بڑی شان و شوکت سے آناگندی پہونچائی گئی جب سے آناگندی ہی راجگانِ بیجانگر کی ہڑواڑ قرار پائی ہے۔ اب بھی آناگندی کے لوگ اس راجہ کی قبر کی بڑی عظمت کرتے ہیں اور پوجا کرتے ہیں۔

دوسرا باب

راجہ کے قتل کے بعد ملک کی کایا پلٹ راجہ کے کسی حامی و مددگار کا باقی نہ رہنا اور بادشاہ دہلی کا تسلط

قلعے پر قبضہ کرنے کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام شہر اور قصبوں کو جنھوں نے مقابلہ کیا تھا لوٹ ڈالو اور جو لوگ ہمارے طرف دار رہے اُن کو امان دو۔ راجہ کے قتل کے بعد بادشاہ دو برس تک قلعے میں پڑا رہا پہلے ہی وہ بارہ برس سے اس ملک میں لڑ رہا تھا۔ بادشاہ کا ملک یہاں سے بہت دور قریب پانسو لیگ کے تھا اور لشکر چوطرف پھیلا ہوا تھا کہ اتنے میں ملک مفتوحہ کی بغاوت کی خبر آئی۔ یہ خبر سنتے ہی بادشاہ نے پھر لشکر سمیٹنا شروع کیا اور اس قلعے میں جو بہت مستحکم تھا اس قدر

وافر رسد فراہم کی کہ آیندہ وقت ضرورت کام آئے بہت سی فوج بھی قلعے کی حفاظت کو چھوڑی اور اُن کو بہت کچھ انعام واکرام و زمینیں ایسی دیں کہ سب مالامال ہوگئے اور کچھ ایسا دلاسا اور تشفی دی کہ ہر شخص اپنا ملک چھوڑ کر یہیں رہ پڑنے پر آمادہ ہوگیا تب بادشاہ قلعے کو اپنے نائب ملک بنی کے سپرد کرکے یہاں سے روانہ ہوا۔

تیسرا باب

(بادشاہ دہلی اور اُس کی فوج کے چھوٹوں قیدیوں سمیت روانگی)

لوگوں کو جب بادشاہ کے چلے جانے کی خبر معلوم ہوئی اور اُنھوں نے دیکھا کہ میدان خالی ہے تو جو لوگ ڈر کے مارے جنگل اور پہاڑوں میں جا چھپے تھے اور جنھوں نے اپنے ملک کے لیے عہد و پیمان کیا تھا ایک دم باغی ہوگئے اور یورش کی اور قلعے میں رسد جانی قطعاً بند کردی اور ایسے خودسر ہوئے کہ محاصل اور محصولات سب دینے بند کردیئے۔ ملک بنی نے دیکھا کہ اب یہاں رہنا بے سود ہے چوطرف بغاوت کی آگ پھیل رہی ہے اور بادشاہ اتنی دُور ہے کہ مدد آئے آئے تک یہاں کام تمام ہوجائے گا تو اُس نے فوراً بادشاہ کو خبر بھیجی کہ یہاں ایک دم سے سب باغی ہوگئے ہیں اور جو جہاں ہے خود مختار بن بیٹھا ہے اور میری طرف کوئی بھی نہیں ہے اب جہاں پناہ کو جو مناسب معلوم ہو حکم فرمایا جائے۔ بادشاہ نے اپنے مصاحبین سے صلاح لی اور ملک بنی کے معروضے کو دُہرایا اور کہا کہ ایسی صورت میں ہم کو کیا کرنا چاہیئے کہ ایسا عمدہ اور زرخیز ملک ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے جس کے حاصل کرنے میں علاوہ بے انتہا مشقت کے ہمارا بے شمار روپیہ خرچ ہوا ہے اور ہزاروں جانیں بھی تلف ہوئی ہیں۔ سب نے عرض کی کہ بادشاہ سلامت پہلے اُن چھوٹوں قیدیوں سے تو دریافت فرمائیں کہ ان میں سے راجہ کا قرابت دار قریبہ کون ہے۔ بادشاہ نے اُنھیں بُلا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایسا کوئی بھی نہیں ہے جو کہ بروے استحقاق وارثِ سلطنت قرار دیا جاسکے البتہ اُن چھوٹے قیدیوں میں صرف ایک وزیر تھا گو وہ راجہ کا تو کوئی رشتے دار نہ تھا تاہم راجہ کے بعد سب سے بڑا سردار وہی تھا۔ سب کی صلاح یہی ٹھیری کہ سلطنت اِسی کے سپرد کی جائے اور یہ بات بادشاہ کو بھی پسند آئی۔ اِس قرارداد کے بعد فوراً چھوٹوں قیدیوں کو چھوڑ دیا

اور اُن کی بہت خاطر مدارات دل جوئی اور عزت افزائی فرمائی - اِن میں سے وزیر کو راجہ بنا دیا اور خزانچی کو وہاں کا والی - اِن دونوں سے اطاعت و فرماں برداری کے قول و قرار اور معاہدے کے بعد اِن سب کو بہت سی فوج کے ساتھ اِن کے ملک کو واپس جانے کی اجازت دی گئی - یہ لوگ جب آناگُندی پُہنچے تو دیکھا کہ شہر تو ویران پڑا ہے خالی مکان بھائیں بھائیں کر رہے ہیں معدودے چند لوگ باقی رہ گئے ہیں - دِلّی سے دیورائے[1] کے واپس آجانے کی خبر چہار طرف پھیل گئی کہ وہ دِلّی کے بادشاہ کی طرف سے راجہ مقرر ہو کر آیا ہے لوگوں نے اسے بھی غنیمت سمجھا کہ ایک غیر مذہب والے کی رعیت بن کر رہنے سے تو یہ بہتر ہے اس پر سب نے بڑے جشن کیئے اور خوشیاں منائیں جن لوگوں نے سارے علاقے جات اور زمینیں دبالی تھیں واپس دینے لگے اور اس کی اطاعت بدل وجان قبول کی - ملک بنی نے جب یہ خبر پائی تو دل میں شکر کیا کہ اچھا ہوا کہ گلو خلاصی ہوئی جان بچی لاکھوں پائے فوراً قلعہ اور ملک اُس کے حوالے کر جھٹ پٹ اپنا رستہ لیا - دیورائے نے سب سے پہلے تو لوگوں کی استمالت کی کہ جو باغی ہو گئے تھے اُن کو امان دی اور ہر ہر شہر اور قصبے میں خود جا کر اُن کی اشک شوئی کی اور سب کو ہموار کیا - جو ملک قبضے سے جا چکا تھا اُسے چھوڑنا پڑا کیوں کہ اس کے پاس اتنی فوج کہاں تھی کہ لڑائی کرتا اور پھر یہ معمر و سِن بھی تھا -

چوتھا باب

(دیورائے کا شہر بسنگا کا آباد کرنا)

راجہ کو شکار کا بہت شوق تھا وہ ایک دن حسب معمول دریائے نگندیم (تُنگ بھدرا) کے اُس پار شکار کو گیا جہاں کہ اب شہر بسنگا (بیجانگر) آباد ہے - یہ مقام سارا جھاڑی جنگل سے بھرا ہوا تھا اور شکار بہت تھا اِس جگہ کو راجہ نے اپنے شکار کے لیئے محفوظ کر رکھا تھا - ایک دن راجہ اپنے شکاری کُتّے اور شکار کا سامان لے کر وہاں پونہچا ہانکے میں ایک خرگوش اُٹھا کُتّے اُس پر جھپٹے

[1] یہی وزیر تھا - یہ لقب عموماً راجگانِ بیجانگر کا ہے مثلاً ہر ہر دیورائے - بکّا دیورائے - کشن دیورائے وغیرہ نبھنہ نے وزیر کا اصلی نام نہیں بتلایا - اِس نام کے دو راجہ مشہور ہیں ایک دیورائے اوّل اور دوسرا دیورائے دوم لیکن اِن کے بھی ذاتی نام تاریخ میں نہیں ہیں ۱۲

بجائے[۵۱] اس کے کہ خرگوش کان دبا کے بھاگ جاتا اُس نے اُلٹا کتوں پر حملہ کیا اور کاٹنے لگا اور ایسا غالب آیا کہ کُتّے دُم دبا کر بھاگے اور ہیبت پڑ گئے راجہ کو تعجب ہوا کہ یہی کتّے شیر کو زیر کر ڈالتے تھے کیا وجہ ہے کہ ایک خرگوش سے ڈر گئے ہو نہ ہو اس میں کچھ بھید ہے۔ اسی پس و پیش میں وُہ آناگندی واپس چلا آرہا تھا کہ رستے میں دریا کے کنارے اس نے دیکھا کہ ایک سنیاسی ٹہل رہا ہے جو بظاہر بہت بزرگ و متبرک معلوم دیتا تھا راجہ نے اُس سے سارا ماجرا بیان کیا وہ بھی متحیّر ہوا اور راجہ سے کہا کہ اچھا چل کر مجھے وہ جگہ تو دکھلاؤ جہاں کہ ایسا عجیب و غریب واقعہ ہوا۔ راجہ نے پلٹ کر وہ جگہ بتلائی۔ سنیاسی نے کہا کہ یہاں آپ ایک شہر بسایئے یہ فالِ نیک اس بات کی ہے کہ وہ شہر ایسا ہوگا کہ ساری دُنیا کے شہروں سے مُستحکم ہوگا اور کبھی غنیم اُس کو فتح نہ کر سکے گا اور تمھاری عملداری میں سب سے بڑا شہر یہی ہوگا۔ اُسی دن سے راجہ نے وہاں مکانات کی بُنیاد ڈال دی اور شہر کی فصیل بنوائی اور پھر آناگندی چھوڑ کر وہیں رہنے سہنے لگا اور رفتہ رفتہ بہت سے لوگ آباد ہو گئے اور اِس شہر کا نام سنیاسی کے نام پر[۵۲] وِدیاجُنا رکھا گیا کیوں کہ اسی کے کہنے سے شہر بسایا گیا تھا لیکن رفتہ رفتہ بگڑ بگڑا کر اب تو بسنگا کہلاتا ہے اسی شہر میں سنیاسی کے مرنے کے بعد راجہ نے اُس کی یادگار میں ایک بہت بڑا دیوَل[۵۳] بنوایا جس کے لیے بہت سی معاش بھی مقرر کی۔ اب تک بھی جب کوئی نیا راجہ تخت نشین ہوتا ہے تو وہ سب سے پہلے اسی دیول میں پوجا کرتا ہے جب اپنے گھر میں جاتا ہے۔ دیورائے نے سات برس سلطنت کی مگر اس عرصے میں کوئی لڑائی بھڑائی نہیں ہوئی بلکہ راجہ بہت صلح کُل تھا وہ اپنی بھڑکی ہوئی رعایا کو افہام و تفہیم کر کے راہِ راست پر لاتا رہا اور ملک کو امن و امان کی حالت میں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا۔ اِس کے بعد بکّا رائے راجہ ہوا اُس نے بہت سے مقامات جو پہلے باغی ہو گئے تھے پھر فتح کیے اور سلطنتِ اُڑیسہ کو بھی فتح کر لیا جو بنگالے سے ملی ہوئی ہے۔ اِس نے (۳۷) برس

---

[۵۱] شہروں کے بسانے کے متعلق جنوبی ہند میں اکثر اسی قسم کی روایات مشہور ہیں۔ تذکرۃ الملوک میں بھی حال سلطان احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ھ تا ۸۳۵ھ) کا لکھا ہے کہ اسی طرح شکار میں خرگوش کی ہمت دیکھ کر اُس نے شہر بیدر کو پایہ دار السلطنت قرار دیا ۱۲

[۵۲] یہ سرن گری کا بڑا گروہ مادھو اچاری عرف ودیارنیا یعنی "صحرائے علم" تھا۔ لیکن یہ وجہ تسمیہ بجا نگر کی صحیح نہیں ہے ۱۲

[۵۳] یہ وہی بڑا دیول ہے جو موضع ہمپی میں ہے اور ویرپاکش کے دیول کے نام سے مشہور ہے ۱۲

سلطنت کی۔ یہ اپنی رعایا میں بہت ہردل عزیز تھا اور جتنا لوگ اِسے عزیز رکھتے تھے اُتنا ہی اِس کا رعب و داب بھی تھا۔ اِس کی وفات کے بعد اِس کا بیٹا پریوری (ہریہر) دیوراؤ تخت نشین ہوا جس کے معنی کنڑی زبان میں "طاقت ور حاکم" کے ہیں اور اِس[1] نے پرڈاؤ کا سکّہ چلایا جو اب تک "پریوری دیوراؤ" کہلاتا ہے۔ اِس کے بعد سے یہ طریقہ پڑ گیا کہ جس راجہ کے زمانے کا سکّہ ہوتا تھا اُسی کے نام سے موسوم رہتا تھا یہی وجہ ہے کہ پرڈاؤ کے بہت سے نام مرقوم ہیں۔ اِس راجہ کے زمانِ حکومت میں کوئی معرکہ نہیں ہوا بلکہ راجہ اپنی موت کے وقت اپنے باپ کا اور اپنا فتح کیا ہوا ملک چھوڑ گیا۔ اِس کے بعد اِس کا بیٹا اُجے[2] راؤ تخت نشین ہوا اِس نے (۴۳) سال سلطنت کی جس میں مسلمانوں سے بسا اوقات لڑائی رہی اور اُس نے گوآ۔ دابل۔ چال۔ سرانڈیب اور تمام ملک کارومنڈل کا فتح کر لیا۔ یہ وہی ملک تھا جو پہلے معرکہ محمد تغلق کے وقت باغی ہو گیا تھا اور اس راجہ نے اور بھی بہت سے کام کیے جو یہاں (بخوفِ طوالت) بیان نہیں کیے گئے اِس راجہ نے شہر بیجانگر میں بہت سی فصیلیں اور مورچے بنوائے اور اُسے از سرِ نو محصور کیا لیکن اِس شہر میں پانی کی اِس قدر قلّت تھی کہ کسی کام کا نہ تھا لوگوں کو تکلیف تھی باغ نہیں لگائے جا سکتے تھے دریا کا پانی جو تھا وہ دور تھا اور جو پانی اطراف میں تھا وہ کھاری تھا اور باغات یا زراعت کے کام کا نہ تھا۔ راجہ نے اِس خیال سے کہ شہر آباد ہو اور پھلے پھولے دریا سے (۵) لیگ لمبی ایک بڑی نہر شہر میں لانے کا ارادہ کیا اور اِس ارادے کو پورا کیا۔ دریا میں ایک عظیم الشان بند باندھا اور جیسا کہ مشہور ہے ایک اتنا بڑا پتھر ڈلوایا کہ دریا کا رُخ خود بخود پلٹ گیا۔ اِس پتھر کو بہت سے ہاتھی کھینچ کر لے گئے یہاں ہاتھیوں کی کیا کمی تھی۔ غرض نہر شہر میں لائی گئی اور جا بجا اُس کے ذریعے سے پانی پہنچایا گیا۔ اِس پانی سے شہر شاداب ہو گیا اور آمدنی میں ساڑھے تین لاکھ پرڈاؤ سالانہ کا اضافہ ہوا۔ اِسی پانی کی مدد سے شہر کے اطراف میں بہت سے باغات اور بڑے

[1] یہ صحیح نہیں ہے کہ پہلے پہل اِسی نے پرڈاؤ کا سکّہ چلایا بلکہ اِس سے پہلے بھی بکّا اوّل کے عہد کا پرڈاؤ (پیگوڈا) موجود ہے ۱۲

[2] اِس نام کے کسی راجہ کا پتہ ہم کو نہیں ملا۔ نہ ہریہر دوم کا جانشین اُجے راؤ ہوا نہ اُس نے (۴۳) برس سلطنت کی بلکہ جو زمانہ اُجے راؤ کی سلطنت کا بیان کیا جاتا ہے فی الحقیقت وہ زمانہ بکّا دوم اور دیوراے اوّل کا ہوتا ہے اور ان دونوں نے بھی صرف چودہ سال سلطنت کی ہے نہ کہ اِس سے زیادہ ۱۲۔

بڑے باغ اور اُمرائیاں انگوروں کے منڈوے لیموں نارنگیاں انواع واقسام کے پھولوں اور میووں کے باغ لگاے گئے۔ اتنا ضرور ہوا کہ اِس نہر کے لانے میں راجہ نے سارا خزانہ جو اُس کے باپ سے ملا تھا اور جو بے شمار تھا صرف کر دیا۔ اِس راجہ کے بعد اُس کا بیٹا وجا یا راؤ تخت نشین ہوا جو چھ برس سلطنت کر کے مرگیا اِس کے زمانے میں کوئی بات قابلِ ذکر نہیں ہوئی۔ اِس کے بعد اس کا بیٹا دیو راے تخت نشین ہوا جس نے (۲۵) سال سلطنت کی اِس کو دولت جمع کرنے کا بڑا شوق تھا لیکن آے دن کی لڑائیوں کی وجہ سے صرف بقدر (۸۵۰) ملین کے سونا جمع کیا جو اہرات کا تو حساب ہی نہیں یہ رقم بہ مقابلے اِس کے مقبوضات کے کچھ زیادہ نہیں ہے کیوں کہ راجگانِ کوئیلان سیلان۔ پُلی کٹ (متصلِ مدراس) پیگو۔ تناسرم۔ اور ایسے ہی بہت سے راجہ اُس کے خراج گزار تھے۔ اِس کی وفات کے بعد اِس کے بیٹے پنّا راؤ نے بارہ سال سلطنت کی۔ یہ راؤ بڑا جوتشی اور علم کا شوقین تھا اِس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور اپنی سلطنت میں بہت سے قواعد اور قانون جاری کیے اِس کے زمانے میں بیس وزیر تھے حال آں کہ ہمیشہ ایک ہی وزیر رہا کرتا تھا۔ راجہ بہت دانش مند اور فرض شناس تھا اپنے فرائضِ منصبی سے خوب واقف تھا اور ایسا ذی شعور اور صاحبِ صفاتِ حسنہ تھا کہ یہ لوگ اُسے پنّا راجہ کہتے تھے جس کے معنی کنڑی[1] میں دانش مند کے ہیں۔ اِس راجہ کو دغا بازی سے اِس کے بھتیجے نے مار ڈالا[2] جس کی اُس نے مثل اپنے بیٹے کے پرورش کی تھی۔ اِس بھتیجے کی شادی ٹھیر گئی تھی اور اِس نے اپنی شادی کے لیے اپنے چچا یعنی راجہ سے درخواست کی کہ اگر صاحب زادۂ بلند اقبال کو میری شادی میں شریک ہونے کی پروانگی دی جاے تو فدوی کی بڑی عزت افزائی ہم چشموں میں ہوگی۔ راجہ تو پہلے ہی سے اِسے بہت چاہتا تھا اور اِس کی شادی سے بہت خوش تھا اِس نے اپنے بیٹے کو بخوشی اجازت دی بلکہ اور وزرا و اُمرا سب کو بھی شادی میں شریک ہونے کا حکم دیا۔ دولھا نے سب کچھ تیاری کرلی اور جب سب مہمان گھر میں آکر کھانے پر بیٹھے تو

---

[1] تلنگی میں پنّا یا پنّا اور کنڑی میں چنّگا کے معنے خورد کے ہیں۔ ولی عہد کو عموماً پنّا راے یا چنّگا راے کہتے تھے نیز نے جو اِس کے معنے عقل مند کے لکھے ہیں صریح غلط ہے ۱۲۔

[2] عبدالرزاق نے بھی یہی واقعہ بیان کیا ہے اور نومبر ۱۴۴۲ء و اپریل ۱۴۴۳ء کے درمیان اِس سانحے کا ہونا لکھا ہے جب کہ وہ خود کالی کوٹ میں تھا ۱۲۔

اُس نے پہلے ہی سے لوگوں کو چھپا رکھا تھا وہ لوگ ایک دم آن پڑے اور سارے مہمانوں کو خنجروں سے اس طرح قتل کر ڈالا کہ باہر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کیوں کہ ہنود کے دستور کے موافق پنگت میں کوئی دوسری ذات والا بیٹھ نہیں سکتا نہ نوکر چاکر ساتھ رہ سکتے ہیں نہ باہر قریب میں کوئی تھا اس وجہ سے باہر والے بے خبر رہے کہ اندر کیا ہوا۔ جب راجہ کا بھتیجا سب کا کام تمام کر چکا تو وہ راجہ کی طرف سوار ہو کر اس طرح چلا کہ گویا راجہ کے واسطے کچھ تحفے تحائف لے جا رہا ہے۔ راجہ کے محل پر پہونچ کر اُس نے اطلاع کرائی کہ میں درِ دولت پر حاضر ہوں اور حسبِ دستور حضور کے واسطے نذر لایا ہوں راجہ خالی الذہن اپنی بیویوں کے ساتھ خلوت میں تھا سُنتے ہی اُسے اندر بُلا لیا۔ اِس نے کہتے ہی ایک سونے کے تھال میں زہر کا بجھا ہوا خنجر رکھ کر نذر پکڑا دی اور معاً راجہ پر وار چلایا۔ راجہ تلوار کی چلت پھرت میں خوب مشاق تھا بلکہ ایسا ماہر تھا کہ تلوار کے داؤ گھات اُس سے بہتر سلطنت بھر میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ راجہ نے بہت سے وار خالی دیئے اور بہت اچھی طرح اپنے آپ کو بچایا اور خود ایک تیچے کا ایسا وار کیا کہ اپنے بھتیجے کا وہیں کام تمام کر دیا اور پھر حکم دیا کہ گھوڑے پر زین دھرو اور فوراً سوار ہو بھتیجے کا سر ہاتھ میں لٹکا سیدھا اُس کے مکان کا رستہ لیا کہ دیکھوں تو سہی کہ کہیں اِس مردود نے میرے بیٹے کو بھی نہ مار ڈالا ہو۔ راجہ جوں ہی مکان پر پہونچا تو ہر بات سے دغا بازی اور بے ایمانی ٹپک رہی تھی وہاں پہونچتے ہی معلوم ہوا کہ اس ظالم نے کیسا غضب ڈھایا کہ راجہ کے بیٹے اور سب اُمرا کا خاتمہ کر چکا تھا بلکہ اگر قابو پاتا تو راجہ کا بھی فیصلہ کر ہی دیا تھا۔ راجہ کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی اُس نے تمام باغیوں کو فوراً قتل کر ڈالنے کا حکم دیا اور اس میں بہت سے بے گناہ بھی دھر لیے گئے اور آٹے کے ساتھ گھُن بھی پس گیا۔ راجہ کو زہر آلود خنجر سے بے ڈھب زخم لگے تھے جس سے وہ ریگتا رہا اور آخر کار اِن ہی زخموں سے گھُل گھُل کر چھ مہینے میں مر گیا۔ راجہ کا ایک اکلوتا لڑکا[1] بچ گیا تھا اور وہی راجہ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اِس نے اپنے وزرا اور خزانچیوں اور متصدیوں کو بُلا کر ملک کے محاصل کی کیفیت پوچھی تو معلوم ہوا کہ تیرہ ملین زرِ سُرخ کی آمدنی ہے۔ اُسی وقت راجہ نے پنجم حصہ محاصل کا دیولوں کے نام وقف کر دیا۔ جس مُلک میں جہاں اِتنے بڑے بڑے دیول ہوں بھلا وہاں کوئی قانون قاعدہ چل سکتا ہے یہاں تو برہمنوں کا دَور دورہ ہے یہی دیبی

[1] اصل خط میں اس لڑکے کا نام درج نہیں ہے ۱۲۔

پیشوا ہیں اور ان ہی کی بدولت لوگ نقصان میں پڑ رہے ہیں۔ اس کے بعد ویر پاکشا رائے تخت نشین ہوا اُس نے بہت بُری طرح سلطنت کی اُس کو سوائے عورتوں کی صحبت کے اور کسی بات سے سروکار نہ تھا رات دن عیش ونشاط و شراب خواری میں مخمور رہتا تھا۔ کبھی باہر برآمد ہی نہ ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دنوں میں باپ دادا کا پیدا کیا ہوا ملک ہاتھ سے نکل گیا۔ اُمرار نے جب راجہ کی یہ حالت دیکھی تو سب کے سب کھلم کھلا باغی ہو گئے اور جس کے پاس جو ملک تھا دبا بیٹھا چنانچہ شہر گوا۔ دابل اور چال اور بہت سا ملک نکل گیا۔ راجہ نے اپنی حالتِ مدہوشی میں بہت سے اُمرار کو خواہ مخواہ مروا ڈالا بطورِ تمثیل یہاں ایک واقعہ لکھا جاتا ہے کہ راجہ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ فلاں امیر اُس کے محل میں اُسے مار ڈالنے کو گھس آیا ہے۔ صبح ہی اُس کو بلوا بھیجا اور کہا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ تُو مجھے مار ڈالنے کے ارادے سے محل میں گھس آیا تھا اور صرف اسی واہمے میں اُسے مروا ڈالا۔ اِس راجہ کے دو جوان لڑکے تھے اُنھوں نے اپنے باپ کی شرارت اور بدکرداری اور نیز اِس سے کہ ملک تباہ ہو رہا ہے اور ہاتھ سے نکلا چلا جا رہا ہے اپنے باپ کے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا اور بڑے بیٹے نے اِس کام کو پورا کیا کہ باپ کو قتل کر ڈالا۔ جب لوگوں نے اُسے راجہ بنانا چاہا تو اُس نے کہا کہ "گو وراثتاً یہ سلطنت مجھے پہنچی ہے لیکن چوں کہ میں نے خود اپنے باپ کے خون میں ہاتھ رنگے ہیں میں سلطنت کا خواہاں نہیں کیوں کہ میں نے ایسا بُرا کام کیا کہ جو مجھے ہرگز سزاوار نہ تھا اور ایسے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہوں کہ مجھ، جیسے نالائق کو سلطنت کرنا شایاں نہیں ہے تم میرے بھائی پڑیا راجہ کو تخت پر بٹھاؤ کیوں کہ وہ اس پاپ سے پاک ہے" لوگوں نے ایسا ہی کیا اور چھوٹا بھائی حکمراں ہوا تب وزرار نے صلح دی کہ پہلے تو آپ اپنے بڑے بھائی کو مروا ڈالیئے کیوں کہ جب اُس نے باپ کا لحاظ نہیں کیا تو آپ کو ضرور ایک نہ ایک دن قتل کر ڈالے گا۔ راجہ نے بھی دل میں کہا کہ ہاں بات تو ٹھیک ہے اور بھائی کے مروا ڈالنے پر تُل گیا اور اپنے ہاتھ سے اُسے قتل کیا اور بہ مصداق چاہ کن را چاہ در پیش جیسا اُس نے کیا تھا ویسا ہی اُس کے آگے آیا۔ بھائی کے قتل کے بعد اِس نے بھی باپ کی روش اختیار کی اور اُسی طرح گھر گھسنا بن گیا۔ سلطنت کدھر ہے کیا ہو رہا ہے اِسے کچھ خبر نہ تھی۔ باہر کبھی نکلتا نہ تھا۔ اِس کے وزیر نرسہواں نے جو اِس کا

قرابت دار بھی تھا جب راجہ کی ایسی حالت دیکھی تو وہ جان گیا کہ اس کے دور میں سوائے ملک کی بربادی اور تباہی اور ابتری کے کچھ نہ ہوگا اُس نے ملک پر لشکر کشی کر دی۔ نرسہواں نے امرائے مُلک کو لکھا کہ یہ کیسی بُری بات ہے کہ تم پر کوئی راجہ باقاعدہ حکومت کرنے والا نہیں ہے اور راجہ حال کے طرزِ عمل سے کچھ عجب نہیں کہ یہ شخص اپنے باپ سے بھی بڑھ کر ملک کو تباہ کر دے اور رفتہ رفتہ سارا ملک اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ نرسہواں نے اِن امراء کو بہت کچھ تحفے تحائف دے دلا کر ملا لیا اور جب بہت سے لوگ اِس کی طرف ہو گئے تب اُس نے بیجانگر پر چڑھائی کی۔ جب راجہ سے لوگوں نے نرسہواں کی بغاوت اور اُس کے ملک پر قابض ہو جانے اور ایک جمِ غفیر اُمراء کا اُس کے ساتھ ہو جانے کا حال کہا تو راجہ نے ذرا بھی پروا نہ کی اِس کان سُنا اُس کان اُڑا دیا بلکہ اُلٹا اُسی غریب کو قتل کروا دیا جس نے خیر خواہانہ یہ خبر پہنچائی تھی آخرکار نرسہواں کے علاقے کا ایک افسر شہر بیجانگر کے دروازے پر آن پہنچا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک چڑیا بھی حفاظت کے لیئے موجود نہیں ہے۔ جب راجہ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو بھی اُسے یقین نہ آیا اور اُس نے غلطِ محض سمجھا۔ آخرکار وہ سردار شہر میں گھس آیا جب تک راجہ جھوٹ ہی سمجھتا رہا۔ نوبت بہ اِیں جا رسید کہ بڑھتے بڑھتے راجہ کے محل میں بھی جا گھُسا اور راجہ کے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر کئی عورتوں کو بھی قتل کیا تب کہیں راجہ کی آنکھیں کھُلیں اور سمجھا کہ ہاں واقعی معاملہ ایسا بے ڈھب آن بنا ہے تو گھبرا کر ایک چور دروازے سے شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اِس سردار کو جب راجہ کے بھاگ جانے کا حال معلوم ہوا تو اِس نے راجہ کا تعاقب کرنا بے سود سمجھا بلکہ شہر اور خزانے پر قبضہ کر کے نرسہواں کو خبر دی۔ نرسہواں فوراً آن پہنچا اور میدان خالی تھا وہی راجہ بن بیٹھا۔ یہ بڑا مدبّر طاقت ور شخص تھا لوگ اِس سے پہلے ہی خوش تھے اِس کے عہد سے سلطنتِ نرسنگا اسی کے نام پر سلطنتِ نرسنگا کہلانے لگی۔ اِس راجہ نے بیجانگر پہنچ کر بہت سے کام عدل و انصاف کے کیئے اور اِس نے ایک ایک سے اپنا ملک جو وہ غیر مستحق طور پر دبا بیٹھے تھے واپس لیا۔ اِس راجہ نے چوالیس سال سلطنت کی اور اپنے مرتے وقت سلطنت کو نہایت امن و امان کی حالت میں چھوڑا اور جتنا مُلک پیچھے راجاؤں کے وقت میں نکل گیا تھا سب پھر فتح کر لیا۔ یہ راجہ ہرمز اور عدن سے گھوڑے منگوایا کرتا تھا جن کی بدولت سوداگروں کو بڑی منفعت تھی کیوں کہ مُنہ مانگی قیمت دیتا تھا۔ یہ سر اِس زندہ و مردہ ملا کر ہزار پر ڈاؤ کے تین گھوڑے لیتا تھا۔ لاتے وقت جہاز میں

جو گھوڑے مرجاتے تھے سوداگر صرف سقط شدہ گھوڑے کی دُم کاٹ لاتے تھے صرف وہ دکھلا کر پوری قیمت گنا لیتے تھے۔ اِس راجہ کی وفات کے وقت صرف تین قلعے اِس سے باغی رہ گئے جن پر وہ فتح نہ پا سکا۔ راجمندر، اُدے گری اور کنڈاویڑ۔ یہ تینوں بڑے بڑے مقامات تھے۔ راجہ نے دو لڑکے اور ایک وزیر نرسانایک چھوڑے۔ یہ نرسانایک بیجانگر کے آیندہ راجہ کا باپ تھا۔ راجہ نرسنہواں نے مرتے وقت نرسانایک کو بُلا کر کہا کہ "مَیں تم کو اپنے وصیت نامے کی رُو سے دونوں لڑکوں کے سنِ رُشد کو پُہنچنے تک (ریجنٹ) حاکمِ وقت مقرر کرتا ہوں تم سارے خزائن پر قبضہ کر لو۔ تم کو معلوم ہی کہ مَیں نے اِس سلطنت کو بزورِ شمشیر فتح کیا ہی اب صرف تین قلعے فتح کرنے باقی رہ گئے تھے کہ میری عمر کا جام لبریز ہو گیا۔ تم کو چاہیئے کہ ملک کی نگرانی اور حفاظت اچھی طرح کرو اور ان دونوں لڑکوں میں سے جو زیادہ لائق اور اِس اہم ذمّے داری کے قابل ہو اُسے ملک سپرد کر دینا"۔ نرسنہواں کی وفات کے بعد نرسانایک ہی حکمراں رہا۔ چند روز بعد اُس نے ایک راجہ زادے کو تخت پر بٹھا دیا لیکن خزانہ اور ملک کی آمدنی کُل اپنے ہی ہاتھ میں رکھی۔ ایک امیر ریاست نرسانایک کا دشمن تھا اُس نے چاہا کہ میں راجہ کو مار ڈالوں اور جب پوچھ گچھ ہو تو مَیں نرسانایک کو سمیٹ لوں کہ مَیں نے تو اُس کے ایما سے یہ کام کیا ہی اِس پر ضرور ہی کہ نرسانایک کے سر یہ الزام تھُپ جاوے گا اور اِس بغاوت کے الزام میں لوگ اُسے مار ڈالیں گے۔ اِس امیر نے بندوبست کر لیا اور اپنے ایک غلام کو کچھ دے دلا کر ایک رات راجہ کو تلوار سے قتل کروا دیا۔ جب نرسانایک کو راجہ کے قتل کی خبر ملی اور یہ بھی سُنا کہ لوگ مجھ ہی کو اِس قتل کا بانی مبانی سمجھتے ہیں تو اُس نے فوراً پہلے راجہ کے دوسرے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا جس کا نام تمّا رائے تھا۔ قاتل کو اِس وقت سزا دینے کا موقع نہ تھا کیوں کہ اُس کے حامی اُس کے بہت سے رشتے دار موجود تھے۔ اِن ہی دنوں میں نرسانایک ایک دن شکار کے بہانے سے آناگُندی چلا گیا اور وہاں سے (۲۴) لیگ کے فاصلے پر پین کنڈا جا پُہنچا۔ وہاں جا کر اُس نے بڑا لشکر جمع کیا جس میں بہت سے ہاتھی اور گھوڑے بھی تھے اور تب تمّا رائے سے اپنے چلے آنے کی اصلی وجہ کہلا بھیجی کہ تمّا راج[۲] نے نمک حرامی سے تمھارے بھائی کو قتل کروایا ہی اور اُس کی بے وقت موت کی وجہ سے تم وارث قرار پائے۔ لیکن تمھارے باپ نے کل سلطنت حتّٰی کہ تم دونوں

---

[۱] نرسادوم کے اِس رشتے کی تائید کتبات وغیرہ سے نہیں ہوتی بلکہ نرسادوم نرسنہواں کا بڑا بیٹا تھا اور کرشن دیوراے چھوٹا ۱۲

[۲] یہ تمّا راج نہیں ہی جسے سالو تمّا بھی کہتے تھے اور جو کرشن دیوراے کا وزیر تھا بلکہ یہ کوئی دوسرا شخص اُسی کے ہم نام تھا ۱۲

بھائیوں کو بھی میرے سپرد کیا تھا اور میرا فرض ہے کہ تمھارے بھائی کے خون کا بدلہ اُس باغی سے لوں کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ تمھارے ساتھ بھی اسی طرح پیش آئے لہٰذا اُس کو اُس کے کردارِ ناسزا کی سزا ضرور ملنی چاہیئے۔ لیکن راجہ تمّاراج کا حامی تھا کیوں کہ اُسی کی بدولت اُسے سلطنت ملی تھی نہ وہ اِس کے بھائی کو مار تا نہ یہ تخت نشین ہوتا۔ پس راجہ بجائے اُس کی سرکوبی کے اُس کی جانبداری اور حمایت کرنے لگا۔ نرسانایک نے جب یہ دیکھا کہ راجہ اُسی کی طرف ہے تو اُس نے خود راجہ پر چڑھائی کردی اور چار پانچ روز تک شہر کا محاصرہ کیے پڑا رہا اور راجہ پر دباؤ ڈالا۔ راجہ نے جب دیکھا کہ نرسانایک قول کا دھنی ہے اور یہ مصیبت ٹل نہ سکے گی تو اُس نے تمّاراج کو مروا ڈالا اور اُس کا سر کاٹ کر نرسانایک کے پاس بھجوادیا۔ تب نرسانایک اپنی کامیابی پر بہت خوش ہوا اور تمام فوج کو واپس کرکے خود شہر میں گیا جہاں سب نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا کیوں کہ لوگ اُس کے انصاف سے بہت خوش تھے اور سب اِسے پسند کرتے تھے۔ الغرض اِسی حالت میں کئی برس گزر گئے۔ نرسانایک نے بخیال راجہ کی صغرِ سنی کے اُسے پین کنڈہ میں رکھنے کا ارادہ کیا اور ایک بڑی فوج اُس کی جان و مال اور حفاظت کے لیئے رکھنی چاہی اور اُس کے خرچ اخراجات کے لیئے بیس ہزار کروز ید سُرخ مقرر کیئے اور خود سلطنت کا کاروبار انجام دینے لگا کیوں کہ فی الحقیقت متوفّی راجہ نے اِسی کے ہاتھ میں ملک تفویض کیا تھا۔ چنانچہ راجہ کو پین کنڈہ میں رکھ کر نرسانایک نے کہا کہ اب میں بیجانگر جاتا ہوں مجھے وہاں کچھ ضروری اور اہم کام ہیں راجہ نے بھی اِس کو منظور کرلیا کیوں کہ وہ سمجھا کہ اِس کے غیاب میں مجھے ذرا آزادی ملے گی اور اِس کی ہر وقت کی نگرانی سے جان بچے گی۔ نرسانایک نے بیجانگر پہونچ کر بیس ہزار کی فوج راجہ کی حفاظت کے لیئے بھیج دی اور اِن پر تمّانایک کو متعیّن کیا جو اُس کا معتمد علیہ اعظم تھا اور اُسے تاکید کردی کہ راجہ کو شہر سے کہیں باہر نہ نکلنے دے اور ہر طرح سے اُس کی جان و مال کی حفاظت کرے۔ نرسانایک کو اِس انتظام کے بعد فرصت ملی تو اُس نے بہت سے مقامات پر جنگ چھیڑ دی شہروں پر قبضہ کرتا چلا جاتا تھا اور بطورِ سزائے بغاوت اُن کو ڈھا ڈھو کر برابر کردیتا تھا نرسانایک کو بعض اُمرا نے صلاح دی کہ راجہ کو مار ڈالنا چاہیئے کیوں کہ وہ حکومت کے نااہل ہے۔ نرسانایک یہ بات سُن کر چُپ ہوجاتا تھا لیکن اپنے دل ہی دل میں منصوبے گانٹھ رہا تھا کہ اگر یہ بات ہوجائے تو پھر میرے لیئے میدان خالی ہوجائے گا اب تو میں صرف ایک وزیر کی حیثیت رکھتا ہوں۔ ایک دن نرسانایک نے اُنھیں اُمرا کو جو راجہ کے قتل پر

آمادہ تھے بُلوایا اور کہا کہ "کوئی تدبیر ایسی نکالو کہ راجہ تو مارا جاے مگر میرا نام نہ ہو" تب کدم ریڈی نے کہا کہ میں ایک عمدہ تدبیر بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ بہ ظاہر مجھ سے کشیدہ ہو کر مجھے اپنے دربار میں طلب کیجیے میں آپ کے حکم کی تعمیل نہ کروں گا آپ اس عدول حکمی میں میرے لیئے کچھ سزا تجویز کیجیے میں آپ کا حکم سُنتے ہی پین کنڈہ کو بھاگ جاؤں گا اور وہاں جاکر راجہ کو آپ کے خلاف اُبھاروں گا اور جب میں راجہ کے مزاج میں درخور حاصل کرلوں گا تو ایسی چال چلوں گا کہ وہ تم سے برگشتہ ہو جاے اور اُس کو اور زیادہ بھڑکانے کے لیئے میں دوسرے اُمرا کے جعلی خطوط بنا کر پیش کروں گا جس میں یہ صلاح ہوگی کہ آپ اس شہر کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوں جہاں آپ کو قیدی بنا کر رکھا گیا ہے اصلی راجہ تو آپ ہی ہیں مگر نرسا نایک جو آپ کا تابعدار ہے آپ کو مسلوب الاختیار کر کے خود مختار ہو گیا ہے اور آپ کو پین کنڈہ میں قید کر رکھا ہے اور درپردہ باغی ہو گیا ہے۔ میں راجہ کو آمادہ کروں گا کہ وہ خفیہ طور پر شہر سے نکل چلے اور جن اُمرار کے خط آئے ہیں اُن میں سے کسی ایک کی گڑھی میں چل کر ٹھیرے اور وہاں جاکر لوگ جمع کر کے نرسا نایک کے مقابلے کی تیاری کرے میں یہ بھی پٹی پڑھاؤں گا کہ جب امرار کو آپ کا ارادہ معلوم ہوگا تو وہ سب کے سب آپ کی طرف جھک پڑیں گے اور آپ کو دل وجان سے مدد دے کر نرسا نایک کو مغلوب کر کے اُس کو اسی جگہ قید کر دیں گے جہاں کہ اب اُس نے آپ کو مقید رکھا ہے اور پھر آپ کے لیئے کچھ روک ٹوک نہ رہے گی اور کھلے خزانے آپ ہی راجہ بن جائیں گے۔ کدم ریڈی نے کہا کہ جب میں اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور راجہ میرے کہنے پر چل کھڑا ہوگا تو رستے میں اُسے موقع دیکھ کر مار ڈالوں گا تب آپ (نرسا نایک) بلاغل وغش راجگی کا اعلان کر دیجیئے گا۔ نرسا نایک نے اس ساری پیش بندی کو غور سے سُنا اور اِس امیر کی تدبیر سے بہت خوش ہوا اور اِس کی بہت توقیر کرنے لگا چند دنوں کے بعد کدم ریڈی غائب ہو گیا اور مشہور کر دیا کہ وہ بھاگ گیا اور پین کنڈہ پہنچ کر جیسا کہ وہ کہہ سُن آیا تھا اپنا جال بچھانے لگا۔ کدم ریڈی کا پین کنڈہ پہنچنا بھی سب کو معلوم ہو گیا۔ ہر روز وہ اُمرار کے خطوط راجہ کو بتلایا کرتا تھا آج فلاں امیر کا یہ خط آیا اور کل دوسرے امیر کا اس مضمون کا خط آیا راجہ دام تزویر میں آکر ان سب خطوں کو سچا اور ان میں جو تدابیر مندرج تھیں اُن کو قابل امضا سمجھتا تھا لیکن پھر بھی نرسا نایک سے مقابلہ کرنے کی اُسے جرأت نہ پڑتی تھی کیوں کہ علاوہ وزیر ہونے کے ساری فوج۔ گھوڑے۔ ہاتھی۔ خزانہ سب اُسی کے ہاتھ میں تھا پس کیوں کر ممکن تھا کہ خالی ہاتھ

اُس پر چڑھ جاتا۔ کدم ریڈی نے جب راجہ کی یہ باتیں سُنیں تو اُس نے کہا کہ حضور کا ارشاد بالکل بجا ہے لیکن تمام ملک اُس سے نالاں اور تمام اُمرا اُس سے ناراض ہیں جب ملک میں آپ کے چندرگیری[1] تشریف لے جانے کی خبر مشہور ہوگی تو آپ دیکھیے گا کہ ساری خلقت آپ کی طرف ٹوٹ پڑے گی کیوں کہ سب جانتے ہیں کہ اصلی اور مستحق مالک تو آپ ہی ہیں۔ راجہ نے کہا کہ "جب ایسا ہے تو اچھا یہ بتاؤ کہ میں اِس قید خانے سے کیسے نکلوں کہ کسی کو خبر نہ ہو کیوں کہ بیس ہزار فوج مجھے گھیرے پڑی ہے"۔

کدم ریڈی۔ "میں حضور سے ایک سہل تدبیر عرض کرتا ہوں۔ میں اور آپ خانۂ باغ میں چلیں گے اور اِسی باغ سے ملا ہوا فصیل کا ایک چور دروازہ ہے جو مجھے خوب معلوم ہے اُس میں سے آپ نکل چلیں پہرے والے آپ کو تنِ تنہا جاتے ہوئے دیکھ کر پہچان تھوڑا ہی سکیں گے کہ آپ راجہ ہیں اور آپ بلا روک ٹوک بہ آسانی شہر کے باہر پہونچ جائیں گے وہاں یہ غلام گھوڑے لے کر حاضر رہے گا پھر کیا ہے جدھر دل چاہے گا چلے جائیں گے"۔ راجہ نے بھی حامی بھر لی۔ اُدھر کدم ریڈی نے باغ کے پہرے والوں سے دوستی گانٹھی جدھر کہ راجہ بھاگنے والا تھا (یہ باغ راجہ کے محل سے ملا ہوا تھا راجہ اُس میں اکثر تفریح کو جایا کرتا تھا رانیاں بھی ساتھ رہا کرتی تھیں اور تین سو آدمیوں کا پہرہ اِس باغ پر تھا) پہرے والوں سے اِس نے کہا کہ فلاں وقت تم میرے ساتھ کسی اور آدمی کو دیکھو تو اُسے فوراً قتل کر ڈالنا کہ اُس شخص نے مجھ سے ایسا بُرا سلوک کیا ہے کہ وہ گردن زدنی ہے۔ میں تم کو بہت کچھ انعام واکرام دوں گا۔ پہرے والوں نے کہا کہ یہ کونسی بڑی بات ہے بخت و پز ہو گئی تو یہ بدمعاش راجہ کے پاس گیا اور راجہ سے کہا کہ میں نے سب ٹھیک ٹھاک کر لیا ہے وقت مقررہ پر گھوڑے بھی حاضر رہیں گے۔ کار امروز را بہ فردا مگزار۔ میں نے ایسا بندوبست کیا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی حتیٰ کہ آپ کی رانیوں کو بھی معلوم نہ ہوگا دوسروں کا تو کیا ذکر۔ راجہ نے کہا کہ اچھا۔ رات کو جب مقررہ وقت پونہچا تو راجہ چھپا تے نکلا۔ کدم ریڈی پہلے ہی سے گھات میں بیٹھا ہوا تھا اُس نے پہرے والوں کو اشارہ کیا اور جوں ہی راجہ باغ میں پونہچا پہرے والے اُس پر ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً میں راجہ کو قتل کر ڈالا اور وہیں ایک درخت کے نیچے گاڑ دیا۔ جوانوں کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ ہم نے کس کا کام تمام کیا۔ کدم ریڈی بہت خوش ہوا اور اِن لوگوں کو طمانیت دلا کر اپنے

[1] کدم ریڈی نے راجہ کو صلاح دی تھی کہ قلعۂ چندرگیری میں جا کر رہیں گے۔ یہ قلعہ اُن دنوں خود مختار تھا ۱۲

ٹھکانے پر آیا اور اپنے چلنے کی طیاری کرنے لگا۔ دوسرے دن صبح ہی شور و غل پڑ گیا کہ راجہ کا کہیں پتہ نہیں۔ کونا کونا ڈھونڈھ لیا سارا شہر چھان مارا کہیں اُس کا پتہ نہ لگا تب لوگوں نے سمجھا کہ راجہ قید سے تنگ آکر کہیں بھاگ گیا ہے اب وہاں سے نرسانایک کا مقابلہ کرے گا۔ راجہ کے یوں چھپ جاتے غائب ہو جانے کی خبر فوراً نرسانایک کو دی گئی۔ اُس نے بہ ظاہر بہت تشویش ظاہر کی اور افسوس کیا اور ساتھ ہی ساتھ فوج کی طیاری بھی کرنے لگا کہ مبادا راجہ کے غائب ہو جانے سے کچھ گڑبڑ نہ ہو جائے یا بغاوت پھیل جائے۔ اِس وقت تک نرسانایک کو بھی اصلی حال معلوم نہ تھا سوائے اِس کے کہ راجہ کا پتہ نہیں ہے۔ اِس کے بعد کرم ریڈی آیا اور اُس نے سب حال بیان کیا کہ کرچلا کی سے اُس نے راجہ کو قتل کروایا ہے کہ جن لوگوں نے مارا ہے وہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کون تھا۔ نرسانایک بہت خوش ہوا اور اُسے بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ نرسانایک تو پہلے ہی سے مختارِ کُل تھا جب راجہ کا پتہ نہ چلا کہ زمین پھٹ گئی اور وہ سما گیا یا آسمان کھا گیا تب یہ خود راجہ بن گیا۔ اِس نے پانچ لڑکے چھوڑے بسبل راؤ۔ کرشنا راؤ۔ تیمّا راؤ۔ رامی گپّا۔ ایامی سوایا۔ نرسانایک کی وفات کے بعد بسبل راؤ تخت نشین ہوا اور اِس نے چھ برس سلطنت کی۔ یہ تمام زمانہ جنگ و جدل میں ہی گزرا کیوں کہ نرسانایک کے مرنے کے بعد ایک عام بغاوت پھیل گئی جس کے فرو کرنے امرا سے لڑنے اور ملک کو اصلی حالت میں لانے کے لیئے بہت سی لڑائیاں ہوئیں جب کہیں ملک کا محاصل پھر آٹھ ملین طلائی پرڈاؤ پر آکر ٹھیرا۔ بسبل راؤ بیجانگر میں بیماری سے مرا۔ اِس نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے وزیر سالو تما کے سامنے اپنے لڑکے کو جس کی عمر (۸) سال کی تھی بُلوا کر کہا کہ دیکھو میرے بعد میرے اِس لڑکے کو گو وہ کم عمر ہی سہی تخت پر بٹھانا اور گو بعض لوگوں کا خیال ہو کہ میرے بعد میرا بھائی کشن راؤ مستحقِ سلطنت ہے لیکن تم کو چاہیئے کہ کشن راے کی آنکھیں فوراً نکلوا کر میرے سامنے لاؤ تاکہ میرے بعد کسی قسم کا جھگڑا نہ پڑے سالو تما نے عرض کیا کہ حضور کے حکم کی بسر و چشم

۱؎ کہیں کتبوں میں ان ناموں کا ذکر نہیں ہے۔ کرسمارا ؤ غالباً کشن دیو راے تھا جو نرسنہہ ان اوّل کا بیٹا تھا اور نرسادم کا بھائی جسے ویرا نرسنہہ بھی کہتے تھے ۱۲

۲؎ یہ فرخص کشن دیو راے کا مشہور وزیر تھا۔ آخر کار قید کی حالت میں اندھا کیا گیا اور وہیں مر گیا۔ اِس کے زمانے کے متعدد کتبوں میں اِس کا نام موجود ہے ۱۲

تعمیل کو حاضر ہوں اور جاتے ہی کشن راؤ کو بلوایا اور اُسے علیٰحدہ لے جاکر کہا کہ راجہ نے تمھاری آنکھیں نکلوا کر اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھانے کا حکم دیا ہے۔ کشن راؤ نے کہا کہ اگر سچ پوچھتے ہو تو مَیں ہی مستحقِ سلطنت ہوں مگر مجھے ذرا بھی سلطنت کی تمنّا نہیں ہے نہ مجھے کاروبارِ سلطنت سے کچھ سروکار ہے میں تو اپنی بقیہ عمر فقیری میں جوگی بن کر گزار دینا چاہتا ہوں۔ تم میری آنکھیں ناحق نکلواتے ہو مَیں نہ سلطنت کا دعوی دار ہوں نہ مَیں نے اپنے بھائی کے ساتھ کچھ بُرائی کی ہے کہ میرے لیئے یہ سزا تجویز کی جاوے۔ سالوتما یہ سُن کر متاثر ہوا اور دل میں کہا کہ یہ تو بیس برس کا جوان ہے اور فی الواقع یہی سلطنت کی قابلیت رکھتا ہے اور بسبل راؤ کا بیٹا تو آٹھ برس کا لونڈا ہے سالوتما نے کیا کیا کہ ایک بکری کی آنکھیں نکلوا کر راجہ کے سامنے لے گیا۔ راجہ تو بسترِ مرگ پر دم توڑ رہا تھا اُسے کچھ خبر نہ تھی جوں ہی اُس کا دم نکلا کشن راے ہی کو راجہ بنایا گیا۔

پانچواں باب

کشن راے کی سلطنت کے کارنامے

کشن راے جب تخت پر بیٹھا تو اِس نے بھی سالوتما کو جو بسبل راؤ کا وزیر تھا اپنا وزیر مقرر کیا۔ راجہ نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے بھتیجے یعنی بسبل راؤ کے بیٹے اور اپنے تینوں بھائیوں کو چندرگیری کے قلعے میں بھجوا دیا۔ بسبل راؤ کا بیٹا تو دمِ آخر تک وہیں رہا اور وہیں مرا۔ جب راجہ کو دعوی دارانِ سلطنت کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو وہ خود شہر بیجانگر میں رہنے لگا اور ڈیڑھ سال تک کہیں باہر نہیں گیا بلکہ وہیں رہ کر ملک کے حالات انتظامات اور پچھلے راجاؤں کی طرزِ حکومت اور وصیتوں سے واقفیت حاصل کرتا رہا۔ سنینِ ماضیہ کے کاغذات میں اُسے ایک وصیت نامہ راجہ نرسنہواں کا ملا (جس کا وزیر اِس راجہ کا باپ رہ چکا تھا) جس میں لکھا تھا کہ میرے بیٹے یا جو کوئی میرا جانشین ہو اُس کو معلوم رہنا چاہیئے کہ یہ ملک مَیں نے بزورِ شمشیر حاصل کیا ہے لیکن تین قلعوں کو میں فتح نہ کر سکا اور میرے آخری وقت تک وہ مجھ سے باغی رہے

سلہ شاید بسواراؤ ہو لیکن کشن یوراے کا کوئی بھائی اِس نام کا بھی نہ تھا ۱۲

مجھے اتنی مہلت نہ ملی کہ اُن کو فتح کرتا ایک اُن میں کارلیچو رہی دوسرا اُندگل تیسرے اُودی گیری بھیرے جانشین کا فرض ہی کہ ان مقامات کو ضرور فتح کرے۔ کشن راے نے جب یہ وصیت دیکھی تو اُسے معلوم ہوا کہ سابق کے راجاؤں نے تو اِس کی کچھ بھی تعمیل نہ کی۔ لیکن اِس نے فوراً کمر ہمت باندھی پہلے اُس نے اودی گیری کا عزم کیا جو راجگانِ اوریا (اُڑیسہ) کے قبضے میں تھا۔ راجہ چونتیس ہزار پیدل آٹھ سو ہاتھی جمع کرکے اودی گیری پر جا پہنچا۔ اِس زمانے میں اودی گیری میں دس ہزار پیدل اور چار سو سوار موجود تھے۔ یہاں کا قلعہ ایسا مضبوط تھا کہ زیادہ فوج کی ضرورت نہ تھی اِس کے فتح کرنے کی سوائے اِس کے کوئی شکل نہ تھی کہ رسد بند کرکے لوگوں کو بھوک کی ماردی جاے۔ راجہ برابر ڈیڑھ برس محاصرہ کیے پڑا رہا۔ اِس عرصے میں راجہ نے بہت سے پہاڑ کاٹ کاٹ کر اپنی فوج کے لیے رستہ نکالا۔ قلعے تک پہنچنے کے لیے پہلے ایک ہی رستہ تھا اور وہ بھی ایسا تنگ کہ سوائے ایک آدمی کے دوسرا برابر جا ہی نہیں سکتا تھا اِس لیے چوڑا رستہ بنانا پڑا کہ ساری فوج قلعے کے دامن تک پہنچ سکے۔ الغرض راجہ نے فوج کی قوت سے قلعے کو فتح کیا اوریا کے راجہ کی جچی کو جو قلعے میں تھی گرفتار کرکے اُسے عزت واحترام سے جو اُس کے مرتبے کے شایاں تھا اپنے ساتھ لے گیا۔ اِس فتح کے بعد راجہ نے سالوتما کو بلا کر کہا کہ تم نے دیکھا کہ مَیں نے کس طرح برہمنہواں راے کی وصیت کی تعمیل کی لیکن میرا دل اِس چھوٹی سی کامیابی سے کچھ بھی خوش نہیں ہوا۔ میں یہاں سے سو لیگ کی مسافت طے کرکے ملک اوریا کو جانا چاہتا ہوں پس تم فوراً طیاری کرو اور سب لوگوں کی تنخواہیں بانٹ دو۔ اِس کے بعد راجہ کنڈہ ویڑ گیا (جو اوریا کے راجہ کی سلطنت کا ایک بڑا شہر تھا) اور محاصرہ کرلیا۔ اوریا کے راجہ کو جب خبر ملی تو وہ بھی مقابلے کو آن پہنچا۔ اُس کے ساتھ تیرہ سو ہاتھی اور بیس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیدل تھے کشن راے نے جب یہ خبر سُنی تو اُس نے شہر کا محاصرہ چھوڑ دیا اور کہا کہ میں شہر پر نہیں لڑتا میں تو راجہ اور اُس کے لشکر سے باہر جاکر مقابلہ کروں گا۔ شہر کے فتح کر لینے کے لیے بڑی مہلت ہی۔ چنانچہ چار لیگ ہٹ کر مقام کیا اور شہر کے گرداگرد تھوڑی فوج چھوڑ دی تاکہ شہر کے لوگ باہر نہ نکل بھاگیں راجہ کا مقام ایک کھاری پانی[1] کے دریا کے کنارے ہوا جہاں گھاٹ تھا دریا کے اُس پار اوریا کا

[1] کنڈہ ویڑ کے آس پاس یا بارہ میل کے اردگرد کوئی دریا موجود نہیں ہی ۱۲

راجہ خیمہ زن تھا۔ کشن راے نے کہلا بھیجا کہ اگر تمھارا ارادہ لڑائی کا ہی تو مَیں دریا سے دو میل اُدھر اِدھر ہٹ جاتا ہوں تاکہ تم اطمینانِ خاطر سے اِس پار اُتر آؤ اور پھر لڑائی ہو۔ اوریا کے راجہ نے اِس کا کچھ جواب نہ دیا اور وہیں لڑائی کی تیاری کرنے لگا۔ کشن راے نے جب دیکھا کہ اُدھر جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں تو وہ خود دریا کے پار اُترنے لگا اور اِس میں کئی معرکے ہوے جس میں طرفین کے بہت سے لوگ مارے گئے لیکن پھر بھی کشن راے مع اپنے لشکر کے پار اُتر ہی گیا اور ایسی جواں مردی سے لڑا کہ راجۂ اوریا کو شکست ہوئی اور وہ دُم دبا کے بھاگا۔ پھر کشن راے نے اپنے وزیر سے کہا کہ اب قلعے کی طرف پلٹ چلو کہ ذرا اُن کو بھی تو ہم اپنی قوت کا مزہ چکھائیں چنانچہ دو مہینے محاصرہ کیے پڑا رہا اور آخرکار فتح کر کے ہی چھوڑا۔ پھر قلعے کو سالوتما کے سپرد کیا اُس نے اپنے ایک بھائی کو وہاں کا ایک قلعہ دار مقرر کیا کیوں کہ سالوتما بھی راجہ کے ساتھ راجہ اوریا کے تعاقب میں جانا چاہتا تھا۔

راجہ پھر دریا اُتر کر اوریا کے راجہ کے پیچھے چلا اور رستے میں جو شہر ملا اُسے لوٹتا ہوا کنڈہ پلی پہنچا جہاں راجہ اوریا کے سب اُمرا رہا کرتے تھے کیوں کہ یہی اُن کی سلطنت کا سب سے بڑا شہر تھا۔ راجہ تین مہینے محاصرہ کیے پڑا رہا مگر شہر کو فتح نہ کر سکا آخرکار اپنی کثیر التعداد فوج کی بدولت اِسے بھی فتح کر لیا اور قلعے میں جو بہت سے بڑے بڑے اُمرا تھے اُن سب کو بھی قید کر لیا۔ اِس طرح راجہ کی بیوی اور ایک لڑکا اور سات نامور اُمراے سلطنت گرفتار ہوے اِن سب کو قید کر کے راجہ نے بیجانگر بھیج دیا۔

راجۂ بیجانگر سو لیگ تک سلطنتِ اوریا میں گھس گیا رستے میں کوئی بھی مزاحم نہ ہوا یہاں تک کہ شہر سمھادری[1] کو پہنچ گیا جو بہت بڑا شہر تھا اور یہاں چھ مہینے تک راجۂ اوریا کے آنے کے انتظار میں پڑا رہا اور کئی دفعہ کہلا بھیجا کہ مَیں تمھارے انتظار میں میدانِ جنگ میں پڑا ہوا ہوں لیکن وہ نہ آیا

---

[1] اِس شہر کا نام سمھاچلم ہے اور قدیم نام سمھادری تھا۔ یہ شہر ضلع وزیگاپٹم میں ہی یہاں وشنو کے دیول میں دو کتبے ۱۵۱۵ء و ۱۵۱۶ء کے موجود ہیں جن میں اودے گیری۔ کنڈاویڈو۔ کنڈہ پلی۔ اور راج مندری مقامات کو راجۂ بیجانگر کے فتح کرنے کا ذکر ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ بیجانگر کی دو رانیوں نے دیول پر زیورات چڑھاے اور دوسرے پتھر پر گنڈہ ہے کہ راجۂ بیجانگر نے کئی گاؤں اوریا کے علاقے کے دیول کو جاگیر دیے دیئے۔ چدامبرم کے دیول میں ایک کتبہ ہے جس میں لکھا ہے کہ راجہ کشن دیوراے نے سمھادری سے واپس آکر دیول میں ایک قبہ بنوایا اور ایک مکھ اپنی فتح کی یادگار میں استادہ کرایا اِس زمانے میں اوریا کا راجہ پرتاب رُدر گجپتی تھا ۱۲

اس شہر میں راجۂ بجانگر نے بہت سے عمدہ کام کیے بہت کچھ خیرات تقسیم کی اور ایک بہت بڑا مندر بنوایا اور اُس کے تحت بہت سی زمینیں بھی دیں اور اِسی مندر میں ایک پتھر کندہ کروایا جس پر یہ عبارت ہے "شاید جب کہ یہ حروف محو ہو جائیں گے تب کہیں اُدریا کا راجہ راجۂ بجانگر سے لڑنے آئے تو آئے اور اگر راجہ اُدریا نے اِن حرفوں کو مٹوا دیا تو (یاد رہے کہ) ہم اُس کی جورو کو (جو راجۂ بجانگر کے ہاں مقید ہے) اپنے نعل بندوں کو دے دیں گے" آخرکار بہت سا ملک دیولوں کی نذر کر کے راجۂ بجانگر واپس چلا آیا اور یہاں پہنچ کر چندے آرام کیا۔ راجہ نے اوریا کے راجہ زادے کو جو قلعے میں قید تھا بُلا کر کہا کہ ہم سُنتے ہیں کہ تم بڑے بہادر ہو اور تلوار کے چلانے میں تم کو بڑی مشاقی ہے پس ہم تمھاری پھینک دیکھنا چاہتے ہیں۔ راجہ زادے نے کہا کہ میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کو بسر و چشم حاضر ہوں لیکن اگر کل پر یہ بات رکھی جاوے تو مناسب ہے۔ دوسرے دن راجہ نے پھر اُسے بُلا بھیجا اور اپنی طرف سے ایک شخص کو جو تلوار کی کثرت میں مشہور تھا منتخب کیا۔ اوریا کے راجہ کے بیٹے نے جب اپنے مُقابلے پر ایک کم درجے کے شخص کو دیکھا تو اُسے سخت ناگوار گزرا کہ مجھے حقیر سمجھا اور میرے مُقابلے پر ایک ادنےٰ شخص کو کھڑا کیا میری جوڑ کے لیے تو راجہ کے خاندان کا کوئی شخص ہونا چاہیے تھا اور کہا کہ "بھگوان ایسا نہ کرے کہ میں اپنا ہاتھ ایسے شخص سے ملا کر خراب کروں جو خاندانِ شاہی سے نہیں ہے" اور یہ کہہ کر اپنے پیٹ میں تلوار بھونک لی۔ اِس کے باپ کو جب یہ خبر پہنچی تو اُس نے سالوتما کو لکھا کہ لڑکا تو میرا یوں جان سے گیا اب صرف میری بیوی راجہ کی قید میں رہ گئی ہے خیر اُسی کی مخلصی کی کوئی تدبیر بتاؤ۔ سالوتما نے جواب دیا کہ اگر آپ اپنی بیٹی ہمارے راجہ سے بیاہ دیں تو راجہ آپ کی بیوی اور مفتوحہ ملک کو واپس دے گا۔ راجہ اُدریا نے ناچار یہ شرط منظور کر کے اپنے ایلچی بجانگر بھیجے تاکہ شادی کے متعلق گفت و شنود کر کے طے کریں۔ راجۂ بجانگر نے خوشی خوشی شادی منظور کی اور اُسی کے مطابق شادی ہو بھی گئی اور دونوں میں مصالحت ہو گئی کشن راے نے راجۂ اُدریا کی بیوی کو واپس کر دیا اور دریا کے اُس پار کے کل مقامات واپس دے دیے صرف اِس پار اپنا قبضہ باقی رکھا۔

چھٹا باب

راجا اوریا سے مصالحت کے بعد راجۂ بیجانگر کا ملک کاٹیور[1] پر چڑھائی کرنا

راجہ اوریا سے صلح کے بعد کشن راے نے کاٹیور پر چڑھائی کی غرض سے لشکر جمع کرنا شروع کیا۔ وہاں کا راجہ پچاس سال سے ان سے باغی تھا یہ علاقہ کیرومنڈل کے ساحل پر واقع ہے۔ کشن دیو راے وہاں پہونچا اور اُس بڑے شہر کا محاصرہ کیا جہاں کہ راجہ رہتا تھا (اصل میں شہر کا نام نہیں ہے) یہ شہر چاروں طرف پانی سے گھرا ہوا تھا جس موسم میں محاصرہ کیا گیا جاڑے کے دن تھے اس وجہ سے دریا ایسا طغیانی پر تھا کہ کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑی۔ کشن راے نے دیکھا کہ دن بے کار چلے جا رہے ہیں تو اُس نے حکم دیا کہ دریا میں سے بہت سی نہریں کاٹ دی جائیں تاکہ دریا کا زور کم ہو۔ راجہ کے پاس فوج کی کمی نہ تھی تھوڑے دنوں میں پچاس نہریں کاٹ دی گئیں اور جب دریا کا پانی اُن میں چھوڑا گیا تو ایک دم سے دریا کا زور ٹوٹ گیا اور ایسا ہو گیا کہ نہ دکھلائی دینے لگی اور بالکل پایاب ہو گیا تب راجہ قلعے کی فصیل تک جا پہنچا شہر کے اندر ایک لاکھ پیدل اور تین ہزار سوار تھے وہ بڑی بہادری سے جان توڑ کر لڑے لیکن کشن راے ہمت نہ ہارا اور گھستا چلا گیا آخر کار جو بچ رہے تھے اُن سب کو قتل کیا۔ راجہ کو بہت بڑا خزانہ ملا۔ سولھا لاکھ تو صرف طلائی پرڈاؤ ملے اس کے علاوہ جواہرات اور بہت سے ہاتھی گھوڑے ہاتھ آے فتح کے بعد کشن راے نے ساری دولت اپنے ہمراہیوں میں بانٹ دی اور راجہ کو قید کر کے بیجانگر لایا جہاں وہ بے چارہ قید میں ہی مر گیا۔ راجہ نے بیجانگر کو پونہچ کر سالوتما کو کنڈہ ویڑ بھجوا دیا کیوں کہ اصل میں یہی وہاں کا حاکم مقرر کیا گیا تھا گو عارضی طور پر اُس کا بھائی وہاں نگراں تھا راجہ خود پھر کنڈہ ویڑ کو نہ جا سکا اس لیے سالوتما کا جانا ضرور تھا۔ سالوتما کو رستے میں اُس نوراج[2] کے۔ بادشاہ کے ایک سردار موسوم بہ مدار ملوک نے ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ روکا۔ سالوتما کے ساتھ دو لاکھ کا

---

[1] اب اس نام کا نہ کوئی شہر ہے نہ ملک۔ شہر کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً ویلور کا ذکر ہے جو شمالی ارکاٹ میں واقع ہے جہاں کے عمدہ قلعے کے اطراف میں ایک گہری خندق ہے اور یہ روایت بھی مشہور ہے کہ کشن دیو راے نے اس ملک کو ایک بیڑمی کے قبضے سے فتح کیا تھا ۱۲

[2] اس نوراج کے بادشاہ سے غالباً بادشاہ دکن مراد ہے اور غالباً یہ فوج سلطان قلی قطب شاہ گول کنڈہ کی ہوگی جیسا کہ ہم تاریخ کے دسویں باب کے آخر میں لکھ آے ہیں ۱۲

لشکر تھا اُسے کیا ڈر تھا خوب لڑا اور شکست دے کر اُسے مع اُس کی بیوی اور بیٹے کے قید کر لیا۔ ہاتھی گھوڑے جواہرات۔ نقدیات چھین کر سب کشن رائے کے حضور میں بھیج دیئے۔ راجہ نے اِن لوگوں کو جیل خانے میں ڈلوا دیا۔ جہاں وہ سڑ سڑ کر مر گئے۔ سالوتما کنڈہ ویڑ پہونچا اور وہاں چند دن ٹھیر کر سب انتظام درست کر کے پھر راجہ کے حضور میں واپس آیا۔ راجہ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بڑے تپاک سے پیش آیا۔

ساتواں باب

کشن رائے کا رایچور پر چڑھائی کرنے کا عزم اور اُس کی وجہ

چند روز کے بعد راجہ نے سالوتما سے کہا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ نرسنہواں راجہ کی وصیت کی حرف بحرف تعمیل کروں جن میں سے رایچور جیسے بڑے بھاری قلعے کا فتح کرنا بھی میرا اہم فریضہ ہے کیوں کہ رایچور کو عادل شاہ نے ہمارے ہی آباؤ اجداد سے زبردستی چھین کر اپنا قبضہ کر لیا ہے۔ لیکن ہمارے اُن کے چالیس سال سے صلح چلی آرہی ہے پس لڑائی کے لیئے کوئی حیلہ نکالنا چاہیئے۔ سالوتما نے عرض کیا کہ صلح کی تو بہت سی شرائط تھیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اگر کوئی قابض اراضی یا سردار یا اور کوئی شخص بغاوت کر کے کسی کے ہاں پناہ لے تو عند الطلب اُسے فوراً سپرد کر دیا جاوے گا۔ پس صلح کو کالعدم کرنے کا ایک بڑا سبب تو یہی ہے کہ ہمارے ہاں کے بہت سے زمیں دار اور قرض دار وہاں جا چھپے ہیں اِس لیئے پہلے تو آپ اِن لوگوں کا مطالبہ کیجیے اور اگر وہاں سے اِنکاری جواب ملے تو بس یہی بات لڑائی چھیڑنے کے لیئے کافی ہے۔ بہت سے لوگوں نے سالوتما کی اِس صلح کی مخالفت کی کہ زبردستی کی لڑائی مول لینا اچھی بات نہیں مگر اُن کی کچھ نہ چلی۔ راجہ نے اِس زمانے میں ایک شخص سدّی مرکار نامی کو چالیس ہزار پر ڈاؤ دے کر گھوڑے خریدنے کو گوا بھجوایا۔ اِس سدّی نے بہت سے بڑے بڑے کام کیئے تھے جس کی وجہ سے راجہ کو اُس پر بڑا بھروسہ ہو گیا تھا۔ یہ شخص روپیہ لے کر جب گوا کے قریب پونڈا میں پہونچا جو گوا سے دو لیگ اِدھر ہے اور جہاں مسلمانوں کی آبادی تھی تو بھاگ کر عادل شاہ کے پاس سب روپیہ لے لوا کر چلتا بنا۔ راجہ کو جوں ہی خبر ملی کہ سدّی روپیہ لے کر چمپت ہوا تو راجہ نے کہا کہ چوں کہ ہم سے اور عادل شاہ سے مصالحت ہے لہذا ہم اُن کو لکھیں گے کہ سدّی کو ہمارے حوالے کر دیں۔ چنانچہ راجہ نے ایک اتفاق نامہ لکھا کہ ہمارے آپ کے سالہا سال سے صلح قائم ہے جس میں بافضالِ الٰہی آج تک کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔ مجھے قوی امید ہے کہ ہمارا ایک باغی اِس قدیم

دوستی میں رخنہ اندازی کا باعث نہ ہوگا لہٰذا التماس ہے کہ آپ براہِ مہربانی فوراً سیدی مرکار کو ہمارے تفویض فرما دیجیے۔ خریطے کے پہونچتے ہی بادشاہ نے قضات اور اُمرا و ارکانِ سلطنت کو طلب کیا اور کہا کہ راجہ بیجانگر کے اِس شقے کو پڑھو۔ سب نے دیکھ کر مختلف رائیں پیش کیں جتنے مُنہ اُتنی باتیں۔ بالآخر سب اس امر پر متفق ہوے کہ سیدی کو جو مسلمان ہے کبھی (ایک کافر کے) سپرد نہ کرنا چاہیے۔ عادل شاہ نے ایک حیلہ یہ نکالا کہ سیدی کو دابُل پر مقرر کرکے بھجوا دیا تاکہ یہ کہنے کا موقع ملے کہ وہ شخص ہمارے پاس ہی ہی نہیں۔ راجہ کے لوگ جب یہ جواب لے کر گئے کہ سیدی وہاں نہیں ہے تو راجہ بہت بگڑا اور اُس نے کہا کہ اب صلح کا خاتمہ ہے اور ارکانِ سلطنت کو طلب کیا اور عادل شاہ کے جواب کو بہ آواز بلند دربار پڑھوایا اور کہا کہ اَب کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں ہے جنگ کی طیاری کرنی چاہیے۔ میں اِس کا بدلہ لیئے بغیر چپ رہنے والا نہیں۔ لیکن اُمرا نے عرض کیا کہ ایک تھوڑی سی رقم کے لیئے بگاڑ کرنا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا اور حضور غور فرمائیں کہ دُنیا کیا کہے گی کہ ایک پُرانے اتحادی کو ذرا سی بات پر ملیامیٹ کر دیا اور قدیم دوستی کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا حضور کو معلوم ہے کہ مسلمان عموماً بڑے دغا باز ہوتے ہیں اور اِس میں تو سراسر سیدی کا قصور ہے دوسرے ناحق لپیٹ میں آگئے ہیں آپ تو سیدی سے بدلا لینا چاہتے ہیں لیکن سیدی تو خود اِس لڑائی میں آنے سے رہا مُفت میں دوسرے پٹ جائیں گے جب لوگوں نے دیکھا کہ راجہ لڑائی پر تُلا ہوا ہے اور کہے سُنے کا کچھ اثر نہیں ہوتا تو اُن سب نے باہم صلح مشورہ کرکے عرض کیا کہ "خیر حضور کا ارادہ جنگ ہی کرنے کا ہے تو دابُل کی طرف تشریف نہ لے جائیے بلکہ رایچور پر چڑھائی کیجیے جو پہلے ہمارے ہی قبضے میں تھا بعد میں عادل شاہ چھین کر قابض ہو گیا ہے۔ آپ کی چڑھائی سُن کر لامحالہ عادل شاہ مُقابلے میں آئے گا تب آپ کو دونوں باتوں کا بدلا لینے کا اختیار ہے" راجہ نے بھی یہ صلاح پسند کی اور راضی ہو گیا اور جنگ کی طیاریاں کرنے لگا۔ راجہ نے عادل شاہ بلار شاہ

سلہ ہیروس موزخ نے صلح نامہ راجہ بیجانگر و عادل شاہ کے شرائط بیان کی ہیں جس میں ایک شرط طرفین کے ملازمین کی تبدیل تھی سیدی مرکار کا واقعہ یہ لکھا ہے کہ کشن رائے نے عادل شاہ کو جال میں پھنسانے کی غرض سے اپنے ایک قدیم ملازم سیدی مرکار کو بُلا کر چالیس ہزار پگوڈا دے کر گوا کو فارس سے آئے ہوئے گھوڑے خریدنے کے واسطے بھجوایا۔ کشن رائے نے پرتگالی حاکم گوا کے نام خط بھی لکھ دیا۔ سیدی کی نیت پیسوں کو اتنے بہت سے روپے دیکھ کر ڈانواں ڈول ہوئی یا اُس خط سے بھڑک گیا جو کہا جاتا ہے کہ عادل شاہ نے اُسے لکھا تھا الغرض جب وہ گوا سے (۳) لیگ اِس طرف تھانہ داری پونڈا پر پہونچا تو عادل شاہ کی طرف چل دیا۔ عادل شاہ نے اُس کے آنے کی خبر سُن کر اُسے بندر چال کا حاکم مقرر کر دیا کیوں کہ وہ مسلمان اور معزز شخص تھا لیکن چند دن کے بعد وہ وہاں سے بھی روپوش ہو گیا دوسری روایت یہ ہے کہ عادل شاہ نے اُس سے روپیہ لے کر اُسے مروا ڈالا ۱۲

بریدبیدر اور نظام شاہ اور قلی قطب شاہ کو خطوط لکھے جن میں عادل شاہ سے لڑائی ٹھن جانے کی وجوہ بشرح وبسط لکھیں۔ سب نے جواب دیا کہ آپ نے جو ارادہ کیا ہے ٹھیک ہے اور ہم سب بھی آپ کے ساتھ ہیں لیکن قلی قطب شاہ کی بہن عادل شاہ سے منسوب تھی وہ البتہ الگ رہا اور عادل شاہ کی طرف داری کی۔ راجہ نے بڑی چترائی کی کہ اپنے نواح کے بادشاہوں کو ہموار کر لیا۔ فوج کی تو درحقیقت اُسے ضرورت نہ تھی لیکن اگر یہ سب مسلمان بادشاہ عادل شاہ کے طرف دار ہو جاتے تو البتہ کام بابی محال تھی۔ لیکن چوں کہ عادل شاہ ان سب بادشاہوں میں بڑا تھا سب اِس سے خار کھاتے تھے کیوں کہ مسلمانوں میں یک دلی اور اتحاد کہاں یہ تو ایک دوسرے کو کاٹے کھاتے ہیں اور دوسرے کی تباہی اور بربادی پر بغلیں بجاتے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جائے گا کہ ماہ مئی ۱۵۲۲ء میں عادل شاہ کو لڑائی میں شکست ہوئی راجہ نے پہلے پوجا پاٹ کی اور اپنے دیولوں پر نذر نیاز کی قربانی چڑھائی اور پھر بیجانگر سے فوج لے کر نکلا جس کی تفصیل یہ ہے۔

مقدمۃ الجیش بہ سرکردگی کامانایک تیس ہزار پیدل جن میں تیر انداز۔ بندوقچی اور نیزے اور برچھے والے تھے اور ہزار سوار اور سولھا ہاتھی تھے۔

تمبی کارا کی سرکردگی میں پچاس ہزار پیدل دو ہزار سوار اور بیس ہاتھی۔

تمپا نایک کے تحت ساٹھ ہزار پیدل ساڑھے تین ہزار سوار اور تیس ہاتھی

آدپا نایک کے پاس ایک لاکھ پیدل پانچ ہزار سوار اور پچاس ہاتھی۔

کمار مارا کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار پیدل۔ چھ ہزار سوار۔ اور ساٹھ ہاتھی۔

گنڈا راجہ والی شہر بیجانگر ہر اور سالوتما وزیر کے تحت اُس کا سارا لشکر تھا اُس کے علاوہ اِسی کے علاقے کے ایک سردار کے ساتھ تیس ہزار پیدل اور ایک ہزار سوار اور دس ہاتھی تھے۔

راجہ کے تنبول بردار کے ساتھ پندرہ ہزار پیدل اور دو سو سوار۔

کمار ویریا میسور کے ساتھ۔ آٹھ ہزار پیدل۔ چار سو سوار۔ بیس ہاتھی۔

فوج علاقہ راجہ بنکا پور کی جو تعداد میں بہت تھی اور اسی طرح دوسرے اُمراء کی افواج دس سے لے کر بارہ ہزار تک مختلف تعداد میں جن کے نام مجھے معلوم نہیں ہیں سب اپنے اپنے علاقوں سے رستے میں جا کر شامل ہو گئے۔

سلہ یہ والی مدورہ تھا جو زوال سلطنت بیجانگر کے بعد خود مختار ہو گیا تھا ۱۲

راجہ نے خاصے کی فوج میں سے چھ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیدل جو بہ لحاظِ آراستگی تمام لشکر کی جان تھی مع تین سو ہاتھیوں کے اپنے ساتھ لیے۔ یہ ساری فوج ہتیاروں سے مسلح تھی کسی کے پاس تلوار اور ڈھال تھی کسی کے پاس برچھے اور تیر کمان کسی کے پاس بندوق سب کے سب چیتوں کی مرزائیاں پہنے ہوئے تھے پیٹھ پر ڈھالیں اور کمر میں جنبیے خنجر کٹار لگے ہوئے تھے۔ ڈھالیں ایسی بڑی بڑی تھیں کہ سارے جسم کو ڈھانک لیا تھا اور وہی حفاظت کو کافی تھیں زرہ کی ضرورت نہ تھی۔ گھوڑے ساز و سامان سے آراستہ۔ بعض لوگ زرہ اور سر پر خود پہنے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں ہتیار تھے۔ جنگی ہاتھیوں پر ہودے کسے ہوئے تھے جن پر چار چار آدمی دو دو طرف بیٹھ کر لڑتے تھے ہاتھیوں پر بڑی بڑی جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور دانتوں پر خوب تیز اور دھار دار نیچے لگے تھے جو لڑائی میں بہت کام آتے ہیں لشکر کے ساتھ بہت سی توپیں تھیں۔ لشکر کے ساتھ انواع و اقسام کے لوگ کثرت سے تھے دھوبیوں کا تو شمار نہ تھا جو ساری فوج کے کپڑے دھوتے تھے۔ طوائف کا بھی جمِ غفیر تھا بیس ہزار تو صرف راجہ ہی کے ساتھ تھیں۔ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ بار برداری کا سامان کس قدر ہوگا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جب لشکر کا کوچ ہوتا تھا تو رستے کے دو رویہ صرف بارہ ہزار تو سقے مشکیں لیے کھڑے رہتے تھے اور یہی لوگ لشکر میں پانی ڈالتے تھے۔ رستے میں ایسا انتظام کیا جاتا تھا کہ کوئی شخص پیاس کی تکلیف نہ اُٹھائے۔ لشکر کی روانگی سے پہلے تین چار لیگ آگے آگے چالیس پچاس ہزار آدمی بطور جاسوسوں کے بھیجے جاتے تھے ان کے دونوں طرف دائیں بائیں دو ہزار سوار بھی ساتھ رہتے تھے ان کا کام تھا کہ آگے آگے رہیں اور جہاں جہاں سے لشکر کا گزر ہو وہاں کے مقامات کو دیکھتے بھالتے رہیں اور چوکنا رہیں۔ یہ سب شاق تیر انداز ہوتے تھے قصہ مختصر اس ترتیب سے لشکر بجانگر سے روانہ ہوا پھر ان کے ساتھ ہر قسم کے تاجر بھی تھے اور بہت سے لوگ سامانِ خورد و نوش لے کر پہلے ہی سے مقامات پر پہنچ گئے تھے خلاصہ یہ کہ جو چیز درکار ہوتی تھی سب ہی تو ملتی تھی۔ ہر ہر امیر اور جاگیردار کی فوج کے ساتھ اُس کا بازار جُداگانہ رہتا تھا اُس کے بنیے بقال سربراہ کار علیحدہ تھے۔ راجہ کے خواب گاہ کے خیمے کے اطراف میں ایک باڑھ کانٹوں کی لگا دی جاتی تھی جو پہلے ہی سے ہر ہر منزل پر طیار رہتی تھی یہ بات ہم نے عجیب دیکھی کہ رستے میں جو ندی نالے ملتے تھے جب لشکر کا گزرنا شروع ہوا تو اُن میں گھنٹوں گھنٹوں پانی رہتا تھا اور تھوڑی دیر بعد دیکھو تو قطرہ تک ندارد لوگ چلّے[1] کھود کھود کر پانی نکالتے تھے۔ اسی طرح روز کوچ مقام کرتا ہوا راجہ

---

[1] یعنی اس قدر کثرت سے لوگ ہوتے تھے کہ چلّو چلّو پانی بھی پیا تو ندی خالی ہو جاتے تھے ۱۲

[2] چلہ اس گڑھے کو کہتے ہیں جو ندی کے شکم میں ریتی میں عارضی طور پر پانی نکالنے کو کھود لیتے ہیں ۱۲

ملیابہنڈ[1] کو پونہچا جو رایچور کے قریب ایک قصبہ ہی یہاں راجہ تھکی ہوئی فوج کو سستا لینے کے لیے ٹھیر گیا اس مقام پر راجہ رایچور کے محاصرے کی طیاری کر رہا تھا کہ بنکاپور - ڈوماروغیرہ کے اُمرا کی بے شمار فوج بھی اُن پونہچی - جب سارا لشکر اکٹھا ہو گیا اور برہمنوں نے پوجا پاٹ کر کے مہورت دیکھ لی تب راجہ سے کہا کہ یہی گھڑی ساعت لڑائی کے لیے مبارک و سازگار ہی - راجہ نے سب سے پہلے تو اپنی فوج سے مسلمانوں کا لشکر بہ سرکردگی کا مانایک روانہ کیا جو قلعۂ رایچور کی خندق کے پاس جا اترے اور باقی ماندہ لشکر کے لیے جو جگہ مقرر کی گئی تھی سب اپنی اپنی جگہ جا کر جم گئے قلعے کے لوگوں نے گولہ باری شروع کی گولیاں اور تیر برسانے لگے اور بان چھوڑنے لگے جس کی وجہ سے جو لوگ قلعے سے بہت قریب تھے اُن کا ستھراؤ ہو گیا اور قریب تھا کہ پسپا ہوں کہ راجہ نے للکارا کہ کیا کم ہمتی اور بزدلی کرتے ہو میں نے تم کو شہر میں گھس پڑنے کے لیے بھیجا ہی یا بھاگنے کے لیے اگر تم شہر میں نہ گھس سکے تو یاد رکھو کہ سب نہیں مروگے ایک کو جانا نہ ملے گا ناچار پھر زور شور اور بہادری سے لوگوں نے حملہ کیا اور خوب لڑائی ہوئی اِدھر کے بڑے بڑے بہادر کام آئے کیوں کہ قلعے کے لوگ مقامی حالت سے خوب واقف تھے اور اِن کو تاک تاک کر نشانہ بنا رہے تھے لیکن پھر بھی راجہ کی فوج پیاپی شہر پر حملے کیے چلی جا رہی تھی - راجہ کی فوج کے سرداروں نے جب دیکھا کہ کچھ نتیجہ نہیں ہوتا اور اِدھر کے لوگ ہر روز مارے جا رہے ہیں تو وہ ایک عمدہ چال چلے اور اُنھوں نے سپاہیوں سے قلعے کی دیوار اور برجوں کے پتھر بقیمت خریدنے شروع کیے اور ایک ایک پتھر کے لیے دس سے پچاس فانم[2] تک معاوضہ دینے لگے - اس لالچ میں سپاہیوں نے قلعے کی فصیل اور برجوں کو جا بجا سے ڈھانا شروع کر دیا اور فصیل میں جا بجا رخنے پڑ جانے سے شہر میں گھسنے کے رستے پڑ گئے مگر شہر اسی مضبوطی سے محصور تھا کہ کچھ اثر نہ ہوا اور قلعے کے لوگ ایسے چُنندہ جنگ آزمودہ اور جری تھے کہ ہراساں نہ ہوئے بلکہ اور زور و شور سے مار دھاڑ کرنے لگے اور راجہ کی فوج کے بہت سے لوگوں کو تہ تیغ کیا - لیکن اِدھر کے لوگ بھی بلا کی طرح چمٹ گئے تھے مرتے جاتے تھے اور لڑتے جاتے تھے اور ہر روز طیار ہو کر زیادہ دلیری سے

---

[1] اب ملیاباد کہلاتا ہی رایچور سے (۱۴) میل ہی - رایچور میں قلعہ بنانے کے پیشتر یہی راجاؤں کے رہنے کی جگہ تھی یہاں بھی ایک قلعہ ہی جو بنتے بنتے رہ گیا - اُس زمانے میں یہ اچھا خاصہ شہر ہوگا اب تو ایک معمولی سا گاؤں ہی ۱۲

[2] ایک سی سکہ ہی ۱۲

دھاوا کرتے تھے کیوں کہ طمع زر نے جو انھیں قلعے کے پتھر پہ ملتا تھا موت کا خوف اِن کے دلوں سے مٹا دیا تھا۔ مزید براں ہر مُردے کی نعش گھسیٹ لانے پر بھی کچھ انعام مقرر کر دیا تھا۔ غرض اسی طرح برابر تین مہینے تک لڑائی جاری رہی جب کہیں عادل شاہ اپنی فوج لے کر آیا۔ اب ذرا شہر رائچور اور وہاں کے لوگوں کا حال سُن لیجیے۔ یہ شہر دو[1] بڑے دریاؤں کے درمیان ایک بڑے مسطح میدان پر واقع ہے جہاں چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کے سوا بڑے بڑے درخت نہیں ہیں۔ البتہ بڑے بڑے پتھروں کے گنڈ ہیں۔ دونوں دریاؤں سے شہر کا فاصلہ تین لیگ کا ہے۔ ان میں سے ایک دریا شمالی سرحد ہے اُس کے پار عادل شاہ کا علاقہ ہے اور دوسرا دریا جنوبی حد ریاست بیجانگر کی ہے۔ ان دونوں دریاؤں کے مابین ایک میدان ہے جس میں بہت سے تالاب اور نالے اور کوئیں ہیں اور ایک پہاڑ قدرتی طور پر مشکل عورت کی پستان کے کھڑا ہوا ہے شہر کی تہری سنگین مضبوط فصیلیں ہیں جن میں چونے کا نام نہیں بلکہ سلیں اوپر تلے جمی ہوئی ہیں جن کے بیچ میں کچھ مٹی دی ہوئی ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک بلند گنبد کی طرح کا قلعہ بنا ہوا ہے جو بہت بلند اور بہت مستحکم ہے اور پہاڑ کے اوپر ایک پانی کا چشمہ بھی ہے جو بارہ مہینے لبریز رہتا ہے اور اسی وجہ سے اُسے متبرک بھی سمجھتے ہیں کہ اتنے اونچے پر پانی کا چشمہ ہے اور وہ بھی ایسا کہ کسی موسم میں خشک نہیں ہوتا۔ اِس چشمے کے پاس ہی اور کئی ٹانکیاں پانی کی اور باولیاں ہیں جن کی وجہ سے پانی کے کال کا تو کہیں وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا اِس کے علاوہ کھانے کی رسد بھی اِس افراط سے جمع ہے کہ پانچ سال کے لیئے بخوبی کافی ہو سکتی ہے۔ قلعے کی محافظت کے لیئے آٹھ ہزار پیدل چار سو سوار اور چالیس ہاتھی اور تیس (منجنیق) پتھر پھینکنے کے آلے تھے جو بڑے بڑے پتھر لڑھکا کر غضب ڈھاتے تھے موجود تھے۔ بُرج ایسے پاس پاس بنے ہوئے ہیں کہ ایک بُرج پر سے دوسرے بُرج کی ذرا سی بات بھی صاف سُنائی دیتی ہے۔ اِن تمام بُرجوں پر دو سو بھاری بھاری توپیں چڑھی ہوئی تھیں چھوٹے چھوٹے ریکلوں کی تو گنتی نہ تھی جب قلعے والوں کو بادشاہ کے آن پہنچنے کی خبر ملی اور ایک سردار کچھ فوج کی مدد لے کر شہر میں بھی آگیا تو اِن سب نے قلعے کے دروازوں کو تیغہ کرا دیا۔ قلعے کا شمالی اور جنوبی حصّہ تو پہاڑوں کی وجہ سے ایسا مضبوط تھا کہ اُدھر رُخ کرنا ہی فضول تھا گو شہر کو چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر رکھا تھا مگر اصلی معرکہ مشرق کی طرف تھا اور اِسی رُخ پر راجہ کا کیمپ بھی تھا۔

[1] یہ دونوں دریا کرشنا اور تنگ بھدرا ہیں اور اسی وجہ سے اس ملک کو دوآبہ کہتے ہیں ۱۲

آٹھواں باب

راجۂ بیجانگر کے کیمپ کا حال

راجہ کے ڈیرے کے اطراف میں ایک گھنی باڑھ کانٹی کی گئی ہوئی تھی جس میں جانے کا ایک ہی رستہ تھا جس پر بھاری پہرہ چوکی تھا۔ اس احاطے کے اندر راجہ کا ہمراہی برہمن جو اشنان کراتا ہو اور پوجا پاٹ کرتا ہو وہ اور دوسرے حشم خدم اور چند خواجہ سرا رہتے تھے۔ احاطے کے باہر گرداگرد متعدد پہرے لگے ہوئے تھے جن کے ناکے رات کو حفاظت کے لیئے مقرر تھے ان ہی کے پاس خاصہ کے ملازمین بھی اُترے ہوئے تھے اور ان سے آگے بڑھ کر ہر ہر امیر رئیس اور افسر اپنے اپنے مراتب و مدارج کے لحاظ سے فروکش تھا۔ کیمپ کے اطراف میں اُنھیں جاسوسوں کا کیمپ تھا جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہو وہ تمام رات گشت لگاتے پھرتے تھے کہ غنیم کا جاسوس تو نہیں گھس آیا ایک طرف سارے دھوبی اُترے ہوئے تھے۔ سارا کیمپ باقاعدہ حصّوں پر تقسیم تھا جا بجا سڑکیں بنی ہوئی تھیں۔ ہر امیر کے کیمپ کے ساتھ جُداگانہ بازار تھا جہاں ہر قسم کے جانور بھیڑ۔ بکریاں۔ سور۔ مرغیاں خرگوش۔ تیتر۔ بٹیر اور دوسرے پرند جانور اس کثرت سے بکتے تھے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم شہر بیجانگر ہی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ قسم قسم کے جانوں انواع و اقسام کا غلّہ دالیں جو چاہو موجود تھا اس غلّے ترکاری اور روزانہ کھانے پینے کے اشیاء کے سوا ایک اور بازار تھا وہاں ہر قسم کی اشیاء بہ افراط ملتی تھیں ان بازاروں میں وہ چیزیں بھی موجود تھیں جو شہروں میں پھیری والے بیچا کرتے ہیں۔ بازاروں میں کام پیشہ کاریگر اپنا اپنا کام کرتے تھے۔ سُنار اپنی دُکان لگائے زیورات گھڑ رہا تھا۔ جوہری ہر قسم کے جواہرات فروخت کر رہا تھا۔ پارچہ فروش تو بہت ہی کثرت سے تھے کیوں کہ لوگوں کو اسی کی زیادہ ضرورت رہتی تھی۔ گھانس اور پرال کے گٹھوں کا کچھ شمار نہ تھا میں نہیں سمجھ سکتا کہ کون یہاں کے سچ و غلط حالات بیان کر سکتا ہو اور جس نے نہیں دیکھا ہو وہ راجپوتانہ جیسے بنجر اور ریتلے مُلک میں ایسی کچھ افراط چیزوں کی ہونا کیوں کر یقین کر سکتا ہو۔ مجھے خود حیرت ہو کہ اتنی چیزیں کہاں سے اُمنڈ آتی تھیں۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہو کہ اتنے بڑے لشکر کے لیئے صرف گھاس اور پرال ہی کی کس قدر ضرورت تھی

جس میں (۳۲۶۰۰) گھوڑے اور (۵۵۱) ہاتھی تھے پھر پرتل کے ٹٹو اور غیر الگ بار برداری کے بیلوں کی تو کچھ گنتی ہی نہیں تھی جو لادنے کے علاوہ بنڈیوں میں لگتے تھے اور ڈیرے اور سیکڑوں قسم کے سامان لاتے تھے جس نے اپنی آنکھ سے یہ حالات نہ دیکھے ہوں اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ یہ کیمپ جنگ کا تھا بلکہ ہم کو تو ایک بسا بسایا شہر معلوم دیتا تھا۔ تماشے۔ ڈنکے۔ دھپڑے۔ ڈھول۔ نفیری قرنے۔ ترئی سینگ دُنیا بھر کے تو باجے یہاں تھے۔ جب لڑائی کا طبل بجتا تھا اور اُس کے ساتھ اور سب باجے بجائے جاتے تھے تو کان گنگ ہو جاتے تھے الاماں الاماں شور و غل سے یہ معلوم دیتا تھا کہ آسمان اب پھٹ پڑے گا اور اگر ایسے وقت میں کوئی آفت کا مارا پرند آن نکلا تو وہ حواس باختہ ہو کر ایسا گھبرا جاتا تھا کہ لوگ ہاتھوں سے پکڑ لیتے تھے یا وہ خود گر پڑتا تھا چنانچہ بہت سی چیلیں منڈلاتے منڈلاتے گر پڑیں اور لوگوں نے پکڑ لیں۔

نواں باب

جنگِ رائچور

جب کہ راجہ رائچور کے محاصرے میں مصروف تھا وہیں اُسے عادل شاہ کے آنے کی خبر ملی کہ بادشاہ آگیا اور اُس نے دریا سے کرشنا کے شمالی کنارے پر ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔ راجہ نے اُسی وقت اپنے جاسوسوں کو حکم دیا کہ دشمن کی نقل و حرکت اور طیاری کی پل پل کی خبر ہمیں پہنچاتے رہیں۔ بادشاہ کے کرشنا پار پہنچ جانے کی خبر سے عموماً سب لوگ چونک پڑے خصوصاً سپاہیوں میں تو کھلبلی مچ گئی کیوں کہ اُن کے دلوں میں مسلمانوں کی سطوت و جبروت کا دھاکا مدتوں سے بیٹھا ہوا تھا۔ عادل شاہ چند دن دریا پر ٹھیر کر دیکھتا رہا کہ راجہ کے ہاں کیا سامان ہو رہا ہے اور خدا معلوم وہ دریا پار آکر لڑتا ہے جیسا کہ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ بھرا بیٹھا ہے ہمارے آنے کی خبر سنتے ہی ٹوٹ پڑے گا اور اگر ایسا ہو تو دریا کی روک ہمارے لڑنے کے لیے اچھی آڑ ہے کیوں کہ صرف ایک ہی گھاٹ اُترنے کے قابل تھا جو شاہی کیمپ کے سامنے ہی تھا اور اس پر روک تھام کا پورا بندوبست کر لیا گیا تھا اور پھر مسلمان ان کرناٹکیوں کی کچھ حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ گو راجہ کو معلوم تھا کہ بادشاہ دریا پار پڑا ہوا ہے لیکن اُس نے ذرا بھی ہل چل نہ کی نہ اپنی جگہ سے ایک قدم کھسکا۔ عادل شاہ نے جب دیکھا کہ غنیم تو مطمئن بیٹھا ہے تب بادشاہ نے

مشورہ کیا یہاں جس کو دیکھو اپنی اپنی گاتا تھا اور ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق ایک نئی توجیہ راجہ کے پیش قدمی نہ کرنے کی بیان کرتا تھا۔ بعضوں نے کہا کہ راجہ کو بڑا غرور ہی وہ ہمیں خاطر تلے کب لاتا ہی اور اُسے اپنی طاقت کا ایسا گھمنڈ ہی کہ جنبش تک نہ کی اور ضرور وہ اِس بات کا منتظر ہی کہ ہماری طرف سے پہل ہو کہ دریا پار اُتر کر ہم ہی دھاوا کریں۔ امرائے ہمراہی میں سب سے بڑا سربرآوردہ انکس خاں تھا جو پونڈے کا گورنر تھا (یہ وہ زمانہ ہی جب گوے پر ڈیلی مان راے کپتان تھا) اُس نے بھی یہی بات کہی دوسروں نے کہا کہ نہیں یہ بات نہیں ہی بلکہ راجہ مسلمانوں کی طاقت اور پچھلی فتوحات کے خیال سے خوف زدہ ہو کر دبک رہا ہی اور اِسی خیال سے وہ اپنے ساتھ چند شہور ایسے بہادروں کو بھی لایا ہی جو اُن پچھلی لڑائیوں میں شریک رہ چکے ہیں آخر کار سب نے مل کر یہ بات ٹھیرائی کہ ہم کو ہی بڑھ کر دریا پار اُتر جانا چاہیئے کیوں کہ یہاں بے کار پڑے رہنے سے کچھ فائدہ نہیں اور پھر ہمارے سمیٹے پنے کا خیال ہوگا سو جُدا۔ اگرچہ ہماری فوج تعداد میں اُن سے کم ہی لیکن نام رستم بہ از رستم پچھلی لڑائیوں میں ہندو ہمارے دم خم خوب دیکھ چکے ہیں۔ آخر کار عادل شاہ نے ساری فوج کے داخلے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ ایک لاکھ بیس ہزار پیدل تیر انداز برچھے بردار بندوقچی اور اٹھارہ ہزار سوار اور ڈیڑھ سو ہاتھی اور بہت بڑا توپ خانہ تھا۔ جب بادشاہ فوج کا ملاحظہ کر چکا تب اُس نے لڑائی شروع کرنے کا ارادہ کیا اور فوراً دریا پار اُتر چلنے کا حکم دیا کیوں کہ عادل شاہ یہ چاہتا تھا کہ جتنے راہ پچور سے قریب ہو جائیں اُتنا ہی اچھا ہی۔ غرض دریا پار ہو کر بڑھتے بڑھتے جب راجہ کا کیمپ تین لیگ رہ گیا تو وہیں اپنے ڈیرے ڈال دیئے اور اطراف میں بڑی بڑی خندقیں کھدوا کر اور لشکر کے اطراف میں سب سے آگے توپ خانہ لگا دیا اور جا بجا فوج کو اِس خیال سے ٹھکانے سے جما دیا کہ شاید راجہ کی طرف سے حملے کی تقدیم نہ ہو پڑے۔ بادشاہ کا کیمپ دریا کے کنارے کنارے لمبان میں پڑا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ہم پر پانی بند کر دیا جاے۔ جب راجہ کو عادل شاہ کے دریا عبور کر کے اِس پار آجانے کی خبر ملی تو اُس نے بھی طیاری شروع کر دی لیکن لڑائی کا حکم نہیں دیا کہ پہلے خبر تو ملے کہ غنیم کس ارادے سے دریا پار اُترا ہی اور وہاں ہو کیا رہا ہی راجہ کو جب یہ خبر ملی کہ بادشاہ نے اپنے

۱؎ Dom Guterre de Monroy پرتگال سے ہندوستان میں ۱۵۱۰ء میں ایک بڑا جہاز لے کر آیا تھا ۱۵۱۱ء میں جب کہ گورنر لوپو سوریس بحر احمر میں گیا تھا تو یہی فرد سے کر ستر تک ان چاچ تھا۔ اسی سال کے اخیر میں اسی نے افواج بیجاپور پر جو پونڈے میں انکس خاں کے تحت تھیں حملہ کیا تھا جس میں کچھ کام یابی بھی ہوئی تھی۔ لوسیریو نے لکھا ہی کہ ڈی مان رائے بڑا سنگ دل اور اوباش تھا۔ اس کی شادی

۲؎ گورنر گوا کی بھانجی سے ہوئی تھی ۱۲

خیمے ڈال دیئے ہیں اور اطراف میں خندق کھدوا کر خوب مضبوطی کر لی ہے تب اُس نے حکم دیا کہ ہاں اب بڑھو راجہ نے اپنی فوج کے سات حصے کیئے۔ کمار وپریا۔ والیِ میسور جو راجہ کا خسر تھا اور ایک بڑا رئیس تھا اور سرنگا پٹن کا راجہ تھا نے راجہ سے درخواست کر کے فوج کی کمان لی اِس کے ساتھ اِس کے تیس جان جوان بیٹے بھی تھے۔ راجہ نے کہا کہ تم اپنا خیمہ عادل شاہ کے کیمپ سے ایک لیگ اِس طرف لگاؤ اور سب کو حکم دیا کہ پَو پھٹنے کے اوّل جنگ کے لیے مسلّح ہو جاؤ۔ سب نے عرض کیا کہ آج جمعے[1] کا دن ہے جو منحوس ہے بہتر یہ ہے کہ کل ہفتے کو بساعتِ نیک و روزِ مسعود لڑائی شروع کی جاے جب راجہ رایچور سے آگے بڑھ گیا تو قلعے والوں نے ایک دروازہ کھول دیا۔ ایک خواجہ سرا فوجی سردار تھا وہ دو سو سوار کچھ پیدل اور ہاتھی لے کر قلعے میں سے دَرّانا نکلا اور دریا کے کنارے جا کر کھڑا ہو گیا اُس وقت اِس کی غرض و غایت کسی کی سمجھ میں نہ آئی لیکن آگے چل کر معلوم ہو جاے گا راجہ نے بھی اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے کہ مسلمانوں کے لشکر میں کیا ہو رہا ہے۔ اگرچہ دونوں طرف کی فوجیں بالمقابل آگئی تھیں اور کسی نے ہتیار نہیں کھولے تھے مگر لڑائی شروع نہیں ہوئی ساری رات انتظار ہی انتظار میں گزری۔ صبح کے پَو پھٹنے کے وقت راجہ کے لشکر میں طبلِ جنگ ڈنکے قرنا وغیرہ بجنے لگے اور فوج کے لوگ اِس زور سے کلکاریاں مارنے اور شور و غل کرنے لگے کہ آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اور ہنہناہٹ ہاتھیوں کی چنگھاڑ کچھ اِس بلا کی اودھم تھی کہ اُس کا سماں بیاں نہیں کیا جا سکتا اور اگر ایک نمہ بھی اُس کا بیان کیا جاے تو لوگ مبالغہ پر محمول کریں۔ کچھ ایسا ہولناک شور و غوغا تھا کہ ہیبت سے لوگوں کے دل دہلے جاتے تھے۔ اُدھر مسلمانوں کے لشکر میں بھی کچھ کم شور نہ تھا غرض کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی لوگ اشاروں سے باتیں کرتے تھے۔ دو گھنٹے دن چڑھے تک ساری فوج میدانِ کارزار میں پہنچ گئی۔ راجہ نے اپنے لشکر کے دو کالموں کو آگے بڑھایا اور کہا کہ ہاں بہادرو یہی وقت ہے دیکھو ایسے جا کر گرنا کہ غنیم کا ایک شخص بھی نہ بچنے پاے۔ یہ پہلا دھاوا اِس غضب کا ہوا کہ شاہی فوج پیچھے ہٹتے ہٹتے اُن خندقوں میں جو مسلمانوں کے کیمپ کے اطراف بنائی گئی تھی جا گری۔ مسلمان یہ سمجھے ہوے تھے کہ راجہ کی ساری کی ساری فوج ایک دم میدان میں آجاے گی اِسی خیال سے عادل شاہ نے توپ خانے کو بھی تیار

[1] ہنود کے ہاں جمعے کا دن نامبارک خیال کیا جاتا ہے ۱۲۔

رکھا تھا کہ جب ہندوؤں کا قلب لشکر سامنے زد میں آئے گا تو خوب ستھراؤ کروں گا لیکن جب انھوں نے اِن کی چال دیکھی کہ ٹکڑی ٹکڑی کر کے لڑتے ہیں تو جو کچھ نقشہ جما چکے تھے سب بدلنا پڑا اور عادل شاہ نے پہلے گوریلا ہی شروع کر دی جس سے ہندوؤں کی فوج کا بہت نقصان ہوا بہت سے پیدل اور سواروں کو آناً فاناً پھونک دیا جو بچے وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ اِن کے پاؤں اُکھڑ گئے تو اُنھوں نے ایسا پیچھا لیا کہ ایک متنفس بھی گھوڑے کے زین پر باقی نہ چھوڑا نہ کوئی مُقابلے پر تھا بلکہ جس کو دیکھو بھاگتا ہی نظر آیا اور اُن کے پیچھے مسلمان پلٹے ہوئے قتلِ عام کرتے ہوئے برابر نصف لیگ تک دباتے چلے جا رہے تھے۔ راجہ نے جب یہ حال دیکھا تو للکارا کہ "نمک حرامو! یہ کیا بُزدلی ہے موت کے مُنہ سے کیوں بھاگتے ہو؟ مردانہ وار مقابلے پر ڈٹے رہو مردانگی سے جان دو یہ کیا بات ہے کہ ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ کر چُپ چاپ کھڑے ہو گئے کہ مسلمان بلا غل وغش مارتے چلے جا رہے ہیں اور تم میں سے ایک ہاتھ نہیں اُٹھاتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ کون تم میں سے میرا ساتھ دیتا ہے اور کون نمک حرام بھاگ نکلتا ہے"۔ اتنا کہنا تھا کہ بہت سے اُمرا اور فوج کے افسر راجہ کے گرد جمع ہو گئے۔ راجہ نے کہا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ عادل شاہ اِس بات کا گھمنڈ کرے گا کہ اُس نے سب سے بڑے راجہ کو مار لیا مگر یہ بات کہنے کا تو اُسے کبھی موقع نہ ملنا چاہیئے کہ اُس نے ہندوؤں کے لشکر کو شکست دی۔ تب راجہ نے جان پر سے اُٹھ کر اپنے ہاتھ کی انگوٹھی اُتار کر اپنے خاصہ بردار کو بطور نشانی کے دی (یعنی یہ کہ اب میں مارا جاتا ہوں) کہ وہ لے جا کر رانیوں کو دکھلا دے تاکہ وہ سب راجہ کے مارے جانے پر ستی ہو جائیں۔ تب راجہ خود گھوڑے پر سوار ہوا اور ساری فوج کو ساتھ لیا اور حکم دیا کہ جو اِس وقت پیٹھ دکھائے اُسے فوراً مار ڈالو۔ جب بھگوڑوں نے دیکھا کہ ہم تو یوں بھی مارے پڑے تو سب کے سب ناچار دشمن پر گرے اور کچھ ایسے جان سے ہاتھ دھو کر سب اکھٹے اور یک دل ہو کر حملہ آور ہوئے کہ مسلمان تاب نہ لا سکے اور مسلمان ایسے درہم برہم ہوئے کہ اُن کو اِس کی بھی سُدھ نہ رہی کہ اپنے کیمپ کو تو سنبھال لیتے جسے اُنھوں نے نہایت مستحکم بنایا تھا لیکن اُنھوں نے ایسی ہمت ہار دی کہ جان بچا کر دریا میں کودنے لگے۔ پھر کیا تھا راجہ کی ساری فوج اور ہاتھی چڑھ آئے اور جدھر دیکھو مردے ہی

مردے گرنے لگے - ہاتھیوں نے سونڈوں سے پکڑ پکڑ کر لوگوں کو چیر پھاڑ ڈالا اور ہودوں میں جو سوار تھے انھوں نے ایک قتلِ عام شروع کر دیا - راجہ کی فوج مسلمانوں کی فوج کے پیچھے پیچھے مارتی کاٹتی دریا کے کنارے تک جا پہونچی کہ اتنے میں راجہ خود بھی آگیا دیکھا تو ایک قتلِ عام نظر آیا - میدان کشتوں سے پٹا پڑا تھا - لشکر سے بھاگے ہوئے مرد عورت بچے جان بچا کر بھاگے تو سہی مگر دریا کے کنارے پہونچ کر ناچار ہو گئے پار نہ ہو سکے ڈر کے مارے ایک دوسرے کو لپٹ گئے لیکن ان سب کو بھی دشمنوں نے تہ تیغ کیا - راجہ کی فوج دریا کے کنارے کھڑی ہوئی تھی مسلمانوں کے لشکر سے جو بھاگتا ہوا آیا انھوں نے وہیں اُس کا کام تمام کیا - گھوڑے دریا کے کڑاڑے پر چڑھنا چاہتے تھے مگر بلندی اور ناہمواری سے چڑھ نہ سکتے تھے اُلٹے آدمیوں پر گر گر پڑتے تھے غرض نہ آدمی بچے نہ گھوڑے جو لوگ گرتے پڑتے دریا کے پیٹے میں پہونچ گئے تھے اُن کو بھی پکڑ پکڑ کر ہاتھیوں نے چیر ڈالا - راجہ یہ حالت دیکھ کر کانپ گیا اور اپنی فوج کو حکم دیا کہ بس اب فوراً ہاتھ روکو اور واپس جاؤ کہ بہت سے ناکردہ گناہوں کا خونِ ناحق ہو چکا - ان بیچاروں نے ہمارا کچھ بگاڑا نہ تھا - راجہ کا حکم ہوتے ہی قتلِ عام موقوف ہوا اور ساری فوج اپنے اپنے ٹھکانے پر چلی گئی - اس کے بعد راجہ عادل شاہ کے کیمپ میں جا گھسا اور جا کر بادشاہ کے ڈیرے میں جا براجا - لوگوں نے عرض کیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں کیا یہ سستانے کا وقت ہی ہم کو چاہیئے کہ دشمنوں کا پوری طرح قلع قمع کر دیں یہ ڈھیل کا وقت نہیں ہی آپ بذاتِ خود تشریف نہ لے چلیں تو خیر ہم ہی کو حکم دیجئے ہم سمجھ لیں گے - جب تک دن باقی ہی مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑنا چاہیئے راجہ نے کہا کہ اب تک ہی بے انتہا آدمی مارے جا چکے ہیں اور جس میں بہت سے بے گناہوں کا بھی خون ہوا ہی یہ مانا کہ عادل شاہ نے ہم سے پرخاش کی تھی اُسے کافی سزا بھی مل چکی اب زیادہ خون بہانے سے فائدہ مجھے تو یہ کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اب ہم بھگوڑوں کا پیچھا کریں کیوں کہ ہم کو ابھی رائچور کا قلعہ فتح کرنا ہی بہتر یہ ہی کہ اُدھر کا رُخ کریں اور اچھی طرح محاصرہ کر کے قلعے کو فتح کریں راجہ نے دیکھ لیا تھا کہ عادل شاہ کی ساری فوج کٹ گئی اور اُس کی بڑی ہتک ہوئی ضرور وہ اپنی جان سے بے زار ہو گا اور کیا عجب ہی کہ اس صدمے میں جان دے دے - لیکن درحقیقت ایسا نہ تھا عادل شاہ تو خود لڑنے کو نکلا بھی نہیں بلکہ اسد خاں حاکم بلگاؤں اُسکو لیئے بیٹھا رہا کیوں کہ اسد خاں بڑا سیانا تھا اُس نے یہ حکمت کی کہ نہ خود گیا نہ بادشاہ کو جانے دیا بلکہ بادشاہ

سے کہہ کر مع چار سو اپنے ہمراہی سواروں کے بادشاہ کی حفاظت کے بہانے رہ گیا اور میدانِ جنگ میں نہ گیا اور جب اُس نے فوج کی بھاگڑ اور اپنی شکست دیکھی تو اُس نے بادشاہ سے کہا کہ جہاں پناہ اگر جان کی سلامتی چاہتے ہیں تو بس میرے ساتھ ہو لیجیے اب یہاں ٹھیرنے کا موقع نہیں ہے بادشاہ اسد خاں کے ساتھ ایک ہاتھی پر سوار ہو لیا اور کیمپ چھوڑ چھاڑ چل دیا گھاٹ پر سے تو اُتر نہ سکتا تھا کہ دشمنوں نے گھیر رکھا تھا پہاڑوں پہاڑوں سمتِ جنوب کو نکل گیا۔ ہاں ہم نے اُس فوجی افسر کا ذکر تو کیا ہی نہیں کہ جو دو سو سوار اور ہاتھی گھوڑے اور پیدل لے کر قلعے سے باہر نکل آیا تھا کہ آخر اُس کا کیا حشر ہوا۔ وہ صرف لڑائی کی خبر لینے آیا تھا جب اُسے معلوم ہو گیا کہ بادشاہ کی شکست ہو گئی تو پھر وہ قلعے کی طرف پلٹا لیکن قلعے میں خود بھوٹ پڑ گئی تھی قلعے میں جو ایک اور افسر تھا وہ اِس کا مخالف تھا اُس نے اسے قلعے میں گھسنے نہ دیا اِس خیال سے کہ بادشاہ کی تو شکست ہو گئی ہے اب قلعے میں میں ہی ہوں قلعے کو داب کر خود قابض ہو جاؤں گا آخر کار جب اِس نے دیکھا کہ میں نہ اِدھر کا رہا نہ اُدھر کا تو وہ بھاگا اور نیچے وار ایک دوسرے گھاٹ سے دریا پار اُتر کر چلا گیا اور اِس طرح اُس کی جان بچی۔

دسواں باب

مالِ غنیمت کا حال جو مسلمانوں سے ملا کیشن رائے کا مُردوں کو جلوانا اور فگریڈو کے کارنامے

راجہ جب اپنے کیمپ میں واپس آیا تو اُس نے لُوٹ کا مال و اسباب جمع کرنے کا حکم دیا مسلمانوں کے نام آور اور بڑے بڑے سردار تو سب مر گئے تھے مگر پانچ سردار گھر گئے تھے اُن کو قید کر لیا۔ اِن پانچوں میں سب سے بڑا صلابت خاں تھا جو عادل شاہ کی فوج کا جنرل کپتان تھا اِس کے پاس پانسو پرتگالیوں کا باڈی گارڈ تھا۔ جب صلابت خاں نے دیکھا کہ بادشاہ کو شکست ہوئی تو اُس نے کچھ لوگوں کو جمع کر کے پھر لڑنا چاہا مگر کسی نے اُس کا ساتھ نہ دیا ہر ایک کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے دیدہ و دانستہ موت کے منہ میں کون جاتا۔ صلابت خاں نے سوچا کہ زندہ گرفتار رہنے سے مرنا بہتر ہے فوراً راجہ کی فوج میں گھس پڑا صرف پرتگالیوں نے اُس کا ساتھ دیا اور قتلِ عام شروع کر دیا صلابت خاں اور پرتگالیوں نے ایسی حیرت خیز بہادری اور جواں مردی کے جوہر دکھلائے کہ جو مدۃ العمر یاد گار رہیں گے اُن کا حملہ کچھ اِس قسم کا تھا کہ راجہ کی فوج برابر بھیڑ چلی جاتی تھی اور اِن کے لیے رستہ کھلتا چلا جاتا تھا یہ لوگ بڑھتے بڑھتے راجہ کے باڈی گارڈ کے قریب تک جا پہنچے عین ایسے نازک وقت میں صلابت خاں کا گھوڑا مارا گیا پرتگالیوں نے بڑی جواں مردی دکھائی اور جی توڑ کر لڑے اور اتنے آدمیوں کو مارا کہ صلابت خاں کے پیچھے میدان صاف ہو گیا یہاں تک جاں نثاری کی کہ صلابت خاں کے لیے ایک دوسرا گھوڑا بھی مول لا حاضر کیا۔ گھوڑے کے ملنے کی دیر تھی کہ پھر صلابت خاں کیا تھا گویا بکریوں کے ریوڑ میں بھیڑیا گھس گیا لیکن آخر لڑتے یہ لوگ تھک گئے تھے اور زخموں سے ادھ موے ہو گئے

تھے اور پھر چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر رکھا تھا اور برابر ان پر ہر طرف سے وار چل رہے تھے آخر کار صلابت خاں اور اس کا گھوڑا دونوں گرے پرتگالی تو سب کے سب پہلے ہی مر کھپ گئے تھے ایک بھی نہ بچا تھا ایسے وقت میں مکرتا اور خود صلابت خاں نمکحرامی سے چور تھا آخر کار گرفتار ہو گیا۔ لوٹ میں جا رہزار گھوڑے ہمرمز کے سو ہاتھی چار سو بھاری توپیں ملیں چھوٹی توپوں کا تو شمار نہ تھا۔ نو سو تو صرف توپوں کی گاڑیاں تھیں ڈیروں اور شامیانوں کی تو کچھ گنتی نہ تھی پرتل کے ٹٹوؤں بیلوں اور دوسرے مویشی کا شمار کون کر سکتا تھا نہ مردوں عورتوں اور بچوں کا شمار تھا جو پکڑے گئے تھے لیکن راجہ نے سب کو چھوڑ دیا جب تک کہ سارے مردے جلا نہ لیے گئے اور ہر ہر کی عزت و شان کے موافق ان کے رسوم مذہبی ادا نہ ہو لیے راجہ میدان جنگ ہی میں ٹھیرا رہا۔ راجہ نے مقتولین کو ثواب پہنچانے کے لیے بہت بڑی خیرات کی سراجہ کی طرف کے کچھ اوپر سو ہاتھ ہزار آدمی اس لڑائی میں کام آئے ان سب باتوں سے فارغ ہو کر پھر راجہ بیجاپور پہنچا اور پہلے کی طرح وہیں اپنا کیمپ جما یا۔ راجہ کے واپس آنے کے بعد بیجانگر کے گھوڑوں کا سوداگر فگر میڈو اپنے ساتھ بیس بندوقچی لے کر آیا۔ راجہ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ اچھا ہوا کہ یہ بھی لڑائی اور ہماری مردانگی کے جوہر دیکھ لیں گے راجہ نے ان کو اپنے قریب ہی اتروایا اور عادل شاہ کے ڈیروں میں سے چند ڈیرے ان کو ٹھیرنے کو دیے ایک دن فگر میڈو نے کہا کہ میں شہر دیکھنا چاہتا ہوں راجہ نے منع کیا کہ ایسا نہ ہو کوئی معرکہ پیش آجاوے اور تم کسی مصیبت میں گھر جاؤ۔ فگر میڈو نے کہا کہ ہم سب سر تو اس واسطے حاضر ہوئے ہیں کہ ہم بھی کچھ اپنی بہادری دکھلائیں اور مسلمانوں سے دو دو ہاتھ ہمارے بھی ہو جائیں راجہ نے کہا خیر تمھاری مرضی اور ان کے ساتھ کچھ اپنے لوگ بھی کر دیے۔ فگر میڈو چھپا چھپا قلعے کی فصیل کے قریب پہنچ گیا اس نے دیکھا کہ مسلمان پر اجرا فصیل پر بے دھڑک ڈٹے ہوئے ہیں اس نے کیا کیا کہ خود اپنے ساتھیوں سمیت بندوقوں کی باڑھ مارنے لگا وہ لوگ بے خبر تھے نتیجہ یہ ہوا کہ اچانک بہت سے آدمی مارے گئے کیوں کہ ان کو بندوقچیوں کے آنے کی کانوں کان خبر نہ تھی جب مسلمان بھاگے تو پرتگالیوں نے بہت سی فصیل ڈھا دی فتح کے نقارچی مقرر ہیں ان کے ساتھ بہت سے لوگ ہو گئے اور اس قدر مجمع ہو گیا کہ راجہ سے جا کر کسی نے پرتگالیوں کے شہر میں گھس جانے کی گپ اڑا دی مسلمانوں کو حیرت تھی کہ ان کے پاس پرتگالی کہاں سے آگئے کیوں کہ شہر والوں کو باہر کی کیا خبر تھی کہ یہ لوگ کدھر سے آئے پرتگالیوں کے سہارے راجہ کی فوج فصیل کے دامن میں پہنچ گئی اور فصیل تو پہلے ہی کئی جگہ سے ٹوٹ گئی تھی فتح کی توپیں اس قدر بلندی پر تھیں کہ ان کی زد ان لوگوں پر جو فصیل کے نیچے پہنچ گئے تھے پڑ سکتی تھی نہ ان مقامات پر جہاں سے کہ فصیل ٹوٹ گئی تھی کوئی توپ تھی محصورین فصیلوں پر سے پتھر لڑھکا رہے تھے اور تیر برسا رہے تھے جس سے حملہ آور لوگ کچل کچل کر مر رہے تھے اور زخمی ہو رہے تھے لیکن پرتگالیوں نے بندوقوں کی ایسی باڑھیں ماریں کہ فصیل پر سے سب کو بھگا دیا نئی اور بندوقوں کی فوج کے پاؤں جم گئے راجہ کی فوج کے سرداروں نے فگر میڈو سے کہا کہ ایک دن ہم بھی تمھارے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کریں گے چنانچہ ایک دن فگر میڈو نے اپنے بندوقچیوں کی تین کمپنیاں تیار کیں اور مسلمان دکھلائی پڑا اسے نشانہ بنایا یہاں تک کہ مسلمان منہ چھپانے لگے اور کوئی شخص نظر نہ آتا تھا تب راجہ کی فوج نے تین ٹکڑے ہو کر فصیل کو گدالیوں اور رستبلوں (گدالوں) سے ڈھانا شروع کیا فگر میڈو نے باقی ماندہ فوج کو کہلا بھیجا

کہ اب تم لوگ بھی دھاوا کر دو جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محصورین پہلی فصیل چھوڑ کر بھاگے اور عورتیں اور بچے جان بچانے کو قلعے میں گھس گئے۔ قلعہ دار نے جب دیکھا کہ ایک بھاگڑ پڑ گئی ہے تو اُس نے پھر لوگوں کو ہمت دلائی اور چند لوگ لے کر فصیل کے اُس رخ پر آیا جہاں کہ بڑی سخت یورش ہو رہی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ اُس طرف تو فرنگی ہیں جو اُدھر گیا بس سمجھو کہ موت کے مُنہ میں گیا۔ قلعہ دار خود یہ دیکھنے کے لیئے کہ یہ پرتگالی کدھر ہیں فصیل کے جھروکے میں سے جھانک رہا تھا کہ سڑسے ایک گولی اُس کی پیشانی پر لگی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ گولی خود فگر ڈیو نے تاک کر ماری تھی قلعہ دار کا مارا جانا تھا کہ شہر میں ایک کھلبلی پڑ گئی اور سب فصیل پر سے بھاگے۔ راجہ کی فوج کے لیئے اب کیا روک ٹوک باقی تھی ایک سناٹا ہو گیا شہر کے اندر سے صرف واویلا کی آواز آتی تھی اور فصیل تو سُنسان پڑی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر اُس دن فوج ویسے ہی لڑائی بند کر کے واپس چلی گئی۔

گیارھواں باب

قلعہ والوں کا امان طلب کرنا

دوسرے دن جو لڑائی کا بیسواں روز تھا شہر والوں نے قلعے کا دروازہ کھول دیا اور ایک سفید جھنڈا آگے لیئے ہوئے اور سب کے سب اپنے دونوں ہاتھ سر کے اوپر اُٹھائے ہوئے (یہ بھی ہاتھ جوڑنے کا ایک طریقہ ہے) امان طلب کرنے کے لیئے راجہ کے کیمپ کی طرف چلے راجہ نے جب اِن کے آنے کی خبر سنی تو سالوتما کو بھجوایا اور ان لوگوں سے اچھی طرح پیش آنے کی تاکید کی۔ رعایا سالوتما وزیر کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر سمجھ گئی کہ ضرور راجہ کی کچھ مہربانی ہمارے حال پر ہوئی ہے جو وزیر کو بھجوایا۔ راجہ کے پاس سب لوگ پہنچے اور آتے ہی قدموں پر گر پڑے اور زمین پر لوٹ گئے اور رونے پیٹنے لگے اور جان کی امان چاہی۔ راجہ نے کہا کہ تم اُٹھو تو سہی۔ میں نے تمہاری جان مال سب بخش دیا اور تم کو امان دی تم کسی طرح کا خوف نہ کرو اور اپنے شہر میں بلا دغدغہ واپس چلے جاؤ میں بھی کل شہر میں آؤں گا اور ایک سردار کو حکم دیا کہ جاؤ اب شہر پر قبضہ کر لو۔ جب مسلمان راجہ کے حضور میں گریہ زاری کر رہے تھے تو فوج کے لوگ بھی تماشہ دیکھ رہے تھے اُس میں فگر ڈیو بھی موجود تھا مسلمانوں نے اُسے دیکھتے ہی راجہ سے عرض کی کہ شہر کی فتح کا اصل بانی مبانی یہی غیر ملکی شخص ہے۔ اسی نے ہمارے قلعہ دار کو مارا ہے اور پرتگالیوں ہی نے ہمارا کھوج کھو دیا سچ پوچھئے تو انھوں ہی نے شہر کا غنہ اُلٹ دیا۔ راجہ نے فگر ڈیو کی طرف دیکھ کر سر ہلایا (یعنی ہاں سچ کہتے ہو) اور اپنے مصاحبین سے مخاطب ہو کر بولا کہ "ہمت بھی کیا چیز ہے! ایک شخص مُسافر بھی کیسے کیسے کام کر جاتا ہے"۔ پھر راجہ اپنے خیمے میں چلا گیا اور جو لوگ گئے تھے وہ شہر میں گئے اور راجہ کی فوج میں خوشی کے ڈنکے بجنے لگے۔

بارھواں باب

شہر رائچور میں راجہ کا داخلہ اور جشن کی طیاری اور شہر کے متعلق راجہ کے انتظامات

دوسرے دن علی الصباح راجہ پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر اپنے امرا اور باوگی گارڈ کے ساتھ شہر کی طرف چلا۔ دیکھا تو شہر کے تمام لوگ اس کے آنے کے منتظر کھڑے تھے ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے ۔ کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

دل میں اُن کے کچھ بھی ہو مگر بظاہر تو خوش دکھلائی دیتے تھے۔ راجہ کو دیکھ کر اُنھوں نے خوشی کے نعرے بلند کیئے اور کہا الحمد للہ کہ برسوں کے بعد ہمارے محافظ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا اور اسطرح کے بہت سے کلمات دعائیہ زبان پر لائے اور خواہش امان جان و مال کی کی۔ راجہ سیدھا قلعے[۵۱] میں پونہچا اور وہاں پونہچ کر شہر کے معززین اور معتبرین کو طلب کیا اور سب سے کہا کہ ہم نے تمھاری جانیں اور مال بخش دیئے تم سب باطمینان تمام اپنے کاروبار میں مصروف رہو جو شہر میں رہنا چاہیں وہ بافراغت اپنے اپنے مکانوں میں رہیں اور جو جانا چاہیں اُن کو بھی ہماری طرف سے کچھ روک ٹوک نہیں ہے فوراً اپنا مال و اسباب لے کر شہر خالی کریں۔ تمام حاضرین نے راجہ کی اس نرمی اور مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور اُس کے سامنے زمین پر گر پڑے (جیسا کہ اس ملک کا اب تک قاعدہ ہے) راجہ تو سا کنین شہر سے گفتگو اور اُن کی دل جوئی میں مصروف تھا کہ خبر ملی کہ فوج نے شہر میں لوٹ مار شروع کر دی ہے راجہ نے سنتے ہی ممانعت کی اور لوگوں کی طمانیت کی اور جس کسی کا مال لوٹا گیا تھا فوراً واپس دلوا دیا۔ لیکن ایسے سوانح پر فاتح فوج کی دست درازی اور تظلم سے کون محفوظ رہ سکتا ہے بہت سے گھر لوٹے گئے لیکن غنیمت ہے کہ جانیں بچ گئیں لوگوں نے اس کو بھی مغتنم سمجھا کہ جان بچی لاکھوں پائے جان کا صدقہ مال سمجھ کر چپ ہو رہے لیکن جس جس کے ظلم کی راجہ کے کان تک خبر پونہچ گئی اُس نے ایسے لوگوں کو سخت سزا دی۔ تھوڑے ہی دنوں میں عادل شاہ کی شکستِ فاش کی خبر جو طرف پھیل گئی۔ جب عماد شاہ برار، برید شاہ بیدر، قطب شاہ گولکنڈہ اور دوسرے ممالک سلطانِ بہمنی[۵۲] میں یہ خبر معلوم ہوئی تو دل میں تو سب خوش ہوئے کہ بڑے بول کا سر نیچا اچھا ہوا کہ علول شاہ کو نیچا دیکھنا پڑا لیکن ساتھ ہی اس کے ان کا بھی خیر نظر نہ آئی کہ جب عادل شاہ جیسے زبردست بادشاہ کی یہ گت بنی تو ہم کس شمار قطار میں ہیں جب[۵۳] ہم دیکھیں کہ ہمارے ہمسایہ کی ڈاڑھی جل رہی ہے تو ہم کو چاہیئے کہ ہم جھٹ اپنی ڈاڑھی پانی میں بھگو لیں یعنی یہ کہ اگلا گرا پچھلا ہوشیار ہو کر اپنی حفاظت کا انتظام پہلے ہی سے کر لیں۔ ان سب نے اپنے اپنے ایلچی راجہ کے پاس بھیجے دیکھا تو وہ ابھی تک رائچور

---

[۵۱] بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ نے اُس مکان میں دربار کیا تھا جس میں اب جیل ہے ۱۲ [۵۲] اگرچہ سلطنتِ بہمنی ٹوٹ پھوٹ کر پانچ اسلامی سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں لیکن پھر بھی خاندانِ بہمنیہ کو برائے نام اعزازی تفوق حاصل تھا ۱۲ [۵۳] یہ ایک پرتگالی ضرب المثل ہے ۱۲

ہی میں تھا۔ ایلچیوں کو راجہ کی طاقت پر تعجب ہوا کہ اُس نے رائچور جیسے محفوظ شہر کو فتح کر لیا جس سے ہر طرف اس کی دھاک بیٹھ گئی۔ راجہ کی فوج کا تو کچھ شمار ہی نہ تھا۔ ایلچیوں نے جاکر راجہ کے سامنے خریطے پیش کیے جو پڑھے گئے۔ اِن میں یہ لکھا تھا کہ "آپ نے اتنے بڑے بادشاہ کو شکست دی ہمیں اُمید ہی کہ آپ کے واسطے یہ فخر کافی ہی اب توقع ہی کہ آگے کو لڑائی کا قصد نہ فرمائیں گے ہم کو آپ کی عالی ہمتی اور فراخ حوصلگی سے اُمید ہی کہ آپ ملکِ مفتوحہ عادل شاہ کو واپس دے دیں گے اور اگر ایسا ہو تو ہم سب بھی آپ کے مطیع و فرماں بردار رہیں گے لیکن اگر آپ اِس بات پر آمادہ نہیں ہیں تو ہم لوگ مجبوراً آپ کے برخلاف عادل شاہ کا ساتھ دیں گے اور پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ ملک آپ سے بُری طرح واپس لیا جائے گا"۔ راجہ نے غور سے اِن خریطوں کو سُنا اور سب کو ایک ہی جواب لکھوایا کہ "معزز فرمانروایان شاہان عمادیہ و بریدیہ و نظام شاہیہ و قطب شاہیہ و تمام سلاطین ملک دکن کی خدمت میں۔ میں نے آپ سب صاحبوں کے خریطوں کو ملاحظہ کیا اور میں آپ صاحبوں کی عنایت و مہربانی کا شکر گزار ہوں۔ عادل شاہ کے متعلق میرا یہ کہنا ہی کہ جو کچھ میں نے کیا اور جو ملک میں نے لیا وہ اسی سلوک کا مستحق تھا میں کوئی معقول وجہ نہیں دیکھتا کہ کیوں ملکِ مفتوحہ کو واپس دوں اور نہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔ آپ صاحبوں کے اِس پیغام کے متعلق کہ اگر میں آپ کے ایما کے موافق عمل نہ کروں تو آپ سب صاحب مجھ سے برگشتہ ہو کر عادل شاہ کا ساتھ دیں گے میرا صرف یہ کہنا ہی کہ آپ صاحب یہاں تشریف لانے کی تکلیف گوارا نہ فرمائیں بلکہ اگر آپ میں ہمت ہی تو آپ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیے میں وہیں پہونچ کر آپ کی خبر لوں گا اور یہی میرا جواب ہی" یہ تحریر راجہ نے ایلچیوں کو دی اور ان کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

تیرھواں باب

رائچور سے لوگوں کی جلاوطنی اور راجہ کا اُن سے عمدہ سلوک

بہت سے لوگ شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ جو لوگ لُٹ گئے تھے اور اُن کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ وہ کہیں جا سکتے اُن کو راجہ نے ضروری اور مایحتاج سامان دلا دیا۔ راجہ نے رائچور میں چند دن رہ کر سب انتظام ٹھیک ٹھاک کر دیا فصیل جہاں جہاں سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی اُس کی مرمت بھی کرا دی اور کافی فوج

شہر کی محافظت کے لیئے چھوڑ خود بیجانگر کو روانہ ہوا۔ جہاں اُس کی بڑی دھوم سے آؤ بھگت ہوئی اور اِس فتح کی یادگار میں بڑا جشن ہوا ساری فوج کو خلعت اور انعام ملا۔ جب جشن وغیرہ ختم ہو چکا تو راجہ ناگلاپور کو گیا وہاں جاکر اُس نے سنا کہ عادل شاہ کا کوئی ایلچی بیجانگر آیا ہوا بیٹھا ہی۔ راجہ کو تو پہلے ہی ایلچی کے آنے کی خبر لگ گئی تھی مگر اُس نے تجاہلِ عارفانہ کیا۔ یہ قاعدہ نہیں ہی کہ کسی ایلچی کے لیئے راجہ کی طرف سے تقدیم کی جائے۔ آخر کار ایلچی بیجانگر سے ناگلاپور آیا اور شہر کے پاس اپنے خیمے نصب کیئے۔ ایلچی کے ساتھ ڈیڑھ سو گھوڑے اور بہت سے ہمراہی اونٹ اور باربرداری کے جانور بہت کچھ لوازمہ تھا اور جیسی کرّوفر کہ عادل شاہ جیسے بادشاہ کے ایلچی کے ساتھ ہونی چاہیئے تھی ویسی تھی۔ عادل شاہ کے خاص دو منشی بھی ساتھ تھے غرض ایلچی بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے آیا تھا۔ جب ایلچی اپنی جگہ اُتر گیا تو اُس نے راجہ کے حضور میں اپنی حاضری کی اطلاع کرائی اور کہلا بھیجا کہ مجھے شرفِ باریابی دے کر جلد رخصت فرمایا جائے راجہ نے کہلا بھیجا کہ اچھا میں تم کو بلا بھیجوں گا لیکن ایسی جلدی کیا ہی ابھی تو تم آئے ہو۔ ایلچی اِسی طرح انتظار ہی انتظار میں ایک مہینے تک پڑا رہا راجہ نے اُلٹ کر بھی نہ پوچھا۔ وہ بیچارہ روز محل میں جاتا تھا امرائے دربار سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرکرا کے واپس چلا آتا تھا لیکن راجہ کو متوجہ نہ دیکھ کر وہ بھی خاموش تھا اور راجہ کی طلبی کا منتظر تھا۔ آخر کار ایک دن راجہ نے کہلا بھیجا کہ کل کا دن اچھا ہی کل میں تم سے ملوں گا۔ ایلچی راجہ کے دربار میں جانے کی طیاری کرنے لگا اور وقت مقررہ پر بڑی دھوم دھام سے اپنے ساتھ شہر کے معزز مسلمانوں کو مع باجے گاجے کے لے کر گیا۔ محل کے امرا و رؤسا اُس کی شان کے مطابق اُس سے پیش آئے۔ سب باہر دیوان خانے میں جاکر بیٹھ گئے اور راجہ کی طلبی کا انتظار کرنے لگے تھوڑی دیر میں راجہ نے یاد کی۔ ایلچی حسبِ دستور رواج راجہ کو آداب بجا لایا۔ سارے درباری راجہ کے پاس دست بستہ کھڑے تھے۔ راجہ متوجہ ہوا اور کہا کہو کیا کہنا ہی۔ ایلچی نے نہایت ادب سے حسبِ ذیل عرض کی۔

چودھواں باب

عادل شاہ کے ایلچی کی باریابی اور پیغام رسانی

"حضور پر نور! ہمارے جہاں پناہ و مالک عادل شاہ بادشاہ نے مجھے حضور والا کی خدمتِ اقدس

میں بھیجا ہی اور میرے ذریعے سے آپ سے انصاف کا خواستگار ہی۔ بادشاہ نے فرمایا ہی کہ وہ آپ کی نسبت ایسے مخلصانہ خیالات رکھتا ہی جیسے کہ دنیا میں بڑے سے بڑے طاقتور رئیس کی نسبت ہونے چاہئیں اور آپ کو منصف مزاج اور صادق القول سمجھتا ہی۔ حضور والا نے بلاوجہ قدیم اتحاد اور رابطہ دوستانہ کو توڑ دیا ہی۔ ہمارے آپ کے دوستانہ تعلقات اور مصالحت سالہا سال سے نہایت مستحکم اور مضبوط طور پر قائم تھی جس کو آج تک طرفین نے بخوبی نبھایا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ حضور والا نے کیوں اس قدر زحمت گوارا فرمائی کہ اپنی دارالسلطنت سے برآمد ہو کر ہم سے جنگ شروع کی۔ مجھے آپ کی طرف سے مطلق خدشہ نہ تھا اور پورا اطمینان تھا کہ اچانک آپ کے رایچور کے محاصرہ کرنے اور اطراف کے ملک پر لوٹ مار کرنے کی خبر ملی۔ تب مجھے مجبوراً اپنے ملک کی حفاظت کے لیئے نکلنا پڑا۔ آپ کو خود معلوم ہی کہ آپ نے میرے تمام اُمرا و معززین کو قتل کر ڈالا۔ لشکر کو لوٹ کر برباد کر دیا یہ واقعات حضور کے چشم دید ہیں زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں خیر جو ہوا سو ہوا اب آپ کو چاہیئے کہ تلافیِ مافات کی کوشش فرمائیں اور ہمارا توپ خانہ ہاتھی گھوڑے اور خیام وغیرہ کل اسباب واپس دے دیں اور شہر رایچور پر سے بھی اپنا قبضہ اُٹھالیں۔ اگر حضور والا اس بات پر آمادہ ہو جائیں اور ہمارا کل مال و اسباب اور ملک واپس دے دیں تو ہمارے بادشاہ کے اور آپ کے ہمیشہ ویسے ہی دوستانہ تعلقات قائم رہیں گے جیسے کہ آج تک تھے لیکن (اگر خدانخواستہ) حضور والا نے اس امر کو منظور نہ فرمایا تو اس کا نتیجہ فدوی کے نزدیک تو بہتر نہ ہوگا گو حضور اُسے اچھا ہی کیوں نہ تصور فرمائیں۔" راجہ نے کہا اچھا معلوم ہوا اب دربار برخاست آپ تشریف لے جائیں اور ٹھیریں کل آپ کو ہم جواب دیں گے اور راجہ نے ایلچی کو ایک خلعتِ فاخرہ دے کر رخصت کیا۔

پندرھواں باب

ایلچی کو راجہ کا جواب۔ راجہ بیجانگر اور عادل شاہ کی ملاقات کا ٹھہرنا۔ بیجاپور کی تباہی اور اسد خاں کا بیچ بچاؤ کرنا

دوسرے دن راجہ نے ایلچی کو طلب کر کے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد کہا اچھا ہم کو تمہاری درخواست پوری طرح منظور ہی ہم تمہارے بادشاہ کی رتی رتی بھر چیز واپس دے دیں گے۔ اور

صلابت خاں کو بھی قید سے چھوڑ دیں گے لیکن ہماری طرف سے صرف ایک شرط ہی کہ تمھارا بادشاہ آن کر ہمارے قدم بوس ہو۔ ایلچی یہ سن کر رخصت ہوا اور اپنے قیام گاہ پر آکر بادشاہ کی خدمت میں عرض داشت لکھی اور من جملہ اُن دو شاہی منشیوں کے جو ساتھ آئے تھے ایک کے ہاتھ بھیج دی۔ بادشاہ نے فوراً جواب دیا کہ میں تو بیجانگر کسی حالت میں آنہیں سکتا پھر میری اور راجہ کی ملاقات کیوں کر ہوسکتی ہی۔ تاہم میں دل و جان سے راجہ کی حسب خواہش عمل کرنے کو موجود ہوں۔ ایلچی نے راجہ کو شاہی پیغام پونہچادیا۔ راجہ تو عادل شاہ ہی کی قدم بوسی کو ساری دولت اور ملک سے جو جنگ رایچور میں حاصل ہوئی تھی بڑھ کر سمجھتا تھا اس لیئے اُس نے کہا کہ تم بادشاہ کو ہماری سلطنت کی سرحد پر تو بلاؤ ہم ہی وہاں چل کر اُن سے مل لیں گے۔ ایلچی نے کہا بہت خوب اور عادل شاہ کو سرحد تک آنے پر آمادہ کرنے کے لیئے اُدھر گیا اور اُدھر راجہ اپنی سرحد پر بہ مقام مدگل پونہچ گیا وہاں پونہچنے پر معلوم ہوا کہ عادل شاہ ملاقات کے لیئے چلا آرہا ہی اور اب قریب ہی ہی۔ راجہ کو عادل شاہ سے ملنے کا شوق ایسا غالب تھا کہ وہ اپنی حدود سے بھی آگے بڑھ کر علاقۂ سلطنتِ بہمنیہ میں جا پونہچا لیکن پھر بھی لوگ یہی کہتے رہے کہ اس مقام پر بادشاہ آگیا ہی اور اب اُس مقام پر ہی اور یہیں قریب ہی کہ راجہ بڑھتے بڑھتے شہر بیجاپور جو خود عادل شاہ کا پایۂ تخت تھا پونہچ گیا۔ بیجاپور میں عمدہ عمدہ اور عالی شان مکانات ایسے جیسے کہ ہم لوگوں کے ہوتے ہیں بنے ہوئے ہیں اور بہت سے اچھے باغات میوہ جات انگور۔ انار۔ لیموں۔ سنتروں کے بھی ہیں۔ بیجاپور پونہچ کر بادشاہ کی ملاقات کے انتظار میں راجہ ٹھیرا رہا۔ راجہ نے دِل میں ٹھان لی تھی کہ اگر بادشاہ آجائے تو میں اُس کی گستاخی کا بدلا اچھی طرح لے لوں گا اور اُس کے آنے کی دیر ہی کہ فوراً پکڑ کر مروا ڈالوں گا۔ غرض اِسی اُمید اُمید پر بیجاپور میں چند دن تک پڑا رہا۔ مگر بادشاہ کی ہمت نہ پڑی اور نہ آیا پر نہ آیا۔ تب ناچار راجہ نے واپسی کا ارادہ کیا کہ شہر میں پانی کی کشش ہونے لگی کیوں کہ یہ شہر ایک سپاٹ میدان پر واقع ہی جہاں سوائے بارش کے پانی کے جو دو بڑے بڑے تالابوں میں جمع ہو جاتا ہی اور کوئی قدرتی ذخیرہ نہیں ہی مسلمانوں نے راجہ کے آنے کی خبر سنکر تالابوں کے دہانے کھول کر تالاب بھی خالی کر دیئے تھے کہ رہا سہا پانی بھی باقی نہ رہے اور راجہ گھبرا کر چلا جائے اور اسی مجبوری سے راجہ کو واپس ہونا پڑا لیکن شہر مفت میں تباہ ہوا کچھ اِس وجہ سے نہیں کہ راجہ نے لُوٹ مار کا حکم دیا تھا۔ نہیں۔ بلکہ راجہ کی فوج کو ایندھن کی سخت تکلیف تھی بیجاپور میں

جلانے کی لکڑی کا کال تھا تھوری بہت جو آتی تھی وہ بہت دور سے آتی تھی اور لشکر کے خوف سے وہ بھی آنی بند ہوگئی تھی اس وجہ سے ہزار ہا مکانوں کا چوبینہ گھسیٹ گھسیٹ کر فوج نے جلا دیا۔ بادشاہ نے یہ سُن کر کہلا بھیجا کہ بھلا یہ تو بتلائیے کہ میری رعایا نے آپ کا کیا بگاڑا ہے کہ آپ نے ہزار ہا مکان ڈھوا دیئے کیوں کہ فی الحقیقت سوائے محلات شاہی کے اَور کوئی مکان ان کی دست بُرد سے بچا نہ تھا اور محلات شاہی بھی صرف اِس وجہ سے محفوظ رہے کہ خود بادشاہ اُن میں تھا۔ راجہ نے کہا کہ میں نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے نہ میرے حکم سے مکان گرائے گئے بلکہ بات یہ ہے کہ فوج میرے بس کی نہیں ہے میں کس کس کو سنبھالوں۔ آخر کار راجہ مدگل چلا گیا جب کہیں بادشاہ شہر بیجاپور میں آیا۔ بادشاہ نے دیکھا تو راجہ نے سارے شہر کو اُجاڑ کر دیا تھا تب بادشاہ نے کہا کہ از ماست کہ بر ماست۔ اگر میں راجہ سے جا کر ملاقات کر لیتا تو میرا شہر اِس طرح بے وردی سے کیوں تباہ ہوتا۔ میں تو طیار ہی تھا مگر میں کیا کروں کہ میرے صلاح کاروں نے مجھے اُلٹی پٹی پڑھائی خیر اب جو ہُوا سو ہوا اب پچتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔ اب اگر موقعہ ہوا تو ضرور راجہ سے ملاقات کروں گا۔ پھر بادشاہ نے اُمرا سے مشورہ کیا اور کہا کہ دیکھو اگر ہماری اور راجہ بیجانگر کی مصالحت ہو جاتی اور ہم دونوں مل جاتے تو میری سلطنت کو اِن دوستانہ تعلقات سے کس قدر تقویت پہنچتی اور ہمارے بہت سے کام نکلتے اور اسی قسم کی اونچ نیچ کی بہت سی باتیں اُمرا سے کیں تب اسد خاں والی بلگاؤں نے جو بادشاہ کو میدانِ جنگ سے لے کر بھاگا تھا اور جو بڑا جہاں دیدہ اور پولٹیکل تھا عرض کی کہ "اگر غلام کو اجازت ہو تو میں راجہ کے پاس جا کر سب باتیں حضرت کے ارشاد کے موافق طے کر لوں"۔ بادشاہ نے سنتے ہی کہا کہ "بہت اچھا مناسب ہے"۔ اسد خاں کی غرض اِس سے بادشاہ کی خیر خواہی تو ذرا بھی نہ تھی کیوں کہ اَور بہت سے امیر بھی اِس کام کو کر سکتے تھے اُس کا مقصد تو صرف اِس بہانے سے اپنے دشمن صلابت خاں سے بدلا لینا تھا جو راجہ کے ہاں قید تھا۔ صلابت خاں سے عداوت کی وجہ یہ تھی کہ اسد خاں کے دل میں اِس بات کا خار تھا کہ اُس نے کہا تھا بادشاہ کو یہی میدان جنگ سے بھگا کر لے گیا اور اسی کی کم ہمتی اور بُزدلی سے سارا لشکر تباہ اور شکست ہوئی۔ صلابت خاں نے غصّے کی حالت میں یہ بات تمام لوگوں سے جو اُس سے ملنے گئے تھے کھُلے خزانے کہی تھی اور وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ مجھے قید سے رہائی کی کچھ تمنا نہیں ہے مگر ہاں صرف ایک آرزو ہے کہ ایک مرتبہ یہاں سے چھوٹ کر اسد خاں کے اور میرے دو دو ہاتھ ہو جائیں

تو میرے دل کی بھڑاس نکل جائے۔ اسد خاں کو یہ بات معلوم ہی تھی اس وجہ سے اُسے اندیشہ تھا کہ اگر خدانخواستہ صلابت خاں قید سے چھوٹ گیا تو قول کا دھنی ہے جو اُس نے زبان سے کہا ہے ضرور کر کے ہی دکھا دے گا پس کسی نہ کسی طرح ایسی چال چلنی چاہیئے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اُسے مروا ڈالنا چاہیئے کہ پاپ کٹے اور محض اسی خیال سے اُس نے راجہ کے پاس ایلچی بن کر جانے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔

سولھواں باب

اسد خاں کا راجہ کے پاس جانا اور صلابت خاں کا کام تمام کرانا

اسد خاں حسبِ فرمانِ شاہی چند ہمراہی اور سواروں کو لے کر مدگل کی جانب چلا جہاں راجہ ٹھیرا ہوا تھا۔ عادل شاہ بھی اُس کے ساتھ ساتھ دریا تک گیا۔ اسد خاں مدگل پونہچا اور راجہ کی اجازت سے شہر میں داخل ہو کر کئی دن تک چپ چاپ بیٹھا رہا نہ راجہ کے پاس گیا نہ آیا آخر کار راجہ نے خود اُسے بُلوایا تب راجہ کے حضور میں حاضر ہو کر جیسا کہ ایسے مواقع پر ٹھنڈا کرنے کا قاعدہ ہے بڑی دانش مندی اور جرأت سے کہا کہ فی الواقع عادل شاہ سے سخت غلطی ہوئی کہ آپ سے مفت کی لڑائی مول لی۔ اسد خاں بڑا چرب زبان نشیب و فرازِ زمانے سے واقف تھا اُس نے کچھ ایسی چکنی چپڑی باتیں کیں کہ راجہ کو شیشے میں اُتار لیا اور عادل شاہ پر جو وہ آگ بگولا ہو رہا تھا بالکل ٹھنڈا ہو گیا۔ اسد خاں نے کہا بادشاہ تو آپ سے کبھی کا مِل چکا ہوتا لیکن بڑا سبب ترکِ ملاقات کا صلابت خاں ہی تھا جو آپ کے پاس قید ہے اسی نے بادشاہ کو بھڑکایا کہ بھول کر بھی ملاقات نہ کرنا ورنہ آپ کی جان کی خیر نہیں ہے۔ پہلا وار تو صلابت خاں پر یہ چلا اور پھر خوب نمک مرچ لگا کر اور بہت سی باتیں صلابت خاں کے خلاف کیں جس سے راجہ ایکدم صلابت خاں کا دشمنِ جانی ہو گیا۔ راجہ نے اسد خاں کی ساری باتوں کو سچ سمجھ لیا اور کیوں کر اسد خاں جیسے نامور امیر الامرائے سلطنت کی نسبت جھوٹ بولنے کا گمان ہو سکتا تھا۔ راجہ نے فوراً بیجانگر کو حکم بھیجا کہ اس حکم کے پونہچتے ہی صلابت خاں کا سر اُڑا دیا جائے۔ جب اسد خاں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو اُسے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ راز کھُل جائے اور مجھ پر بھی کوئی بلا نازل ہو اس لیئے فوراً راجہ سے رخصت طلب کی کہ میں جا کر بادشاہ کو دریا تک لاتا ہوں آپ اِدھر سے تشریف لائیں وہیں دونوں کی ملاقات ہو جائے گی۔ لیکن راجہ نے کہا کہ ایسی کیا جلدی ہے چند روز تو یہاں ٹھیر کر آرام لو مجھے تم کو کئی چیزیں

دکھلانی ہیں اور ابھی کئی ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اسد خاں گھبرایا کہ دال میں کچھ کالا ہے اور اگر بھانڈا پھوٹ گیا تو بڑی مشکل پڑے گی اس دہشت سے وہ ایک دن چُپچُپاتے رات کو چل دیا اور بات یہ گھڑی کہ راجہ نے اُس کی گرفتاری کا حکم دیا تھا اس واسطے بھاگ آیا۔ اسد خاں مدگل سے بھاگ کر سیدھا عادل شاہ کے پاس پونہچا اور کہا کہ راجہ نے صلابت خاں کو مروا ڈالا اور میری بھی یہی گت بنانے والا تھا کہ میں جان بچا کر بھاگا آپ ہرگز راجہ کی کسی بات پر اعتبار نہ کیجئے گا اُس کے کسی قول فعل کا اعتبار نہیں آخر کو کافر ہی ہے نا۔ یہ کہہ سُن کر اسد خاں اپنی جاگیر بلگاؤں کو چلا گیا جہاں اُس نے اپنی خوب مضبوطی کر لی یہاں تک کہ بادشاہ نے اُسے ایک مرتبہ بُلوایا تو بھی ٹال دیا کیوں کہ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں نے جو چال صلابت خاں کے لیئے چلی تھی اُس کی خبر بادشاہ کو پونہچ گئی ہے اور جانے میں سوائے بُرائی کے کچھ بھلائی نظر نہیں آتی۔

سترھواں باب

راجہ کا اپنی سلطنت کی سرحد تک عادل شاہ کے ملنے کی غرض سے جانا اُس کا نہ ملنا اور غصے میں گلبرگہ کو لُوٹ ڈالنا

اسد خاں کے کہنے میں آکر راجہ اپنی سرحد پر پھر گیا لیکن عادل شاہ کا وہاں پتہ نہ تھا راجہ فوراً تاڑ گیا کہ اسد خاں نے اُسے جُل دیا اور یہ ساری پیش بندی اُس نے صلابت خاں کو مروانے کے لیئے کی تھی۔ راجہ از حد برافروختہ ہوا اور تو کچھ نہ سوجھی سلاطینِ بہمنیہ کے دارالسلطنتِ گلبرگہ پر جا چڑھا اور سارے شہر کو تباہ کیا قلعے کو اور دوسری عمارتوں کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا۔ راجہ نے چاہا کہ اطراف واکناف کے ملک کو بھی لوٹوں لیکن لوگوں نے عرض کیا کہ اِس رستے میں پانی کی بڑی دقت ہے علاوہ اِس کے تمام مسلمان بادشاہ جو اَب آپ کی دوستی کا دم بھرتے ہیں بھڑک جائیں گے کہ جس طرح راجہ نے سلطنتِ گلبرگہ سے سلوک کیا اسی طرح ہم سے بھی پیش آئے گا کیوں کہ مسلمان مسلمان سب ایک ہیں ہماری طرف سے پہل ہو تو ممکن ہے کہ وہ سب عادل شاہ سے جا ملیں اور پھر سب کے سب مل کر ہم پر یورش کریں گو ہم اِن سب کے لیئے بھی بہت ہیں تاہم پانی کے قحط کو ہم کیا کریں گے۔ قلعۂ گلبرگہ میں راجہ کو سلطان بہمنی کے تین بیٹے ملے جو یہاں قید تھے۔ اِن میں سے بڑے کو تو راجہ نے اُس کے مرحوم باپ کی جگہ

تخت پر بٹھا دیا لیکن عادل شاہ اپنے برادرِ نسبتی کو جو بادشاہِ گلبرگہ کا غیر صحیح النسب لڑکا تھا اور اُس کا بہنوئی بھی تھا تخت نشین کرانا چاہتا تھا اسی وجہ سے اُس نے اِن تینوں بھائیوں کو قلعۂ گلبرگہ میں قید کر رکھا تھا۔ بڑے لڑکے کو سارے ملک نے بخوشی اپنا بادشاہ تسلیم کیا اور عادل شاہ نے بھی راجہ کے ڈر سے کان نہ ہلایا باقی دونوں بھائیوں کو راجہ اپنے ساتھ لے گیا اور ان میں سے ہر ایک کو پچاس ہزار پرڈاؤ طلائی سالانہ مقرر کر دیا اور اِن کو اپنے پاس ایسی عزت و احترام سے رکھا کہ جو اِن کے شایانِ[1] تھا۔ اِس سال پھر راجۂ بیجانگر اور عادل شاہ کے درمیان کوئی قابلِ ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔

اٹھارواں باب

راجہ کا اپنی زندگی میں اپنے شش سالہ لڑکے کو تخت نشین کرنا

راجہ نے جب چاروں طرف اپنے دشمنوں کو مغلوب کر لیا اور مسلمانوں پر ایسی کھلم کھلا فتح پائی تو اُس کو خیال پیدا ہوا کہ میرا سن و سال اس امر کا متقاضی ہے کہ کچھ آرام بھی لوں اور خدا جانے میرے بعد کیا اتفاق پیش آئے مناسب یہ ہے کہ میں اپنے سامنے ہی اپنے لڑکے کو جس کی عمر چھ سال ہے تخت نشین کر دوں چنانچہ راجہ نے کاروبارِ سلطنت اور تخت چھوڑ دیا اور اپنے بیٹے کو راجہ بنا کر خود اُس کا وزیر بنا اور سالو تمّا کو جو وزیر تھا مشیر مقرر کیا اور یہاں تک اِس کا اہتمام کیا کہ خود کشن رائے نے اپنے بیٹے کو نذر دی۔ اِس تخت نشینی کے بڑے جشن ہوئے جو آٹھ مہینے تک متواتر رہے لیکن (افسوس ہے کہ) وہ لڑکا ایسا سخت بیمار پڑا کہ مر گیا۔ بعد میں کشن رائے نے سُنا کہ اُس کے بیٹے کو سالو تمّا کے بیٹے نے زہر دے کر مار ڈالا اور جب یہ بات اچھی طرح تحقیق ہو گئی تو کشن رائے نے بڑے غصّے کی حالت میں سالو تمّا اور اُس کے بیٹے اور گنڈاجی اُس کے بھائی اور بہت سے اُمرا کو جو سالو تمّا کے عزیز و قریب تھے بُلوا بھیجا اُس وقت اَور بھی بہت سے اُمرا دربار میں حاضر تھے۔ سالو تمّا سے مخاطب ہو کر راجہ نے یوں کہا کہ "میں تجھے آج تک اپنا دوست سمجھتا تھا اور چالیس برس تک تو ہمارا وزیر رہا ہے اور اس میں شک نہیں کہ تو نے ہی مجھے سلطنت دلوائی لیکن میں تیرا ذرا بھی ممنون نہیں ہوں کیوں کہ تُو نے سراسر دغابازی اور بے ایمانی کی اور اپنا فرض

[1] تاریخ سے اِن واقعات کی تائید نہیں ہوتی ہاں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ محمود شاہِ ثانی بہمنی کا انتقال ۱۵۱۸ء میں ہوا تھا اور اس کے تین بیٹے تھے۔ احمد[1] علاء الدین[2] اور ولی[3] اللہ۔ ان میں سے اوّل الذکر دسمبر ۱۵۱۷ء میں تخت پر بیٹھا اور دوسرا ۱۵۲۱ء میں اور تیسرا بھی اسی سال ۱۲

رستبازی سے ادا نہیں کیا۔ تیرا فرض تھا کہ جیسا تجھے تیرے راجہ (میرے بھائی) نے حکم دیا تھا تو میری آنکھیں نکلوا ڈالتا لیکن تُو نے صریح عدول حکمی اور نافرمانی کی اور تُو نے اُسے دھوکا دیا کہ بکرے کی آنکھیں نکلوا کر اُس کے سامنے رکھ دیں چوں کہ تُو نے اپنے مالک کے حکم کی تعمیل نہیں کی اس وجہ سے تو ضرور دغاباز اور نمک حرام ہے اور تیرے ساتھ تیرے بیٹے بھی لیکن میں نے تم سب کے ساتھ بے انتہا سلوک کیا اب مجھے معلوم ہوا کہ تُو نے اور تیرے بیٹوں نے مل کر میرے بیٹے کو زہر دے کر مار ڈالا اور اس لیئے میں نے تم سب کو قید کیا" چنانچہ تین سال تک ان سب کو قید رکھا اور قدم ریڈی کے بیٹے اجابائیسا[۵۱] (آجاپر کا تمپا) کو اپنا وزیر مقرر کیا یہ وہی قدم ریڈی تھا جس نے راجہ نرسنہواں کے بیٹے کو بین کنڈہ میں کشن رائے کے باپ کے ایما سے مروا ڈالا تھا۔ چند دنوں بعد سالو تمّا کا بیٹا تمّا دھن نایک قید سے بھاگ گیا اور ایک گڑھی میں جو پہاڑوں کے بیچوں بیچ تھی جا گھسا جہاں اُس کا ایک عزیز رہتا تھا اُس نے بڑے تپاک سے اُسے لیا اور اُس کی فوج سے مدد کی۔ تمّا دھن نایک نے راجہ کا مقابلہ شروع کیا اور کئی لڑائیاں لڑا آخر کار راجہ نے اپنے وزیر اجابائیسا کو فوج دے کر بھجوایا جس نے گڑھی کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور دھن نایک کو گرفتار کر کے راجہ کے روبرو حاضر کر دیا۔ راجہ نے دھن نایک اور اُس کے باپ سالو تمّا اور دوسرے بیٹے گنڈا راجہ کو سامنے طلب کیا اور ان سب کی آنکھیں نکلوا ڈالیں کیوں کہ برہمن کو جان سے نہیں مارتے برہمہتیا بڑا پاپ ہے بلکہ ایسی سزا دیتے ہیں کہ جس میں جان نہ جائے۔ پھر سب کو بدستور قید میں ڈال دیا۔ قید خانے ہی میں تمّا دھن نایک مر گیا اور سالو تمّا اور اُس کا دوسرا بیٹا گنڈا راجہ زندہ رہے۔

اُنیسواں باب

عادل شاہ کا رایچور آنا اور راجۂ بیجانگر کے آنے کی خبر پا کر واپس جانا۔
کشن رائے کا ناگلاپور آباد کرنا اور ایک بڑے تالاب کی تعمیر۔

اِس زمانے میں عادل شاہ نے لشکر جمع کرنا شروع کیا اور نئی فوج سوار وں اور ہاتھیوں کی بھرتی کر کے رایچور پر جو راجۂ بیجانگر کے قبضے میں تھا چڑھائی کی۔ جوں ہی کشن رائے کے کان میں یہ خبر پڑی اُس نے

[۵۱] بائیسویں باب میں کشن رائے کے وزیر کا نام آجاپر کا تپا لکھا ہے اور یہی نام زیادہ قرینِ قیاس ہے آجاپر کا خاندانی نام ہوگا اور تپا اصلی نام ۱۲

نہ کسی سے کچھ کہا نہ سُنا بلکہ گھوڑے پر زین دھر سیدھا رایچور کی طرف یلغار روانہ ہوا۔ رستے میں کشن رائے نے چھ سو گھوڑے پرتگالیوں سے اُنیس اُنیس گھوڑوں کا پٹھہ ایک ہزار پرڈاؤ کو خریدا[۵۱]۔ جب عادل شاہ نے سنا کہ کشن رائے چلا آرہا ہے تو وہ بھاگا۔ کشن رائے نے رایچور پہنچ کر کہلا بھیجا کہ دو مرتبہ تم نے خلاف وعدگی کی ہے اور تیسری دفعہ بھی دُم دبا کر بھاگے چوں کہ آج تک تم نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا یاد رہے کہ اب کی دفعہ ایسی گھنگور لڑائی ہوگی کہ تم کو مٹا کر ہی نہ چھوڑا ہو تو سہی اور بلگاؤں پر میرا دانت ہے جب تک بلگاؤں فتح نہ کرلونگا تمھارا پیچھا ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ چوں کہ سردی کا موسم شروع ہوگیا تھا اس لیئے راجہ آگے نہ بڑھ سکا اور بیجانگر واپس آکر جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ فوج کو آراستہ کرنے کے علاوہ ایک بڑا توپ خانہ بھی طیار کیا اور ایک ایلچی کو بطلبِ امداد گورنر گوا کے پاس بھی بھیجا اور اقرار کیا کہ اگر میں بلگاؤں فتح کرلوں گا تو برِ اعظم کا حصہ تم کو دے دوں گا۔ بلگاؤں گوا سے پندرہ لیگ ہے بلگاؤں ہی کے حاکم کے تحت حکومت برِ اعظم بھی تھی۔ پانڈاگوا سے تین لیگ ہے وہاں کا والی انکس خان تھا اس کے علاوہ اَور بہت سے مواضع اور علاقہ جات تھے کہ جن کا محاصل عادل شاہ کو پہنچتا تھا۔ کشن رائے جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا کہ وہ ناگاہ بیمار پڑا اور اس گھڑی کا پڑا کہ مر کر ہی چھوٹا۔ راجہ کا مرض الموت دِق ہی تھا جس میں تمام راجگانِ بیجانگر مبتلا ہو کر مرے یعنی بُن ران میں گلٹی ہوئی تھی۔ کشن رائے نے عنفوانِ شباب میں چنّا دیوی[۵۲] نامی ایک طوائف سے تعلق پیدا کرلیا تھا اور اُس سے کچھ ایسی محبت بڑھ گئی تھی کہ راجہ ہونے کے بعد اُس سے شادی کرنے کا پختہ قول و قرار ہوگیا تھا اور اگرچہ اُس وقت یہ بات مذاقیہ طور پر کہی گئی تھی لیکن آگے چل کر سچ ہوگئی۔ جب کشن رائے تخت نشین ہوا اور جوانی کی غلط کاریوں سے اجتناب کرنے لگا تب بھی وہ اس عورت کو نہ بھولا اور ہمیشہ اپنے محل سے چھپ کر اُس کے گھر جایا کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک رات کو سالوتمّا وزیر نے راجہ کو اُس کے مکان میں پکڑ لیا اور بہت کچھ لعنت ملامت کر کے محل کو واپس لایا۔ تب راجہ نے اپنے تعشق کا پوست کندہ حال بیان کیا اور کہا کہ میں اس سے شادی کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں اور چاہے دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے مگر یہ بات ہو کر رہے گی۔ وزیر نے جب راجہ کا ارادہ پکّا پایا تو اُس نے بھی مخالفت بے سود سمجھی اور کہا کہ خیر میں

---

۵۱ وقائع نگار خود گھوڑوں کا سوداگر تھا اور بیجانگر ہی میں تجارت کرتا تھا آگے چل کر اُس نے لکھا ہے کہ عموماً ہزار پرڈاؤ کے پندرہ راس گھوڑے فروخت ہوتے تھے ۱۲

۵۲ اصل نام ناگلا دیوی تھا جیسا کہ ناگلاپور کے نام سے ظاہر ہے۔ چنّا دیوی غالباً عرف ہوگا ۱۲

آپ کے ارادے کو اس عمدگی سے پورا کرادوں گا کہ کام بھی بن جائے اور آپ کی بدنامی بھی نہ ہو۔ وزیر نے راجہ نرسنہواں کے خاندان کی ایک خوبصورت لڑکی سے راجہ کی شادی کرادی اور جشن شادی کے اختتام پر اُس نے اِس عورت کو بھی اُسی مکان میں داخل کر دیا اور اُس کے لیئے وہیں ایک بہت بڑا عالیشان محل بنوا دیا۔ اِس کے بعد راجہ نے اَور کئی شادیاں کیں کیوں کہ راجاؤں کی عموماً بہت سی بیویاں ہوتی ہیں مگر اِس نے تو چار ہی عورتیں کی تھیں۔ لیکن پھر بھی سب سے زیادہ اِسی طوائف کو چاہتا تھا چنانچہ اِس کی یادگار میں اُس نے ایک نیا شہر ناگلا پور آباد کیا اور اُس کے اطراف میں ایک فصیل بنوائی جو اس کے عہد کا سب سے بہتر کام ہے اور شہر میں ایک بہت بڑا بازار جس کے دو رویہ پختہ مکانات تھے بنوایا۔ اِس شہر کو آباد کرنے کے لیئے راجہ کے حکم پر تمام امرا نے اپنے اپنے محل یہاں بنوائے۔ اِس شہر میں ایک بڑا بازار (۷۰۰ ۴ھ) قدم لمبا اور (۴۰) قدم چوڑا ہے۔ فی الحقیقت یہ بازار نہایت خوب صورت اور قابلِ دید ہے۔ راجہ نے اِس شہر کی تعمیر میں بلا غل وغش روپیہ خرچ کیا اِس شہر کی عظمت کا اندازہ اِس پر سے کیا جا سکتا ہے کہ صرف چُنگی کا محصول درآمد بیالیس ہزار پرداؤ تھا چنگی کا محصول گراں تھا اور ہر چیز پر جو شہر میں آتی تھی لیا جاتا تھا حتّٰی کہ پیدل چلنے والوں کے سر کے بوجھوں اور جملہ سامانِ تجارتی پر محصول مقرر تھا۔ اس راجہ نے دو پہاڑوں کے درمیان ایک بڑا تالاب بھی بنوایا۔ لیکن اِس ملک میں کوئی عمدہ کاریگر نہ تھے اس لیئے راجہ نے گورنر پرتگال کی معرفت ایک مشہور اٹلی کے انجنیر جو آوڈلا[۵۲] پانٹی کو بلوایا جو فنِ سنگ تراشی میں بڑا ماہر و مشہور تھا اور اُس کو اپنے منشا سے آگاہ کیا۔ انجنیر نے جب راجہ کی رائے سُنی تو وہ سمجھ گیا کہ یہ تو اَن ہونی بات کہہ رہا ہے لیکن پھر بھی راجہ کی خاطر سے حامی بھر لی۔ انجنیر نے کہا کہ بہت خوب پہلے تو چونا طیار ہونا چاہیئے راجہ یہ سُن کر بہت ہنسا کیوں کہ اس ملک میں مکانوں کی تعمیر میں چونہ بہت کم لگایا جاتا ہے۔ راجہ نے پہاڑ کو ڈھانے اور بڑی بڑی چٹانوں کو پھوڑنے اور پتھروں کے گرانے کا حکم دیا لیکن دن بھر جو کام ہوتا رات کو سب برابر ہو جاتا تھا بڑی بڑی گھاٹیوں اور کھڈوں میں کچھ معلوم بھی نہ ہوتا تھا۔ راجہ سخت پریشان تھا کہ آخر یہ کام کیوں کر ہوگا تب اُس نے اپنے مشہور عقل مند اور تجربہ کار مصاحبین اور نیز نجومیوں

---

[۵۱] تخمیناً سوا میل۔ ناگلا پور فی زمانہ ہوس پیٹ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بازار اب موجود نہیں ہے ۱۲

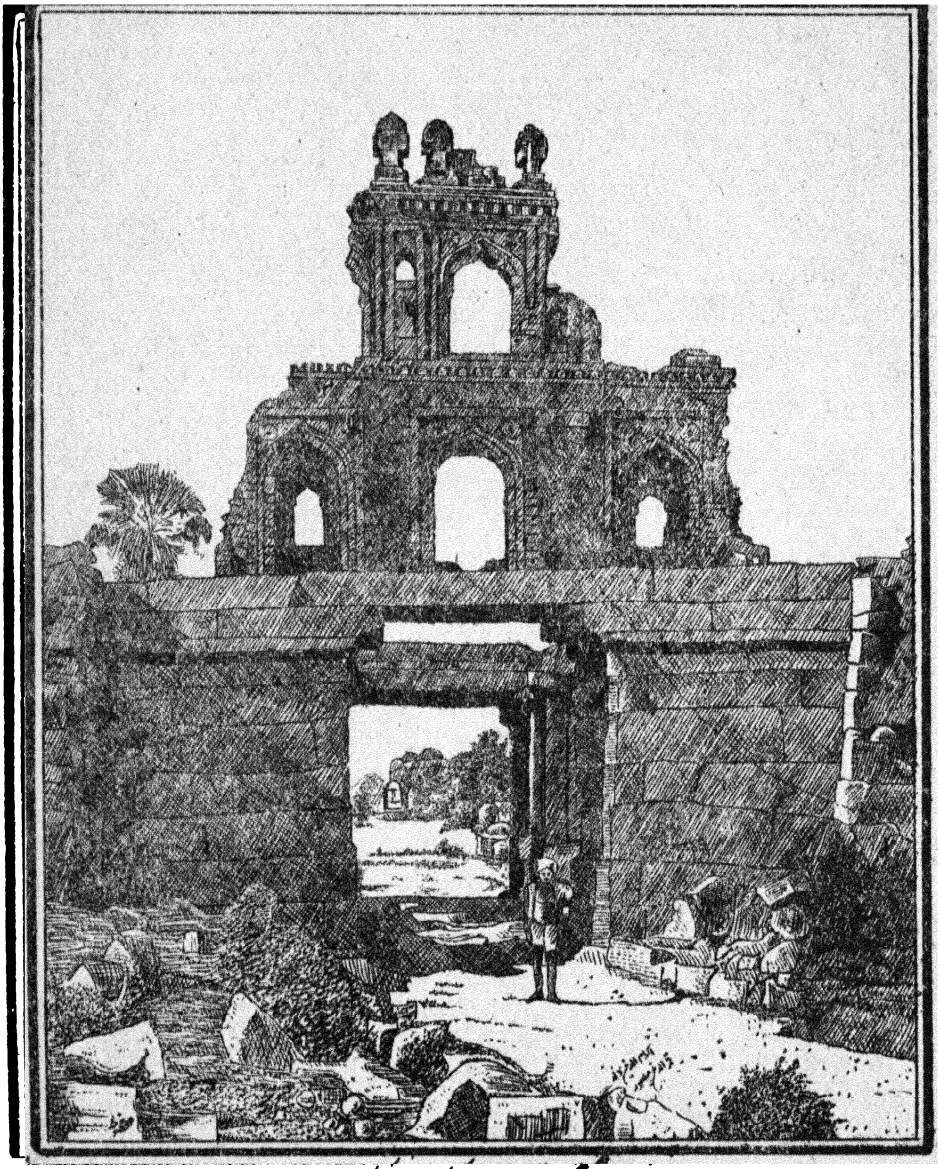
[۵۲] Jodo della Ponta

اور جوتشیوں کو بلوایا اور اُن کی صلاح لی۔ اُنھوں نے کہا کہ اِس کام کے بر وقت نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ دیوتا آپ سے ناراض ہیں کیوں کہ آپ نے اتنا بڑا کام چھیڑ دیا اور نذر و نیاز کچھ بھی نہیں چڑھائی پس جب تک جانوروں اور انسان کا خون نہ چڑھایا جائے گا یہ کام کبھی پورا نہ ہوگا۔ تب راجہ نے اُن سارے قیدیوں کو طلب کیا جو مستوجبِ قتل تھے اور سب کو دیو کے نام پر قتل کروانے کا کام شروع کیا۔ راجہ نے دونوں پہاڑوں کی گھاٹی میں ایک بڑا عظیم الشان بند ڈلوایا جو لمبان اور چوڑان میں بقدر ایک تیر کی زد کے تھا اور اِس میں جا بجا پانی نکلنے کی موریاں اور دروازے بنا کر اُن میں نل لگا دیئے تھے کہ جب چاہا پانی چھوڑ دیا جب چاہا بند کر دیا۔ اِس پانی سے بہت سی نہریں اور ذرائع آبپاشی بنائی گئے جس سے بہت سی تری کی زراعت اور باغات سیراب ہو گئے۔ لوگوں کی ترغیب اور کثرت سے تری کی زراعت ہونے کے لیئے نو سال تک زمینیں مُفت دے دیں تاکہ مزارعین دل ہی سے زمینیں درست کرلیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب اِسی کی بدولت بیس ہزار پرڈاؤ کی آمدنی ہونے لگی ہے۔ تالاب کے اوپر وار ایک بڑی پہاڑی ہے جس پر فصیل بنا کر بڑے بڑے مضبوط و مستحکم دروازے بنا دیئے ہیں اور دونوں طرف دو بڑے بڑے مورچے بھی بنائے گئے ہیں۔ اِس قلعے میں ایک ہزار فوج ہر وقت موجود رہتی ہے۔ اِن ہی دروازوں میں سے بیجانگر اور ناگلاپور دونوں شہروں میں جانے آنے کا رستہ ہے یہاں سب طرف کی سڑکیں آکر مل گئی ہیں۔ اِس گزر کے محصولِ چنگی کا سالانہ ٹھیکہ بارہ ہزار پرڈاؤ پر دیا جاتا ہے اور ہر شخص سے جو اِس رستے سے گزرتا ہے محصول لیا جاتا ہے۔ اِن دونوں شہروں کے لیئے سارا مال باہر سے آتا ہے اور بار برداری کے لیئے زیادہ تر رواج لدو بیلوں کا ہے چنانچہ روزانہ اِن دروازوں پر سے دو ہزار بیل آتے ہیں جن پر فی راس تین ونٹی[۵۱] محصول لیا جاتا ہے۔ اِس محصول سے صرف سانڈے[۵۲] بیل جن کے سینگ نہیں ہوتے معاف تھے کیوں کہ ایسے بیلوں پر اِس ملک میں کہیں محصول نہیں لیا جاتا۔ دونوں شہروں کے باہر گیہوں چانول باجرے کی کاشت کثرت سے ہوتی ہے اور پان تے بہت سے ہیں کیوں کہ اِس نواح میں لوگ پان بہت کثرت سے کھاتے ہیں۔

---

۵۱ ایک سکہ تھا جس کی قیمت قریب قریب ساڑھے تین آنے کی تھی ۱۲

۵۲ غالباً سانڈے بیل نذر بننا قابلِ عظمت سمجھے جاتے تھے اِس واسطے محصول سے مستثنیٰ تھے ۱۲



بیجانگر کے قلعے کا ایک پھاٹک

بیسواں باب

کشن رائے کا انتقال اور اچیتا رائے کی جانشینی

کشن رائے ایک عرصے سے بیمار تھا جب اپنی زندگی سے مایوسی ہوگئی تو اُس نے وصیت کی کہ میں نے اپنی تخت نشینی کے وقت جو اپنے تینوں بھائیوں اور ایک بھتیجے راجہ سبل راؤ کے بیٹے کو چندر گیری میں قید کر دیا تھا اُن میں سے اچیتا رائے کو میرے بعد میرا جانشین کیا جائے (اور اب یہی حکمران ہے) کیون کہ اِن سب میں یہی رئیس ہونے کی قابلیت رکھتا تھا۔ راجہ کے تو سوائے ایک لڑکے کے جس کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی اَور کوئی اولادِ نرینہ اِس قابل نہ تھی کہ وہ تخت نشین کیا جاتا۔ کشن رائے کی وفات کے بعد اچیتا رائے کو چندر گیری سے آنے تک سالوتما بطور وزیر کے کام کرتا رہا۔ کشن رائے نے یہ بھی وصیت کی کہ میرے جانشین کو عادل شاہ سے لڑ کر بلگاؤں ضرور فتح کرنا چاہیئے۔ اچیتا نے تخت پر بیٹھتے ہی بُری عادتیں اور ظلم اختیار کیا جس کی وجہ سے تمام اُمرا اور رعایا اُس سے ناراض ہوگئے اور یہ جو کچھ کرتا دھرتا اپنے دونوں نسبتی[1] برادروں کی صلاح و مشورے سے کرتا تھا اور یہ دونوں اول درجے کے بد تھے۔ عادل شاہ کو جب اچیتا کی کرتوتوں کی خبر ملی تو وہ جان گیا کہ یہ کتنے پانی میں ہے اس سے لڑنا کون سی بڑی بات ہے خصوصاً جب کہ وہاں لڑائی کی کچھ طیاری بھی نہیں تو پھر ہماری کامیابی میں شک کیا ہے۔ عادل شاہ نے جھٹ پٹ فوج طیار کر کے چڑھائی کر ہی دی اور بڑھتا ہوا شہر بیجانگر کے اتنے قریب جا پونہچا کہ صرف تین ہی میل کا فصل باقی رہ گیا۔ اچیتا بیجانگر میں تھا اُس کی طاقت ایسی زبردست اور اِس کثرت سے فوج تھی کہ وہ بہت آسانی سے عادل شاہ کو شکست دے سکتا تھا بشرطیکہ دل پر لیتا کیوں کہ عادل شاہ کے پاس اِس وقت صرف بارہ ہزار پیدل اور تیس ہزار سوار تھے لیکن اتنی تھوڑی فوج کے ساتھ بھی وہ ناگلاپور میں جا گھسا اور اُسے سمار کر کے زمین کے برابر کر دیا لیکن راجہ کے کان پر جوں تک نہ چلی نہ اُس میں لڑنے کی ہمت تھی تاہم چھوٹی موٹی لڑائیاں کچھ اُن اُمرا سے ہوئیں جو بڑے لڑنے بھڑنے والے تھے

[1] یہ دونوں غالباً رام راج ترمل راج اور وینکٹادری تینوں بھائیوں میں سے کوئی سے دو ہوں گے جن میں دو اوّل الذکر اچیتا کے برادرِ نسبتی نہ تھے بلکہ کشن رائے کے داماد تھے ۱۲

اِن لوگوں نے راجہ سے کہا کہ اِتنی سی مہم کے لیئے آپ کو خود میدانِ جنگ میں جانے کی ضرورت نہیں ہم خود اُس سے سُلٹ لیں گے مگر آپ ہمیں اجازت تو دیں لیکن راجہ کا کلیجہ دہشت سے یوں ہی پانی پانی ہوا جاتا تھا اُس نے اپنے دونوں مشیروں کی صلاح سے عادل شاہ کو مصالحت کا پیغام دے دیا۔ عادل شاہ کی مُنہ مانگی مراد ملی وہ اِس نعمت غیر مترقبہ سے بہت خوش ہوا اور سو برس تک صلح کا معاہدہ اِس شرط پر کرنے کو آمادہ ہوا کہ تم ہم کو دس لاکھ طلائی پرڈاؤ دو اور شہر رایچور بھی واپس دے دو جس کی آمدنی ڈیڑھ لاکھ پرڈاؤ تھی اور اِس کے علاوہ تخمیناً ایک لاکھ کے جواہرات بھی مانگے راجہ نے سب شرطیں منظور کرلیں عادل شاہ کو اَور کیا چاہیئے تھا وہ خوشی خوشی اپنے ملک کو واپس ہوا سب دے دلاکر راجہ نے چلتے چلتے ایک ہیرا (۱۶۲) کیرٹ[1] کا اور پندرہ اَور جواہرات جن کی قیمت پوری ایک لاکھ تھی اَور دیئے لیکن طرفہ ماجرا یہ ہے کہ جھجھی ہی مہینے میں راجہ نے نہایت ظلم و تشدد سے کل رقم رعایا سے وصول کر کے اپنا خزانہ بھر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے اُمرا رعایا اور فوج راجہ سے سخت بدول ہوگئی کیوں کہ ایک تو اس نے عادل شاہ سے دب کر بلاوجہ صلح کرلی دوسرے کوڑی کوڑی رعایا سے جبراً وصول کرلی اِن لوگوں نے خوب سمجھ لیا کہ ہو نہ ہو یہ راجہ ضرور اِس سلطنت کو برباد کر کے رہے گا جس کے آثار یہ ہیں کہ اِس نے بڑے بڑے امیروں اور اُن کے بال بچوں کو تباہ کر دیا بہتوں کو مروا ڈالا اور اُن کی دھن دولت چھین لی اور یہ سب کیا دھرا اُن ہی دونوں بھائیوں کا تھا راجہ تو اُن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتا تھا تمثیلاً صرف ایک امیر کرشنا نایک کا حال ذکر کرتا ہوں جسے راجہ نے ایک رات گرفتار کر لیا۔ اُس نے راجہ کے سامنے آنے سے پہلے اپنی دو سو بیویوں کو مار ڈالا اور پھر راجہ کے سامنے آتے ہی خود زہر پی کر جان دی یہ سب اس لیئے ہوا کہ راجہ چاہتا تھا کہ اِس رئیس کے سامنے اِس کے لڑکے کو قتل کرے۔ اِس رئیس کے اسلحہ تلواریں۔ خنجر۔ جنبیہ۔ پیش قبض۔ برچھے وغیرہ سب جواہرات سے مرصع تھے اِن کے فروخت سے راجہ کو تین ہزار پرڈاؤ ملے۔ اِسی طرح اُس نے چُن چُن کر تمام نامور اُمرا کو مروا ڈالا اور ریاست کو تمام خیر خواہوں سے خالی کر دیا۔ جب میدان خالی ہوگیا اور کوئی نہ رہا تو پھر عادل شاہ کی دھمکیوں کا کیا ٹھکانا تھا اور نئی نئی طرح کے ہزاروں مطالبے پیش ہوتے تھے۔ اب اِس راجہ کا اِس سے زیادہ حال بیان کرنے کی ضرورت نہیں

[1] (۵) رتّی کا ہوتا ہے۔ کوہِ نور کا مشہور ہیرا جب انگلستان میں لایا گیا تو اُس کا وزن (۱۸۶) کیرٹ تھا عربی میں قیراط کہتے ہیں جس کا وزن چار دانہ جَو یا نصف دانگ ہوتا ہے ۱۲

رہی سوائے اِس کے کہ یہ شخص بالکل ناکارہ تھا اِس کی اپنی ذاتی کچھ رائے ہی نہ تھی اور جتنی باتیں سلطنت کی بہبودی اور استحکام کی تھیں سب کی طرف سے یہ غافل محض تھا۔

اکیسواں باب

راجہ کے مُتعلقات کا حال

راجہ کے گھر کا تمام اسباب ہر قسم کے برتن۔ تھالیاں۔ لوٹے۔ گھڑے وغیرہ سب سونے چاندی کے ہیں رانیوں کے پلنگ سب چاندی سے مڑھے ہوئے ہیں اور ہر رانی کا پلنگ الگ الگ ہے۔ راجہ کے پلنگ کے پائے سونے کے ہیں اور ریشم سے بنا ہوا ہے۔ گاؤ تکیوں پر موتیوں کی جھالریں ٹنکی ہوئی ہیں۔ پلنگ کے تکیے بغلی تکیے سب اِسی قسم کے ہیں اور اوپر سے ریشمین چادر پڑی ہوئی ہے۔ راجہ کی مسہری کے ڈنڈے اور چھتری چاندی کی ہے جس پر ریشم اور زربفت کے پردے پڑے رہتے ہیں۔ اِس کے علاوہ مسافرت کے لیے ایک آہنی مکان ایسا تیار کیا گیا ہے کہ جو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اِس میں بھی ایک بڑا پلنگ ہے راجہ کی پانسو رانیاں ہیں اور اِس میں کمی و بیشی اُس کی مرضی پر منحصر ہے اور یہ سب راجہ کے مرنے کے ساتھ ہی ستی ہو جاتی ہیں۔ جب کبھی راجہ سفر پر نکلتا ہے تو پچیس تیس رانیاں جو خاص الخاص ہیں پالکیوں میں ساتھ رہتی ہیں۔ بڑی رانی کے پالکی کے ڈنڈوں پر جواہرات جڑے ہوئے ہیں اور لال مغرق پردہ پڑا ہوا ہے۔ دوسری رانیوں کی پالکیوں پر چاندی کا کام ہے اور خود راجہ کی پالکی جو ہمیشہ داہنی طرف رہتی ہے اُس پر تو سارا کام سُنہری ہے اگر راجہ کا کوئی لڑکا بھی ساتھ ہو تو اُن کے لیے ہاتھی دانت کے سنہری جڑاؤ پلنگ رہتے ہیں راجہ ڈیروں میں نہیں ٹھیرتا بلکہ جہاں مقام ہونے والا ہوتا ہے وہاں پہلے ہی سے پختہ مکان بنا دیے جاتے ہیں جن کو انواع و اقسام کے پردوں اور کپڑوں سے سجایا جاتا ہے۔ راجہ کے محلات میں سارے نوکر چاکر خدّام عورتیں ہیں یا خواجہ سرا جن کی تعداد پانچ چھ سو سے کم نہیں ہے۔ جس طرح راجہ کے ملازمین مصاحبین اور درباری ہیں اِسی طرح ہر ہر رانی کے بھی ہیں مگر وہ سب عورتیں ہیں۔ محل بڑے اور عالی شان ہیں اُن میں متعدد کمرے اور حجرے کوٹھڑیاں اور دالان ہیں۔ رانیاں علی حدہ علی حدہ قطعات میں رہتی ہیں اور اِن کی

لونڈیاں باندیاں اِن کے ساتھ رہتی ہیں۔ جب راجہ خواب گاہ میں جاتا ہی تو ساری رانیاں اپنے اپنے دروازوں پر کھڑی رہتی ہیں جس کی یاد ہوتی ہی وہ حاضر ہوجاتی ہی۔ یہ وہ رانیاں نہیں ہیں جو بڑی اور اصلی ہیں بلکہ اُمرا و رؤسا کی لڑکیاں ہیں جو راجہ کے محل میں داخل ہیں۔ محلات کے اندر صرف رانیوں کے دودھ دہی کے لیئے دوسو گائیں ہیں۔ راجہ کی خوراک کا کچھ بھی خرچ نہیں ہی کیوں کہ تمام اُمرا رغلّہ وغیرہ سامان آئے دن بھیجتے رہتے ہیں۔ باورچی خانے پر دوسو جوانوں کا پہرہ ہی جن کے چار افسر ہیں اور اِن کے صدرِ اعظم بدّانایک اور آجانایک ہیں یہی فوج کے سردار بھی ہیں۔ یہ لوگ صرف باہر ہی باہر رہتے ہیں پانچویں دروازے تک اِن کا گزر ہی آگے تو سوائے عورتوں اور خواجہ سراؤں کے کوئی پَر نہیں مار سکتا۔ جب راجہ کی سواری نکلتی ہی تو دونسو سوار سو ہاتھی اور چالیس پچاس اُمرا مع اپنی فوج کے جلوس میں رہتے ہیں۔ راجہ کے ساتھ عموماً دو ہزار پیدل جو بہت لمبے تڑنگے قدآور اور گراں ڈیل ہوتے ہیں ڈھال تلوار لیئے ہوے رہتے ہیں اور ایک سردار مع تیس سواروں کے ہاتھوں میں صرف چھڑیاں لیئے سواری کے ساتھ رہتا ہی اِن کے افسر کے پاس ایک خاص قسم کا بلّم ہوتا ہی اِس افسر کا نام چنپا نایک ہی۔ راجہ کے پیچھے مہتمم صطبل مع دوسو سواروں کے رہتا ہی اور سواروں کے بعد ہاتھیوں کی لین رہتی ہی جن پر لوگ سوار رہتے ہیں اِن کے سامنے بارہ خاصے کے گھوڑے کسے رہتے ہیں اور اُن کے سامنے پانچ ہاتھی اِن ہاتھیوں کے سامنے پچیس سوار جھنڈیاں اور برچھیں لیئے رہتے ہیں اور ڈھول بگل اور دوسری قسم کے باجے اِس زور و شور سے بجتے ہیں کہ کان گنگ ہوجاتے ہیں۔ سب سے آگے ایک بڑا بھاری ڈنکا رہتا ہی جسے دونوں طرف سے دو آدمی اُٹھائے رہتے ہیں وہ ٹھیر ٹھیر کے بجتا رہتا ہی اِس کو "پیچا" کہتے ہیں اور اِس کی آواز بہت دُور دُور جاتی ہی۔ راجہ جب آمد ہوتا ہی تو سارے باڈی گارڈ کی حاضری دیکھ لی جاتی ہی اگر کوئی غیر حاضر ہو تو سخت سزا دی جاتی ہی اور جایداد قرق کرلی جاتی ہی۔

بائیسواں باب

راجہ کے حضور میں دربارداری کے قواعد وغیرہ و دیگر حالات

اُمرا کے روزانہ سلام کا طریقہ یہ ہی کہ سب اُمرا دس گیارہ بجے دن تک محل میں حاضر ہوجاتے ہیں

تب راجہ زنانے محل سے برآمد ہو کر مسند پر بیٹھتا ہے پھر باری باری سے ایک ایک شخص سامنے آکر سر جھکاتا ہے اور دونوں ہاتھ سر کے اوپر اُونچے کر دیتا ہے۔ راجہ کے پاس دس بارہ چوبدار کھڑے رہتے ہیں جو ہر شخص کے سامنے آنے پر کہتے ہیں "نگاہ روبرو۔ آداب بجالاؤ۔ ادب سے قاعدے سے" پھر اُس کا نام لیتے ہیں۔ راجگانِ بیجانگر کو ہمیشہ سے شان و شوکت تزک و احتشام کا بڑا شوق رہا ہے۔ ان کے اصطبل میں صرف خاصے کے آٹھ نو سو گھوڑے اور چار پانسو ہاتھی رہتے ہیں پھر ان کا عملہ الگ ہے چارہ راتب اور عملے کی تنخواہ کا صرفہ بہت ہے۔ چنانچہ راجہ حال اچیتا راے کے پاس کچھ اوپر سات سو گھوڑے اور چار سو ہاتھی ہیں جن کا روزانہ خرچ مع سائیسوں اور مہاوتوں وغیرہ کے دو ہزار طلائی پر ڈاؤ ہے۔ چھ ہزار تو باڈی گارڈ کے سوار ہیں جن کی تنخواہ راجہ جیب خاص سے دیتا ہے۔ اِس کے علاوہ ملازمین کی تنخواہ سالانہ مقرر ہے کسی کے ہزار کسی کے پانسو اور سو پر ڈاؤ سے تو کسی کی تنخواہ کم ہی نہیں۔ راجۂ بیجانگر جس وقت چاہے اور جس قدر چاہے فوج اکھٹی کر سکتا ہے کیوں کہ نہ ملک میں آدمیوں کی کمی ہے نہ خزانے میں توڑا۔ سب اُمرار کو فوج رکھنی لازم ہے وہی تنخواہ بھی دیتے ہیں چنانچہ صرف اُمرار کی چھ لاکھ پیدل اور چوبیس ہزار سواروں کی جمعیت موجود ہے۔ اِن اُمرار کی آمدنی ایک کروڑ بیس لاکھ ہے جس میں سے اخراجاتِ فوج وغیرہ دے دِلا کر ساٹھ لاکھ روپیہ سالانہ پیش کش راجہ کو دیتے ہیں کیوں کہ کُل زمینوں پر اِن ہی کا قبضہ ہے۔ چوں کہ اُمرار و زمیندار رعایا کو نچوڑ لیتے ہیں اِس واسطے رعایا تنگ حال ہے ساٹھ لاکھ میں سے راجہ کو مشکل سے پچیس لاکھ پہنچتے ہوں گے باقی سب گھوڑوں۔ ہاتھیوں اور خاصے کے پیدل اور سواروں پر صرف ہوتا ہے۔ تمامی تہواروں اور دیوالوں کی جاتراؤں میں اُمرار کو دربار میں شریک ہونا پڑتا ہے اور دو سو کے قریب اُمرار تو ہمیشہ راجہ کی مصاحبت میں حاضر باش رہتے ہیں۔ اِن سب کو اپنی اپنی مقررہ تعداد میں فوج رکھنا لازمی ہے اگر اُس میں کمی پائی جاے تو سخت سزا ملتی ہے اور اُن کا علاقہ ضبط کر لیا جاتا ہے یہ امرار بھی سب بیجانگر میں رہتے ہیں اِن کو اپنی اپنی جاگیروں میں جا کر رہنے کی اجازت اِس خیال سے نہیں دی جاتی کہ مبادا دُور رہ کر کچھ ہل چل نہ کر بیٹھیں ہاں یوں عارضی طور سے کبھی کبھار اپنی جاگیروں میں آتے جاتے رہتے ہیں لیکن اتنی رعایت بڑے بڑے امرار کے ساتھ کی جاتی ہے کہ اُن کی روزانہ حاضری معاف ہے جب خاص خاص موقع پر یاد ہوتی ہے جب ہی دربار میں حاضر ہوتے ہیں

لیکن راجہ بنکاپور ہمیشہ شہر ہی میں رہتا ہے اور سال میں دو بار اُس کی باریابی ہوتی ہے اس کے علاوہ اور چھوٹے چھوٹے راجگان گرسپا۔ بکنور۔ کالی کوٹ۔ بٹھنکل کے بھی ماتحت ہیں۔ اِن سب امرار اور راجاؤں کے پرچہ نویس لگے رہتے ہیں جو روزانہ اخبار دیا کرتے ہیں اِن کا یہی کام ہے کہ محل میں رہ کر ہر طرح کی خبر حاصل کریں۔ راجہ کے ساتھ بھی وقائع نگار رہتے ہیں جو راجہ کے حکم احکام فوراً قلم بند کر لیتے ہیں اور جس کو جاگیر یا سرفرازی ہوتی ہے تو راجہ کی انگشتری کی مُہر جو وزیر کے پاس رہتی ہے لاکھ پر لگا کر احکام پر ثبت کی جاتی ہے جس کا اندراج فوراً سیاہیہ میں کر لیا جاتا ہے۔ راجگانِ بیجانگر ہر قسم کا گوشت کھاتے ہیں مگر تمام سلطنت میں کہیں گاؤکشی نہیں ہوتی۔ بازار میں ہر قسم کا گوشت بکرے۔ سور۔ شکاری جانوروں۔ تیتر۔ بٹیر۔ گھریلو چڑیاں۔ حتیٰ کہ چوہے بلیاں اور چھپکلیاں تک بکتی ہیں۔ ہر چیز شکار کی قسم سے زندہ[1] فروخت کی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس قسم کا جانور ہے۔ بازاروں میں ہر قسم کے میوے انگور۔ نارنگی۔ لیموں۔ چکوترے۔ انار۔ کٹھل۔ آم بہ کثرت اور بہت ارزاں فروخت ہوتے ہیں خاص بیجانگر میں ایک پرڈاؤ کی بارہ بھیڑیں ملتی ہیں اور دیہات میں چودہ پندرہ۔ راجہ ایک خاص چشمے کا پانی پیتا ہے جس کو چار دیواری سے گھیر دیا گیا ہے اور اُس پر راجہ کا ایک بڑا اعتباری آدمی متعین رہتا ہے۔ جو پانی راجہ کے خاصے کے لیے جاتا ہے اُن کے گھڑوں پر مُہر کی جاتی ہے اور اِس کے بعد خاص خاص عورتوں کے ذریعے سے محل میں داخل کیا جاتا ہے۔ راجہ جس کسی کو دو مور چھل سرفراز کرے تو یہ سب سے بڑا اعزاز خیال کیا جاتا ہے۔ اور یوں کنٹھا۔ مالا۔ بھوج بند۔ سرپیچ۔ کلغی وغیرہ زیورات بھی دیئے جاتے ہیں۔ راجہ کے ہاتھ کو تو کوئی بوسہ دے ہی نہیں سکتا ہاں پاؤں پڑنا بہت ادب سمجھا جاتا ہے۔ راجہ جب بہت خوش ہوتا ہے تو بطورِ خلعت پھلوڑی دیتا ہے۔ اکثر ستمبر کے مہینے میں جب لوگ پیش کش اور خراج لے کر آتے ہیں تب ہر سال خلعتوں کی تقسیم ہوتی ہے اِن دنوں میں ایک تہوار ہوتا ہے (رام نامی) جو نو دن تک رہتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

محل کے سامنے ایک میدان ہے پہلے روز اس میں نو منڈوے بنائے جاتے ہیں ہر منڈوا بڑے بڑے امیروں کی طرف سے طیار کیا جاتا ہے۔ یہ منڈوے بڑے بڑے بھاری اور عظیم الشان قلعہ نما ہوتے ہیں جن میں انواع و اقسام کے قیمتی کپڑے لٹکائے جاتے ہیں اور اِن میں بہت سی طوائف ناچتی رہتی

---

[1] اب بھی دکن میں دستور ہے کہ پرند جانوروں کی آنکھیں سی دیتے ہیں اور زندہ فروخت کرتے ہیں ۱۲۔

ہیں اور طرح طرح کی صنّاعیاں اور تماشے دکھلاے جاتے ہیں۔ علاوہ اُن نوامرار کے جن کے بڑے بڑے منڈوؤں کا اوپر ذکر آچکا ہی ہر ہر امیر اپنی اپنی حیثیت کے موافق طرح بہ طرح کے منڈوے طیار کرتا ہی اور اُس کی طیاری اور اہتمام میں اپنا سلیقہ اور ہنرمندی دکھلاتا ہی۔ اِن نو دنوں میں برابر جانور بَل دیئے جاتے ہیں۔ شروع دِن تو نو بھینسے بھیڑ اور بکرے کاٹے جاتے ہیں اور ہر روز اُن کی تعداد دُوگنی کردی جاتی ہی۔ قربانی کے بعد نو گھوڑے اور نو ہاتھی بنا سنوار کر راجہ کے سامنے لاے جاتے ہیں اِن پر پھولوں کی جھولیں اور گردنیاں پڑی رہتی ہیں۔ اِن کے سامنے اصطبل کا داروغہ اور اُس کے ماتحتین رہتے ہیں جو راجہ کو آداب بجالاتے ہیں اِن کے بعد برہمن۔ پُجاری چانول پانی اور آگ اور بہت سے بخورات لے کر دعائیں پڑھتے نکلتے ہیں اور گھوڑوں اور ہاتھیوں پر پانی چھڑکتے ہیں اور اُن کے گلوں میں گلاب کے پھولوں کے ہار ڈال دیتے ہیں۔ یہ سب رسمیں راجہ کے سامنے ادا ہوتی ہیں اور راجہ صرف اِسی موقع پر سال بھر میں ایک دفعہ سونے اور جواہرات کے تخت پر بیٹھتا ہی لیکن راجہ حال (اچیتا راے) اِس تخت پر نہیں بیٹھتا لوگوں کا کہنا ہی کہ اِس تخت پر صرف وہی شخص بیٹھ سکتا ہی جو راست باز اور ایمان دار ہو جو کبھی جھوٹ نہ بولے اور اِس راجہ کی عادت تو اِس کے بالکل برعکس ہیں۔ اِس تقریب میں راجہ کے سامنے سے پوری ایک ہزار عورتیں ناچتی اور گاتی اور راجہ کو ڈنڈوت کرتی ہوئی گزرتی ہیں۔ تمام منڈوؤں کی سیر اور تماشے دیکھنے کے بعد راجہ کے سامنے سے اُس کے گھوڑے اور ہاتھی اور بیلوں کی جوڑیاں (جو تمام زیورات اور جواہرات سے آراستہ رہتی ہیں اور اُن پر مغرق جھولیں پڑی رہتی ہیں) گزرتی ہیں اِن سب کے بعد نہایت خوب صورت اور حسین چھتیس رانیاں آتی ہیں جن کے عمدہ لباس اور زیورات جگمگاتے رہتے ہیں اِن سب کے ہاتھوں میں آرتھیاں (سونے کی تھالیاں اور اُن میں چراغ جلتے ہوے) رہتی ہیں اِن کے پیچھے راجہ کی دوسری رانیاں لونڈیاں اور باندیاں نوکر چاکر ہوتے ہیں۔ عورتوں کے ہاتھوں میں سونے کی موٹھ کی چھڑیاں اور مشعلیں رہتی ہیں اِن سب کے ساتھ راجہ اُٹھ کر محل میں چلا جاتا ہی۔ یہ عورتیں اِس کثرت سے سونے کے زیورات اور جواہرات سے لدی ہوئی رہتی ہیں کہ اُن کے بوجھ سے چلنا بھی مشکل ہوتا ہی۔ اِسی طرح نو دن تک ہر قسم کے تماشے اور جلسے اور سامانِ طرب و نشاط مہیّا رہتا ہی۔ راجہ کے پاس ایک ہزار پہلوان

ملازم ہیں جو ایسے ہی موقعوں پر پھری۔ گدکا۔ بانک۔ بچھوا۔ کٹار۔ پٹے سے لڑتے ہیں اس میں جو
جیت جاتا ہی اُسے خلعت ملتا ہی۔ ان پر بھی ایک عہدے دار مقرر ہی اور ان پہلوانوں کا کام سوائے
ایسے موقعوں پر اپنی کثرت اور کرتب دکھانے کے اور کچھ نہیں ہی۔ نودن کا ہتوار ختم ہونے کے بعد
راجہ گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کا داخلہ دیکھتا ہی اور چھ میل تک برابر دو طرفہ فوج کھڑی رہتی
ہی ان میں سے گزر کر جب اخیر میں پونچتا ہی تو وہاں اُتر کر تین تیر چھوڑتا ہی ایک عادل خاں کی
طرف دوسرا قطب شاہ گول کنڈہ کے رُخ پر اور تیسرا اپنے نگالیوں کے لیئے جس طرف تیر سب سے
دُور نکل جاتا ہی اُسی سلطنت پر اُس سال چڑھائی کی جاتی ہی۔ ان سب مراسم سے فارغ ہو کر راجہ
اپنے محل میں جاتا ہی اور اُس دن راجہ اور سب برت رکھتے ہیں اور دوسرے دن سب مل کر
دریا میں اشنان کرتے ہیں۔ ان ہی نو دنوں میں تمام زرِ مالگزاری سالیانہ پیش کش نذرانہ وغیرہ
ابواب آمدنی داخل ہوتے ہیں۔ رعایا زمین کی مالک نہیں ہی وہ زرِ مقررہ زمیندار کو دیتے ہیں
اور زمیندار ۹/۱۰ حصہ راجہ کو دیتا ہی۔ ہمیشہ ہفتے کے دن تمام طوائف راجہ کے محل میں حاضر ہو کر
دیوں کے سامنے جو راجہ کے محل میں ہی ناچتی گاتی ہیں۔ اس مُلک کے لوگ ہمیشہ ہفتے کے تمام دن
اور رات برت رکھتے ہیں دن بھر اور رات بھر نہ کچھ کھاتے ہیں اور نہ پانی پیتے ہیں سوائے
ایک دو لونگوں کے کہ وہ صرف منہ صاف کرنے کو ڈال لیتے ہیں راجہ ہمیشہ دان پُن بہت کیا کرتا
ہی تین ہزار برہمن تو صرف راجہ کے پروہت اور گرو ہیں جن کو خیرات ملا کرتی ہی۔ یہ لوگ بڑے
دنی الطبع اور طمّاع ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کے پاس روپے کی کچھ کمی نہیں ہوتی تاہم گھُسے چلے جاتے
ہیں پہرے والے دھکے دیتے ہیں اور نکالتے ہیں مگر یہ نہیں مانتے۔ اُمرا کی سواری کے ساتھ
رات کے وقت ہر ہر کے مرتبے کے لحاظ سے مشعلیں رہتی ہیں چار سے کم نہیں اور بارہ سے زیادہ
نہیں۔ راجہ کی سواری کے جلوس میں سو ڈیڑھ سو مشعلیں رہتی ہیں۔ اس ملک میں پیداوار موم
کی کثرت سے ہوتی ہی مگر بے کار کوئی اس کا مصرف نہیں جانتا اگر کوئی تاجر گھوڑے یا کسی قسم کا
سامانِ تجارت لاے اور وہ راجہ کے حضور میں پیش کرنا چاہے تو اُس کو چاہیئے کہ کوئی چیز سب سے
عمدہ گھوڑا یا کوئی اَور نادر شَے نذر پیش کرے جب کہیں اُس کی باریابی ہوتی ہی اور اُس کے بعد خریداری
کا معاملہ طے ہو جاتا ہی اور اتنے پر اکتفا نہیں ہوتا بلکہ راجہ تک پونچنے میں بہت سے لوگوں کی مُٹھیاں

گرم کرنی پڑتی ہیں جب کہیں وہاں تک رسائی کی نوبت آتی ہی - راجہ کے حوالی موالی بلا لیے دیے کوئی کام نہیں کرتے - جب کوئی داد خواہ راجہ تک پونہچنا چاہتا ہی تو وہ زمین پر پیٹ کے بل اوندھا پڑ جاتا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس پر بڑا ظلم ہوا ہی تب اُسے اُٹھا کر اُس سے حال دریافت کیا جاتا ہی - اگر راجہ کی سواری نکلی ہی اور کسی کو کوئی داد فریاد کرنی ہو تو وہ ایک چھڑی پر ایک ٹہنی باندھ کر داد داد پکارتا ہوا چلا جاتا ہی سب اُس کے لیے رستہ چھوڑ دیتے ہیں اور وہ راجہ تک بلا روک ٹوک پونہچ جاتا ہی اور راجہ اُس کا بیان سُن کر حکم دے دیتا ہی اور فوراً کسی مصاحب کو داد خواہ کے ساتھ بھجوا دیتا ہی تاکہ وہ رفع شکایت کردے - اگر کوئی کسی مقام پر لوٹے جانے کی فریاد کرے تو فوراً اُس علاقے کے حاکم کو طلب کیا جاتا ہی اور اُس کو حکم دیا جاتا ہی کہ چور کا پتہ لگاے اگر نہ لگا سکے تو خود اُس امیر کو قید کر لیا جاتا ہی یا اُس کی جایداد ضبط کی جاتی ہی - اسی طرح شہر کا کوتوال تمام وارداتوں کا ذمّے دار ہی - اسی وجہ سے اِس ملک میں بہت ہی کم چوریاں ہوتی ہیں اور کہیں چوری ہو بھی جاتی ہی تو کچھ دینے دلانے یا ذرا سا اتا پتا بتانے سے یا جادوگروں کے ذریعے سے چور کا پتہ لگ جاتا ہی کہ شہر والا تھا یا باہر والا کیوں کہ اِس ملک میں اِس فن کے بڑے بڑے ماہر[1] ہیں - راجہ کی ملازمت میں پچاس ہزار سپاہی چہرے کے ملازم ہیں جن میں چھ ہزار سوار ہیں جو محلّات کی حفاظت پر متعیّن ہیں اور اِن میں دوسو کا باڈی گارڈ بھی ہی - اِس کے علاوہ تیس ہزار برچھے اور ڈھال بردار ہیں - تین ہزار ہاتھی سولھا ہزار سائیس اور تین سو چابک سوار ہیں جو گھوڑوں کو سدھاتے اور سکھاتے ہیں - دو ہزار پیشہ ور لوہار - بڑھئی - معمار - دھوبی وغیرہ ملازم ہیں جن کی مزدوری روزانہ محل کے دروازے پر تقسیم ہوتی ہی - سوار صرف بارگیر ہیں گھوڑے اور اُن کی چندی

---

[1] گونی زمانہ یہ بات بظاہر عجیب معلوم ہو لیکن اب تک بھی مختلف طریقے تعویذ اور فال کے اور کڑہائی میں تیل گرم کر کے گولہ نکالنے چاول چبوانے - چھری پڑھ کر رکھنے کے جاری ہیں اور لوگوں کو اِن پر اعتقاد ہی اور اکثر پتہ بھی لگ جاتا ہی - علاوہ اِس کے نقش قدم سے اب بھی پتہ اُٹھاتے ہیں جسے ماگھ نکالنا کہتے ہیں - ریاست بجاپور میں مینے اب بھی اپنے گاؤں کی چوری کے ذمّے دار ہیں یا پتہ چلا دیں یا خود بھر دیں - یہ لوگ قدم کے نشانات ایک موضع سے دوسرے موضع تک پونہچا کر واردات کا سلسلہ سراغ لگاتے ہیں اور چور کدھر سے آے اور کس رُخ کو گئے اِن ہی نشانوں سے اِن کو معلوم ہو جاتا ہی یہی طریقہ دکن میں اب بھی جاری ہی پرانے گویندے اور سُراغ رساں اِس فن میں بڑے ماہر ہوتے ہیں لیکن اب اِستدادِ زمانہ سے یہ طریقہ معدوم ہوتا چلا جاتا ہی ۱۲

سب سرکار سے ماہانہ ملتی ہے۔ سب گھوڑوں پر داغ کیا جاتا ہے (جیسا کہ اب بھی فوج میں دستور ہے) جب کوئی گھوڑا سقط ہو جاتا ہے تو اُس کا چمڑا داخل کر کے مدار نایک سپہ سالار سے فوتی نامہ حاصل کیا جاتا ہے اور اُسی وقت دوسرا گھوڑا استاد کیا جاتا ہے۔ یہ گھوڑے عموماً ملکی نسل کے ہوتے ہیں اور بارہ یا پندرہ کا پٹھا بحساب ایک ہزار پر ڈاؤ خرید کیا جاتا ہے۔ راجہ سالانہ تیرہ ہزار گھوڑے ہُرمز اور مُلکی نسل کے خریدتا ہے اِن میں سے جو پسند آتا ہے وہ خاصے کے اصطبل میں داخل کر لیا جاتا ہے باقی فوج میں بحساب پانچ راس فی ہزار پر ڈاؤ کے تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ جن کی قیمت اُمرا داخل کرتے ہیں اور سٹیٹ کو معتدبہ رقم منافع میں مل جاتی ہے اور اسی رقم سے عربی گھوڑے بندرگالیوں سے خریدے جاتے ہیں اور اسی طرح فوج میں تقسیم کیے جاتے ہیں غرض سٹیٹ خزانے پر کسی قسم کا بار نہیں پڑتا اُمرا ہی ساری قیمت داخل کرتے ہیں۔ راجہ کے محل کے اندر چار ہزار عورتوں سے زیادہ ملازم ہیں جو رات دن محل ہی میں رہتی ہیں بعض تو اِن میں سے ناچتی گاتی ہیں بعض کہاروں کا کام دیتی ہیں۔ محلات کا دور بہت وسیع ہے ایک مقام سے دوسرے مقام کا فاصلہ زائد ہے رانیوں اور خود راجہ کو محل کے اندر ہی اندر پالکی یا تام جھام میں بیٹھ کر ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہیں۔ پہلوانیاں جو کشتی لڑتی ہیں نجومی اور فال گو بہت سی عورتیں ہیں۔ محلات کے اندر تمام حساب کتاب عورتیں ہی لکھتی ہیں محلات میں بھی باقاعدہ دفتر ہے جس میں سب حکم احکام کا اندراج ہوتا ہے جن کا باہر مردانے کے رجسٹروں سے مقابلہ کیا جاتا ہے کچھ عورتیں عمدہ گانے اور ناچنے والیاں خاصے کی ہیں رانیاں بھی فن موسیقی میں کمال رکھتی ہیں۔ خاص راجہ کے لیئے خاصہ طیار کرنے پر دس باورچنیں ہیں جو صرف راجہ ہی کا کھانا پکاتی ہیں اور کوئی کام ان کے ذمے نہیں ہے اِن کے علاوہ دعوتوں اور تقاریب کے لیئے اور بہت سی پکانے والیاں ہیں۔ باورچی خانے کے دروازے پر ایک معتمد خواجہ سرا ہر وقت متعین رہتا ہے جو زہر دینے کے خوف سے کسی غیر کو وہاں گھسنے نہیں دیتا۔ راجہ کے خاصے کے وقت سب ہٹ جاتے ہیں چند مخصوص عورتیں حاضر رہتی ہیں جن کا کام رسوئی پروسنا ہے۔ راجہ کے سامنے ایک سونے کی گول تپائی بچھائی جاتی ہے اُسی پر خاصہ سونے اور جواہر سے جڑے ہوئے برتنوں میں چُنا جاتا ہے۔ تپائی پر کوئی کپڑا نہیں بچھایا جاتا مگر خاصے سے فراغت ہو کر راجہ ہاتھ دھو کر ایک تولیئے سے ہاتھ مُنہ پوچھ لیتا ہے۔ رانیاں اپنے اپنے کمروں میں الگ الگ کھاتی ہیں اُن کی حاضری میں اُن کی ملازمہ رہتی ہیں۔ محلات میں پورا عملہ ہے

انفصال مقدمات کے لیئے مجسٹریٹ ناظر۔ محل کی حفاظت کے لیئے پہرہ چوکی سب عورتوں کا ہی۔ راجہ جو لباس ایک دفعہ پہن لیتا ہی پھر دوبارہ نہیں پہنتا۔ جب کپڑے اُتارتا ہی تو جو شخص اِس خدمت پر مامور ہی وہ سنگوا لیتا ہی اور فوراً درج فہرست کرلیا جاتا ہی پھر یہ کپڑا کسی کو دیا نہیں جاتا۔ راجہ کی دھوتیاں نہایت باریک ریشم کی ہوتی ہیں جن کے حاشیے پر کلابتون کا کام ہوتا ہی اور ایک ایک دس دس پرڈاؤ کی ہوتی ہی۔ راجہ ایک قسم کا کرتا پہنتا ہی جسے "باجوری" کہتے ہیں وہ ریشمین کپڑے کا گھیر دار ہوتا ہی سر پر لمبی کمخواب کی ٹوپی ہوتی ہی جسے "گلّا" کہتے ہیں اِس کی قیمت عموماً بیس کروزیڈ ہوتی ہی۔ جب ایک مرتبہ سر سے اُتاری تو پھر اُس کو نہیں پہنتا۔ اِس ریاست میں تعزیرات ذیل جاری ہیں۔ چوری کے لیئے خواہ وہ خفیف ہی کیوں نہ ہو ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کا کاٹ ڈالنا اور اگر بڑی چوری ہو تو ملزم کا ٹھوڑی کے تلے ایک کانٹا چبھو کر مرتے دم تک ٹانگ دینا۔ زنا بامحضہ یا باکرہ کے لیئے بھی یہی سزا ہی اور اگر کسی اور قسم کی ظلم زیادتی ہو تو اُسی مناسبت سے سزا گھٹا بڑھا دی جاتی ہی۔ اُمرار کے لیئے بغاوت کی سزا سولی ہی۔ عام لوگوں کی گردن سربازار ماری جاتی ہی۔ قتلِ انسان کے لیئے بھی یہی سزا ہی ڈیول[1] کا یہاں بہت رواج ہی اور ڈیول لڑنے والوں کو یہاں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہی اور جو ڈیول میں مرجاتا ہی اُس کی جائداد بھی اُس شخص کو جو صحیح سلامت بچ نکلتا ہی دے دی جاتی ہی۔ لیکن وزیر کی اجازت حاصل کیئے بغیر کوئی ڈیول لڑنے کا مجاز نہیں ہی۔ بالعموم جو سزائیں دی جاتی ہیں اُن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں لیکن بعض سزائیں محض راجہ کی مرضی پر موقوف ہیں مثلاً کسی کو ہاتھی سے چروا دینا۔ رعایا ایسی مطیع و فرماں بردار ہی کہ اگر کسی راہ چلتے سے راجہ کی طرف سے کہہ دیا جاے کہ تو بیٹھ پر ایک بھاری پتھر لے کر سربازار کھڑا رہ تو وہ سارے دن اسی طرح کھڑا رہے گا جب تک کوئی آکر اُس کا پتھر نہ اُتارے۔ اِس گورنمنٹ کے عہدے داروں کی تفصیل یہ ہی۔

وزیرِ ریاست (جس کا مرتبہ راجہ کے بعد ہی اور فی الحال سالونایک ہی) خزانچی۔ (معتمد فنانس و صرف خاص) مہتمم محلات۔ مہتمم توشہ خانہ نرورا۔ مہتمم صطبل۔ سالونایک وزیر کے علاقے کی آمدنی گیارہ لاکھ پرڈاؤ طلائی ہی۔ اِس کے علاقے میں کارومنڈل۔ نگاپاٹم۔ تانجور۔ ترو کوول۔ بوم[2] گیری (بے پتہ)

---

[1] کلاہ سے ملتا جلتا ہی ۱۲ [2] دو شخصوں کی باہمی لڑائی جو مہلک ہتیاروں سے ہو ۱۲ [3] وقائع نویسوں نے بہت سے مقامات کے نام ایسے لکھے گئے ہیں کہ اب اُس نام کا کوئی شہر یا پتا نہیں جاتا نہ وہ نام کسی موجودہ مقام کے نام سے ملتا جلتا ہی ممکن ہی کہ اس زمانے کے وہ شہر نہ رہے ہوں یا ہوں اور نام بدل گئے ہوں ۱۲۔

دیوی پٹنم۔ کایل۔ یہ سب شہر تھے جس کی حد جزیرۂ سیلان تک تھی۔ اِس ملک کی آمدنی میں سے ثلث تو زام کو پیش کش دی جاتی ہی باقی دو ثلث فوج کے اخراجات کے لیے رکھ لیا جاتا ہی کیوں کہ وزیر کو بیس ہزار پیدل تین ہزار سوار اور تیس ہاتھی رکھنا لازمی ہی ان اخراجات کے بعد جو بچ رہے وہ وزیر کی ذاتی ملک تھا لیکن اِس میں بھی چالاکی کی جاتی ہی کہ جتنی فوج کا معاہدہ ہی اُتنی نہیں رکھی جاتی اور اِس لیے بڑی بھاری بچت ہوتی ہی راجہ جب کبھی چاہتا ہی تو اِن علاقے جات کو ضبط بھی کر لیتا ہی۔ آچا پر کا تمپا وزیر کشن رائے کی آمدنی آٹھ لاکھ پرڈاؤ طلائی ہی۔ اِس کے علاقے میں اُودی گیری۔ کُنڈا ویڑ۔ بین کنڈہ۔ گندی کوٹہ سندوٹ (ضلع کڑپا) ہیں اِس کا علاقہ ایک طرف اُڑیسہ سے ملا ہوا ہی۔ اور دوسری طرف کیپ کامورن (راس کماری) سے۔ یہ علاقہ کشن رائے نے اس کو وزارت سے سرفراز کرتے وقت دیا تھا۔ یہ علاقہ پہلے سالوتما وزیر کا تھا جس کی آنکھیں نکلوا ڈالنے کے بعد آچا پر کا تمپا وزیر ہوا۔ اِس کے پاس پچیس ہزار پیدل۔ پندرہ ہزار سوار اور چالیس ہاتھی رہتے تھے اور یہ تین لاکھ پرڈاؤ پیش کش دیتا ہی۔ تیسرے امیر گوپا نایک کے پاس روسل (راچول متصل گوآ) ٹپار۔ ٹمکالو۔ بگولم۔ (ان ہر سہ مقامات کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا) تھے۔ یہ علاقہ سلطنت عادل شاہیہ کے ہم سرحد تھا۔ اِس علاقے میں گیہوں اور دوسرے قسم کے غلے۔ السی۔ روئی۔ مویشی اور بکریوں کی کثرت ہی۔ اِس کی آمدنی چھ لاکھ ہی جس کے معاوضے میں ڈھائی ہزار سوار بیس ہزار پیدل اور بیس ہاتھی رکھتا ہی اور ڈیڑھ لاکھ پیش کش دیتا ہی۔ ایک اور امیر بستا نایک بنکاپور (دھارواڑ سے جنوب میں) کا والی ہی۔ اِس حصے میں پیداوار زراعتی کے علاوہ افزائش نسل مویشی کے فارم موجود ہیں اور تین لاکھ کی آمدنی ہی۔ بارہ سو سوار اور بیس ہزار پیدل اور اٹھائیس ہاتھی رکھتا ہی اور اسی ہزار پیش کش دیتا ہی مہتمم توشہ خانہ جات جس کا نام ترُوڑ[1] ہی یہ نئے شہر اُنڈے[2] گاؤں۔ ڈیگوئی[3]۔ دُرگم۔ انتارم۔ اور تمامی زمینات متصل شہر بیجانگر پر قابض ہی۔ اِس کی

---

[1] تمامی سلطنت حصّوں پر منقسم تھی ہر ہر حصّہ ایک ایک امیر جاگیردار یا صوبے دار کے سپرد تھا وہ اپنی مرضی کے موافق محاصل وصول کیا کرتا تھا اور ایک مقررہ رقم راجہ کو سالانہ دیا کرتا تھا۔ نرور مہتمم توشہ خانے کا علاقہ شہر بیجانگر سے ملا ہوا تھا ممکن ہی کہ یہ اراضیات صرف خاص کی ہوں یعنی وہ زمینیں جو راجہ کی ذاتی ملک سمجھی جاتی تھیں اور اُن کی آمدنی ذاتی مصارف کے لیے مخصوص تھی باقی علاقہ دیوانی کہلاتا ہی جس کی آمدنی سٹیٹ کی ہوتی ہی ۱۲

[2] کشن رائے نے جو نیا شہر آباد کیا تھا وہ تو ناگلاپور تھا اِس نام کے کسی شہر کا پتہ نہیں چلتا ممکن ہی کہ بیجانگر کے (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

آمدنی چار لاکھ ہی جس میں سے دو لاکھ تو راجہ کو دے دیتا ہی باقی میں بارہ ہزار پیدل چھ سو سوار۔ ہیں ہاتھی رکھتا ہی چنّپا نایک فوجی افسر ہی جو کلالی[۵۱] کا والی ہی جو کوچین کی طرف ہی اس کے علاوہ اور بھی شہر اُس کے تابع ہیں اس کی آمدنی تین لاکھ ہی راجہ کو ایک لاکھ دے کر آٹھ ہزار سوار اور دس ہزار پیدل رکھتا ہی۔ کرشنا نایک ایک بڑے شہر اوسل (نامعلوم) کا والی ہی اور دوسرے شہر بھی اُس کے پاس ہیں جن کے نام بہت مشکل ہونے سے چھوڑ دیئے گئے ہیں اس کی آمدنی بیس ہزار ہی۔ سات ہزار راجہ کو دے کر پانسو سوار اور سات سو پیدل رکھتا ہی۔ باچپّا نایک بوڑی[۵۲] ہال کا والی ہی جو منگلور واقع ساحل سمندر کے ہم سرحد ہی۔ یہ گائنا (نامعلوم) کا بھی حاکم ہی۔ اس کے علاقے میں مرچ۔ نیشکر۔ سن۔ (جس سے کپڑا بنتا ہی) چانول۔ گیہوں۔ موم کثرت سے پیدا ہوتا ہی۔ تین لاکھ محاصل ہی۔ دس ہزار راجہ کو دے کر آٹھ ہزار سوار اور دس ہزار پیدل اور پندرہ ہاتھی رکھتا ہی۔ ملپّا نایک مہتمم اصطبل۔ آولی[۵۳] کا حاکم ہی جو کالی کوٹ کے متصل ہی۔ اس ملک میں لوہا۔ روئی۔ چانول۔ مویشی کثرت سے ہیں محاصل پندرہ ہزار چار سو سوار چھ ہزار پیدل رکھتا ہی اور راجہ کو پانچ ہزار دیتا ہی۔ آدپا نایک مشیر اعظم گیرسپّا[۵۴] کا والی ہی جہاں ہیرے کی کان ہی اور دوسرا علاقہ ملاکر تین لاکھ کی آمدنی ہی اس میں

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) قرب وجوار میں ایسے چھوٹے چھوٹے شہر ہوں جن کا آج نام و نشان بھی نہیں رہا ۱۲

۵۱ یہ تینوں مقامات بے پتہ ہیں۔ دگوٹی شاید دگادٹی ہو تعلقہ ہرپن ہلی ضلع بلہاری میں ہی۔ دُرگ تو قلعے کو کہتے ہیں جیسے نلدرگ جلدرگ لیکن کون سا درگ تھا معلوم نہیں ممکن ہی کہ اُس زمانے میں خالی دُرگ کے نام سے کوئی مقام مشہور رہو جیسے اب نگر سے احمد نگر مراد لیا جاتا ہی۔ بلہاری کے جنوب میں راے دُرگ ایک مقام اب بھی موجود ہی۔ انتارم کا پتہ نہیں چلتا ۱۲۔

(نوٹ صفحہ ہذا) ۵۱ میسور کے جنوب میں (۱۱۵) میل کے فاصلے پر ہی کہا جاتا ہی کہ اس مقام پر ۱۵۵۰ء میں راجہ بیجانگر کے کسی عزیز و قریب نے آباد کیا تھا ۱۲

۵۲ علاقہ میسور میں ہی اور کلالی کی طرح یہ بھی بیجانگر کے حکام کا آباد کیا ہوا ہی اس میں سولھویں صدی کے متعدد کتبے موجود ہیں۔ یہ مقام چتل دُرگ سے بجانب جنوب چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہی ۱۲

۵۳ اولی ہوگا جو ضلع کولاپور علاقہ میسور میں ہی۔ یہ جگہ پندرھویں صدی میں ایک مشہور مقام تھا۔ مراسو وکلو نے یہاں ایک نئے حکمراں خاندان کی بنیاد ڈالی تھی ۱۲

۵۴ ممکن ہی کہ گھاٹ ہو یعنی بالاگھاٹ یا گتّی ہو جہاں سے بیس میل جنوب و غربی رُخ پر وجراکرور نامی مشہور ہیرے کی کان ہی اور ایک بہت عمدہ پہاڑی قلعے کا کھنڈر بھی موجود ہی ۱۲۔

جواہرات شامل نہیں ہیں وہ ایک جداگانہ مد ہی۔ بیس ہزار سالانہ راجہ کو دیتا ہی اور معدن سے جو ہیرا (۲۵) کیرٹ سے زیادہ برآمد ہوتا ہی وہ خزانے میں داخل کیا جاتا ہی۔ آٹھ ہزار پیدل۔ آٹھ سو سوار۔ اور تیس ہاتھی رکھتا ہی اور لاکھ روپیہ سالانہ راجہ کو دیتا ہی۔ ایک دوسرا باجپا نایک مدگل کا حاکم ہی جو پہلے عادل شاہ کا تھا بعد میں کشن راے نے رایچور کے ساتھ فتح کر لیا۔ مدگل اور علاقہ متصلہ ملا کر چار لاکھ کا محاصل ہی۔ ایک ہزار سوار اور دس ہزار پیدل پچاس ہاتھی رکھ کر ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ راجہ کو دیتا ہی۔ اس طرح سلطنت بیجانگر دو سو حصوں پر منقسم ہی اور ہر ہر کی حیثیت اور مرتبت کے لحاظ سے تعداد فوج و سالانہ پیش کش کی مقرر ہی جو وقت مقررہ پر داخل ہو جاتی ہی اگر نہ داخل ہو تو سخت سزا دی جاتی ہی بلکہ علاقہ ضبط کر لیا جاتا ہی۔ یہاں کی سواری عموماً پالکی نالکی میانہ تام جھام ہوتا ہی۔ لیکن سوائے اُمرا کے پالکی پر دوسرا کوئی سوار نہیں ہو سکتا یہ بھی ایک قسم کا اعزاز ہی۔ راجہ کے ہاں بیس ہزار پالکیاں موجود ہیں۔ بیجانگر کی ریاست کی شان و شوکت عظمت و جبروت کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہی شاید ناظرین اسے مبالغے پر محمول کریں لیکن یہاں کے لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ اب کیا دھرا ہی پچھلے زمانے میں یہاں کی شان و شوکت دیکھنے کے قابل تھی اور بدرجہا بڑھی ہوئی تھی۔ اس ملک میں برہمنوں کا زیادہ دور دورہ ہی یہ لوگ کسی قسم کا گوشت نہیں کھاتے اور یہاں کے جملہ اقوام میں سربرآوردہ ہیں۔ یہ لوگ راست باز اور تاجر پیشہ ہیں اور بڑے عقل مند اور چلتے ہوئے ہیں حساب کتاب میں یہ لوگ بڑے پکے ہیں شکل و صورت اچھے دُبلے پتلے مگر محنت کش نہیں۔ یہی لوگ ریاست کا کاروبار چلاتے ہیں۔ کنڑ[۵] کے لوگ اپنے مندروں میں بندر (ہنومان) گائے بیل۔ (نندی) اور دیوتاؤں کے بُت رکھ کر پرستش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے یہی بندر انسان کی طرح بولتے تھے اور اس ملک میں یہی حکمراں تھے۔ اسی وجہ سے بندروں کو کوئی مارتا نہیں اور ہر جگہ بندر کثرت سے

---

[۴] اس فہرست میں مدھرے کا ذکر نہیں ہی لیکن یہ بات تحقیق ہی کہ ۱۶۹۶ء سے وہاں ایک نایک بطور نائب بیجانگر حکمراں تھے۔ چنانچہ براڈ اس نے لکھا ہی کہ مٹو ویرپا نایک نے ۱۶۱۲ء میں چھ لاکھ پگوڈا راجہ بیجانگر کو بہ مقام چندرگیری خراج دیا تھا غالباً مدھرے کا صوبہ نیونز کے وقت میں ایک معمولی علاقہ رہا ہوگا اور بعد میں بڑھا ہوا ہوگا اسی وجہ سے اُس نے نظرانداز کیا ۱۲

[۵] ملک کرناٹک کے رہنے والے کنڑے اور اُن کی زبان کنڑی اور تلنگانے کے رہنے والے تیلنگے اور زبان تلنگی کہلاتی ہی ۱۲

موجود ہیں اور پہاڑ تو سارے کے سارے اِن ہی سے بھرے پڑے ہیں ہنود کے ہاں بہت سی کتابیں پچھلے زمانے کے کارناموں اور بہادریوں اور غیر معمولی قدرت کے کاموں کی ہیں جن پر اعتبار کرنا سخت مشکل بات ہے۔ یہاں تلنگوں کی بھی ایک قوم ہے جب وہ مرتے ہیں تو اُن کی بیویاں اُن کے ساتھ زندہ دفن کی جاتی ہیں۔ راجہ روزانہ برہمنوں کا وعظ سُنتا ہے یہ لوگ شادی نہیں کرتے نہ عورت کو چھوتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کے احکام کی پابندی کی تعلیم کرتے ہیں کہ کسی ذی روح کو مارنا نہیں چاہیئے۔ نہ کسی دوسرے کی چیز چھینیں وقس علی ہٰذا۔ گائے کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اُس کا گوبر اور پیشاب تک پاک ہے۔ جو لوگ بڑے پابند مذہب ہیں وہ برہمنوں کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے سامنے اقرار کریں گے۔ یہاں کی عورتیں اپنے شوہروں کے مرنے کے بعد اکثر ستی ہوجاتی ہیں اور ستی ہونا بڑی عزت کی بات سمجھی جاتی ہے۔ شوہر کے مرنے کے بعد عورت کا زیادہ رونا پیٹنا اچھا نہیں سمجھا جاتا بلکہ اُس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ عورت شاید ستی ہونے سے گریز کرتی ہے۔ شوہر کے مرنے کے بعد تمام رشتے دار ستی ہونے کی فہمایش کرتے ہیں اور جو ذرا ہچر مچر کرتی ہے تو کہتے ہیں کہ کیا تو ہماری ناک کاٹے گی اور بدنام کرے گی۔ مُردے کو ایک قسم کی چارپائی[1] پر لٹا دیتے ہیں اور اُس پر پھول پتے ڈالتے ہیں۔ عورت کو ایک ٹٹو پر سوار کرتے ہیں جو بناؤ سنگار کرکے زیورات پہن کر نعش کے پیچھے پیچھے جاتی ہے اِس کے ایک ہاتھ میں تو آئینہ ہوتا ہے اور دوسرے میں پھولوں کی ٹہنی اور تمام کُنبے والے بڑی خوشی سے باجا گاجا لے کر ساتھ جاتے ہیں۔ ایک شخص ڈھول بجاتا جاتا ہے اور اِس مضمون کے گیت گاتا ہے کہ اب کوئی دم جاتا ہے کہ تو اپنے شوہر سے جا ملے گی اور وہ ایسا ملنا ہوگا کہ پھر کبھی جدائی نہ ہوگی۔ وہ عورت بھی اِس کے جواب میں گاتی ہے کہ ہاں مَیں بھی جانتی ہوں کہ مَیں اپنے پیارے خاوند سے جا ملوں گی۔ مرگھٹ جاکر پہلے مرد کو جلاتے ہیں۔ سب سے قریب کا رشتہ دار ایک پانی کی مٹکی لے کر سر پر رکھ لیتا ہے اور ایک دوسری ہنڈیا میں آگ لے کر ہاتھ میں لٹکا لیتا ہے۔ اور تین دفعہ نعش کے گرد پھرتا ہے ہر دفعہ پانی کی مٹکی میں ایک چھید کرتا جاتا ہے اور تین چکروں کے بعد اِس ہنڈیا کو پھوڑ دیتا ہے اور نعش پر جو لکڑیوں اور اُپلوں سے ڈھکی رہتی ہے آگ ڈال دیتا ہے جب مردہ جل جاتا ہے

---

[1] کنڑی میں اِس کو سدگی کہتے ہیں اور سنسکرت میں اَسُندی ۱۲۔

تو عورت آکر اپنے پاؤں دھوتی ہے تب ایک برہمن مذہبی رسوم ادا کرتا ہے۔ جب پوجا پڑھنا پڑھانا ہو چکتا ہے تو وہ عورت ایک ایک کرکے اپنے سب زیور اُتار کر اپنے قرابت داروں میں تقسیم کرتی ہے اور اگر اولاد ہے تو اُن کو اپنے رشتے داروں کے سپرد کرتی ہے۔ سب زیور اور اچھے اچھے کپڑے اُتار کر اُسے ایک زرد ساڑی پہنا دیتے ہیں ایک ہاتھ تو اُس کا کوئی رشتے دار پکڑ لیتا ہے اور دوسرے میں پھولوں کی ٹہنی ہوتی ہے اور گاتی ہوئی چتا کے گرد تین مرتبہ پھرتی ہے اور پھر چتا پر چڑھ جاتی ہے اور اُس کے سامنے ایک گڑھے میں آگ دہکتی رہتی ہے وہ ایک بوریئے کے ٹکڑے سے اپنے مُنہ کے سامنے آڑ کر لیتی ہے تاکہ آگ دکھائی نہ دے۔ لوگ ایک پوٹلی چاولوں کی اور ایک پوٹلی پانوں کی اور آئینہ اور کنگھی جس سے وہ سنگھار کرتی تھی آگ میں ڈال دیتے ہیں اس خیال سے کہ بعد مرنے کے یہ سب چیزیں اُسے فوراً مل جائیں گی۔ پھر وہ عورت سب سے ہمیشہ کے لیئے رخصت ہوتی ہے اور ایک گھڑیا تیل کی اپنے سر پر رکھ کر بڑی ہمت اور جرأت سے دھڑام سے آگ میں کود پڑتی ہے کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں۔ اُس کے گرتے کے ساتھ ہی سارے رشتے دار جلتی ہوئی آگ میں اُوپر سے لکڑیاں ڈال دیتے ہیں اور ایسا شور وغل اور واویلا کرتے ہیں کہ آواز نہیں سُنائی دیتی۔ جب کوئی بڑا آدمی یا راجہ مرتا ہے تو اُس کی جتنی رانیاں ہوتی ہیں سب ایک دم ستی ہو جاتی ہیں۔ یہی طریقہ تمام ہنود میں جاری ہے البتہ تلنگوں میں یہ ہے کہ اُن کی بیویاں شوہروں کے ساتھ زندہ دفن ہو جاتی ہیں۔ قبر میں دو چبوترے بنائے جاتے ہیں ایک طرف مرد بٹھلایا جاتا ہے اُس کے محاذی عورت بیٹھتی ہے اور تھوڑی تھوڑی مٹی ڈالتے ڈالتے گڑھے کو پاٹ دیتے ہیں۔ عورت بھی اُسی میں مر کر رہ جاتی ہے۔

تیئیسواں باب

برہمنوں کے رسوم میت (کریا کرم)

جب کوئی برہمن قریب للرگ ہوتا ہے تو جس خاندان کا جو گرو ہو بُلایا جاتا ہے وہ آکر مذہبی تلقین کرتا ہے اور خیرات کرنے کو کہتا ہے۔ پھر مریض کا سر مُنڈا کر دھلا دیتے ہیں اور پھر ایک گائے اور بچھڑا گھر میں لاکر گائے کے گلے میں ایک سرا پگڑی کا باندھ دیتے ہیں اور دوسرا سرا بیمار کے ہاتھ میں پکڑا دیتے

ہیں تب وہ گائے اور بچھڑے کو اپنی نجات کی غرض سے برہمنوں کو جو رسوم ادا کرتے ہیں خیرات دے دیتا ہے۔ اُسی دن برہمنوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے اور حسب حیثیت خیرات کی جاتی ہے۔ ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ ان رسوم سے یا تو بیمار جلد اچھا ہو جاتا ہے یا یہ کہ اُس کی مشکل آسان ہو جاتی ہے اور وہ جلد مر جاتا ہے مر جانے کے بعد جس جگہ پر مُردہ پڑا ہوتا ہے وہ زمین دھوئی جاتی ہے اور پھر گوبر سے لیپ کر مردے کو وہاں رکھ دیتے ہیں۔ اِن کے مذہب میں سوائے زمین کے چارپائی پر مرنا گناہ ہے۔ جب مُردے کو زمین پر لٹا دیتے ہیں تو اُس کے واسطے ایک سدگی بنائی جاتی ہے یعنی لکڑیوں کی ٹٹی اور مردے کو خوب نہلا دُھلا کر تیل مل کر سدگی پر رکھ کر اوپر سے نیا کپڑا لپیٹ دیتے ہیں اور پھول وغیرہ خوشبودار چیزیں ڈال دیتے ہیں پھر چار آدمی جو رشتے دار ہوتے ہیں مردے کو کندھے پر اُٹھا کر مرگھٹ کو لے جاتے ہیں اور آگے آگے باجا بجاتے ہوئے گاتے جاتے ہیں۔ سب سے آگے آگے متوفی کا بڑا لڑکا یا لڑکا نہ ہو تو جو قریب تر وارث ہو آگ لے کر چلتا ہے۔ جب مرگھٹ پر پہنچ جاتے ہیں تو اپنی حیثیت کے موافق خیرات کرتے ہیں پھر آگ دے دیتے ہیں اور جب تک کہ سارا مردہ جل نہ جائے وہیں بیٹھے رہتے ہیں بعد تالاب میں نہا دھو کر گھر کو واپس آتے ہیں۔ بیٹا بھائی یا جو قریب کا رشتے دار ہے وہ جہاں مردہ جلایا جاتا ہے نو دن تک رات کو وہیں زمین پر سوتا ہے۔ (اب یہ دستور نہیں ہے) اور نو دن کے بعد برہمن آکر وارث کا سر اور مونچھیں منڈواتے ہیں جسے بھدرا کرنا کہتے ہیں۔ اور اِس طرح نو دن تک سوتک رہتی ہے جس میں کسی کو چھُو نہیں سکتے۔ اِن دنوں میں اپنی اپنی حیثیت کے موافق برہمنوں کو کھلاتے ہیں اور دان پُن کرتے ہیں۔ دسویں دن پھر مرگھٹ پر جا کر بہت سے رسوم ادا کیے جاتے ہیں اور جو ہڈیاں جلنے سے بچ رہتی ہیں اُن کو یا تو وہیں گڑھے میں دفن کر دیتے ہیں یا گنگا میں ڈالنے کو کاشی (بنارس) کو بھیج دیتے ہیں جو ہنود کا بہت بڑا متبرک مقام ہے وہاں جو مرتا ہے سیدھا بہشت میں جاتا ہے اور جس کی ہڈیاں وہاں بہائی جائیں وہ بھی بیکنٹھ کو جاتا ہے۔ مرنے کے بعد دن وار ہوتا رہتا ہے یعنی مردے کو ثواب پہنچانے کی نیت سے برہمنوں کو کھلایا جاتا ہے اور پھر ہر سال برسی کے دن برہمن کھلائے جاتے ہیں۔

تیسرا ضمیمہ

ہندوستان کے مشہور ہیرے

گو بادی النظر میں وہ بیانات مبالغہ آمیز معلوم ہوں جو راجۂ بیجانگر اور اُس کے اُمرار کے تموّل اور تہواروں میں رانیوں کے بے شمار زیورات اور جواہرات سے لدے ہوئے ہونے کے متعلق نیونز نے کیے ہیں لیکن میرے خیال میں کوئی وجہ اس میں شک وشبہ کی نہیں پائی جاتی۔ نیونز نے خود لکھا ہے کہ اس ریاست میں ہیرے کی کان موجود تھی (اور اُس زمانے وہی دُنیا بھر میں سب سے بھاری کان تھی) جس کا اگریمنٹ اس شرط پر ہوا تھا کہ جو ہیرے (۲۵) قیراط سے زیادہ وزن کے برآمد ہوں وہ کُل کے کُل راجہ کے خزانے میں داخل کیے جائیں اور اس میں شک نہیں کہ ایسے بہت سے ہیرے نکلتے ہوں گے۔ برّاڈس نے لکھا ہے کہ اس سلطنت کے زوال کے بعد بھی ۱۶۱۲ء میں چندرگیری کے راجہ کے پاس کم سے کم تین بڑے بڑے صندوق ہیروں سے بھرے ہوئے تھے اور اسی کے قریب قریب ہر سیلح اور وقائع نگاروں نے لکھا ہے ہیرے کی بڑی بڑی کانیں دریائے کرشنا کے شمالی کنارے پر کرنول انتاپور اور وجراکرو میں تھیں۔ عموماً یہی معدن ہائے گول کنڈے کے نام سے مشہور ہیں اور ان کی شہرت یہاں تک بڑھی ہے کہ ضرب المثل ہوگئی ہے۔ لنس کاٹن لکھتا ہے کہ ہیرا ملک دکن میں بالا گھاٹ کے عقب میں شہر بیجانگر میں نکلتا ہے جہاں دو تین پہاڑ ایسے ہیں جن میں سے ہیرا کھودا جاتا ہے جس سے راجۂ بیجانگر کو بڑی بھاری آمدنی ہے کیوں کہ وہ اِن معدنوں پر بڑی سخت نگرانی رکھتا ہے اور اس شرط پر اجازت برآمد کی دی گئی ہے کہ جو ہیرا (۲۵) قیراط سے زیادہ ہو وہ سب راجہ کی ملک ہوتا ہے۔ دکن میں اور ایک دوسرا پہاڑ بھی ہے جس کا نام ولہا (پُرانا پہاڑ) ہے وہاں کا ہیرا زیادہ عمدہ اور مشہور ہے اور بڑی قیمت سے بکتا ہے۔ بعض وقت چار سو رتی سے آٹھ سو رتی وزن کا ہیرا بھی نکل آتا ہے مگر اس قدر بڑا ہیرا شاذ و نادر ہی نکلتا ہے۔ شہر بیجانگر کی لوٹ میں جو ہیرا مرغ کے انڈے کے برابر ملنا بیان کیا جاتا ہے جو

عادل شاہ کو دیا گیا تھا اُس کے متعلق کوٹو کا بیان ہے کہ اِس ہیرے کو راجہ اپنے گھوڑے کی کلغی میں لگاتا تھا۔ گرلشیاڈ آرٹا جو ۱۵۳۴ء میں ہندوستان میں تھا وہ لکھتا ہے کہ اُس نے بیجانگر میں ایک ہیرا مُرغی کے چھوٹے انڈے کے برابر بلکہ اِس کے علاوہ بھی اُس نے تین ہیرے ۱۵۰-۱۷۵-۳۱۲½ قیراط کے دیکھے ہیں۔ ڈاکٹر بال نے "بابر"۔ "مغل"۔ "پٹ" کوہِ نور اور دوسرے بڑے بڑے ہیروں کا ذکر اپنے ضمیمہ نشان (۱) میں کیا ہے۔ شائقین اُس کتاب کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

بیجانگر میں جو ہیرا مُرغی کے انڈے کے برابر تھا وہ ہیرا نہیں ہو سکتا جو بابر کے پاس تھا کیوں کہ بیجانگر والا ہیرا ۱۵۶۵ء میں برآمد ہوا اور بابر والا ہیرا اُس کے بیٹے ہمایوں کو آگرے میں ۱۵۱۶ء میں دستیاب ہوا تھا بلکہ اُس کی کیفیت ۱۳۰۱ء سے معلوم ہے کہ علاء الدین خلجی نے اُس ہیرے کو مالوے کے راجہ سے لیا تھا پس یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ وہی ہیرا چالیس برس بعد راجۂ بیجانگر کو ملا ہو۔ ڈاکٹر بال کا خیال ہے کہ غالباً "کوہِ نور" "اور مغل" دونوں ایک ہی ہیرے کے نام ہیں۔ پس کیا یہ بیجانگر والا ہیرا جسے "تخمِ مُرغ" کہتے تھے یہی کوہِ نور تھا؟۔ نہیں۔ کیوں کہ بیجانگر والا ہیرا جو بیجانگر کی لُوٹ کے وقت ملا تھا معلوم نہیں کہ وہ تراشا ہوا تھا یا نہیں اگر وہ تراشا ہوا تھا تو پھر یہ شبہ بالکل رفع ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ کوہِ نور ۱۶۵۶ء یا ۱۶۵۷ء تک یقیناً تراشا نہیں گیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اِس بارے میں کوئی ٹھیک بات معلوم نہیں ہو سکی "تخمِ مرغ" والے ہیرے کو عادل شاہ ۱۵۶۵ء میں غالباً بیجاپور لے گیا تھا اور یہ امر قرینِ قیاس نہیں ہے کہ وہی ہیرا ۱۶۵۶ء میں اتنی مدت بعد بلا تراشا ہوا میر جملہ کے ہاتھ لگا ہو کوہِ نور کلور میں جو رودِ کرشنا پر واقع ہے ۱۶۵۶ء میں ملا تھا۔ میر جملہ اُن دنوں اِس معدن پر تھا اُس نے شاہ جہاں بادشاہ کو نذر دیا۔ اِس کا وزن (۷۵۶) انگریزی کیرٹ تھا۔ وہ ہارٹنسیو بارگیو Hortensio Borgio) جوہری کو دیا گیا اُس نے اسے ایسا خراب اور برباد کیا کہ جب ۱۶۶۵ء میں ٹیورنیر (Tavernier) نے اورنگ زیب کے خزانے میں دیکھا تو اُس وقت اُس کا وزن صرف ۲۶۸½ کیرٹ رہ گیا تھا۔ ۱۷۳۹ء میں جب نادر شاہ نے دہلی کو لوٹا تو وہ اِس ہیرے کو ملکِ فارس میں لے گیا تھا اور اُسی نے اِس کو "کوہِ نور" کا مشہور نام دیا۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد ۱۷۴۷ء میں یہ ہیرا اُس کے پوتے شاہ رُخ کو ملا۔ چار سال بعد شاہ رُخ نے احمد شاہ درّانی کابلی کو دیا اور اُس نے اپنے بیٹے تیمور کو دیا ۱۷۹۳ء میں یہ وراثۃً تیمور کے بیٹے شاہ زماں کو ملا جس کو اُس کے بھائی محمود نے اندھا کر کے

تخت سے اُتار دیا لیکن شاہ زماں اِس ہیرے کو قید خانے میں بھی اپنے پاس ہی چھپائے رہا۔ ۱۷۹۵ء میں یہ ہیرا اُس کے بھائی سلطان شجاع کو ملا۔ ۱۸۰۹ء میں جب شجاع کابل کا بادشاہ ہوا الفنسٹن صاحب نے یہ ہیرا بمقام پشاور اُس کے کنگنے میں دیکھا۔ ۱۸۱۲ء میں شجاع کو محمدؐ نے تخت سے اُتار دیا تو وہ بھاگ کر لاہور آیا جہاں اُسے رنجیت سنگھ حاکم پنجاب نے قید کر لیا۔ ۱۸۱۳ء میں ایک معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے شجاع نے کوہِ نور رنجیت سنگھ کو دے دیا۔ رنجیت سنگھ اکثر اِس ہیرے کو پہنتا تھا اور بہت سے یورپینوں نے اُسے لاہور میں پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ رنجیت سنگھ نے ۱۸۳۹ء میں انتقال کیا تو دلیپ سنگھ کی صغر سنی اور اُس کے وارث تسلیم کیے جانے تک توشہ خانے میں محفوظ رہا۔ ۱۸۴۹ء میں جب پنجاب کا الحاق کیا گیا تو سر جان لارنس نے کوہِ نور کو ملکۂ معظمہ وکٹوریہ کی خدمت میں انگلنڈ روانہ کر دیا۔ ۱۸۵۱ء کی پہلی بڑی نمایش میں کوہِ نور کی نمایش کی گئی۔ ۱۸۵۲ء میں کوہِ نور کو امسٹرڈم کے ایک مشہور جوہری نے جس کا نام وودرسنگر (Voorsanger) تھا (یہ شخص مشہور سوداگرانِ کرارڈ نامی کا ملازم تھا) دوبارہ تراشا اب کوہِ نور کا وزن ۱۰۶ ۱/۱۶ قیراط ہے "تخمِ مرغ" کا پتہ نہ چلا کہ عادل شاہ کے قبضے میں آنے کے بعد اُس کا کیا حشر ہوا۔ ایچ ڈی مانٹ فرٹ[1] ۱۶۰۸ء میں ہندوستان میں تھا اُس نے جہاں گیر بادشاہ کے پاس ایک بہت بڑا ہیرا دیکھا تھا مگر اُس میں سوراخ تھا وہ لکھتا ہے کہ "میں نے مغل بادشاہ کے پاس ایک ہیرا مرغی کے انڈے کے برابر اور اُسی شکل کا دیکھا ہے جس میں بازو پر باندھنے کے لیے سوراخ کر دیے گئے تھے اُس کا وزن (۱۹۸) مانگلن[2] تھا۔"

---

[1] ماخوذ از H. de Montfart صاحب کی کتاب ترجمہ "پیمایش مشرقی ممالک ہند" مطبوعہ ۱۶۱۵ء صفحہ ۳۸

[2] Mangelin چار رتی کا ہوتا ہے ۱۲۔

چوتھا ضمیمہ

چودھویں صدی میں دکن کا تمول

سنہ ۱۳۱۰ء میں بزمانِ سلطنتِ سلطان علاء الدین خلجی بادشاہِ دہلی ملک کافور نے ملکِ دکن و ساحلِ ملیبار پر حملہ کرکے ہندوؤں کے تمام مندروں کو لوٹ ڈالا تھا اور علاقہ میسور اور تمام ملک کو تباہ کر دیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ دہلی گیا تو اتنی بہت دولت سمیٹ لے گیا کہ جس کا تعین کرنا از حد مشکل ہے تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ "مندروں کی لوٹ میں بے شمار دولت ملی۔ سونے کے بُت اور جواہرات اور دوسری نقدیات کا کچھ حساب نہ تھا۔ ملک کافور نے بادشاہ کو (۳۱۲) ہاتھی بیس ہزار گھوڑے چھیانوے ہزار من سونا بہت سے صندوق جواہرات اور موتیوں اور دوسری قیمتی اشیاء کے نذر دیے"۔

سونے کے وزن کا حساب لگانے میں ہم کو خلجان ہوتا ہے کیوں کہ ہندوستان میں مختلف مقدار کے من جاری ہیں کہیں بارہ سیر کا ہوتا ہے تو کہیں چالیس سیر کا بعض جگہ اس سے بھی بڑھ کر۔ ٹراونکور میں انتیس پونڈ کا من ہوتا ہے تو احمد نگر میں ۱۶۳½ پونڈ کا۔ مدراس ۲۵ پونڈ۔ بمبئی ۲۸ پونڈ۔ ہاکن نے سنہ ۱۶۱۰ء میں ۵۵ پونڈ کا من لکھا ہے۔ مڈلٹن سنہ ۱۶۱۱ء میں ۳۳ پونڈ کا من بتلاتا ہے۔ فرشتہ کا تعلق زیادہ تر احمد نگر ہی سے تھا تو ضرور ہے کہ وہیں کا من اُس نے لکھا ہوگا تو اِس حساب سے چھیانوے ہزار من سونے کی قیمت ایک بڑی بھاری رقم ایک کروڑ چھپن لاکھ بہتّر ہزار پونڈ[1] ہوتی ہے۔ یہ بات بہت بعید از قیاس ہے کہ فرشتہ نے ٹراونکور جیسے دور دراز مقام کا من پکڑا ہو۔ اگر مدراس کے متروجہ من سے بھی حساب کیا جاوے تو بھی سونے کا وزن چوبیس لاکھ پونڈ ہوتا ہے۔ اب ناظرین چاہیں اِس تعداد کو صحیح باور کریں یا نہ کریں مگر اس میں شک نہیں کہ مندروں میں بڑی بھاری دولت کا ذخیرہ

[1] پندرہ روپے کا پونڈ ہوتا ہے اور وزن کے اعتبار سے پونڈ آدھ سیر کا ہوتا ہے ۱۲

رہتا تھا وجہ اُس کی یہ تھی کہ ہندوؤں کی عمل داری تھی - برسوں سے خزانہ جمع ہوتا چلا آتا تھا - نذر نیاز چڑھاوا - بھینٹ کے علاوہ برہمنوں کو اکثر مواقع پر بہت کچھ دولت ملتی رہتی تھی - راجہ اُمرا - سوداگر زمیندار - غرض ہر شخص اپنی اپنی عبادت گاہوں میں دل کھول کر نذر نیاز[1] چڑھاتا تھا اور یہی سلسلہ ایک ایسے زمانہ دراز سے جاری تھا کہ جس کا پتہ تاریخ سے بھی نہیں چلتا نہ کبھی لوٹ مار ہوئی پس اس دولت کا کیا ٹھکانا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جس نے سب سے پہلے ان مندروں کو لوٹا ہوگا واقعی اُس کے ہاتھ بے قیاس اور بے شمار دولت ہاتھ لگی ہوگی - اور وہ ضرور ایسی دولت سمیٹ لے گیا ہوگا جو نہ گنی جاسکے نہ دھری جاسکے نہ خیال میں آسکے - کرنل ڈو نے ترجمۂ تاریخ فرشتہ میں ملک کافور جو سونا لوٹ لے گیا اُس کی قیمت انگریزی سکّے میں دس کروڑ پونڈ لگائی ہے - اَلْعَظَمَةُ لِلّٰہِ -

تشریح

[1] اب بھی بڑے بڑے مندروں کی دولت کا شمار نہیں - نقدیات کے علاوہ جو منت مراد والے آتے ہیں عورت مرد سب اپنے مقدور کے موافق نقد و زیور چڑھاتے ہیں - چنانچہ بجاپور ضلع نلدرگ کے دیول کو ہم نے دیکھا ہے جہاں بھوانی کی دیوی ہے وہاں ہزاروں روپے سالانہ کی نذر نیاز اب بھی چڑھتی ہے سرکار عالی نظام کی طرف سے وہاں عہدہ دار و عملہ مقرر ہے جو باقاعدہ حساب کتاب رکھتا ہے - ہزارہا روپے کے زیورات اور جواہرات موجود ہیں چنانچہ دیوی کی ٹوپی بالشت بھر لمبی سونے کی ہے جس میں تمام جواہرات جڑے ہوئے ہیں اور جس کی قیمت بیس پچیس ہزار روپے اندازہ کی جاتی ہے اسی طرح انواع و اقسام کے زیورات ہیں - بیڑ کے متصل نارائن گڈھ ایک مقام ہے وہاں بہت بڑا معبد ہنود کا ہے وہاں کے گرد کو کسی نے مارڈالا تھا میں اُس سٹیٹ کی ضبطی کو گیا تھا وہاں بھی میں نے دیکھا روپیہ پیسہ اشرفیاں زیورات برتن بھانڈے گھوڑے - بیل - گائے - کسی چیز کا شمار نہ تھا - جب اس زمانے میں یہ حالت ہے کہ لاکھوں روپیوں کی دولت دیولوں میں موجود ہے تو اُس زمانے میں جب کہ خود ہندوؤں کی سلطنت تھی اور تمول اور اعتقاد دونوں زیادہ تھے تو کروڑوں کی دولت جمع ہونا کیا عجب ہے - ۱۲ -

قطعۂ تاریخ نوشتہ جناب مولوی سید عبدالخالق صاحب (احسن) رائے بریلوی صدر مدرس فارسی مدرسۂ فوقانیہ چادرگھاٹ بلدہ حیدرآباد دکن

قرنہا شد کافتابِ سطوتِ بیجانگر
بود تاباں برفرازِ آسماں باکر و فر

سار سانے در دکن بر ساحلِ تنگ بھدرا (شہر آباداں ۱۲)
رُوکش گلزارِ ارم بودر شکِ کاشمر

داد فرمایاں کہ بارایاں ملقب بودہ اند
زیب بخشِ تاجِ شاہی زینتِ اورنگِ زر

محو شد از صفحۂ ہستی نشان و نام شاں
بلدۂ بیجانگر شد یک قلم زیر و زبر

جا بجا کاخ و منازل بود و ہم اصنام و دیر
جا بجا سنگی ستون مانندِ ہرماں در نظر

با زبانِ حال چوں تصویرِ حیرت در مقال
ماچرائے جاہ و عظمت تخت گاہ و تاجور

چند ہُو ہُو می کند بر ہر مکانِ بے مکیں
فاختہ کُو کُو کند بہرِ مکیں بر ہر شجر

خامشی بر شہرِ خاموشاں مسلط آنچناں
مُہرِ خاموشی نشکند تا نہ گرید ابرِ تر

در سلف بیجانگر جانِ جہاں لاریب بود
حالیا بیجانگر را پیکرِ بے جاں نگر

الغرض تاریخِ آں ویرانۂ عبرت نشاں
مولوی حضرت بشیر الدین احمد خوش سیر

کرد تالیف آں چناں کاں گشت مطبوعِ عوام
وز مضامینش شدہ مسرور ہر فردِ بشر

بہرِ سالِ طبع۔ احسن گفت نادر مصرعۂ
نامۂ رایانِ کہف السلطنت۔ بیجانگر

۱۳ ۲۹

تاریخ نوشتہ مولوی محمد کمال الدین صاحب تحصیلدار گنگاوتی ضلع رایچور

ذی علم و فضل لائق و فائق بشیر دیں
اظہار کرد ماضیہ اسرارِ سر نوشت

تاریخ شد مرتب دگر دید سالِ او
از نیک و بد وقائعِ بیجانگر نوشت

۱۳ ۲۹

سالِ اطباعِ تاریخ بیجانگر از لطیف احمد

۱۹۱۱ء

خہے عہدہ دارِ دیارِ دکن	زہے حاکمِ فوجداری و مال
سزاوارِ صد داد و صد آفریں	جناب بشیر احمد خوش مقال
ہیں باپ اُن کے وہ مولوی دہلوی	جو[1] رکھتے ہیں ڈگری دو لام و ال
یکے از مشاہیرِ ہندوستان	ڈی-او-ایل نذیر احمدِ پُرکمال
لکھے اُس نے وہ واقعاتِ غریب	جسے کہیے اعجاز و سحرِ حلال
یہ وہ بھولی بسری ہوئی بات ہے	کہ جس کا نہ تھا کچھ گمان و خیال
یہ ہے کوئی قصہ کہانی نہیں	کہ رایانِ بیجانگر کا ہے حال
صحیح از صحیح اِس میں ہیں واقعات	نہ کچھ چوک اِس میں نہ کچھ بھول بھال
کچھ افراط و تفریط اِس میں نہیں	نہیں اس میں گنجایشِ قیل و قال
اگر واقعی پوچھیے تو یہ ہے	عدیم العدیل و فقید المثال
ہوئی چھپ کے طیار جب یہ کتاب	ہوا سال کا اِس کے ہم سے سوال
ہم اِس سوجھ کے صدقے گوا لطیف	نئی کچھ روش ہے نئی کچھ نہ چال
اگر حرف کو لفظ کیجے شمار	تو- تاریخ بیجانگر خود ہے سال

۱۹۱۱ء

[1] قطعۂ تاریخ نوشتۂ جناب مولوی حکیم لطیف احمد صاحب رئیس تھلی ضلع سارن ۱۲

[2] یعنی-ایل-ایل-ڈی-۱۲

زبر بینات

حرف مادہ	ت	ا	ر	ی	خ	ب	ی	ج	ا	ن	گ	ر	۱۹۱۱
حرف ملفوظی	تا	الف	را	یا	خا	با	یا	جیم	الف	نون	گاف	را	
اعداد	۴۰۱	۱۱۱	۲۰۱	۱۱	۶۰۱	۳	۱۱	۵۳	۱۱۱	۱۰۶	۱۰۱	۲۰۱	=

(پانچوان ضمیمہ)

(شجرۂ خاندانِ اوّل بیجانگر)

متعلق بہ صفحہ (۴۴)

سنگم

مدیپا — مارپا — بکّا اول (زوجہ گوری یا گورمبیکا) — گمپا سنگم — ہریہر یا ہریپا اوّل

ہریہر دوم (زوجہ مالمبیکا)

بکّا دوم — دیورایا اول (زوجہ بیمبیکا)

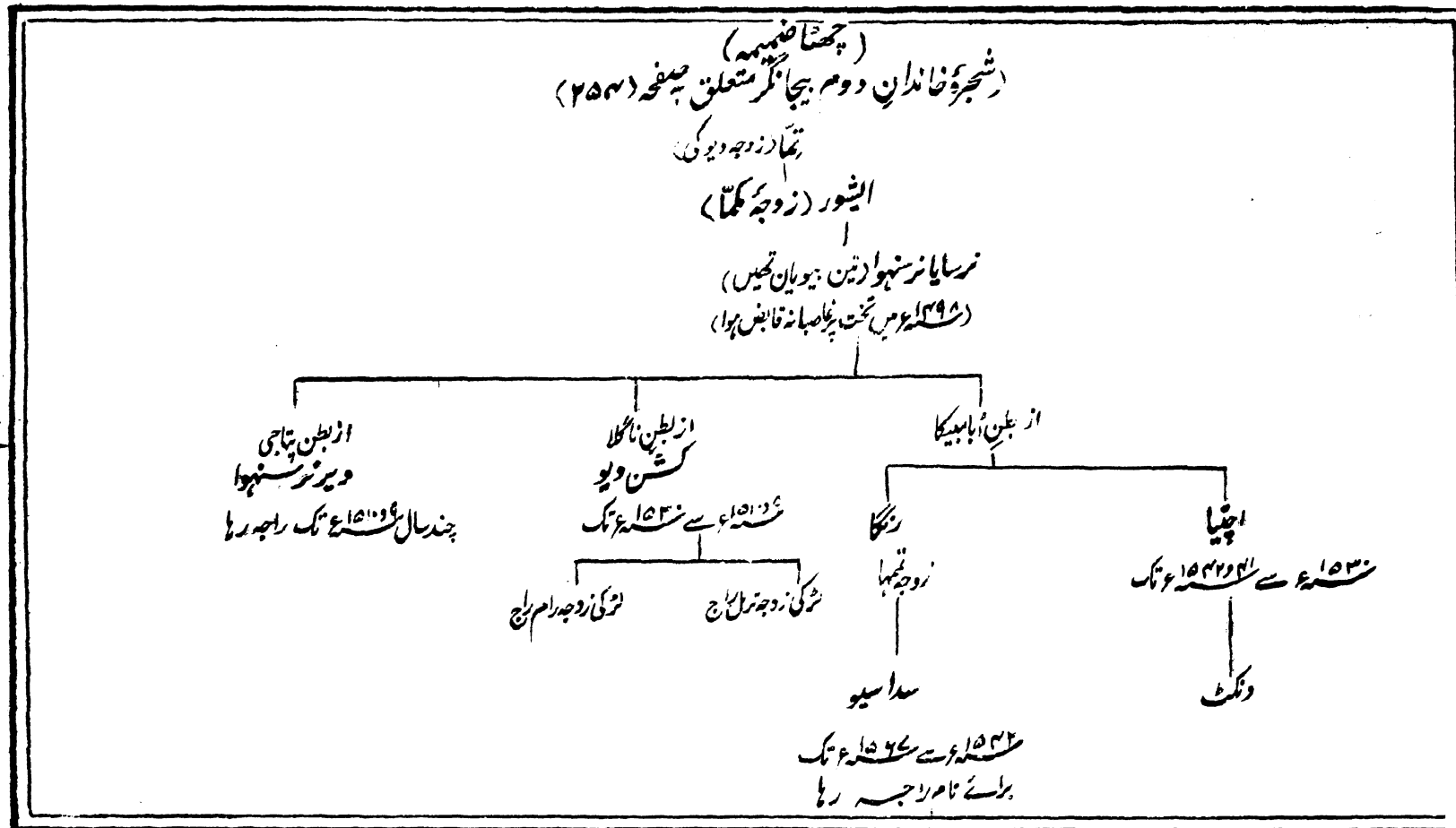
دیورایا دوم (زوجہ نارانمبیکا)

ویرپاکش اول — ملکارجن — دیورایا دوم — ویرنرسنگھ یورایا

یہ شجرہ اپیگرافیکا انڈیکا جلد سوم صفحہ (۳۶) سے نقل کیا گیا ہے

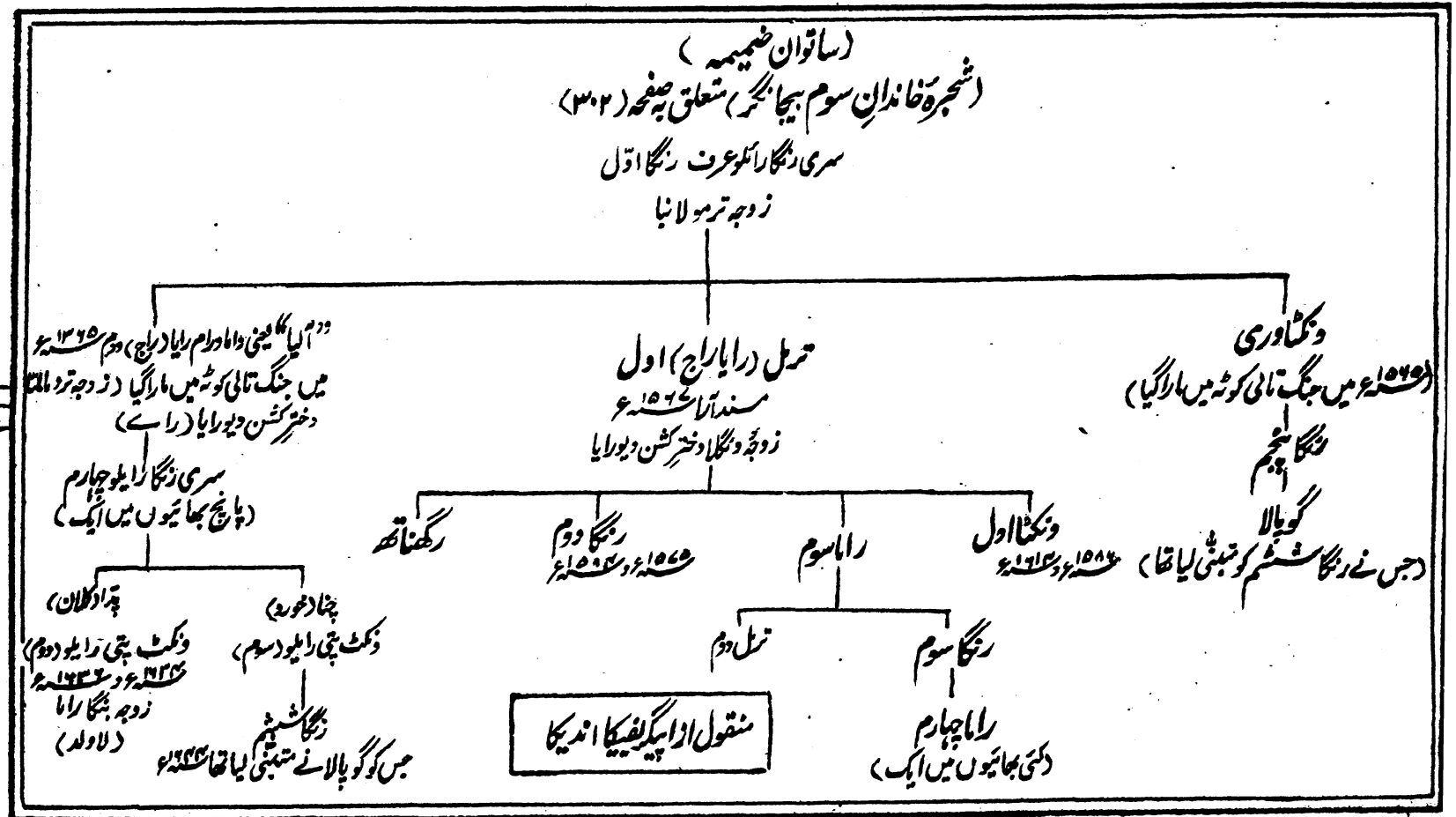
(چھٹا ضمیمہ)

(شجرۂ خاندانِ دوم بیجانگر متعلق بہ صفحہ (۲۵۴))



(ساتواں ضمیمہ)

(شجرۂ خاندانِ سوم بیجانگر) متعلق بہ صفحہ (۳۰۲)



(یہ شجرہ راجہ صاحب حال کا دیا ہوا ہی)

چنا ونکٹ پتی رایلو (سوم)

رنگا ششم
گوپالا کا متبنّی

ترمل

ویرونکٹ پتی رایلو
چندرگیری اور دوسرے مقامات کرناٹک میں حکمران تھا
اس نے ۱۶۳۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک قطعہ زمین کا
مدراس کے قریب دیا تھا جہاں اب قلعہ سینٹ جارج واقع ہی
رام دیورایا عرف رنگا
سری رنگا رایلو
ونکٹ پتی رایلو عرف ونکٹا

ترمل رایلو
گوپالا
دیرا ونکٹ
(چناداس کا متبنی)
راما

رامارایلو
رامارایلو
چنارایلو
وٹگنا
(لاولد)
چناداس رایلو
پدا داس
(لاولد)
ویرا ونکٹ پتی رایلو
پسر گوپالا جسے چناداس نے متبنّی لیا تھا
راما
(لاولد)

ترملا پسر دیو راجہ پہلا گورنمنٹی پنشن خوار
وفات ۱۸۲۴ء
مساۃ چلمّا

ویرا ونکٹ پتی راج (پنشنر دوم)
۱۸۲۴ء تا ۱۸۳۱ء کو فوت ہوا
نرسنہوا راج
مساۃ کیشوتا
پدا پمپا پتی راج
رنگا پتی راج
(اس کے دو بیٹے تھے مگر لاولد)
چنا پمپا پتی راج
کمار راگھوا راج
ترملا (لاولد)

ترمل دیورایلو (پنشن خوار سوم)
۱۸۳۱ء تا ۱۸۶۶ء
مساۃ لکشمی دیوی
پدانرسنہوا راج (پنشن خوار ششم)
۱۸۷۲ء تا ۱۸۸۳ء
پمپا پتی راج
جن کو رانی کپتا نے ۱۸۸۰ء میں بمنظوری
سرکار عالی نظام متبنّی لیا تھا راجہ کا پورا نام
یہ ہی (سری منت سری رنگا دیو رایلو راجہ
سمستان وناگندی)
کپتا
جن کی شادی کرشنا
سے جو بڑی شاخ کا ہی
اور پنشن خوار پنجم تھا
ہوئی تھی
کوندرام راج
سداسیو
کمار راگھو

ونکٹ راما رایلو پنشن خوار چہارم
۱۸۶۶ء تا ۱۸۷۱ء
کرشنا دیورایلو (لاولد)
پنشن خوار پنجم وفات ۱۸۷۲ء
کرشنا صغر سنی
میں فوت ہوا
دختر
زوجگان
مساۃ کپتا
مساۃ راجما

جنھوں نے سری رنگا دیو رایلو راجہ حال کو متبنّی لیا ہی

(آٹھواں ضمیمہ)

فہرستِ مدتِ سلطنت راجگانِ بیجانگر

خاندانِ اوّل

		از	تا
ہربہر اول		۱۳۳۶ء	۱۳۴۳ء
بکّا اول		۱۳۴۳ء	۱۳۷۹ء
کمپا سنگم		۱۳۴۳ء	۱۳۵۵ء
	برنبائے بعض کتبات		مئی ۱۳۵۶ء میں حکمران تھا
ہربہر دوم		۱۳۷۹ء تا آخر	۱۳۹۹ء
بکّا دوم		از آخر ۱۳۹۹ء	نومبر ۱۴۰۶ء
دیورایا اول		نومبر ۱۴۰۶ء	۱۴۱۲-۱۳ء
ویروجایا		۱۴۱۲-۱۳ء	۱۴۱۹ء
دیورایا دوم		۱۴۱۹ء	۱۴۴۴ء (؟)
..... (؟)		۱۴۴۴ء	۱۴۴۹ء
ملکارجن		۱۴۵۲-۵۴ء	۱۴۶۵-۶۴ء
راجہ سیکھرا		۱۴۶۸ء	۱۴۶۹ء
ویرپاکش اول		۱۴۷۰ء	۱۴۷۱ء
پرودھا دیورایا (ج)		۱۴۷۶ء (؟)	۱۴۷۷ء (؟)
راجہ سیکھرا		۱۴۷۹ء	۱۴۸۰ء
ویرپاکش دوم		۱۴۸۳ء	۱۴۸۴ء
راجہ سیکھرا		۱۴۸۶ء	۱۴۸۷ء

ان فرمانروا کے نام جن کے سال لکھے گئے ہیں مختلف کتبوں پر

خاندانِ دوم

	از	تا
نرسنہوا	۱۴۹۰ء	(؟) (؟)
نرسایا ویر نرسنہوا	(؟)	۱۵۰۹ء
کشن دیورایا	۱۵۰۹ء	۱۵۳۰ء
اچُتیا	۱۵۳۰ء	۱۵۴۲ء
سداسیو (جو مدۃ العمر مقید رہا)	۱۵۴۲ء	۱۵۶۷ء

خاندانِ سوم

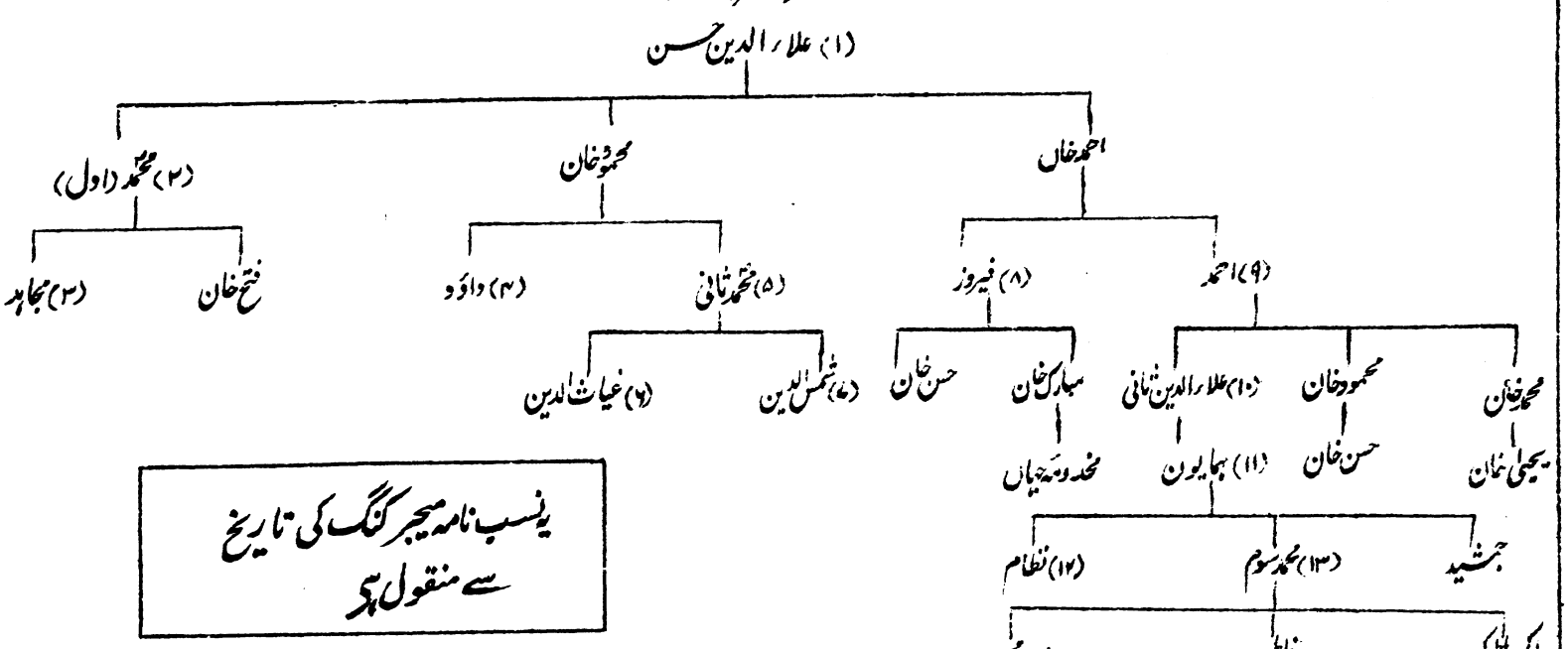
راما (بحالتِ وزارت حکمراں رہا)	۱۵۴۲ء	۱۵۶۵ء
ترمل (ایضاً)	۱۵۶۵ء	۱۵۶۷ء
(ایضاً) (حقیقی راجہ)	۱۵۶۷ء	۱۵۷۵ء
رنگا دوم	۱۵۷۵ء	۱۵۸۶ء
وینکٹ اول	۱۵۸۶ء	۱۶۱۴ء

باقی سلسلہ سولھویں باب میں درج ہے

(نوان ضمیمہ)

شجرۂ خاندانِ بہمنیہ

(حسبِ برہانِ مآثر)

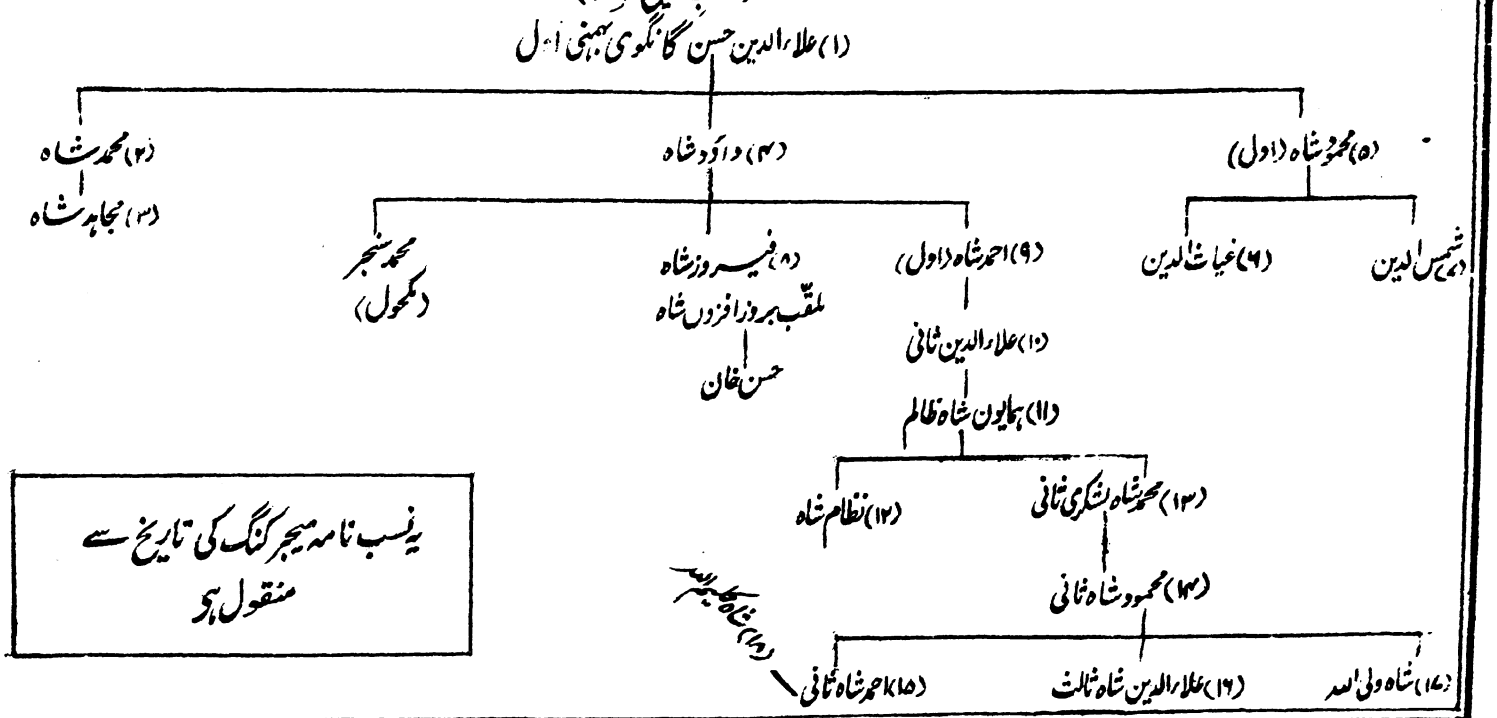


یہ نسب نامہ میجر کنگ کی تاریخ سے منقول ہے

(دسواں ضمیمہ)

شجرۂ خاندانِ بہمنیّہ

(حسبِ تاریخ فرشتہ)



یہ نسب نامہ میجر کنگ کی تاریخ سے منقول ہے

(گیارھوان ضمیمہ)

فہرستِ مدتِ سلطنتِ سلاطینِ خاندانِ بہمنیہ گلبرگہ دکن

(حسبِ تاریخ فرشتہ)

نمبر سلسلہ	نام	از	تا
۱	۲	۳	۴
۱	علاء الدین حسن گانگوی	۳ر اگست سنہ ۱۳۴۷ء	۲ر فروری سنہ ۱۳۵۸ء
۲	محمد شاہ اول	۲ر فروری سنہ ۱۳۵۸ء	۲۱ر اپریل سنہ ۱۳۷۵ء
۳	مجاہد شاہ	۲۱ر اپریل سنہ ۱۳۷۵ء	۱۶ر اپریل سنہ ۱۳۷۸ء
۴	داؤد شاہ	۱۶ر اپریل سنہ ۱۳۷۸ء	۲۱ر مئی سنہ ۱۳۷۸ء
۵	محمود شاہ اول	۲۱ر مئی سنہ ۱۳۷۸ء	۲۰ر اپریل سنہ ۱۳۹۷ء
۶	غیاث الدین	۲۰ر اپریل سنہ ۱۳۹۷ء	۱۴ر جون سنہ ۱۳۹۷ء
۷	شمس الدین	۱۴ر جون سنہ ۱۳۹۷ء	۱۵ر نومبر سنہ ۱۳۹۷ء
۸	فیروز شاہ الملقب بروز افزون شاہ	۱۵ر نومبر سنہ ۱۳۹۷ء	۲۴ر ستمبر سنہ ۱۴۲۲ء
۹	احمد شاہ اول	۲۴ر ستمبر سنہ ۱۴۲۲ء	۲۷ر فروری سنہ ۱۴۳۵ء
۱۰	علاء الدین ثانی	۲۷ر فروری سنہ ۱۴۳۵ء	۱۳ر فروری سنہ ۱۴۵۸ء
۱۱	ہمایوں شاہ ظالم	۱۳ر فروری سنہ ۱۴۵۸ء	۵ر ستمبر سنہ ۱۴۶۱ء
۱۲	نظام شاہ	۵ر ستمبر سنہ ۱۴۶۱ء	۳۰ر جولائی سنہ ۱۴۶۳ء
۱۳	محمد شاہ شکری ثانی	۳۰ر جولائی سنہ ۱۴۶۳ء	۲۱ر مارچ سنہ ۱۴۸۲ء
۱۴	محمود شاہ ثانی	۲۱ر مارچ سنہ ۱۴۸۲ء	۱۸ر دسمبر سنہ ۱۵۱۷ء
۱۵	احمد شاہ ثانی	۱۸ر دسمبر سنہ ۱۵۱۷ء	سنہ ۱۵۲۱ء (ع)
۱۶	علاء الدین شاہ ثالث	.....	سنہ ۱۵۲۱ء (ع)
۱۷	شاہ ولی اللہ	سنہ ۱۵۲۱ء (ع)	سنہ ۱۵۲۳ء (ع)
۱۸	شاہ کلیم اللہ	سنہ ۱۵۲۳ء (ع)	سال سنہ ۱۵۲۸ء قریب

یہ بادشاہ برائے نام تھے

(بارھواں ضمیمہ)
شجرۂ خاندانِ عادل شاہی بیجاپور

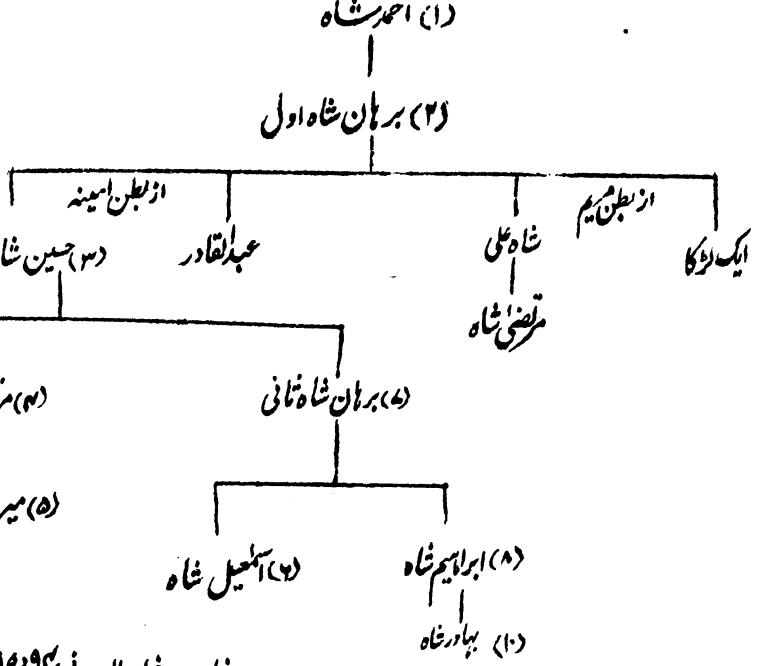
(۱) ابو المظفر یوسف عادل شاہ

- مریم عرف کریمہ سلطانہ (زوجہ برہان نظام شاہ احمد نگر)
- خدیجہ سلطانہ (زوجہ علاء الدین پسر عماد الملک برار)
- بی بی ستی عرف ملکہ جہان (زوجہ احمد شاہ بہمنی ۹۳۳ھ میں شادی ہوئی)
- (۲) اسمٰعیل عادل شاہ
  - باقی بی بی (زوجہ علی برید)
  - ہدیہ سلطان (زوجہ مرتضیٰ نظام شاہ بحری برار)
  - (۳) ملّو شاہ
  - (۴) ابراہیم عادل شاہ اول
    - طہماسپ
      - اسمٰعیل
      - (۶) ابراہیم عادل شاہ ثانی
        - (۷) محمد عادل شاہ
          - (۸) علی عادل شاہ ثانی
            - (۹) سکندر عادل شاہ
    - (۵) علی عادل شاہ اوّل

۱	یوسف عادل شاہ	از ۱۴۸۹ء	تا ۱۵۱۰ء
۲	اسمٰعیل عادل شاہ	۱۵۱۰ء	۲۷ اگست ۱۵۳۴ء
۳	ملّو عادل شاہ	۲۷ اگست ۱۵۳۴ء	فروری ۱۵۳۵ء
۴	ابراہیم عادل شاہ اول	فروری ۱۵۳۵ء	۱۵۵۷ء
۵	علی عادل شاہ اول	۱۵۵۷ء	اپریل ۱۵۸۰ء
۶	ابراہیم عادل شاہ ثانی عرف جگت گیسو	اپریل ۱۵۸۰ء	۱۶۲۷ء
۷	محمد عادل شاہ	۱۶۲۷ء	۱۶۵۶ء
۸	علی عادل شاہ ثانی	۱۶۵۶ء	۱۶۷۲ء
۹	سکندر عادل شاہ	۱۶۷۲ء	۱۶۸۶ء

(تیرھواں ضمیمہ)

شجرۂ خاندانِ نظام شاہی احمدنگر



(۹) احمد شاہ ابن شاہ طاہر نے سنہ ۱۵۹۵ء میں چند ماہ کے واسطے تخت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔

		از	تا
۱	احمد شاہ	سنہ ۱۴۹۰ء	سنہ ۱۵۰۸ء
۲	برہان شاہ اول	سنہ ۱۵۰۸ء	سنہ ۱۵۵۳ء
۳	حسین شاہ	سنہ ۱۵۵۳ء	سنہ ۱۵۶۵ء
۴	مرتضیٰ شاہ	سنہ ۱۵۶۵ء	سنہ ۱۵۸۷ء
۵	میران شاہ	سنہ ۱۵۸۷ء	سنہ ۱۵۸۸ء
۶	اسمٰعیل شاہ	سنہ ۱۵۸۸ء	سنہ ۱۵۹۰ء
۷	برہان شاہ ثانی	سنہ ۱۵۹۰ء	۱۸ اپریل سنہ ۱۵۹۵ء
۸	ابراہیم شاہ	۱۸ اپریل سنہ ۱۵۹۵ء	۲ اگست سنہ ۱۵۹۵ء
۹	احمد شاہ ابن شاہ طاہر	۲ اگست سنہ ۱۵۹۵ء	سنہ ۱۵۹۶ء
۱۰	بہادر شاہ	سنہ ۱۵۹۶ء	سنہ ۱۵۹۹ء

(چودھوان ضمیمہ)

شجرۂ خاندانِ قطب شاہی گولکنڈہ

(۱) قلی قطب شاہ

- (۳) ابراہیم شاہ
  - (۴) محمد
  - ایک لڑکا (جو باپ کی حین حیات مرگیا)
  - عبدالقادر (جس کو اُس کے باپ نے زہر دے دیا)
- حیدر (لاولد فوت ہوا)
- (۲) جمشید شاہ
  - سبحان
- قطب الدین (جس کو جمشید نے اندھا کردیا)

		از	تا
۱	قلی قطب شاہ	۱۵۱۲ء	۱۵۴۳ء
۲	جمشید شاہ	۱۵۴۳ء	۱۵۵۰ء
۳	ابراہیم شاہ	۱۵۵۰ء	۱۵۸۱ء
۴	محمد شاہ	۱۵۸۱ء	۱۶۱۱ء
۵	سلطان عبداللہ	۱۶۱۱ء	۱۶۷۲ء
۶	ابوالحسن تاناشاہ	۱۶۷۲ء	۱۶۸۸ء

غلط نامہ تاریخ بیجانگر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
دیباچہ ۳	۳	شہنشاہِ	شہنشاہ
۱۲	۴	کہ ہونا	کہ اس سے بہتر ہونا
۱۵	۴	خود	خود
اہل کتاب	۱	سرے	سرے پر
۱۰	۴	ملتی اکر	+
۱۱	۷	رایرلٹن	رابرٹسن
〃	۱۱	پاؤن	پاؤنڈ
۱۳	۲	ڈھترا	ڈھیرا
۱۴	۳	صدی	صدی
۱۵	۸	〃	〃
۱۹	۴	نکنڈہ	ہنمکنڈہ
〃	۹	مبادلے	تبادلے
۲۱	۱۳	پیرا	پپرا
〃	۱۹	〃	〃
۲۹	۲۲	قصۂ	قصہ
۳۳	۱۹	مکک	مَلِک
۳۵	۷	گردہ	کردہ
〃	۱۹	ہزار	ہزارہا
۴۱	۱۴	کردیا	کردہا
۴۲	۱۳	کے نام سے	کانام
۴۲	۱۳	رہتے تھے	رہتا تھا
۴۵	۱۳	پس پا	پس پا
〃	۱۴	(بعد	اور
۴۷	آخر	جوالی	والی
۴۸	۱۹	گیا	کیا
۵۰	۷	بے دل	پُر دل
۵۴	آخر	دھگرانی	دُھگرانی
۵۵	۱۵	〃	〃
۵۶	۱۷	نگلپا	ونگلپا
۵۹	۱	مارے	مارے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۰	۶	لاؤں	لاؤں ،،
〃	۱۳	ہماری	ہمارے
〃	۲۱	خانے	خانہ
۶۵	۱۸	جبری	جری
۶۶	۱۱	یہ	؛
۶۷	۲۱	کانام	نام کا
〃	آخر	دھاروا	دھارور
۷۲	۱۳	انتہاے	انتہائی
〃	۲۰	و	وہ
۷۳	۱۴	ٹیک	پٹک
۷۵	۱۷	وماں سندرم	وَنْ سُندرم
۷۹	۱۷	بہت مشہور	مشہور بہت
۸۴	۱۹	آئیں	آئین
۸۵	۱۰	کہ	+
۸۷	۱۴	کرتے	کرنے
۸۸	۲۰	بڑے ہونے کا حق	حق کلانیت
۱۰۱	۹	رہے	رہے
〃	۱۹	پیٹھ	پیٹ
۱۰۵	۱۲	دیول راے	دیو راے
۱۰۸	۱۲	سوہ	سور
〃	〃	کنٹری	کنڑے
۱۱۶	۱۳	خیال	خیال
〃	۲۱	دیار	دیار
۱۲۴	آخر	کدی	گدی
۱۳۰	۱۲	لدرپ	پدپ
〃	۷	اعظم کے	اعظم کے لیے
۱۳۲	۴	ہاؤس	ہوس
۱۳۳	۲۱	سمیز	سمیز
۱۳۴	۱	ہاؤس	ہوس
〃	۱۱	سپرد	سپرد

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۵	۵	ستونوں	ستونوں
۱۴۳	۱۴	گے	کے
۱۴۴	۱	اندیکا	انڈیکا
״	۵	انتا پور	انتا پور
۱۴۶	۲۱	کھاٹ	گھاٹ
۱۴۹	۱۳	فَابَقِیْطِ	فَابَقِیْطِ
״	۱۴	الاحسانِ	الاحسان
۱۵۳	۱	بادشاہ	راجہ
״	۳	״	״
۱۵۸	۱۸	طلبہ	طلبا
۱۵۹	۱۰	خرابی دکن تاریخ اوشد ۱۸۸۷ء	خرابی دکن تاریخ اوشد ۱۸۸۷ء
״	۲۱	قطعے	قطعے
۱۶۳	۲۰	نیروی	نیزدی
۱۶۴	۱۸	فران	قران
۱۶۵	۶	کردہ	کردن
۱۶۶	۱۶	کالیدش	کالبدش
۱۶۸	آخر	صوبے	صوبہ
۱۶۹	۶	کس	کسی
״	۲۲	ما	یا
۱۷۲	۵	۱۸۱ - ۹۷۳۵	۱۸۱۰۹۷۳۵
״	۱۰	Galary	Gallery
״	۲۲	برس	برص
۱۷۴	۱۱	خم	ضم
״	۱۵	داجکی	داجلی
۱۸۰	آخر	میں	+
۱۸۲	۷	ستاں	سناں
۱۹۰	۱۴	عمارت	یہ عمارت
״	۱۷	مُنار	مِنار
״	آخر	سگاٹ	سکاٹ
۱۹۵	۲۱	کروزیڈ	کروزیڈ
۱۹۷	۱۲	سپرد	سپرد
״	۱۹	ہوتا	ہوتے
۲۰۱	۱۰	حد	حد
۲۰۲	۳	وین کنڈہ	وین گنگا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰۲	۲	پس پا	پس پا
۲۰۴	۱۶	صوبے	صوبہ
״	۳	۲۰۶	۲۰۴
״	۲	۲۰۸	۲۰۶
״	۶	وٹھل	وِٹھل
۲۰۸	۱۱	اَلفِ	اَلفِ
״	۲۰	والی	والی
۲۰۹	۹	بے	+
۲۱۰	۱۷	ہراں	ہرآں
۲۱۱	۸	بناشد	بناشد
״	آخر	حدّ	حد
۲۱۲	ہندسہ صفحہ	۴۱۲	۲۱۲
״	۲	عدّ	عد
۲۱۳	۱۷	نباشد	بناشد
۲۱۴	۱۱	رزاؤ	رزرو
״	۱۴	صوبے	صوبہ
״	۲۱	جنگشن	جنکشن
۲۱۵	۶	پسِ پا	پس پا
״	۲۰	آرڈیننس	اڈیننس
۲۱۶	۳	پسِ پا	پس پا
۲۲۱	۷	صوبے دار	صوبہ دار
۲۲۳	۹	حدّ	حد
״	۱۷	یلارم	بلارم
״	۱۹	فرشمنٹ	افریشمنٹ
۲۲۴	״	Bagpipe	Bagpipe
۲۲۵	۱	سُکھ	سِکھ
۲۲۷	۷	مادشاہ	بادشاہ
״	۱۷	پسِ پا	پس پا
۲۳۲	۱۲	عماد	عادشاہ
۲۴۰	۲۲	Regnt	Regent
۲۴۲	۱۹	سپرد	سپرد
۲۴۳	۱۸	ترمل راج	ترمل راج
۲۴۴	״	کو	سے
۲۵۸	۲۲	شوراپور	شولاپور

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۶۰	۱۶	کاسمٹر	کاسٹرڈ
۲۶۱	۸	اہتم	اہم
۲۶۵	حاشیہ	۲۶۲	۲۶۶
۲۷۴	۱		
۲۷۵	۱۱	کے رومن	کے فرقہ رومن
۲۷۶	۲۱	حلے	جلے
۲۷۷	۲	سپرد	سپرد
۲۸۰	۱۵	شہر	ہمہ شہر
۲۸۴	۱۸	موقع	موقعی
۲۸۵	۹	حدّ	حد
۲۸۸	۷	سپرد	سپرد
״	۲۱	ہنڈت	پنڈت
۲۸۹	۳	مدّ	مد
״	۲۳	مُلکِ	مُلک
۲۹۲	۲۱	۱۹۷۲	۹۷۲
״	״	راجِ	راج
۲۹۷	۲	قصدہ	قصہ
״	۶	(صاف نہیں ہے)	ملبوں
״	۹	نگار پتھروں	نگار کے پتھروں
״	۱۳	تنگ	تنگ ہیں
۲۹۸	۱۰	چشم دید	چشم دید
۳۰۰	۲	بیجاپور	بیجانگر
۳۰۳	۱	راجہ حال	راجہ حال
״	۲۳	۱۵۷۳ء	۱۵۷۳ء
۳۰۴	۱۴	ھاروارڈ	دھاروارڈ
۳۰۵	۱۴	چیسیں ست آمیں	چنیں ست آئیں
״	״	برقہر	بہ قہر
۳۰۵	۱۶	داد او	ـــ و داد
״	۱۷	مختصی	مختفی
״	۲۴	خبر	جز
۳۰۶	۶	Valla	Valle
۳۰۶	۶	لبن	لِبْن
״	۱۱	جگارائے	چکارائے
״	۱۹	جگارایا	چکارایا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۰۷	۲۱	گئی	گئی
۳۰۸	۱۰	جگارایا	چکارایا
״	۱۳	لوازمہ	لوازمۂ
۳۰۹	۴	مُبانی	مبانی
״	۱۹	پہ	پر
۳۱۱	۲۰	بھی	+
۳۱۲	۱۴	اُس کے تھامے	تھارے ساتھ
۳۱۳	۵		وہ
״	۶	ناصاف	شکی اور کئی رئیس
״	۱۶	تھے	پر تھے
״	۱۹	۱۶۱۲ء	۱۶۱۴ء
״	۲۲	ناصاف	منٹو ویرپا
۳۱۶	۱۴	فرگن	فرگسن
״	۱۶	قبد	قید
״	۱۸	بیزس	پیرس
״	۳۰	ڈوس	+
۳۱۷	۱۶	۱۱۶	۳۱۶
״	۲۴	جانشینی	جانشین
۳۱۸	۱۳	میں	ہیں
״	۱۵	ید	دید
״	۱۶	پستی	بستی
۳۲۰	۱۸	سپرد	سپرد
۳۲۱	۲۲	راجہ	راجہ
۳۲۲	۱۱	گھروہ	پردہ
״	۱۹	سپرد	سپرد
۳۲۳	۳	گارڈنوں	گارڈنوں
״	۵	خود	+
״	۱۳	سپرد	سپرد
״	۱۹	اور	+
۳۲۴	۱۵	بھی	+
״	۱۹	لوپورس	لوپوسورس
۳۲۵	۲۲	انتا	انتنا
۳۳۳	۲۲	راجہ	راجہ
۳۳۴	۲۲	قلش	فلش

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۳۵	۲۲	بڑے	بڑے بڑے
۳۳۶	۹	سپرد	سپرد
۳۴۰	۵	گردہ	گردہ
۳۴۰	۱۰	معتد	معتد
〃	۱۱	کر	+
۳۴۱	۱۲	خزانہ	خزانہ
۳۴۳	۱۲	میں	میں میں
〃	۱۹	ماند	ماند
۳۴۴	۱	مڑھ	مڑھ کر
۳۴۵	۲	تینوں	ٹپوں
۳۴۷	۲	رہے	رہے۔
۳۴۸	۱۹	کائن	کاٹن
۳۴۹	۸	سفر	سفر
〃	۲۰	راجگان سے	راجگان
۳۵۱	۱۶	مشقت	مشقّت
۳۵۴	۷	اُوجے راؤ	اَبجے راو
〃	۲۱	〃	〃
〃	۲۲	〃	〃
۳۵۷	۱۴	پُونہچی	پوہنچتی
〃	۱۸	صلح	صلاح
۳۵۸	۲۱	پچھے	پچھلے
۳۵۹	۱	سوداگر صرف	سوداگر
〃	۱۵	مُبانی	مبانی
۳۶۳	۵	مُبادا	مبادا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۶۳	۲۳	کسبوں	کتبوں
۳۶۶	۸	سپرد	سپرد
〃	۲۱	راجہ	راجہ
۳۶۷	۳	اُوریا	اُوریا
〃	۴	〃	〃
〃	۲۰	〃	〃
۳۶۹	۱۲	سپرد	سپرد
۳۷۰	۱۴	صلح	صلاح
〃	۱۸	برار	بیجاپور
۳۷۱	۱۹	ساٹھ	ساتھ
۳۷۲	۳	چیتوں	چلتوں
〃	۱۹	سرپراہ کار	سرپراہ کار
۳۷۳	۸	پسِ پا	پس پا
۳۷۵	۱۷	کر یا	کر رہا
۳۸۲	۱۰	ڈہیرے	ڈیرے
۳۸۸	۹	اُدھر راجہ	اِدھر راجہ
〃	۲۰	سنہ	سُن کر
۴۰۱	۲۱	مُبادا	مَبادا
۴۰۲	۱۹	(رام نامی)	(رام نومی)
۴۰۷	۹	محصنہ	محصنہ
۴۰۹	۱۴	ہو	ہوجو
〃	۱۷	مقام	مقام کو
۴۱۰	۱۵	اچھے	کے اچھے
۴۱۵	۱۹	Favernier	Favernier

اعلان

یہ کتاب حسبِ منشائے ایکٹ (۲۵) ۱۸۶۸ء رجسٹری ہو چکی ہے

اِس لیئے بلا اجازتِ مصنّف اس کا چھاپنا یا چھپوانا ممنوع ہے۔

(اسی مصنّف کی اور کتابیں)

اقبالِ دُلہن صفحات (۳۱۰) جس میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم۔ شادی بیاہ وغیرہ کے رسوم۔ زن و شو کے تعلقاتِ باہمی۔ تعددِ ازدواج کی خرابیاں اور بصورتِ لاولدی اُس کا جواز۔ سوکنوں کا برتاؤ اور نباہ۔ ایک دلچسپ قصّے کے پیرائے میں بیان کیئے گئے ہیں۔ قیمت درجۂ اول فریعہ وی پی عہ۔ درجۂ دوم فریعۂ وی پی عہ +

حرزِ اطفال صفحات (۱۷۶) جس میں لڑکوں کے لیئے بیش بہا نصائح کے علاوہ اخلاقی تعلیم کا قابلِ قدر ذخیرہ ہے اور افعالِ قبیحہ و عاداتِ ذمیمہ کے مُضر نتائج اور اُن سے بچنے کی عمدہ تدابیر بطورِ حفظِ ماتقدم نہایت دلچسپ پیرائے میں بیان کیئے گئے ہیں قیمت عہ

نشاطِ عمر حصّہ دوم حرزِ اطفال نوجوان تحدالاکوں کے لیئے جس میں مصنّف اور مترجم دونوں کی باف ٹون تصاویر بھی ہیں قیمت بذریعۂ وی پی۔ عہ

حیاتِ قیصر صفحات (۱۲۸)۔ ملکہ مظہ کوئین وکٹوریا کی مختصر مگر دلچسپ سوانح عمری قیمت ۷ر علاوہ محصول ڈاک

(ملنے کا پتہ)

مصنف بمقام (ر ا ئے بریلی)

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیاجائے گا۔

انجمن

جامعہ ملیہ اسلامیہ

۱۔ داخلہ کے لئے ۳۱ مارچ تک درخواست دینا ضروری ہے۔

۲۔ [illegible]

۳۔ [illegible]

۴۔ [illegible]

۵۔ [illegible]

۶۔ [illegible]

۷۔ [illegible]

۸۔ [illegible]

۹۔ [illegible]

۱۰۔ [illegible]

۱۱۔ [illegible]

۱۲۔ [illegible]

۱۳۔ [illegible]

۱۴۔ [illegible]

۱۵۔ [illegible]